سمجھا نہیں ہنوز میرا عشق بے ثبات
تو کائناتِ حُسن ہے یا حُسنِ کائنات

محسن کائنات

اسلام و جدید مسائل

(اضافہ و نظر ثانی شدہ، نادر دستاویزات کے عکس و رنگین تصاویر سے مزیّن)

ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

ڈاکٹر ایم محی الدین قاضی

قاضی اینڈ قاضی دفاتر قانون 6۔ ٹرنر روڈ۔ لاہور فون: 7351446-7241516
سول ڈسٹری بیوٹر: پاک بک کارپوریشن ۲۱ کوئنز روڈ، لاہور 6363222

انتساب

میری انتہائے نگارش یہی ہے　　تیرے نام سے ابتداء کر رہا ہوں

اللہ تعالیٰ کے حضور سے صدیق کے لقب سے سرفرازی پانے والے۔ جامع القرآن۔ ماہر علم الحدیث وعلم الانساب بوئے مشک سے زیادہ پاکیزہ۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولادوں میں سے آٹھویں پشت سے یکجدی حضور نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن کی حیات ظاہری میں سب سے زیادہ قربت پانے والے رفیقِ غار حرا اور بعد وصال عشرہ مبشرہ میں سے سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اوّل خلیفہ راشد جن کی ولادت سے کئی ہزار سال پہلے اُن کا ذکر کتب الٰہیہ زبور، توراۃ اور انجیل میں آیا۔ جو مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے جن کا ذکر خصوصی طور پر قرآن حکیم میں آیا جو رمز شناس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے جن کے رگ وریشہ میں حضور نبی اکرمؐ کی محبت موجزن تھی جن سے روحانیت کے سلسلہ کا آغاز ہوا اُن کی کی نسل میں سے ملک محمد مصطفیٰ شہید (مزار اقدس بمقام بہدیسوا۔ لکھنؤ۔ یو۔ پی۔ انڈیا) ایک ہزار سال قبل حجاز مقدس سے بغرض جہاد بدخشان (افغانستان) تشریف لاکر غزنوی لشکر مجاہدین میں شامل ہوئے اور زیر کمان سید سالار اعظم مسعود غازی علیہؒ (حقیقی بھانجہ سلطان محمود غزنوی) دوران اسلامی جہاد بمقام بہدیسوا ضلع لکھنؤ جام شہادت نوش فرمائی۔ مؤلف کتاب ہذا کو اُن کی اُولاد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ نیز راہ سلوک کے راہبر پیر طریقت رائے عبدالعزیز (حال مزار بمقام رائے پور۔ بھارت) اور جناب میاں عبدالرشید قلندر شہید پانی پتی (حال مزار سرگودہا۔ پاکستان) جن کی نظر کرم اس ناچیز راقم الحروف پر رہی ان تمام بزرگ ہستیوں کے نام اس کتاب کو منسوب کرتا ہوں۔

ے گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

مؤلف و مصنف قاضی محمدؐ محی الدین

تعارف مصنف

ڈاکٹر محمد محی الدین قاضی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان 1939ء میں بمقام لکھنؤ۔(یو۔پی۔انڈیا) تولد ہوئے موصوف کے جدّ امجد محمد مصطفیٰ شہید ایک ہزار سال قبل سعودی عرب سے ہجرت کر کے بدخشاں (افغانستان) تشریف لائے۔ جہاں سلطان محمود غزنوی کے لشکر مجاہدین میں شامل ہوئے اور بطور کمانڈر زیر سرکردگی سید سالار اعظم مسعود غازی علیہ رحمۃ (حقیقی بھانجہ سلطان محمود غزنوی) 1030ء میں دوران معرکہ جہاد بمقام موضع بہدیسوا ضلع لکھنؤ شہید ہوئے۔ وہاں دیگر شہداء کے ہمراہ آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ مفتوحہ علاقوں کی جاگیران کے خاندان کی میراث قرار پائی۔ وہاں اُن کی اَولادوں نے متعدد مواضعات آباد کئے۔ان کی منجملہ اولاد میں سے قاضی امداد علی نے بعہدِ جلال الدین محمد اکبر شہنشاہ ہند کے شاہی فرمان کے ذریعہ عہدۂ قضاء پر سرفرازی پائی اور اس مناسبت سے ان کا خاندان بخطابِ "قاضی" مشہور ہوا (بحوالہ ردینو ریکارڈ دفتر کلکٹر / ڈپٹی کمشنر لکھنؤ مطابق فرد انتخاب واجب الارض موضع بہدیسوا۔ پرگنہ نگوہاں۔ تحصیل موہن لال گنج۔ ضلع لکھنؤ مشمولہ جلد بندوبست سال 1862ء۔ درباب تاریخ)

قاضی محی الدین سال 1949ء میں اپنے والدین کے ہمراہ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے اور اوّل سکونت بمقام سرگودہا (پنجاب) اختیار کی۔ جہاں انہوں نے گورنمنٹ کالج سرگودہا سے بی۔اے کی ڈگری سال 1959ء میں حاصل کی اور 1961ء میں پنجاب

یونیورسٹی لاء کالج سے قانون کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد سرگودہا سے وکالت کا آغاز کیا۔ 1964ء میں ایڈووکیٹ ہائیکورٹ مغربی پاکستان مقرر ہوئے اور 1981ء میں میونسپل اینڈ میٹروپولیٹن گورنمنٹ کے موضوع پر تحقیقی مضمون مرتب کیا جس پر کولمبیا پسیفک یونیورسٹی (کیلیفورنیا امریکہ) سے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی اور 1993 میں سپریم کورٹ آف پاکستان کے ایڈووکیٹ مقرر ہوئے۔ بلدیاتی قوانین پر متعدد کتب تحریر کیں جو ملک کے بلدیاتی اداروں، عدالتوں اور وکلاء کے لیے راہنمائی کا موجب بنیں۔ جس سے موصوف کو تمام ملک میں شہرت حاصل ہوئی۔ اسلام اور دیگر موضوعات پر ان کے مضامین قومی جرائد اور مشہور اخبارات میں شائع ہوئے اور کئی کتب شائع ہو چکی ہیں۔ مصنف طویل عرصے سے سرکاری و نیم سرکاری، بلدیاتی اور تعلیمی اداروں کے لیے مشاورت کے فرائض انجام دیتے چلے آ رہے ہیں۔

مصنف نے حصول علم اور علمی و تحقیقی کام کے سلسلہ میں جن ممالک کا دورہ کیا ان میں امریکہ۔ برطانیہ۔ فرانس۔ مغربی جرمنی۔ کینیڈا۔ عراق۔ سعودی عرب اور انڈیا شامل ہیں۔ انہیں بلدیاتی اور تعلیمی اداروں کی خدمات کے سلسلہ میں متعدد قومی اور بین الاقوامی اعزازات سے نوازا گیا۔ مصنف کے حالات زندگی اور حالات انٹرنیشنل بائیوگرافی امریکہ اکیسویں صدی کے Who is Who انگلینڈ کے اوراق کی زینت ہیں۔ اب مستقل سکونت لاہور (پاکستان) میں ہے اور ملک کے نامور جیورسٹ و اسکالر کی حیثیت سے مشہور ہیں۔

پرنٹر پبلشر

پیش لفظ

اسلامی فلسفہ حیات کے لئے مغربی جمہوریت اور سامراجی اقتصادی نظام کبھی خطرہ کا باعث نہیں بنے۔ لیکن بیسویں صدی میں اشتراکیت اور صہیونیت کی خفیہ سازشوں اور ہوس اقتدار کے لئے مسلم ریاستوں کے ارباب اقتدار حضرات کا ان کے لئے آلہ کار بننے کی وجہ سے اُمتِ مسلمہ کی شیرازہ بندی میں رکاوٹ کا سامنا درپیش رہا جس کا مقابلہ اسلام کی حقیقی روح کے مطابق اسلامی نظام سیاست و معاشرت کے نفاذ سے ہی کیا جاسکتا ہے جس سے مسلم ریاستیں پھر ایک تسبیح کے دانوں کی طرح اتحاد بین المسلمین کی عالمگیر مالا میں پیوست ہوکر تمام بنی نوع کے لئے یونیورسل اسلامک کلچر کے فروغ کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔

زیرنظر کتاب کا اصل مقصد حضور رسالت مآب ﷺ کی حیات طیبہ سے راہنمائی حاصل کر کے اتحاد بین المسلمین کے ذریعہ مکمل اسلامی ضابطہ حیات پر عمل پیرا ہونا ہے۔ اس کتاب میں اسلام اور دیگر مذاہب کا تقابلی جائزہ اور میرے چند تحقیقی مقالہ جات سے اسلام کی مسلمہ دائمی اور عالمگیر حیثیت کو اُجاگر کرنا مقصود ہے کہ اسلام نہ صرف پندرہ سو سال پہلے قابل عمل رہا بلکہ اکیسویں صدی میں بھی دُنیا کے کسی خطہ میں اس پر عمل کیا جاسکتا ہے بلکہ اسلامی ضابطہ حیات ابدی ہے۔

اس کتاب میں میرے سوالات اور جیّد علماء کرام کے جوابات پر مشتمل حصّہ "حرف آخر" کے عنوان سے شامل کیا جارہا ہے جو میرے دُور طالبعلمی کی ۱۹۶۱ء کی تالیف کردہ کتاب "اسلام بیسویں صدی میں" شامل تھا جسے روزنامہ کوہستان کے چیف ایڈیٹر و معروف ناول نگار جناب نسیم حجازی نے اپنے اخبار میں تبصرہ کرتے ہوئے سال کی بہترین کتاب قرار دیا

تھا۔ مجھے یہ شرف اور اعزاز حاصل ہے کہ وہ موضوعات جن پر ابھی علماء کرام نے قلم نہ اُٹھایا تھا ان کے جواب مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اپنی رہائش گاہ (اچھرہ لاہور) پر مختلف نشستوں میں بنفسِ نفیس تحریر کرائے اور ناظم دارلعلوم معینیہ درگاہ اجمیر (انڈیا) کے مفکر عالم دین مولانا محمد تقی امینی نے اُن کے جوابات مجھے تحریری ارسال کئے تھے۔ مولانا سیّد ابواعلیٰ مودودی کے جوابات جماعت اسلامی کے مشہور جریدہ ترجمان القرآن میں شائع ہوئے۔ علاوہ ازیں میری مذکورہ کتاب میں شائع شدہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم وزیر تعلیم انڈیا کا غیر مطبوعہ خط جس میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے تعریفی کلمات تحریر تھے کو اس وقت کے ہفتہ وار جرائد چٹان (مدیر جناب شورش کشمیری) شہاب (مدیر مولانا کوثر نیازی) اقدام۔ (مدیر م۔ش) اور ایشیاء (مدیر نصر اللہ خاں عزیز) نے موضوع بحث بنایا مسئلہ مہدی پر وہ خط اور ان سوال و جواب کی آج بھی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی کہ چالیس سال قبل تھی اس لئے اس کتاب میں ان کی دوبارہ طباعت کا مقصد پیچیدہ دینی مسائل کا حل جاننے کے لئے جید علماء کی آراء کی روشنی میں استفادہ کرنا ہے تا کہ آج بھی اُن سے راہنمائی حاصل کی جاسکے۔ کتاب ہذا میں عالم اسلام کے خلاف صہیونی خفیہ چارٹر پروٹوکولز 1 تا 24 کا مکمل متن بھی شامل کیا گیا ہے۔

جن اہل علم وفکر کی تحریروں سے موضوع کے اعتبار سے اقتباسات شامل کیے گئے ہیں وہ تمام مغربی مستشرقین و آئمہ فکر ونظر بھی دین اسلام اور اُسوۂ حسنہؐ کے رطب اللسان ہیں اُن کے علم وافکار سے جدید تعلیم یافتہ ذہن جو مغربی افکار سے متاثر اور ماڈرن تہذیب اور تمدن کے شیدائی ہیں اُن کی رہنمائی مقصود ہے۔ میں نے اہل علم وفکر اور جید علماء کرام کے مہیا کردہ عظیم دینی اور علمی خزانہ سے خوشہ چینی کر کے ایک گلدستہ تیار کیا ہے۔ کتاب ہذا کے سابقہ مسودے پر نظر ثانی کر کے اُس کے مختلف موضوعات میں مزید اضافہ کے علاوہ رنگین تصاویر سے

مزین کر کے ایڈیشن ہذا پیش خدمت ہے۔ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ 2003ء

راقم الحروف

ڈاکٹر ایم۔ محی الدین قاضی

تصوّرِ وحدانیّت وشانِ ربوبیّت

اللہ تعالیٰ کے ان الفاظ "کُنْ فَیَکُوْن" اور حکمِ الٰہی کی رو سے پوری کائنات معرضِ وجود میں آئی۔ اجرامِ فلکی ابتدائے آفرینش سے اسی طرح نہ تھے۔ کرّۂ ارض یا ارض وسماء ومافیہا میں تمام جاندار متحرّک، جامد، نباتات وجمادات اور حشرات الارض وغیرہ کی تخلیق کرنے والی ذات "رَبّ" ہے جو اُنکی تخلیق کرنے کے بعد پرورش کرنے والا اور درجہ بدرجہ نشوونما کرنے والا اور اُن کو بلند وارفع مقام پر مختلف درجات ومراحل سے گزار کر انجام کو پہنچانے والا ہے۔ یہ اُسکی شان سے متصّف ہے کہ روح کو الوہیّت اور قلب کو ربوبیّت سے الگ الگ غذائیں پہنچ رہی ہیں۔ لیکن دہریّت پر مبنی نظریّات اور سیکولر ذہنی اختراع کے حامل افراد نے خالقِ کائنات اور اس کے "رَبُّ الْعَالَمِیْن" ہونے کا یکسر انکار کیا۔ ان کے نظریّات کے مطابق یہ دنیا ومافیہا از خود وجود میں آگئے اور اس کائنات کا "خدا" خود انسان ہے۔ چارلس ڈارون انسان کو حیوانِ مطلق قرار دیتا ہے جو ترقی کر کے انسان بن گیا جبکہ الفریڈ رَسل نے اپنی تحقیقی کتاب (Scientific Development In Modern Spiritualism) سے خدا کے وجود سے منکر اور لادین معاشرہ کو نئی سوچ مہیّا کی۔ اگر کوئی ذی شعور اپنے ذہن کو مذکورہ پراگندہ ذہنیّت سے پاک وآزاد کر کے غور وفکر کرے تو خالقِ کائنات یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنا مشکل نہیں۔ گو اللہ کے وجود کو مادی طور پر ثابت کرنا

ممکن نہیں ہے لیکن مظاہر اور ان کے اثرات سے بہت حد تک ممکن ہے ___ کیا کسی نے بجلی کو دیکھا ہے؟ جس طرح بجلی نظر نہیں آتی لیکن ہم پنکھا چلتے دیکھ کر یا روشن بلب سے اندازہ لگاتے ہیں کہ اس کی پشت پر کوئی قوت کارفرما ہے۔ اسی طرح کیا مٹھاس، مٹھائی سے علیحدہ یا اس سے باہر کوئی وجود رکھتی ہے؟ کیا خوشبو کی پھولوں اور عطر سے باہر کوئی حیثیت ہے؟ یقیناً ہرگز نہیں!

اللہ تعالیٰ کا گنجینۂ حُسن مخفی تھا اس نے چاہا کہ پہچانا جائے اس لیے کائنات اس کی صفات کا اظہار تھا۔ بہت خوب اظہار۔ حُسنِ مطلق نے جذبۂ اظہار کے تحت یہ کائنات تخلیق فرمائی جو حسین، پُر از حکمت، بامقصد اور منفعت بخش ہے کیونکہ حکمت و مقصدیّت اور افادیّت حسن کے خواص ہیں۔ یہاں کی ہر شے حسین تھی۔ ہر شے منفعت بخش تھی۔ یہاں کے ہر کام میں حکمت تھی۔ ہر کام کا مقصد تھا۔ کائنات اپنی تمام تر رنگینیوں، لطافتوں اور حکمت کے ساتھ موجود تھی مگر کوئی اس سے فیضیاب ہونے والا نہ تھا۔ کوئی اس کی حکمتوں کو سمجھنے والا نہ تھا۔ کوئی یہاں کی اشیاء کو تصرف میں لانے والا نہ تھا۔ کوئی اس کے مقصد کی تکمیل میں خالق کی منشاء کو بروئے کار لانے والا نہ تھا۔ خالق کائنات کی منشاء تھی کہ کوئی اس کی تخلیق کو سمجھے، اس سے استفادہ کرے اور اس کی ستائش کرے۔ اس میں غوّاصی کر کے خلق کے لیے کام میں لائے تاکہ ان کی تخلیق کی سمجھ اس کے خالق حقیقی تک رسائی کا موجب بنے اور وہ خالقِ کائنات کا راز دان ہو جائے۔

آدم علیہ السّلام کی پیدائش سے ویرانۂ کائینات میں بہار آ گئی کیونکہ حسن مطلق کو پہنچاننے والا آ موجود ہوا تھا۔ آدم علیہ السّلام کے بعد نوح علیہ السّلام، ابراہیم علیہ السّلام، عیسٰی علیہ السّلام تشریف لائے اور پھر وہ آیا جو مقصودِ کائنات تھا۔ جس کا تصوّر تخلیقِ کائنات

سے پہلے اس کے خالق کے ذہن میں تھا۔ ہاں! وہ آیا اور اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ آیا۔ رسالت، نیابت اور معرفت بھی اس پر ختم ہوئی کیونکہ اس نے رسالت نیابت اور معرفت کا اصل حق ادا کر دیا۔ ایک حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو یہ افلاک (کائنات) معرض وجود میں نہ آتے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات و جودِ مظاہرِ کائنات سے اَظْہَرُ مِنَ الشَّمس ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نور سے تمام موجودات کی نمود ہے۔ آسمان و زمین حتیٰ کہ کُل عالم میں جو مخلوقات موجود ہے یا اُن سے ماوراء کائنات میں نفوسِ قدسیہ جیسے "جملۃ العرش" وہ تمام رونق اللہ کے نور اور حُسن کی وجہ سے ہے۔ نور نہ ہو تو سب ویران ہو جائیں (حوالہ موضح القرآن) سب مخلوق کو نورِ وجود اُسی سے ملا ہے۔ چاند، سورج، ستارے، فرشتے، انبیاء اور اولیاء میں جو ظاہری و باطنی روشنی ہے اُسی منبعِ النُّور سے مستفاد ہے۔ حُسن و جمال یا خوبی و کمال کی کوئی رمق اگر کہیں نظر آتی ہے تو وہ اُسی کی وجہ سے منوّر اور ذاتِ مبارکہ کے نور کا ایک پرتو ہے۔

القرآن: "اللہ تعالیٰ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ نور کی مثال اُس روشنی جیسی ہے کہ ایک طاق میں رکھا ہوا چراغ جو صاف و شفاف فانوس (قندیل) میں ایک چمکدار ستارے کی مانند ہے۔ برکت والے درخت زیتون کا تیل اس چراغ میں جلتا ہے جو کسی سمت و جہت سے مبرّا ہے۔ تیل بھی اس قدر صاف و سلگنے والا جو آگ دکھائے بغیر گویا از خود بھڑک اُٹھنے والا۔ جبکہ شعلہ بننے پر تو گویا نورٌ علیٰ نور ہو جائے۔ اللہ راہ دکھاتا ہے اپنے اس نور (روشنی/ہدایت) سے جس کو چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے ایسی مثالیں بیان فرماتا ہے جو ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے" (سورۃ النور ۳۵)

جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات سمیع و بصیر ہیں لیکن اُس کی مشابہت نہ دی جاسکتی ہے اُسی طرح مذکورہ بالا نور کی مثال شکل وصورت اور جہت سے مبرّا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور فعل میں مکمل اور ہر لحاظ سے جامع ہے۔ جس کو کسی شکل وشباہت میں مرکوز کرنا یا تشبیہہ دینا اللہ تعالیٰ کی شانِ معبودیت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان اور اس کے مرتبے کو عقل وعلمِ انسانی احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا۔

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ۔ لَا مِثَالَ لَہٗ (الشوریٰ 11)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی کسی چیز سے تشبیہہ نہ دی جاسکتی ہے اور وہ ذات برکات ہر قسم کی مثال سے مبرّا ہے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ مشکوٰۃ الانوار از امام غزالیؒ)

مومن کے قلب میں اللہ تعالیٰ جب نورِ ہدائیت ڈالتا ہے تو روز بروز اس کا اشراح قلب حق کے لیے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ سیرۃ ابن اسحاق کے مطابق رات کی تاریکی میں رسالتمآب ﷺ اپنے ربّ کو "اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ" کہہ کر پکارا کرتے اور اپنے کان، آنکھ، دل، ہر ہر عضو بلکہ بال بال میں اُس سے نور طلب فرماتے تھے کہ میرے نور کو بڑھا حتیٰ کہ مجھے نور ہی نور بنا دے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ عما نوالہٗ فرماتا ہے کہ

اَلْاٰدَمُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ (ستہ)

"آدم (علیہ السلام) میرا بھید ہے اور میں اس کا بھید ہوں"

ایک دیگر جگہ اسی طرح ارشاد ہوا کہ..... کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیًّا .....

" میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے اس کو ظاہر کر دیا تا کہ لوگ فائدہ اُٹھا

سکیں"

قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے کہ

"بے شک اللہ تعالیٰ جس کے سینے کو قبولِ اسلام کے لیے کھول دے تو وہ اپنے رب کی جانب سے

ایک عظیم نورِ معرفت سے فیض یاب ہوتا ہے"

قرب الٰہی ومشاہدہ نور الٰہی جدید سائنسی تحقیق کی روشنی میں:

آئن سٹائن کے بقول خدا کا نور انسانی جسم کے ہر حصہ میں رچا بسا ہوتا ہے۔ جس طرح زمین، آسمان اور اس میں تیرتے سیارں وچاندوں میں باہمی توازن قائم ہے جس کے بغیر کائنات کی بقاء ممکن نہیں اسی طرح انسانی جسم کے اندر جتنے اعضائے رئیسہ ہیں ان کے عمل کو تازیست کوئی قوت کنٹرول کرتی ہے۔ کیونکہ ان میں بھی ایک توازن اور باہمی ربط قائم ہے۔

ریڈرز ڈائجسٹ کے ماہ مارچ ۲۰۰۲ء کے شمارے میں عالمی شہرت یافتہ سائنس دان VINCE RAUS کا تحقیقی مقالہ "تلاش حق تعالیٰ THE SEARCH FOR THE DIVIN شائع ہوا۔ اس میں سکالر موصوف نے انسان کی اس کیفیت کی بابت روشنی ڈالی ہے جب وہ دوران عبادت خدا (اللہ تعالیٰ) کی یاد میں یکسو ہوتا ہے تو کس طرح اُس پر سربستہ رازہائے کائنات منکشف ہوجاتے ہیں۔ موصوف کا یہ مضمون ڈاکٹر انڈرویو نیو برگ سے اس سلسلہ میں ان کی تحقیقی کاوشوں پر باہمی تبادلہ خیال پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر انڈرویو جو نیو برگ یونیورسٹی PENNSYLVANIA میں پروفیسر ہے وہ اس معاملہ میں تحقیق کر رہا ہے کہ روح اور انسانی دماغ میں گہرا رشتہ ہے۔ پروفیسر موصوف کو SCIENCE OF NEUROTHEOLOG پر تحقیقی حوالہ سے بڑی شہرت ملی۔ ان کی دانست میں

پیغمبروں اورا ولیاء اللہ نے جس بڑی طاقت یعنی خدا (اللہ تعالیٰ) کا ذکر کیا ہے وہ دراصل حقیقت ہے۔ وہ تو یہاں تک وثوق سے کہتا ہے کہ مذکورہ حقیقت اتنی سچ ہے کہ جتنا کہ سامنے پڑا ہوا میز بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس نے قرار دیا کہ خدا کا موجود ہونا سائنسی اصولوں کے خلاف نہیں۔ پروفیسر نیوبرگ نے ڈاکٹر EUGENED AQUL کی تحقیق جو 1970ء میں شروع ہوئی تھی اس کو بنیاد بنا کر اپنا مذکورہ بالا نظریہ پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر AQULI کی تحقیق کی بنیاد ہے کہ انسانی دماغ کی اس وقت کیا کیفیت ہوتی ہے جب انسان دنیا کو بھلا کر خدا کی یاد میں محو ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر اکولی اور پروفیسر نیوبرگ ریڈیالوجسٹ کی مدد سے بدھ بھکشوؤں اور عیسائی عبادت گذار تپسیا کرنے والے جو عبادت میں یکسو ہو کر جذب کی کیفیت میں بلندیوں پر تھے، ان کی دماغی کیفیت کے ایکسرے لئے اور SCAN کے ذریعہ مغز میں خون کی گردش کا پتہ چلایا۔ اس SCANNING سے ان کی نظر دماغ کے بائیں سمت پڑی جسے ORIENTAL ASSOCIATION PARETALLOBE AREA کہا جاتا ہے۔ یہ وہ ایریا ہے جو نفسِ امّارہ (PHYSICAL SELF) اور باقی EXISTENCE کے درمیان حدّ بناتا ہے اس جگہ NEURAL انفارمیشن کا تانتا ہر وقت بندھا رہتا ہے SCAN مذکور سے یہ ثابت ہوا کہ مکمّل یکسوئی اور عالم جذب کے وقت جب انسان اللہ تعالیٰ کی یاد میں مکمّل طور پر مستغرق ہو جاتا ہے اس وقت خون کا بہاؤ نفسِ امّارہ کے خانہ میں بہت کم رہ جاتا ہے اور جونہی نفسِ امّارہ ریجن میں انفارمیشن کا فلو کم ہو جاتا ہے دنیاوی خواہشات وخیالات غائب ہو جاتے ہیں۔ سائنسدانوں کا تجزّیہ یہ ہے کہ اس وقت انسان لامحدود غیبی طاقت سے آگاہی محسوس کرتا ہے اور ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جو لامکان ہے۔ ڈاکٹر راؤس رقمطراز ہے کہ ڈاکٹر اکولی اور نیوبرگ کا تاثّر یہ ہے کہ صوفی اور درویشوں پر یہ

کیفیت اس وقت طاری ہوتی ہے جب عبادت کے دوران نفسِ امارہ کی دماغی رگوں میں خون خشک ہوجائے اور دنیاوی خیالات کا بلیک آؤٹ ہوجائے تو سپریم طاقت (خدا) کا قرب حاصل ہوجائے گا۔ گویہ استطاعت تو بہت کم انسانوں میں ہوتی ہے لیکن بعض لوگ تھوڑی عبادت اور خدا کی جانب یکسوئی اور قلبِ حضوری سے یادالٰہی کے ذریعہ دنیا میں روحانی کرشمات کا مشاہدہ کرسکتے ہیں۔ سائنسی تجربات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے مشاہدات ذاتی احساسات۔ جذباتی خیالات یا من پسند خواہشات کے ذریعہ پیدا نہیں ہوتے بلکہ انسانی دماغ کی BRAIN WIRING اس طرح کردی گئی ہے کہ جب انسان اپنی توجہ دنیاوی خواہشات سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی جانب کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس طرح ذکر فرمایا گیا

" میں تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں " (سورۃ ق :16)

..... لیکن.....

"جب تم ہم سے غافل ہوجاتے ہو تو ہم بھی تمہیں بھلا دیتے ہیں"

عارف (MYSTIC) عبادت کے دوران اس وقت تک نورالٰہی کا مشاہدہ نہیں کرسکتا جب تک وہ اپنے نفس امارہ کو کچل نہیں دیتا۔ نیوبرگ SCAN بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ صالح اور حقیقی عبادت گذار کے دماغ کو دو حقیقتوں کا تجربہ ہوتا ہے

(i) خدائی نور نفس کے فلٹر سے ہوکر ذہن (MIND) تک پہنچتا ہے۔

(ii) نفس کو نظر انداز کرکے درویش قرب الٰہی حاصل کرلیتا ہے۔

ایک مغربی نیوروسرجن کی جدید تحقیق جو (Life) میگزین میں شائع ہوئی اس کے مطابق

"نیوکلیائی خوردبین سے انسانی دماغ کے اوپر والے حصے میں اربوں باریک

دھاگہ کی مانند

اینٹینا(Antenna) دیکھے جا سکتے ہیں وہ اتنی تعداد میں ہیں کہ اگر ان کے سرے ایک دوسرے

ے سے ملا دیئے جائیں تو اتنی لمبائی بن سکتی ہے جتنا فاصلہ زمین سے سورج اور واپسی کا ہوگا"

جدید تحقیق کے مطابق انسانی دماغ کے اوپر والے حصے میں جو دھاگے کی مانند ان گنت جال (Transmitters) بُنا ہوا ہے ان کے ذریعے فلائی پیغامات موصول ہوتے ہیں اور بھیجے بھی جاتے ہیں۔ دماغ کی اس میکینزم کا تعلق روح سے ضرور ہے، روح جتنی پاکیزہ اور شفاف ہوگی یہ افلاکی سگنلز اُتنی طاقت سے آ جا سکیں گے۔ انسانی دماغ میں ہر روز پچاس بلین سیل مرتے اور پیدا ہوتے ہیں اس سیلوں کے درمیان کوئی رابطہ تو ہوگا اور شائد یہ رابطہ روح سر انجام دیتی ہو۔ یہ روح ہی ہے جس سے مردہ آنکھوں میں روشنی (ایک مردہ شخص کی آنکھ دوسرے نگاہ سے محروم شخص کی آنکھ میں لگائی جاتی ہے) جبکہ بہرے کانوں میں آواز سنائی دیتی ہے، انسان دنیا کے مناظر انکے اصل سائز اور رنگوں سے دیکھتا ہے۔ یہ روح ہی ہے جو سوتے ہوئے انسان کو دنیا اور خلاؤں کی سیر کراتی ہے۔

سائنسدانوں کی روح پر جدید تحقیق

کلام حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "اے رسول لوگ آپ سے روح کے متعلق استفسار کرتے ہیں تو فرما دیجئے کہ یہ "امرِ رَبِی" ہے۔(85:17)۔۔"بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا۔ ہم جانتے ہیں کہ روح اُس کے اندر کیا کہتی ہے اور ہم اسکی شہِ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں"(سورۃ ق16)۔۔"اور یہ لوگ آپ سے روح کو (امتحاناً) پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے

کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے" (85:17)

"(اللہ تعالیٰ ہے) جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر

اس کی نسل کو حقیر پانی کے قطرے سے بنایا۔ پھر اس کے اعضاء درست کیے اور اس میں اپنی روح

پھونکی۔ اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے (یعنی ادراکات ظاہرہ و باطنیہ دیئے)۔ تم لوگ سب

کم شکر کرتے ہو" (8-7:32)۔

امام غزالیؒ اپنی کتاب "کیمیائے سعادت" میں قلب کی ماہیّت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ دل دراصل مجسّم انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کا گھر ہے۔ دل ایک روشن آئینہ ہے جو بُرے کردار سے سیاہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تجلیّات کے مشاہدہ کے قابل نہیں رہتا اور قیامت کے دن دیدارِ الٰہی سے محروم رہے گا۔ دل اگر روشن ہو تو تمام عالم اس کے ذریعے سے دیکھتا ہے وہ محض خواب میں نہیں بلکہ بیداری میں بھی فرشتوں کی ارواح۔ زمین و آسمان کے ملکوت اور عجیب و غریب تجلیات دیکھے گا۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کی علم تصوّف پر شہرۂ آفاق کتاب "کشف المحجوب" جس کا انگریزی ترجمہ انگریز سکالر نکلسن نے کیا تھا جس پر اُسے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی اسمیں صاحبِ تصنیف روح کی نسبت اس طرح وضاحت فرماتے ہیں کہ

"جس طرح انسانی جسم ہوتا ہے اسی طرح روحانی جسم کے خدوخال ہوتے ہیں۔ انسانی اعمال جو مثبت یا منفی نوعیّت کے ہوں وہ روحانی جسم پر نشانات چھوڑ

جاتے ہیں"۔

خانوادۂ رسول ﷺ کے جید، فقیہ اور مجتہد محمد باقرؒ بن امام زین العابدینؒ بن امام حسینؓ نے روح کی حقیقت اور ماہیّت پر اس طرح روشنی ڈالی ہے کہ "روح" ہوا کی مانند متحرک ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کی صلاحیّت کی حامل ہے۔ وہ ایسی لطیف شئے ہے جس میں نہ تو کسی قسم کی گرانی یا سنگینی ہے اور نہ سبکی۔ وہ ایک باریک رقیق سی ہے جو قالبِ کثیف میں پوشیدہ ہے۔ روح باقی رہنے والی ہے کیونکہ وہ بدن سے نکلنے کے بعد فنا نہیں ہوتی۔

ڈاکٹروں اور سائنسدانوں نے روح اور انسانی جسم کے تعلق پر جو بھی اب تک تحقیق کی ہے اس سے ایک حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ روح اور جسم دو جو مختلف چیزیں ہیں۔ دنیا میں تصرف کے لیے ہر روح کو جسم کی ضرورت ہوتی ہے اس طرح روح کا بیرونی خول جسم کہلاتا ہے جو مقررہ معیاد کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔

مغربی سائنسدان بڑے عرصہ سے روح کی حقیقت تلاش کرنے میں سرگرداں ہیں۔ ماہ اگست 2003ء کے امریکہ رسالہ ڈائجسٹ میں ایک مضمون بعنوان After life scientific case for human sou شائع ہوا ہے۔ جس میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ موت کے بعد روح کو کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس موضوع پر ماہرین کے مختلف مغربی جریدوں میں مضامین اور کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ مذکورہ بالا مضمون ان جدید تحقیق پر مشتمل ہے۔ مثلاً ایک جگہ پر حقیقی واقعیہ تحریر ہے کہ سال 1991ء میں ایک خاتون Pam Reynolds کی تشخیص پر معلوم ہوا کہ اس کے دماغ کی ایک نالی پر خطرناک ابھار ہے۔ نیوروسرجن ڈاکٹر رابرٹ Spetzler جو ان قسم کے امراض کے تحقیقی ادارہ Phoenix میں اس شعبہ امراض کے ڈائریکٹر تھے، انہوں نے مذکورہ خاتون کو مشورہ دیا

کہ اگر اس نے آپریشن کرایا تو اس کا دل بند کرنا پڑے گا۔ دل کی حرکت بند کرنے سے اس کے دماغ کا فنکشن بھی رک جائیگا اس طرح وہ ایک گھنٹہ کے لیے ہر لحاظ سے مر جائیگی (Clinically dead)۔ مریضہ کی رضامندی کے بعد جب اس عارضی حالت مرگ میں ڈاکٹر مریضہ کی کھوپڑی اتارنے کے لیے سرجیکل آری سے کاٹ رہا تھا۔ تو دل و دماغ کی کارکردگی بند ہو جانے والی مریضہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ اپنے جسم سے نکل کر باہر آ گئی ہے اور اپنے مردہ جسم کے اوپر کسی اونچی جگہ سے اپنا آپریشن ہونا خود دیکھ رہی تھی۔ اگرچہ ڈاکٹر نے مریضہ کی آنکھوں اور کان بند کر رکھے تھے۔ لیکن مریضہ نہ صرف یہ کہ سب کچھ دیکھ رہی تھی بلکہ نرس اور ڈاکٹروں کے مابین تمام باتیں سن رہی تھی جبکہ ڈاکٹری آلات بتا رہے تھے کہ مریضہ کے جسم میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں رہی تھی۔ مریضہ کے ہوش میں لائے جانے پر جو اس نے محسوس کیا تھا وہ بتایا کہ وہ ایک سرنگ سے گزر رہی ہے جس کے اختتام پر آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی ہے جس میں بلا کی کشش و سکون قلب ہے۔ سرنگ کے آخر میں اس نے اپنی دادی اور بعض دوسرے رشتہ داروں کو دیکھا جو فوت ہو چکے تھے۔ مریضہ کو یوں محسوس ہوا جیسے وقت کی رفتار تھم گئی ہے پھر اس کا چچا اس مریضہ کی روح کو واپس اس کے مردہ جسم کے قریب لایا اور اشارہ کیا کہ وہ واپس اپنے جسم خالی میں داخل ہو جائے۔ رینالڈ کا بیان ہے کہ جب روح جسم میں داخل ہو رہی تھی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے یخ بستہ تالاب میں چھلانگ لگا دی ہو۔

ایک انگریز جسے بچپن سے ایسے مشاہدات ہوتے تھے اور جس نے روح کے موضوع پر ٹیلیویژن انٹرویوز دیئے اور اپنے مشاہدات کا پریکٹیکل مظاہر کیا وہ اپنی کتاب Talking to Heaver میں لکھتا ہے۔ کہ

"جب روحیں رات کے وقت اپنے انسانی جسموں سے پرواز کر جاتی ہیں تو اس سے خلا میں ستارے سیارے اور گلیکسی انکے لیے کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتے۔ وہ کسی دوسرے سیاروں یا نظام شمسی میں پہنچ کر وہاں کی آباد مخلوق سے ملتے ہیں"

بوقت مرگ۔ غیر مسلم اور مومن سے سلوک:

غیر مومن کے مرنے پر اسکے ساتھ سلوک کی نسبت بروایت حضرت عائشہ صدیقہؓ کہ رسول مقبول ﷺ نے عذاب قبر کی بابت استفسار پر فرمایا! "ہاں عذاب قبر برحق ہے"

بوقت وصال مومن کو دس اعزازات سے نوازا جاتا ہے۔

☆ فرشتے روح قبض کرنے سے پہلے "اسلام علیکم" کہتے ہیں ☆ مومن کی روح قبض کرنے کے لیے سورج کی طرح روشن چہروں والے فرشتے آتے ہیں ☆ مومن کی روح لپیٹنے کے لیے رحمت کے فرشتے جنّت سے سفید ریشمی کفن اپنے ساتھ لاتے ہیں ☆ روح کو معطّر کرنے کے لیے فرشتے جنّت سے خوشبو بھی اپنے ساتھ لاتے ہیں ☆ مومن کی روح قبض کرتے ہوئے فرشتے مومن شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور اسکی خوشنودی کی بشارت دیتے ہیں ☆ مومن آدمی کی روح جب اسکے جسم سے نکلتی ہے تو اس سے روئے زمین پر پائی جانے والی بہترین مشک و عنبر جیسی خوشبو آتی ہے ☆ مومن کی روح کیلئے زمین و آسمان کے درمیان موجود تمام فرشتے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں ☆ مومن کی روح آسمان پر لے جانے والے فرشتے آسمان کے دروازہ پر مومن کا تعارف کرواتے ہیں تو محافظ فرشتے خوش آمدید کہتے ہوئے آسمان کے دروازہ کو کھول دیتے ہیں ☆ ہر آسمان کے فرشتے مومن کی روح کو الوداع کہنے کے لیے اگلے آسمان تک جاتے ہیں ☆ ساتویں آسمان پر پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے

مومن روح کا اندراج علیین میں کرلیا جاتا ہے اور روح کو قبر میں بھیج دیا جاتا ہے۔ (سورۃ نحل آیت 32۔ سورۃ احزاب آیت 44۔ بخاری۔ مسلم۔ الترغیب والترتیب، مسند احمد۔ مستدرک حاکم ومسند ابن حبان، ابن ماجہ)۔

قبر میں مومن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذیل انعام واکرام سے نوازا جاتا رہے گا۔ دس نعمتیں حسب ذیل ہیں۔

1۔ قبر میں اطمنان اور بے خوفی کی کیفیت۔ 2۔ جہنّم سے نجات کی خوشخبری۔ 3۔ جنّت کی بشارت اور جنّت میں آرام وآسائش سے مزیّن آرام گاہ اور محلات کا دلکش نظارہ۔ 4۔ جنّت کی نعمتوں سے مستفید ہونے کے لے جنّت کی طرف ایک دروازہ۔ 5۔ جنّت کے بستر اور جنّت کے لباس۔ 6۔ قبر کی فراخی اور کشادگی (تقریباً ستّر ضرب ستّر ہاتھ یعنی 35X35 میٹر)۔ 7۔ قبر میں چودھویں کے چاند جیسی روشنی کے ساتھ اور سبز وشاداب باغ کا منظر۔ 8۔ قبر کی تنہائی دور کرنے لیے نیک اعمال کی خوبصورت انسانی شکل میں رفاقت۔ 9۔ قیامت کے دن ایمان پر اٹھنے کی بشارت۔ 10۔ روز قیامت تک آرام اور سکون کی نیند۔

(ترمذی ابن ماجہ مسند احمد۔ ابوداؤود۔ بطرانی مستدرک۔ حاکم ابن حبان)

﴿مشیّت ایزدی اور اختیارِ انسانی﴾

مفہوم قضاء و قدر:

(القرآن): "اور قسم ہے (انسان کی) جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو درست بنایا پھر بدکرداری اور پرہیزگاری (دونوں باتوں) کا اس کو اختیار دیا۔ یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس (جان) کو پاک کرلیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو (فسق، فجور) میں ملوث کردیا (دبادیا)"۔ (۹۱: ۶ تا ۹)

یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کا حل نکالنے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے زندگی کا اصل مقصد اس کے سامنے آجاتا ہے۔ جہاں تک تقدیر کا تعلق ہے انسان تقدیر کے ہاتھوں مطلق مجبور نہیں کیونکہ اگر انسان صرف نوشتۂ تقدیر کے مطابق اس دنیا میں عمل کے لئے پیدا کیا گیا ہوتا تو پھر کشمکشِ حیات چہ معنی دارد؟ ___ اگر ہر فعل خواہ بُرا ہو یا بھلا تقدیر کے ہاتھوں لکھا ہوتا کہ "پتا بھی نہیں ہلتا بغیر اس کی رضا کے" ___ تو پھر انسان لاچار اور بے بس ہوا یعنی جو خدا چاہتا ہے وہی انسان سے سرزد ہوتا اور اس طرح بندہ اگر بے اختیار ہے تو پھر "جنت دوزخ کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے"؟ اور جزا اور سزا انسان کے لیے کیوں مقرر کی گئی؟ پس مجبور انسان سے ایک عمل کرا کے (اضطرّاری کیفیت) اس کو سزا بھی دی جائے تو خدائے تعالیٰ "رحمٰن" اور "غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" کیوں کہلائے؟

مسئلہِ تقدیر و تدبیر کا حل ان دونوں کے درمیان ایک میانہ روی ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ نہ تو تمام افعال اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود انسانی سے سرزد ہوتے ہیں اور نہ بندہ مطلق بے اختیار ہے اور نہ ہی یہ کہ انسان ہر فعل میں اختیارِ کل کا مالک اور اللہ کی مشیّت کا بالکل اس میں دخل ہی نہیں۔ مشیّت کا تعلّق جہاں تک ہے وہاں ایک فعل مشیّت ایزدی کے حکم سے پورا ہوتا ہے اور جہاں تک اختیار انسان کے بس میں ہے وہاں انسانی جدّ وجُہد اور کشمکش حیات کارفرما ہوتی ہے اور بعض افعال ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں اختیار اور مشیّت دونوں کا دخل ہوتا ہے جیسے کوئی شخص تنگ دست ہو یا اس کے ہاں اولاد نہ ہو گویا کہ اس میں مشیّت ایزدی سے یہ چیزیں حاصل نہ ہوں اور نہ اس آدمی کی اپنی کاوشیں کامیابی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ہوں ___ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے اور اختیار و مشیّت کی ہم آہنگی سے مقصد حل ہو جانا تیسری شکل ہے

"یہ حقیقت ہے کہ لوحِ محفوظ جس میں اللہ تعالیٰ نے سب کچھ لکھ رکھا ہے" (سورۃ الانعام ۵۹)

"(یہ غیب کی چابیاں ہیں) جسے کوئی نہیں جانتا بلکہ تمام کتاب مبین میں مرقوم ہیں (11:35)"

انسان کی تقدیر انسان کی پیدائش سے قبل اللہ تعالیٰ کا ایک اندازہ ہے اس بندے کے لیے جو کچھ لکھ دیا گیا وہ محفوظ ہے اس انسان کے اوپر جبر نہیں بلکہ اندازہ تقدیر ہے جو اس کے عالم الغیب ہونے کی دلیل ہے اس طرح واقعاتِ زندگی جو انسان کو پیش آتے ہیں خدا تعالیٰ کے اندازے کے مطابق ہوتے ہیں اور یہ اندازے اللہ تعالیٰ بعض وقت دعاؤں کے طفیل بدل دیتا ہے۔ لہٰذا اس اندازے کو اللہ تعالےٰ سے "جبر" کا نام دے کر منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ ماسوائے ان کے جو مشیّت الٰہی کے تابع ہیں جسے کوئی طاقت ٹال نہیں سکتی۔ باقی میں انسان کو صوابدیدی اختیارات حاصل ہیں۔

"پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے" (سورۃ الکھف آیت ۲۹)

اس آیت الٰہی کی رو سے انسان جو عمل دنیا میں کرے گا اس کا بدلہ اسے عاقبت میں ملے گا۔ اور جزا و سزا کا مستحق گردانا جائے گا۔ مشیّت ایزدی و تقدیر کا جہاں تک تعلق ہے انسان مجبور اور بے اختیار ہے۔

"پس گمراہ کر دیتا ہے اللہ جسے چاہے اور ہدایت کرتا ہے جسے چاہے اور وہی سب (امور پر) غالب ہے (اور) حکمت والا ہے"

(سورۃ ابراہیم آیت ۴)

"تم چاہ نہیں سکتے کوئی بات مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے" (سورۃ الدھر آیت ۳۰)

لیکن اللہ تعالیٰ نے صرف چند امور میں ہی انسان کو پابند کیا ہے جس میں انسانی تدابیر ناکارگر ہوتی ہیں اور باقی تمام حالات میں انسان کو دنیا میں اختیار دے دیا گیا کہ وہ جولانی کرے ___ مشیّت ایزدی یا تقدیر کے مندرجہ ذیل امور میں انسان مجبور ہے یعنی ___ خدائے تعالیٰ کا فضل و کرم ___ ہدایت و گمراہی ___ انسان کی پیدائش و موت ___ عذابِ الٰہی ___ علمِ غیب ___ اور معجزات۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ ان امور میں انسان مطلق تابع تقدیر ہے مگر اللہ چاہے تو کُنْ فَیَکُوْنُ ط" ___ وہ قادرِ مطلق ہے۔ انسان ان امور کا حشر کے دن جواب دہ نہ ہوگا۔ باقی آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک اولادِ آدم کو ذاتی اختیارات کا حامل بنایا چونکہ انسان اپنے اختیار تدبیر اور کشمکش حیات کے چکر میں برسرِ پیکار ہے ادھر شیطان بھی بوقت تخلیقِ آدم سجدہ نہ کرنے کی پاداش میں سزا پانے پر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے انسانی اعمال کے سرزد ہونے میں دخل انداز ہوتا ہے کیونکہ اس نے انسان کو بھٹکانے کا عہد کیا ہے۔ ارشاد ہوا

"تو (جا) تجھ کو متعیّن وقت کی تاریخ تک مہلت دی گئی ہے۔ کہنے لگا اے میرے ربّ سبب اس کے کہ مجھے (علم تکوین) گمراہ کیا۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ دنیا میں ان کی نظر میں معاصی (گناہوں) کو مرغوب کر کے دکھاؤں گا اور اُن سب کو گمراہ کروں گا"

لیکن خدائے تعالیٰ نے ساتھ ہی فرمادیا کہ

"جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہ چلے گا اور جو تیری (شیطان کی) پیروی کریں گے۔ تجھ سمیت ان سے دوزخ کو بھر دوں گا" (سورۃ

الحجر15:37تا43)۔

اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ عَيۡنَيۡنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيۡنَا ۝ وَهَدَيۡنٰهُ

[redacted]دَيۡنِ ۝۔

ویسا ہی ثمر اس کو دیں گے کیونکہ ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا"۔

ایک بڑے سے بڑا فلاسفر اور ماہر علوم وفنون اگر مالکِ حقیقی کی اطاعت ووفا شعاری اور خشیّتِ الٰہی کے زیور سے آراستہ نہیں تو قرآن کی نگاہ میں علم وفضل کا حامل نہیں۔ اسی طرح قرآن وسنت اور فقہ اور سیرت کے میدان میں طبع آزمائی کرنے والے بندگانِ خدا کی زندگیاں خشیتِ الٰہی سے محروم ہوں تو قرآن انھیں بھی علماء کی فہرست میں داخل نہیں کرتا۔

﴿ کرّہِ اَرض پر احیائے اسلام ﴾

اس کائنات کی تخلیق اور اس کے تدریجی مراحل میں ہمارے کرّہ ارض کی تشکیل ہوئی۔ جہاں چرند وپرند، نباتات وجمادات کے علاوہ ملائکہ اور جن وانس کا وجود عمل میں آیا۔ حضرت آدم علیہ السّلام اور ان کی ذات سے حوّا کی تخلیق کے بعد کرّہ ارض سے ماوراء ان کی قیام گاہ جنّت بنی رہی حتیٰ کہ بنی نوع انسان میں شعور وآگہی، اللہ تعالیٰ کی واحدنیّت اور اس کی شانِ ربوبیّت کے ادراک کے لئے خداوند تعالیٰ نے اپنے خلیفہ کے طور پر حضرت آدم علیہ السّلام کو اس کرّہ ارض پر اُتارا۔ جن پر 21 صحائف نازل فرمائے اور انہیں ایک ہزار سال کی طویل عمر عطا فرمائی۔ جب آدم علیہ السّلام کی عمر 130 برس کی ہوئی تو آپ کے ہاں حضرت شیث علیہ السّلام تولّد ہوئے جن کو حضرت آدم علیہ السّلام نے اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ ان کی عمر 912 سال ہوئی۔ ان کے بعد جلیل القدر انبیاء ورسُل کی آمد کا آغاز ہوا۔ جن میں حضرت ادریس علیہ السلام کی پیغمبری مدّت 250 برس رہی اس دوران ان پر 30 صحائف نازل ہوئے۔ وہ پہلی شخصیّت تھے جنہیں بارگاہ الٰہی سے قلم کے استعمال کا شعور عطا فرمایا گیا۔ حضرت آدم علیہ السّلام کے 2242 سال بعد حضرت نوح علیہ السّلام تولّد ہوئے۔ جب نافرمان لوگ ایمان نہ لائے تو زمین سے اُبلنے والے پانی کے شدید ہلاکت خیز طوفان سے اس قوم کو ہلاک کر دیا گیا

ماسوائے چند نیک افراد اور مویشی جو حضرت نوح علیہ السّلام کی تیار کردہ کشتی میں بحکم الٰہی سوار کر لئے گئے وہ طوفان سے بچ گئے جن سے اس کرّہ ارض پر خلقِ آدم کی دوبارہ احیاء ہوئی اس لئے انہیں آدم ثانی سے موسوم کیا گیا۔ ان کی اولادوں میں جناب سام کی ساتویں پشت میں حضرت ہود علیہِ السّلام اور نویں پشت میں حضرت صالح علیہ السّلام مبعوث ہوئے۔ جناب تارخ بن ناخور جو حضرت آدم علیہِ السّلام کی بیسویں پشت میں اولاد آدم علیہ السّلام سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی ولادت ہوئی۔ نمرود کی دست و برد سے بچانے کے لیے ان کی ولادت بمقام کوبی جو بابل کا قصبہ تھا ایک غار میں ہوئی۔ آپؑ کی پیدائش طوفان نوحؑ سے 1709 سال بعد اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے تقریباً 2300 سال قبل ہوئی تھی۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی 175 سالہ زندگی میں 20 صحائف نازل ہوئے۔ حضرت ابراہیمعلیہ السّلام ،بعد میں آنے والے جملہ پیغمبران کے جدِّ امجد ہیں جن پر دین ابراہیمی کی پیروی اور اطاعت لازمی قرار دی گئی۔ جبکہ موجودہ تمام نسلِ انسانی کی ابتداء حضرت آدم علیہ السّلام سے ہوئی جو اشرف المخلوقات کہلائی۔

حضرت ابراہیم علیہِ السّلام نے نمرود کے ہاتھ سے نجات پائی اور بابل والوں کے طرزِ عمل اور سرکشی سے مایوس ہوئے تو وہاں سے ہجرت کر کے اپنے چچا ہاران کے گھر بمقام حران آ گئے۔ ہاران کی ایک نہایت خوبصورت بیٹی سارہ تھی۔ ہاران نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سعادت مندی دیکھ کر حضرت سارہ کا ان سے نکاح کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کچھ عرصہ وہاں تبلیغ فرماتے رہے مگر سوائے حضرت سارہ اور لوط علیہ السّلام کے کوئی ایمان نہ لایا۔ حتیٰ کہ آپؑ کے چچا نے غصّہ میں آ کر اپنی بیٹی اور داماد (ابراہیمؑ) کو اپنے گھر سے نکال دیا۔ آپؑ نے حضرت سارہ سے معاہدہ کیا کہ تم ہمیشہ میری فرمانبرداری کرنا اور میں تمہاری

ہر بات مانوں گا۔ اس طرح یہ تینوں حضرات حران سے مصر روانہ ہو گئے۔ مصر کا بادشاہ بڑا ظالم اور سرکش تھا۔ جب کسی خوبصورت عورت کو دیکھتا تو اس کے شوہر کو قتل کروا کر عورت پر قبضہ کر لیتا اور اُسے لونڈی بنا کر رکھتا۔ جب یہ چھوٹا سا قافلہ مصر پہنچا تو شاہی پولیس نے بادشاہ کو خبر دی کہ مصر میں بے مثل حسین و جمیل خاتون آئی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہ کو یہ سمجھا دیا کہ اگر تمھیں گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس پہنچایا جائے تو تم یہ نہ کہنا کہ ابراہیمؑ میرے شوہر ہیں بلکہ یہ کہنا کہ وہ میرے بھائی ہیں کیونکہ میں تمھارا دینی بھائی بھی ہوں۔ حق تعالیٰ تمھیں اس ظالم سے محفوظ رکھے گا۔ بالآخر شاہ کے ملازمین نے دونوں کو گھیرے میں لے لیا اور حضرت سارہ کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام یہ صورتِ حال دیکھ کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ بادشاہ حضرت سارہ کو دیکھتے ہی ان پر فریفتہ ہو گیا، چاہا کہ کچھ بے ادبی کرے۔ حضرت سارہ عبادت کے لیے مہلت لے کر بعد غسل عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئیں جب قدرے تاخیر ہوئی تو بادشاہ خود حضرت سارہ کے کمرے میں داخل ہوا اور چاہا کہ عین عبادت کے دوران آپ پر دست درازی کرے کہ اچانک اس کے دونوں ہاتھ شل ہو گئے اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ سانس پھول گیا اور منھ سے جھاگ نکلنے لگا۔ حضرت سارہ نے اس کی یہ حالت دیکھ کر دُعا کی کہ اگر بادشاہ مر گیا تو ان پر قتل کا الزام عائد ہو جائے گا۔ تو پھر بچنا محال ہو گا۔ دُعا کرنا تھی کہ اسے ہوش آ گیا، اس نے ہوش آنے پر پھر وہی ارادۂ بد کیا جس پر دوبارہ اس کا وہی حال ہوا۔ غرضیکہ تین بار یہ معاملہ پیش آیا۔ تب وہ بولا کہ یہ انسان نہیں جن یا جادوگرنی ہے، میرے پاس ایسی ایک عورت اور بھی ہے جس کو میں نے قبطیوں سے حاصل کیا تھا اور اسی طرح کا معاملہ پیش آنے کی وجہ سے اس پر بھی قابو نہ پا سکا تھا، اس لیے اس عورت کو بھی حضرت سارہ کے حوالے کر کے اس قافلہ کو مصر سے نکال دیا۔ اس دیگر خاتون کا نام ہاجرہ تھا۔ حضرت ہاجرہ بھی

کسی شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں جن کو شاہِ مصر نے ان کے حُسن و جمال کے سبب قید کر رکھا تھا۔ یہ چاروں اصحاب فلسطین پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے ان بزرگوں کو غنیمت جانا اور بہت زمین اور جائیداد نذر کی۔ ابراہیم علیہ السّلام نے لوط علیہ السّلام کو روم کی جانب روانہ کر دیا۔

86 سال کی عمر میں ابراہیم علیہ السّلام بڑھاپے میں قدم رکھ چکے تھے لیکن اولاد سے محروم تھے۔ بیٹے کی دعائیں کرتے تھے۔ حضرت سارہ سے اس وقت تک کوئی اولاد نہ ہوئی تھی جس پر حضرت سارہ نے حضرت ابراہیمؑ سے حضرت ہاجرہ کا عقد کرا دیا تا کہ اولاد کی خواہش پوری ہو سکے۔ 2074 ق م میں حضرت ہاجرہ کے شکم مبارک سے حضرت اسماعیلؑ تولد ہوئے۔ حضرت سارہ فرزند کو نہایت محبت سے پالتی تھیں اور حضرت ہاجرہ صرف دودھ پلاتی تھیں۔ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے محبّتِ پدری کے جوش مارنے پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو گود میں لے کر پیار کر لیا جسے حضرت سارہ نے دیکھ لیا اور ان پر غیرت اور جلن نے اتنا غلبہ کیا کہ فرمایا کہ دونوں ماں بیٹے کو فوراً گھر سے نکال کر بے آب و گیاہ صحرا میں چھوڑ آیا جائے۔ بہت سمجھانے کے باوجود حضرت سارہ راضی نہ ہوئیں۔ حضرت ابراہیمؑ حضرت سارہ سے حران والے معاہدہ کے پابند تھے۔ ادھر وحی الٰہی آئی کہ حضرت سارہ کی بات مان کر اس پر عمل کیا جائے۔ لہٰذا حکم الٰہی کی تعمیل میں تسلیم و رضا کے اس پیکرؑ کی خواہش پر حضرت ہاجرہ نے صحرا نشینی قبول کی جو بالآخر مکہ معظّمہ کی آبادی، تعمیر کعبۃ اللہ اور سنّتِ ابراہیمی کے تا قیامت جاری و ساری رہنے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السّلام چودہ سال کی عمر کو پہنچے تو حضرت سارا جو تقریباً پچانوے سال کی عمر کو پہنچ چکی تھیں کے بطن مبارک سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

واضح رہے کہ مردوں میں حضرت یوسف علیہ السّلام اور عورتوں میں حضرت سارہ بے مثل حسین ہوئے، بلکہ حضرت یوسفؑ کا حُسن حضرت سارہ کی میراث تھا۔ حضرت سارہ کی وفات کے بعد حضرت قنطورا بنت یقطن کنعانیہ سے ابراہیم علیہ السلام نے عقد کیا جن کے شکم مبارک سے چھ بیٹے تولد ہوئے جو (۱) حضرت مدین (۲) حضرت مدائن (۳) حضرت زمران (۴) حضرت بقشان (۵) حضرت یشیق اور (۶) حضرت نوح کے نام سے موسوم ہوئے اور جو سب نہایت متقی اہل ایمان تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی مذکورہ جملہ اولاد میں سے پیغمبری کا رتبہ صرف حضرت اسماعیل علیہ السّلام اور حضرت اسحاق علیہ السّلام کو ہی ملا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے حضرت اسماعیل علیہ السّلام کو مکہ معظّمہ میں آباد کیا۔ حضرت اسحاق علیہ السّلام کو اپنے ساتھ کنعان میں رکھا اور حضرت مدین کو وہاں آباد کیا جہاں انہی کے نام سے شہر مدین آباد ہوا۔ حضرت شعیب علیہ السّلام انہی کی اولاد تھے۔ دیگر اولاد حضرت مدائن وغیرہ کو حکمِ الٰہی کے تحت ملک شام اور روم میں بھیج کر آباد کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا 175 سال کی عمر میں علاقہ شام میں انتقال ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی کعبۃ اللہ کی بنیادیں استوار کرتے وقت جو دُعا شرف قبولیت سے مشرف ہوئی اور ان کی قوم کی اصلاح کے لیے انہی کے نسب اور اولادوں میں سے بعد میں مزید جلیل القدر پیغمبران مبعوث ہوئے مثلاً حضرت اسحاق علیہ السّلام، حضرت یعقوب علیہ السّلام، حضرت موسیٰ علیہ السّلام، حضرت داؤد علیہ السّلام، حضرت سلیمان علیہ السّلام، حضرت یحییٰ علیہ السّلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام منصب نبوت پر یکے بعد دیگرے سرفراز ہوتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل کو یہ زعم تھا کہ وہ جلیل القدر انبیاء کی اولاد، اور پیروکارِ سُنّتِ حضرت ابراہیم علیہ السّلام ہیں اور چونکہ اُن کی نسبت ان مقدس اور صالح نفوس سے ہے

اس لیے وہ تعلق ان کے لیے خداوند قدوس کی بارگاہ میں عزت وتکریم کا موجب بنے گا اور خدا ئے بخشندہ کی عطا اور بخشیش کے مستحق صرف وہی قرار دیے جائیں گے اور تا قیامت دنیا کی تمام قوموں کی سرداری صرف بنی اسرائیل کا مقدر بنی رہے گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے سب سے بڑے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے بارہ فرزند اور ایک دختر باسمہ تولّد ہوئے۔ باسمہ کا عقد حضرت اسحاقؑ کے فرزند عیصور سے ہوا جن میں سے ایک فرزند کا نام روم تھا، جن سے سلاطین روم کی نسل چلی۔ جبکہ فرزندان میں سے سب سے چھوٹے سے بڑے بیٹے قیدار تھے جن کی نسل میں آگے چل کر حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے اس طرح حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی اولاد میں ماسوائے نبی آخر الزمان ﷺ کوئی دیگر نبی یا پیغمبر نہیں ہوا۔ جبکہ حضرت اسحاق علیہ السّلام کی شادی حضرت لوط علیہ السّلام کی دختر سے ہوئی تھی جن کے شکم مبارک سے حضرت یعقوب علیہ السّلام پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام کی دو ازواجِ مطہرات اور چند لونڈیوں کے بطن سے بارہ فرزند تولّد ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہِ السّلام نے اپنے ماموں لایاں کی بیٹی لیّا سے عقد فرمایا جن کے بطن سے روبیل، شمعون، لاوا اور یہودا پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہِ السّلام نے لیّا کے انتقال کے بعد ان کی ہمشیرہ یعنی چھوٹی سالی راحیل سے عقدِ ثانی فرمایا جن کے بطنِ مبارک سے حضرت یوسف علیہِ السّلام اور بنیامین تولّد ہوئے۔ باقی چھ بیٹے زیتون، یشاخر، دان، نفتاتی، کاوا اور انتر اجو سب کے سب بلہ اور زلفہ وغیرہ لونڈیوں کے بطن سے ہوئے۔ ان سوتیلی ماؤں کے بطن سے تولّد ہونے والی اولادوں کی رقابت اور ظلم وستم کی داستان جو انہوں نے حضرت یوسف علیہِ السّلام سے روا رکھی کا تفصیلی ذکر کلامِ حکیم کی سورۂ یوسف میں موجود ہے جو بعد ازاں اپنے کیے پر نادم ہوئے اور حضرت یعقوب علیہِ السّلام کی وصیّت کے

مطابق سنّتِ ابراہیمی پر کاربند رہے۔ حضرت یعقوب علیہِ السّلام نے مصر میں وفات پائی جبکہ آپؑ کی وصیّت کے مطابق انہیں بیت المقدّس میں حضرت اسحاق علیہِ السّلام کی قبر کے پاس دفن کیا گیا۔ حضرت یعقوب علیہِ السّلام کا لقب اسرائیل تھا، جس کے معنی ہیں عبداللہ یعنی بندۂ خدا۔ اسی مناسبت سے آئندہ ان کی نسل بنی اسرائیل کے نام سے موسوم ہوئی۔ جن کے جانشینِ پیغمبری کے منصب جلیلہ پر حضرت یعقوب علیہِ السّلام کے ہمہ اوصاف کے حامل پسر حضرت یوسف علیہِ السّلام فائز ہوئے۔ حضرت یوسف علیہِ السّلام کے بعد بنی اسرائیل جب انحطاط کا شکار ہوئی تو رفتہ رفتہ قبطیوں کے غلام بن گئے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر عزیزی تفسیر حقانی)

جب بنی اسرائیل کی قوم نے وادیِ سینا میں پناہ لی تو اس بے آب وگیاہ صحرا میں سخت دُھوپ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی تو خدا تعالیٰ کی طرف سے ان پر ایک مدت تک آسمان ابر آلود رہا۔ تا کہ وہ قوم جس کے پاس مکان اور خیمے سر چھپانے کے لیے نہ تھے وہ قوم کڑکتی دھوپ کی شدّت سے ہلاک نہ ہو جائے ان کے لیے آسمان سے "من وسلویٰ" کی صورت میں رزق اتارا تا کہ اتنی بڑی تعداد خوراک کی قلت کے سبب ہلاک نہ ہو جائے۔ "من" دھنیا کی طرح لذّت دار خوراک تھی جو رات کو شبنم کی مانند آسمان سے گرتی تھی اور زمین پر جم جاتی۔ جبکہ "سلویٰ" بٹیر کی طرح کے پرندے تھے جو غول در غول اسی وادیِ سینا میں اترتے تھے جنھیں پکڑ کر بنی اسرائیل کی قوم اپنے تن وتوش کے لیے غذا فراہم کرتے۔ اتنی بڑی تعداد میں مصر سے نکالی گئی قوم برسوں تک اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا نعمتوں سے استفادہ کرتی رہی لیکن اللہ تعالیٰ کے رزق میں کمی نہ آئی۔ (من وسلویٰ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بائبل خروج باب ۱۱ ۔گنتی آیات ۷۔۹۔۳۱۔۳۲ اور یشوع باب ۵ آیت ۱۲)

حضرت آدم علیہِ السّلام کے بعد اس کائنات کے کرّۂ ارض یعنی Planet Earth

پر آباد اشرف المخلوقات کے طرز حیات و معمولات زندگی کے کسی نہ کسی پہلو کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران کرام و انبیاء علیہ رحمۃ یا رسول مبعوث فرمائے جن کی بالآخر انتہا امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ پر منتج ہوئی۔ جو باعث تخلیق کائنات ہیں جن پر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنی آخری مہر نبوت ثبت فرمادی۔ نبی اکرم ﷺ نہ صرف نبوت کی آخری کڑی تھی بلکہ جو مشن حضرت آدم علیہ السّلام سے اس کائنات ارضی پر شروع ہوا اور مختلف انبیاء، رسل اور پیغمبران کرام اُسے پروان چڑھاتے رہے۔ اُن کی راہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے 104 الہامی کتب اور صحیفے اُتارے مگر سو کتب کے علوم توراۃ، زبور اور انجیل میں رکھے اور اُن تینوں کے علم قرآن حکیم میں رکھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس مشن کو ایک مکمل ضابطہ حیات کی صورت میں پیش فرمایا۔ جو بصورت وحی قرآنِ حکیم نازل ہوا اس کے مطابق دین کو جامع طور پر مرتّب و مکمل کر کے بنی نوع کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کا ہر قول و عمل نصوصِ قرآنیہ کی زندہِ جاوید تفسیر ہے۔ اسلام چونکہ آخری اور جدید ترین مذہب ہونے کے ساتھ مکمل ضابطہ حیات بھی ہے جس نے نہ صرف دیگر مذاہب، آسمانی کتب اور اللہ تعالیٰ کے مبعوث کردہ پیغمبران کرام کی تصدیق کی بلکہ ایک منضبط ضابطہ زندگی بھی پیش کیا۔ جس سے آئندہ جملہ معمولات حیات کے لئے راہنمائی حاصل ہو سکتی ہے۔

"اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے تم کو (اور اُمتوں) سے ممتاز فرمایا اور اس نے تم پر دین (کے احکام) میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السّلام کی (اس) ملّت پر (ہمیشہ) قائم رہو۔ اس (اللہ) نے تمہارا لقب مسلمان رکھا (نزول قرآن سے پہلے اور اس (قرآن) میں بھی تا کہ تمہارے (قابل شہادت اور معتبر

ہونے کے) رسول ﷺ گواہ ہوں" (سورۃ الحجہ ۲۲ : ۷۷)

اسلام کے بنیادی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے تا قیامت ہر دور میں نئے حالات اور جدید تقاضوں کا حل اجتہاد ۔ اجماع ۔ قیاس اور استحسان کے مروجہ اصول فقہ اسلامی یعنی Islamic Jurisprudence کی روشنی میں مناسب توجیہات کر کے ضروری ترامیم سے حاصل ہوسکتا ہے۔ دین اسلام نے مذہبی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی حتیٰ کہ جدید سائنسی اور تکنیکی دور کے لیے بھی راہنما اصول متعین کر دیئے تا کہ ان کی روشنی میں ہر قوم اپنے ملک کے جغرافیائی حالات و رسم و رواج کے تقاضوں کے مطابق جدید مسائل کا حل تلاش کر کے اسلام کے زرّیں اصولوں پر عمل پیرا ہونے کے لئے نمونہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیّبہ، ان کے اقوالِ زرّیں اور عمل و کردار سے حاصل کریں۔ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد اعلانِ نبوّت کے ساتھ ہی ایک اُمّتِ واحدہ کا وجود ناگزیر ہوگیا جس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرما کر وہاں پہلی اسلامی نظریاتی ریاست کی بنیاد رکھی۔ جہاں بسنے والے مختلف قبیلوں اور مذاہب کے پیروکاروں کے لیے میثاقِ مدینہ اور خطبہ حجۃ الوداع کے ذریعہ پہلا بین الاقوامی امن و سلامتی کا چارٹر Universal Charter of Community of Nations پیش کر دیا۔ اس طرح آپ کرّہ ارض کے پہلے جیورسٹ (Law Giver) قرار پائے۔ حضور اکرم ﷺ کے پیش کردہ اصول و ضوابط، وصال کے بعد چاروں خلفائے راشدین کے دور میں راسخ ہوئے اور ان کے سنہری دورِ اقتدار میں اسلام حجاز مقدّس سے نکل کر اس کرّہِ ارض کے دیگر برّ اعظموں پر ضیاء پاشی کرنے لگا اور بالآخر اس کو بین الاقوامی حیثیت حاصل ہوگئی جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحمۃ اللعالمین ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ (سورۃ الانبیاء ۱۰۷)

"اور ہم نے آپ کو تمام جہاں کے لوگوں پر مہربانی کرنے کے لیے بھیجا ہے"

دین، مذہب اور شریعت :

حضرت آدم علیہ السّلام سے لیکر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ تک تمام انبیاء علیہ السلام ایک ہی دین لے کر آئے اور اپنی اُمتوں کو پیش کرتے رہے۔ جس کی تکمیل نبی آخرالزماں ﷺ پر ہوئی اور قیامت تک یہی دین امر ہے۔ البتہ مختلف انبیاء کرام کی شریعتیں مختلف اور جُدا جُدا رہیں۔ سورۃ مائدہ میں اس طرح ارشاد ربانی ہوا ہے:-

"ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک طریق کار متعین کر دیا ہے"

اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا پیش کردہ دین ایک ہی تھا لیکن شریعت موسوی اور شریعت محمدی ﷺ میں فرق ہے جبکہ دین کے اندر کوئی فرق و تفاوت نہیں۔ دین کی نظریاتی علمی، فکری اور فلسفیانہ بنیاد موجود ہے جس کا نام ایمان ہے۔ اس ایمان کا جب انسان کے عمل میں انفرادی یا اجتماعی طور پر ظہور ہوتا ہے اور پھر اس سے جو معاشرتی۔ معاشی یا سیاسی نظام معرضِ وجود میں آتا ہے اس کا نام "اسلام" ہے۔ گویہ بڑی حیرت انگیز بات ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں میں سلامتی اور امن کا مفہوم موجود ہے گویا ہمارے دین کی دونوں اصلاحات امن اور سلامتی پر مبنی ہیں پھر مذہبی منافرت تعصب اور فرقہ پرستی اور اس کی بنیاد پر قتل و غارت سے کیا اُس میں ملوّث ہونے والوں کا ایمان مشکوک نہیں ہو جاتا؟

لہٰذا دین کی وہ عملی ہدایات جن سے انسان کا انفرادی اور اجتماعی عمل متعیّن ہوتا ہے اسے شریعت کہا جاتا ہے۔ دین کا عربی زبان میں مفہوم ہے "بدلہ" یعنی کسی اچھی چیز کا بدل۔

انعام یا جزاء۔ سورۃ النصر میں لفظ دین اللہ آیا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حاکم مطلق مانا جائے۔ حکمرانی اسی کے لیے تسلیم کی جائے۔ اس کے دیے ہوئے قوانین، ہدایات اور امر و نواہی پر مبنی معاشرت، معیشت، سیاست اور ریاست کے ڈھانچے کی تشکیل کی جائے یعنی اللہ تعالیٰ کو حاکم مطلق اور حاکم حقیقی مان کر اس کی اطاعت پر مبنی مکمل نظامِ زندگی ترتیب دیا جائے تو یہ " دین اللہ " ہوگا۔

اسی طرح محض چند رسوم کا مجموعہ " مذہب " کہلاتا ہے جبکہ انسانی زندگی کے تمام گوشوں اور تمام پہلوؤں کو احاطہ میں لئے ایک مکمل نظام حیات پر مبنی مجموعہ کو دین کہا جاتا ہے۔ اس لئے اسلام دین ہے مذہب نہیں۔ انسان کی پیدائش سے لیکر مرنے تک جتنے بھی مختلف مراحل انسانی زندگی میں آتے ہیں اسلام میں اُن تمام مراحل کے متعلق واضح ہدایات موجود ہیں اسی لئے اس کو مکمل ضابطہ حیات سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسلام نے فرزندان آدمؑ کو رنگ و نسل، قومیّت و وطنیّت۔ ذات پات اور زبان و لباس کی مصنوعی جکڑ بندیوں سے آزادی دلا کر عالمگیر اخوّتِ انسانی کے رشتوں میں پرو دیا۔ چنانچہ کراہتی ہوئی آدمیّت نے محبّت کے اس ٹھنڈے نخلستان میں پناہ لینی شروع کر دی۔ اسلام کا پیغام چار دانگ عالم میں خوشبو کی طرح پھیل گیا۔ افریقہ کے تپتے صحراؤں سے وسط ایشیاء کے سرسبز چمن زاروں اور مشرقِ بعید کے ریگ زاروں سے یورپ کے یخ بستہ میدانوں تک اسلامی اقتدار کا پھریرا لہرانے لگا۔

> "عرب قوم کے لیے اسلام اندھیروں سے اُجالے کی طرف پیش قدمی کا پیغام تھا۔ اس نے اہل عرب کو اصلی زندگی عطا کی۔ یہ غریب چرواہوں کی قوم تھی جو مدّتِ مدید سے صحراؤں میں صحرانوردی کر رہی تھی۔ گمنام تھی جسے کوئی پوچھنے

والا نہ تھا اور جس پر کوئی توجہ دینے والا نہ تھا۔ ایک عظیم پیغمبر ان کے پاس ایک ایسا پیغام لے کر آیا جو ان کے فہم سے مطابقت رکھتا تھا۔ اس پر ایمان لانے کے بعد گمنامی کی گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے انسان یک دم دنیا بھر کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ یہ چھوٹی قوم دنیا بھر کی بڑی قوم میں ڈھل گئی۔ ایک صدی کے اندر اندر عرب ایک طرف غرناطہ اور دوسری جانب دہلی تک دستک دینے لگے۔ دنیا پر ان کی شجاعت و ذہانت کی دھاک بیٹھ گئی۔ عرب سے نکلنے والی روشنی نے پورے عالم کو منوّر کر دیا جو ایک حیات بخش پیغام، عقیدے اور عمل کا نام ہے۔ عرب قوم (حضرت) محمدؐ اور ایک صدی کا عرصہ، کیا یہ آسمان سے نازل ہونے والی چنگاری نہ تھی؟ کہ جس نے سیاہ اور مہیب ریت کے ڈھیر پر گر کر اسے دھماکہ خیز بارود بنا دیا اور جو دہلی سے غرناطہ تک کے آسمان کو منوّر کر گیا۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے کہ عظیم انسان ہمیشہ ایک برقِ آسمانی ہوتا ہے جو دنیا بھر کے دیگر انسانوں کو اپنی آمد کا منتظر پاتا ہے اور وہ انہیں اپنے ساتھ ملا کر ایک شعلہ جوالا بن جاتا ہے"

(اقتباس "ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ Hero and Hero Worship" از کارلائل)

اسلام اور شریعہ محمدی ﷺ کی اصل روح کو سمجھنے اور اس کے مکمل ضابطہ حیات ہونے کا ادراک اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کے پیش کرنے اور اس کا عملی نمونہ بن کر دکھانے والے کے ظہور کے پس منظر اور بعثتِ نبوی کے بعد حضور ﷺ کے معجزات اور بشارتوں پر طائرانہ نظر نہ ڈالی جائے، جب تک حتمی دین پیش کرنے والے کے مقام و منزلت اور خداوند

ذوالجلال کی نگاہ میں ان کے مرتبہ وسرفرازی کا ذکر نہ کیا جائے اُس وقت تک اس دین کامل کی عظمت دل ودماغ میں راسخ نہیں ہوسکتی۔ اسلئے پہلے ظہورِقدسی ﷺ اور حیات طیبہ ﷺ کا اجمالی جائزہ آئندہ صفحات میں پیش کیا جارہا ہے تاکہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ پیش کردہ دین کے اکمل ہونے کی سند نازل فرمائی اور جسے مسلمان کے لئے پسند فرمانے کا شرف عطا فرمایا۔ اس پر عمل پیرا ہونے میں جن مشکلات۔ مصائب اور غیر مذاہب یا لادین عناصر کی ریشہ دوانیوں سے دوچار ہونا پڑا یا آئندہ پیش آسکتی ہے اُس پر بحث کی گئی ہے تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ دین اسلام پر جس طرح پندرہ سو سال قبل عمل ہوا اسی طرح وہ آج بھی قابل عمل اور تاقیامت آنے والے ادوار میں بھی اُس پر عمل پیرا ہونا ممکن ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿ حیات طیبہ ﴾

سیدالانبیاء خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ :

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ o کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ حَسُنَتْ
جَمِیْعُ خِصَالِہٖ o صَلُّوا عَلَیْہِ وَآلِہٖ۔
سُبْحَانَ اللہ مَا اَکْمَلَکَ o مَا اَجْمَلَکَ مَا اَحْسَنَکَ
کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا ☆ گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں

مدحت کے لئے کونسا اسلوب تراشوں ☆ جو لفظ مکمل ہو میسر نہیں آیا

ولادت باسعادت کی بابت پیشین گوئیاں منجانب انبیاء ورُسل:

آپ ﷺ کی ولادت باسعادت اور بعثت باکرامت سے قبل یونان اپنی عظیم الشان تہذیب کے صرف کھنڈرات کا منظر پیش کرنے کے لیے رہ گیا۔ اہل یونان اس کھنڈر کے ملبے تلے دب کر رہ رہے تھے۔ یونانی حکماء نے اپنے فلسفہ کے زور پر ہر مسئلہ حل کرنا چاہا۔ اس دور کا یونان فلسفیوں سے بھرا پڑا تھا اور ارشمیدس، اقلیدس، بطلیموس، سقراط و بقراط، ارسطو اور افلاطون موجود تھے۔ لیکن یونان کی چمکتی دمکتی ایکیڈیمیوں میں گھمبیر اندھیرا جاگزیں تھا۔ جبکہ یہ دنیا منوّر ہوئی تو غار حرا کے گوشہ سے طلوع ہونے والے آفتابِ نبوت ﷺ سے ہوئی۔ دنیا کو امان ملی تو پیغمبر ﷺ کے گوشہِ دامن میں نصیب ہوئی۔ حبش، روم، فارس اور نجد سے آنے والے گویا ارقم کے چھوٹے سے گھر میں بحر و بّر بن کر گوشہِ نشین ہو گئے۔

حضرت کعب بن زبیرؓ نے فرمایا کہ میں نے توراۃ میں لکھا دیکھا ہے کہ محمد ﷺ میرے (خدا کے) رسول اور بندۂ مختار ہیں۔ نہ درشت خو، نہ سخت گو۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ عفو سے کام لیتے ہیں۔ مکہّ میں پیدا ہوں گے اور ہجرت کر کے مدینہ طیّبہ جائیں گے۔ ان کی زبان بے حد حمد و ثناء کرنے والی ہوگی۔ خوشی و غمی، راحت و تکلیف دونوں حالتوں میں اللہ کا شکر اور اس کی تعریف کرے گی۔ یہ لوگ جہاں مقیم ہوں گے اللہ کی بڑائی (اللہ اکبرّ) بیان کریں گے۔ جنگ اور نماز میں مساوی صفیں باندھیں گے اور رات کے وقت ان کی آواز پست اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ ایسی ہوگی (یعنی چھپ کر عبادت کریں گے)۔

ہادیِ رحمتِ عالم ﷺ کی تشریف آوری کا مژدہ حضرت مسیحؑ و حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ

نے ہی نہیں دیا بلکہ تمام انبیاء کرام دیتے چلے آئے تھے۔ حتیٰ کہ اُن تمام انبیاء و رُسل کی امامت کا فرض حضور ﷺ کو سپرد کیا گیا تھا۔ اسی لیے معراج سے قبل مسجد اقصیٰ میں حضور ﷺ کی اقتداء میں تمام انبیاء و رُسل نے نماز ادا کی۔

یہ وہ نور ہستی تھی جن کا نام عرش اور جنت کے ہر غرفہ۔ ہر قصر، ہر طوبیٰ و سدرۃ کے پتوں پر اور ملائکہ کی آنکھوں میں مکتوب تھا۔ وہ خلیفہ مطلق جن پر ایمان لانا انبیاءِ سابقین اور ان کی اُمتوں پر لازم کیا گیا۔ وہ حق کا نور جو پیشانیٔ آدمؑ میں آفتاب کی طرح چمکا اور اس نور کی وجہ سے ملائکہ کو سجدہ کا حکم ہوا جن کے بارے میں حضرت آدم علیہ السّلام نے یہ وصیّت فرمائی کہ یہ نور ارحام طیّبہ اور اصلابِ طاہرہ میں منتقل کیا جائے۔ اسی لئے وہ آسمانِ نبوّت کے منبر اعظم جس کے نور کی روشنی اس کے آباؤ اجداد و خزیمہ مدرکہ عبد مناف۔ ہاشم و عبدالمطلب وغیرہ کی پیشانیوں میں جگمگاتی تھے۔

علامہ جلال الدّین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم خصائص کبریٰ میں اس مضمون کی حدیثوں کا ذکر کیا ہے کہ جنت کی ہر چیز پر۔ حوروں کی پیشانیوں پر جنت کے درختوں کے پتوں پر

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ" ط کے الفاظ مسطور ہیں۔

حضرت آدم علیہ السّلام نے آنکھ کھولتے ہوئے عرشِ اعظم پر اللہ کے نام کے ساتھ حضور ﷺ کا نام لکھا ہوا پایا۔ جبرئیل امین فرماتے ہیں کہ میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو کھنگال ڈالا مگر حضور ﷺ سے افضل کسی کو نہ پایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے نبی اکرم ﷺ کی بطور نبی آخر الزماں ہونے کی بشارت دی۔ انجیل میں آپ کا نام "احمد" تحریر ہے۔ خود نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

"میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دُعا اور حضرت عیسیٰ علیہ لسّلام کی بشارت ہوں "

سرورِ کائنات ﷺ کا ذکر صحائفِ حضرت ابراہیمؑ وحضرت موسیٰ علیہ السّلام میں آیا۔ حتی کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے ساتھ یا مابعد تولد ہونے والے قریبی ساتھیوں کا ذکر بھی کتاب الٰہیہ میں کیا گیا۔ بالخصوص خلفائے راشدین میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ کا ذکر ان کی پیدائش سے ہزار ہا سال قبل تحریر ہوا جنہوں نے رسالت مآب ﷺ کا ساتھ دینا تھا۔ اُن کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے پہلے سے فرمالیا تھا حتیٰ کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی ابتداء میں مُٹھی مجاہدینِ اسلام کی قوّت میں اضافہ اوران کی حفاظت کے لیے اہل قریش میں سے دوسرکردہ شخصیات جو ہمنام تھیں میں سے ایک جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو وہ طلب فرمایا۔

"اے اللہ مجھے دو عمر میں سے ایک عطا فرمادے جو تجھے پسند ہو"

اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کی بجائے عمر ابن خطابؓ عطا فرمادئے جو اسلام قبول کرنے کے بعد اوّل ایمان لانے والوں کے لیے ڈھال بن گئے ان کا ذکر الہامی کتب میں یہاں تک موجود تھا کہ بیت المقدّس کی فتح کے وقت اس کے کلید برداروں نے بلا جنگ وقتال حضرت عمر فاروق کا حلیہ اور یروشلم میں داخلہ کے وقت کا انداز، کہ غلام گھوڑے پر سوار اور آقا پیدل حتیٰ کہ آپ کے لباس کے پیوند تک دیکھ کر یقین کرلیا کہ وہی فاتح یروشلم ہیں اور بیت المقدّس کا قبضہ بے چوں وچراں خلیفہِ ثانی کے حوالہ کردیا۔ اس لئے خلفائے راشدین جن کا انتخاب حضور ﷺ کی ولادت باسعادت سے بہت پہلے مشیّت ایزدی سے ہو چکا تھا ان سے کسی قسم کا بغض۔ حسد یا کدورت رکھنا دراصل اللہ تعالیٰ کی رضا اوراس کے نبی ﷺ کی نظرِ انتخاب کو چیلنج کرنے کے

مترادف ہے۔

ظہور قدسی ﷺ سے قبل کے حالات اور سلسلہ نسب:

پچیس سو سال قبل مسیح خطۂ عرب کا روان تجارت کی گزرگاہ تھا جس کو دو ہزار سال قبل مسیح حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام نے آباد کیا۔ توراۃ میں خطۂ عرب کا ذکر "فاران" کے نام سے آیا ہے۔ خطۂ عرب میں چار مذاہب کے پیروکار آباد تھے۔

1۔ ستارہ پرست 2۔ مجوسیت 3۔ یہودیّت (یمن) 4۔ عیسائیّت (شام)

لیکن مذکورہ مذاہب اپنی اصل صورت میں باقی نہ رہے تھے۔ اخلاقی حالت ابتر تھی خانہ کعبہ میں 360 بت رکھے ہوئے تھے۔ ہر قبیلہ کا علیحدہ بت تھا جہاں حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ کا سلسلہ نسب پچاسویں پشت میں حضرت اسماعیل علیہ السّلام سے جاملتا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی اولاد میں سے حضور اکرم ﷺ سے اکیسویں پشت میں سب سے مشہور شخصیت جناب "عدنان" کی تھی جو ملّتِ ابراہیمی پر قائم اور حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی نسل میں مشہور ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ کے جدامجد میں سے ان کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ ان کے بعد حضرت عدنان کی اولاد میں سے سب سے زیادہ شہرت یافتہ شخصیت جناب "قصیّ بن کلاب" کی تھی جو سابقہ ریاست مکہ کے قومی ہیرو اور فرمانروا تھے۔ اُن سے سرورِ کائنات ﷺ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں ملتا ہے۔ ان کا قبیلہ قریش تھا جو دس خاندانوں پر مشتمل تھا۔ حضرت قصیّ ابن کلاب کلید کعبہ کے حامل تھے۔ جناب قصیّ کے دور اقتدار میں اہل قریش کو باقی عرب اقوام پر عظمت و برتری حاصل تھی۔

رسول مقبول ﷺ کے والدین کا مقامِ منزلت :

حضرت قصیّٰی بن کلاب کے چھ فرزند تھے جس میں ایک عبد مناف تھے۔ نبی اکرمؐ کا خاندان انہی کی اولاد ہیں۔ حجاج کرام کی مہمان نوازی انہی کے سپرد تھی۔ عبد مناف کے چار بیٹے تھے جن میں سے ایک جناب ہاشم تھے جو نہایت حسین و جمیل۔ مدبّر اور صالح تھے۔ حضرت قصیّٰی کے بعد ان کی تمام اولاد میں جناب ہاشم کو سب سے زیادہ عزّت و شہرت حاصل ہوئی۔ بنو ہاشم کا خاندانی پیشہ تجارت تھا اور حاجیوں کا قیام و طعام ان کے سپرد تھا۔ آپ جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام کی طرف تجارّت کے قافلے لیکر جاتے تھے۔ جناب ہاشم کے حسن و جمال اور عزّت و شہرت سے متاثر ہو کر ہرقل بادشاہ نے اپنی بیٹی آپ کے عقد میں دینا چاہی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

جناب ہاشم کے ماتھے پر نورِ نبوّت چمکتا تھا۔ اسی لئے یہودی علماء آپ کو سجدہ کرتے تھے جناب ہاشم کے بیٹے حضرت عبدالمطلب تھے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کی دو سال کفالت کی جو رسالتمآب ﷺ کے دادا تھے جن کے سب سے چہیتے فرزند عبداللہ تھے۔ حضرت عبدالمطلب کے سپرد خانہ کعبہ کی تولیّت تھی اور حجاج کرام کی خدمت کرنا سپرد تھی جو اہل قریش کی سب سے مقتدر شخصیّت تھے۔ حضرت عبدالمطلب کو رسول اکرم ﷺ کی ولادت باسعادّت کی نسبت بشارت خواب میں دی جا چکی تھی۔ انہوں نے خانہ کعبہ میں بھی دُعا کی تھی۔ کیونکہ انہیں اپنے سب سے چھوٹے بیٹے حضرت عبداللہ سے بے پناہ محبّت تھی۔ جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیدائش سے پہلے ہی وصال فرما گئے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خواب اور اس کی تعبیر :

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

"اعلان نبوّت سے قبل میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک نور اُترا اور سمٹ کر خانہ کعبہ کی چھت پر آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں سے پھیلا اور اس کی نورانیّت سے مکہ کے سارے گھر منوّر ہو گئے۔ دوبارہ یہ نور سمٹ کر میرے گھر آیا تو میں نے اس کو محفوظ کرنے کے لئے گھر کے سارے دروازے بند کر دیئے"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شام کے سفر میں ایک گرجا حورا میں قیام کیا تو وہاں کے راہب سے خواب کا تذکرہ کیا تو اس نے یہ تعبیر بتائی کہ

"تمہارے علاقے پر فضل الٰہی ہوگا۔ مکہ مکرّمہ میں اللہ رب العالمین کے نبی مبعوث ہوں گے اور تم ان کی دعوت پر لبّیک کہو گے۔ ان کی بارگاہ میں تمہیں وہی منصب حاصل ہوگا جو بادشاہوں کے ہاں وزیر کو حاصل ہوتا ہے اور اُن نبی مکرّم (علیہ السلام) کی حیات ظاہری کے بعد تم ان کے جانشین ہو گے"

حضرت آمنہ حضرت عبداللہ سے نکاح کے بعد پہلے ہی ہفتہ میں امانت دار محمدی ﷺ بن گئیں۔ شادی کے بعد جوانی کے عالم میں تجارت کے قافلہ کے ہمراہ جب حضرت عبداللہ تشریف لے گئے تو واپسی پر بمقام مدینہ حضرت عبداللہ کا وصال ہو گیا۔ اس طرح نبی اکرم ﷺ پیدائش سے قبل ہی یتیم ہو گئے۔ حتیٰ کہ پانچ سال بعد جب بنو سعد سے واپسی پر حضرت آمنہ اپنے پسر کو مدینہ حضرت عبداللہ کے مزار پر لے گئیں تو وہاں ایک ماہ قیام کیا وہاں سے مکہ مکرمہ واپسی پر حضرت آمنہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ واقعہ فیل کے 52 روز بعد اپنے چچا ابوطالب کے گھر تولّد ہوئے بوقت پیدائش بھی معجزات رونما ہوئے۔ اسوقت تمام مکان نور سے منوّر ہو گیا جو پیدائش سے قبل بھی ایسا ہی نور حضرت آمنہ کو نظر آیا تھا جس میں انہوں نے ملک شام کے محلّات

دیکھے۔

واقعات ظہور قدسی ﷺ:

عالم دہر میں حضور اقدس ﷺ کی تشریف آوری کی دھوم مچی ہوئی تھی دیوار و در چمک رہے تھے۔ ماہِ چرخِ نبوّت منازل طے کرتا ہوا اپنی آخری منزل پر پہنچا۔ قلبِ پدر سے رحمِ مادر میں آیا تو یہی وہ شب تھی کہ آسمانی انوار نے زمین کو بقعہ نور بنا دیا تھا۔ ملائکہ کا نزول ہو رہا تھا۔ و حوش وطیور محوِ شادمانی تھے۔ بے زبانوں کو نطقِ گویائی مل گئی تھی۔ اس موقع پر نجومی اور اہل علم کہنے لگے کہ کتب سابقہ کی تحریروں کے مطابق تو یہی نورِ الٰہی کے ظہور کے آثار ہیں۔ الغرض خشکی وتری، بحر وبّر، صحراء وکوہسار اور شہر وقریہ میں سید المرسلین ﷺ کی تشریف آوری کا غلغلہ تھا۔ اہل علم ونظر نے اُس ستارہ کو پہچان لیا تھا۔ جو اُس سلطانِ ذی شان کے ظہور کی علامت بتایا گیا تھا۔ یہ وہ مبارک ساعت تھی جب فرش زمین، عرشِ برین کی روشنی سے جگمگانے لگا۔ آسمان کے ستارے زمین سے اتنے قریب ہوئے کہ دیکھنے والوں کو یہ ڈر ہونے لگا کہ یہ کہیں زمین پر نہ گر پڑیں۔ عالم غیب سے کارکنوں نے تین پرچم اس خطّہِ ارض پر نصب کئے۔ ایک مشرق۔ دوسرا مغرب اور تیسرا بام کعبہ پر جو اس بات کی غمازی کرتے تھے کہ ان کا دین شہر مکہّ کے خانہ کعبہ سے ظاہر ہو کر مشرق ومغرب تک پھیلے گا۔

"چمنستان دہر میں بار ہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں۔ چرخِ نادرہ کار نے بزم عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دئے۔ سیّارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے۔ چرخِ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لئے لیل ونہار کی کروٹیں بدل

رہا تھا۔ کارکنان قضاء وقدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدّت طرازیاں، ماہ وخورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر وباد کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاسِ پاک، توحید ابراہیمؑ، جمال یوسفؑ۔ معجز طرازیٔ موسیٰؑ۔ جان نوازی مسیحؑ، سب اسی لئے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں اور شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں کام آئیں گے"۔

"آج کی صبح وہی صبح جواں نواز، وہی ساعت ہمایوں، وہی دور فرخ فال ہے۔ ارباب سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوان کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے۔ آتش کدہ فارس بجھ گیا.... دریائے ساوہ خشک ہوگیا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں بلکہ شان عجم۔ اور شوکت روم۔ اوج چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے۔ آتش فارس نہیں بلکہ جحیم شر آتش کدۂ کفر، آذر کدۂ گمرہی سرد ہوکر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی۔ بت کدے خاک میں مل گئے۔ شیرازہ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔ توحید کا غلغلہ اٹھا۔ چمنستان سعادت میں بہار آگئی، آفتابِ ہدایت کی شعائیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاق انسانی کا آئینہ پرتو قدس سے چمک اُٹھا۔ یعنی یتیمِ عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہِ حرم، حکمران عرب، فرمانروائے عالم، شہنشاہ کونین عالمِ قدس سے عالمِ امکاں میں تشریف فرمائے عزت واجلال ہوا۔"

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ

(اقتباس ازاں سیرت النبیؐ از علامہ شبلی نعمانیؒ ، علامہ سید

سلیمانندویؒ)

ماہ ربیع الاوّل میں صرف ظہور قدسی ﷺ نہیں ہوا بلکہ عالم نوطلوع ہوا۔ جس روز نبی اکرم ﷺ نے جہان خاکی میں قدم رکھا اس روز سے تاریخ عالم نے نئے سفر کا آغاز کیا اس روز ایک ماں سے سعادت مند فرزند کا جنم نہیں ہوا بلکہ مادرِ گیتی نے ایک انقلاب کو جنم دیا۔ اس دن محض آمنہ بی بیؓ کا گھر منوّر نہیں ہوا بلکہ تیرہ وتار خاکدان ہستی روشن ہوا۔ جس کے قدم رنجہ فرمانے سے زندگی پر شباب آ گیا اور صدیوں سے دیکھے جانے والے خواب کی تعبیر مل گئی۔ اس کی بارگاہ نسبت سے زمین ارجمند بنی اور اس کی پائیگاہ کے بوسے سے آسمان بلند ہو گیا۔ اس کی تاب رو سے شش جہتِ کائنات کو روشنی ملی اور اس کے حلقہ نو میں حیاتِ منتشر کو آسودگی نصیب ہوئی۔

انسان آدمیّت کو اپنی حرمت اور مقام ومرتبت کا علم نہ تھا۔ اسے اپنی وسعت کا ادراک ہی نہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے آکر اسے بتایا کہ اس کی حرمت کعبۃ اللہ سے افضل۔ اور اس کی ذات رازالٰہی کی مظہر ہے۔ اس کی تخلیق صرف حرف "کُن" سے نہیں بلکہ خاص دست قدرت سے ہوئی۔ وہ امانت الٰہی کا حامل بنا۔ اسے ارادہ اور اختیار کا وصف عطا کیا گیا۔ وہ اپنے ذرہ ہستی میں صحرا ہے اور قطرہ وجود میں قلزم۔ درحقیقت کائنات کا اعتبار بلند ہوا کہ انسانیّت کا وقار یہ سب کچھ صاحب لولاک ﷺ کے دم قدم سے ہے۔

ہمارے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ وتسلیم جان جہاں اور روح کائنات ہیں آپ ﷺ کے پھیلائے ہوئے نور سے یہ کائنات منوّر ہے۔ آپ ﷺ کی پھیلائی ہوئی خوشبو سے پورے آفاق معطّر ہیں۔ آپ ﷺ ہی وہ ہستی ہیں جن کے آنے سے دنیا میں بہار آئی جن کی آمد سے خالق اور اس کے بندوں کے درمیاں ٹوٹا ہوا رشتہ بحال ہوا۔ جن کے آنے سے انسانیّت کو

معراج نصیب ہوئی۔ کمزوروں و ناداروں کو قوت ملی ۔ بے سہاروں کو سہارا ملا۔ حق کے طلب گاروں کو راہِ حق و عدل اور اپنے رب سے حقیقی شناسائی ملی۔ اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہؓ نے تاریخی جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ " کَانَ خُلُقُہ' القرآن " کہ پورا قرآن آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ میں جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ اسی ضمن میں مولانا قاری محمد طیّب جیّد عالم دین دیوبند نے کیا خوب فرمایا کہ جو چیز قرآن کریم میں " قال " ہے وہ ہمارے محبوب کریم ﷺ کا "حال" ہے۔ جو الفاظ قرآن مجید میں نقوش ہیں وہی ذات مصطفوی ﷺ کے اعمال ہیں۔

امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ دُنیا میں اُس وقت تشریف لائے جب آفتابِ توحید کفر و شرک کی گھٹاؤں میں پنہاں ہو چکا تھا۔ کواکب پرستی، آتش پرستی، عناصر پرستی کا رواج تھا۔ منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کرنے والے سینکڑوں مذاہب تھے۔ لیکن اللہ کا نور ان میں کسی کے پاس نہ تھا۔ سارے ادیان و مذاہب مسخ ہو چکے تھے۔ مُنزّل مِنَ اللہ کتابوں کا لوگ نام تو لیتے تھے لیکن ان کی تعلیمات میں کثرت سے تحریفات شامل تھیں۔ خدا کے وجود سے منکر تو ظاہر مگر ماننے والے پوشیدہ تھے۔ حضور اقدس ﷺ کی بعثت سے دُنیا کفر و شرک کی نجاستوں سے پاک ہوگئی اور فضاء آسمانی توحید کے نغموں سے گونج اُٹھی۔

حضرت محمد الرسول اللہ ﷺ کا کوہ صفا کا خطبہ مکّہ کی فضاؤں میں گونجا اور کچھ ہی عرصہ بعد کُل جہاں نغمہ توحید سے معمور ہوگیا۔ آفتابِ توحید چمکا اور سارا عالم بُقعۂ نور ہوگیا۔ مخلوق اپنے خالق کے آگے جھک گئی۔ عبد و معبود کا ٹوٹا رشتہ جوڑ دیا گیا۔ شریعتِ حقہ پر لوگ کامزن ہوگئے۔ معرفتِ الٰہی کے بند دروازے کھل گئے۔ بت کدے سرنگوں ہوگئے۔ آتش کدے سرد ہوئے اور کفر و شرک کے خس و خاشاک دریائے وحدت میں بہہ گئے۔ آپ ﷺ ہی کی بابرکت بعثت سے دنیا کو بے پناہ سعادتیں نصیب ہوئیں۔ جن سے کائنات کا وجود ہوا۔ آپ ﷺ کے

اس احسان عظیم کے بارِگراں سے کبھی صرفِ نظر ممکن نہیں۔ آپ ﷺ سچ مچ رحمت اللعالمین ہیں۔ محمد ﷺ عبدِ کامل ہیں۔ خاتم الانبیاء ہیں۔ علم کے دریائے رواں ہیں۔ معرفت کے بحرِ زخار ہیں۔ مساوات کے سب سے بڑے داعی اور راہنما ہیں۔ امن وانصاف کے سب سے بڑے علمبردار ثابت ہوئے۔ جنہوں نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ بنی نوع انسان کے لئے دین اسلام کی صورت میں ایک مکمل ضابطہ حیات پیش کیا۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ اَلدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا ☆ وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اَللَّوْحِ وَالْقَلَمْ

ترجمہ: ہردوعالم حضورذات اقدس کے طفیل ظہور میں آئے اورلوح وقلم کاعلم آپ ﷺ کے علم کا ایک جزو ہے۔

(شعرازقصیدہ بردہ شریف ازاں شرف الدین محمد بوسیریؒ)

اصل تاریخ پیدائش :

تاریخ ولادت باسعادت حضوراکرم رسالت مآب ﷺ کے متعلق مصر کے مشہور زمانہ ہیئت دان محمود پاشا فلکی نے ایک تحقیقی مقالہ لکھا جس میں انہوں نے دلائل ریاضی وعلم نجوم سے ثابت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت 9 ربیع الاوّل بروز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کوہوئی۔ تاریخ ولادت کے متعلق مختلف آراء جومشہور سوانح حیات ﷺ میں درج ہیں ان کے حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

1۔ سیرۃ النّبی از علامہ شبلی نعمانیؒ ..... سوموار 9 ربیع الاوّل ۲۰ اپریل ۵۷۱ء

2۔ رحمۃ اللعالمین از سید سلیمان ندوی .... " " " ۲۰/۲۱ "

3۔ تاریخ ابن ہشام از ابن ہشام ..... " " " ۲۲ "

4۔ سیرۃ المصطفٰے از مولانا محمد ادریس کاندھلوی..... ۸ ربیع الاوّل ۵۷۰ء

5۔ قصص القرآن از مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاری..... ۹ ربیع الاوّل ۱۲ اپریل ۵۷ء

6۔ محسن انسانیت از نعیم صدیقی ..... ۹ " " ۲۲ " "

۵۷ء

7۔ ترجیحی قول ..... 9 ربیع الاوّل مطابق ۲۲ / ۲۰ اپریل ۵۷ء

☆☆☆☆☆

معجزات قبل از ولادت و بشارات بعد از ظہور قدسی و بعثت نبوی:

حُسن یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضاء داری ☆ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

پہلا معجزہ :

سرورِ کونین ﷺ کی ولادت باسعادت سے قبل تولیّت کعبہ حضرت عبدالمطلب جو اہل قریش کے مقتدر شخصیت تھے کے سپرد تھی جو حضور نبی اکرم ﷺ کے دادا تھے یعنی حضرت عبداللہ کے والد ماجد تھے۔ ان کو رویائے صادق (سچے خواب) کے ذریعہ بشارت دی گئی کہ حضرت اسماعیل حضور اکرم (جدامجد نبی اکرم ﷺ) کی نشانی چاہ زم زم جو بعد میں بند کرادیا تھا۔ اُسکو دوبارہ تلاش کر کے جاری کیا جاوے اس جگہ کی خواب میں نشاندہی بھی کرادی گئی۔ اور آپ ﷺ کے دادا نے اپنے واحد حیات بیٹے حارث کی امداد سے کھدائی کر کے چاہ زم زم تلاش کرلیا اور اسے رسالتمآب ﷺ کی آمد اور بعثت سے پہلے امّتِ مسلمہ کے لئے رواں کردیا۔

دوسرا معجزہ :

حضرت آمنہ حضرت عبداللہ سے نکاح کے بعد پہلے ہی ہفتہ میں امانت دار محمدی ﷺ بن گئیں۔ اس وقت کے رسم و رواج کے مطابق بوڑھی عورتیں حضرت آمنہ کے ہاتھوں اور پاؤں

میں لوہے کے کڑے و کنگن پہنا دیتیں لیکن وہ خود بخود گر جایا کرتے تھے۔ سرور کائنات ﷺ کی پیدائش کے موقع پر ایران کے شہنشاہ کسریٰ کے محل میں دراڑیں پڑ گئیں اور محل کے چودہ کنگرے ٹوٹ کر گر پڑے۔

تیسرا معجزہ :

ابرہہ نامی عیسائی سردار یمن کا حاکم تھا اُس نے لوگوں کو خانہ کعبہ میں جا کر حج و طواف کرنے سے روکنے کے لئے صنعاء کے مقام پر ایک عظیم الشان گرجا تعمیر کرایا۔ لوگ وہاں عبادت پر پھر بھی راغب نہ ہوئے تو اس پر غصہ میں آ کر بیت اللہ شریف ڈھانے کا قصد کیا۔ لشکر کشی کے لئے ہاتھیوں کی فوج لے کر حملہ آور ہونے کے لئے مکّے جا پہنچا۔ اہل قریش گھبرا کر بیت اللہ شریف کی حفاظت کے لئے جنگ کرنے کے بجائے شہر خالی کر گئے۔ اس حالت میں حضور نبی اکرم ﷺ کے چچا ابو طالب نے فرمایا کہ اس گھر کی وہی حفاظت کرے گا جس کا یہ گھر ہے آپ کے فرمان کے مطابق مشیت ایزدی سے ابابیلوں کے ذریعہ غیبی مدد آئی اور انہوں نے اپنی چونچوں سے کنکریاں برسائیں جس کے ذریعہ ہاتھیوں کا لشکر تباہ ہو گیا۔ اس واقعہ کے 52 دنوں کے بعد ولادت باسعادت ہوئی۔

چوتھا معجزہ :

عرب رسم و رواج کے مطابق مکہ کے مضافات سے عورتیں مکہ مکرمہ کے رؤساء کے بچّوں کو دودھ پلانے اور اخلاق حسنہ اور فصاحت و بلاغت سکھانے کے لئے، سال میں دو مرتبہ آ کر معاوضہ حاصل کرنے کے لئے لیجاتی تھیں۔ حلیمہ سعدیہ کی اونٹنی بوڑھی اور لاغر تھی اس لئے مکہ میں سب سے آخر میں پہنچیں جب تک تمام عورتیں امراء اور رؤساء کے بچے گود لے چکیں تھیں۔ حلیمہ سعدیہ نے باقی رہ جانے والے درّ یتیم کو گود لیا۔ حضور اکرم ﷺ کی سواری سے

مذکورہ اونٹنی تازہ دم، جوان اور تندرست ہوگئی اور سب سے تیز بھاگنے لگی جسے دیکھ کر تمام دنگ رہ گئے اور پریشان ہوئے۔

پانچواں معجزہ :

شیر خواری کے دوران حضورﷺ اپنی رضاعی ماں کا دودھ ایک طرف سے پیتے تھے اور دوسری جانب کا دودھ اپنے رضاعی بھائی کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔

چھٹا معجزہ :

حضرت عبدالمطلب جب بھی قبیلہ کے کسی جلسہ میں سرداری کے فرائض سرانجام دیتے تو حضورﷺ کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھاتے۔ حضرت عبدالمطلب کو اپنے پوتے سے اسقدر عقیدت اور محبت تھی کہ خشک سالی کے دوران حضور اکرمﷺ کا نام لیکر اور ان کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے بارش کے لئے دُعا کی تو دُعا مستجاب ہوئی اور خوب مینہ برسا کہ خشک سالی ختم ہوگئی۔ حضرت عبدالمطلب کو حضور اکرمﷺ پر اتنا اعتماد و بھروسہ تھا کہ جو چیز گم ہوجاتی حضور اکرمﷺ کو وہ چیز ڈھونڈ لانے پر مامور کرتے تو حضور اکرمﷺ وہ چیز لا حاضر کرتے۔ دادا نے انتقال کے وقت حضور اکرمﷺ کا ہاتھ اپنے سب سے زیادہ فیاض اور فراخدل فرزند ابوطالب کے سپرد کیا اور حضورﷺ کی پرورش ونگہداشت کی تاکید فرمائی جس کو انہوں نے تازیست باطریقِ احسن نبھایا۔

ساتواں معجزہ :

حضور نبی اکرمﷺ ۱۷ سال کی عمر میں اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ بضد ہوکر تجارتی قافلہ میں شامل ہوئے۔ شام کے علاقہ بصریٰ میں قافلوں کا پڑاؤ تھا جو رومیوں کے قبضہ میں تھا۔ وہاں ایک کلیسا تھا جس کا نصرانی راہب "بحیرا" تھا۔ جو مشہور عالم زمانہ تھا اس نے دور سے

قافلہ کو آتا دیکھا کہ جو کم سن بچہ اس قافلہ میں شامل ہے اس پر بادل کا ٹکڑا مسلسل سایہ فگن ہے۔ پھر جہاں قافلہ رُکا اور جس درخت کے نیچے اس بچہ نے قیام فرمایا اس درخت کی شاخیں جُھک گئیں۔ اس راہب نے کبھی کسی قافلہ والوں کو مدعو کر کے دعوت نہ دی تھی لیکن اس مرتبہ تمام قافلہ کو دعوت پر مدعو کیا۔ حضور ﷺ کے چچا اپنے کمسن بھتیجے کو اونٹوں اور سامان کی حفاظت کے لئے پیچھے چھوڑ کر خود تمام قافلہ والوں کے ہمراہ دعوت میں چلے گئے۔ بحیرا راہب نے قافلہ میں رہ جانے والے کسی مسافر کا بار بار دریافت کیا حتیٰ کہ پیچھے چھوڑ جانے والے بچہ کو بھی مدعو کرنے پر اصرار کیا لہٰذا آپ ﷺ کو بلوایا گیا۔ راہب نے اس بچہ کے جسم اور چہرہ پر تمام نشانیاں تلاش کیں اور دونوں شانوں کے درمیاں مہر نبوت پائی۔ ابو طالب سے اس بچہ کی نسبت دریافت کیا۔ تو ابو طالب نے فرمایا کہ یہ میرا بچہ ہے۔ جس کی راہب نے تردید کی کہ اس کے علم کے مطابق اس کو یتیم ہونا چاہیے جس پر سب نے راہب کی بات کی تصدیق کی۔ راہب نے اس بچے کو جلد واپس لیجانے اور اہل یہود سے اس کی حفاظت کرنے کی تلقین کی۔ وہاں پر کئی دیگر اہل علم یہودی راہبوں نے آپ ﷺ کو گزند پہنچانے کا قصد کیا لیکن بحیرا راہب کی مداخلت پر باز رہے جس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ بحفاظت واپس مکہ تشریف لائے۔ یہ وہی راہب تھا جس نے حضور محمد ﷺ کو "سیّدُ المُرسَلین" سے خطاب کیا تھا۔

آٹھواں معجزہ :

حضور نبی اکرم ﷺ نے پندرہ سال سات ماہ کی عمر میں اپنے چچاؤں کے اصرار پر جنگِ فجّار میں شرکت فرمائی۔ یہ جنگ اہل قریش کی آپس میں ذاتی رقابت اور پرخاش کے سبب ہوئی جس پر باہم قتل وخون ہوتا رہا۔ یہ جنگ ان مہینوں میں ہوئی جن میں جنگ وقتال ممنوع تھا۔ اس لئے نبی اکرم ﷺ نے خود تلوار نہ اُٹھائی اور نہ قتال کیا۔ صرف مخالف دشمنوں کی جانب

سے برسائے گئے تیر اُٹھا کر حضور اقدس ﷺ اپنے چچاؤں کو پیش کر دیتے۔ یہ باہمی جنگ وقتال بہر حال صلح پر منتج ہوئی اور تمام قبائل قریش نے آپس میں عہد کیا کہ وہ کبھی باہمی جنگ وقتال نہ کریں گے بلکہ کمزوروں کی امداد کریں گے۔ یہ معاہدہ " حلف الفضول " کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے حلف کی تقریب میں حضور اکرم ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی اور ہمیشہ اس کا پسندیدگی سے ذکر فرمایا۔ حضور رسالتمآب ﷺ اکثر فرماتے کہ اگر کوئی انہیں ہزاروں اونٹ اس معاہدہ کے عوض دیتا تو معاہدہ پر اس کو ترجیح نہ دیتے بلکہ اگر دوبارہ ایسا معاہدہ ہو تو اس میں شرکت فرمانا پسند کریں گے۔

خدیجۃ الکبریٰ کا سامان تجارت لیجانا اور نواں معجزہ :

اس وقت مکہ مکرمہ میں ہی نہیں بلکہ تمام حجاز میں خدیجۃ الکبری ایک امیر وکبیر خاتون مشہور تھیں۔ اہل قریش کے تمام سرمایہ داروں کے مقابلہ میں زیادہ مال تجارت حضرت خدیجہ کا ہوتا تھا۔ انہیں کسی امانت دار اور بہترین منتظم شخص کی تلاش تھی جو ان کے مالی امور کی نگرانی کر سکے۔ ان کی نظر انتخاب حضور اکرم ﷺ پر پڑی لہٰذا حضور اقدس ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کی اجازت سے یہ پیش کش قبول کر لی۔ اس طرح آپ ﷺ نے شام کی طرف دوسرا تجارتی سفر اختیار کیا۔ آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت خدیجہ کا نہایت وفادار غلام " میسرہ " بھی تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے بصریٰ کے مقام پر ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا تو اس کے قریب بھی ایک کلیسا تھا جس کا راہب " نسطوار " نامی عالم روزگار تھا۔ اس نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آپ ﷺ کے علاوہ کسی شخص نے اس درخت کے سایہ میں قیام نہ کیا ہے اور میسرہ سے راہب نے کہا کہ وہی نبی آخری الزماں ﷺ ہیں جن کو آنا تھا۔ میسرہ غلام نے دوران سفر مشاہدہ کیا کہ بوقت دوپہر سورج کی دھوپ اور گرمی

سے بچانے کے لئے آپ ﷺ پر دو فرشتے اپنے پروں کا سایہ کئے رہتے ہیں اور درخت کی شاخیں آپ ﷺ پر جھک جاتیں ۔ اس کے علاوہ شام میں دوران خرید وفروخت سامان آپ ﷺ کی کسی شخص سے تکرار ہوگئی ۔ اس جھگڑالو شخص نے آپ ﷺ کو بتوں کی قسم کھانے کو کہا جس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بتوں کی قسم کھانا پسند نہیں کرتے بلکہ ان کے سامنے سے گزر ہو تو منہ پھیر کر گزرنا پسند کرتے ہیں ۔ لات وعزّہ جیسے مشہور بتوں سے بیزاری کا برملا اعلان کوئی معمولی بات نہ تھی ۔ نبی اکرم ﷺ کی زبان سے اس جھگڑالو شخص نے یہ باتیں سن کر بجائے لڑنے مرنے پر آپ ﷺ کی تصدیق کی کہ آپ ﷺ یقیناً وہی سچے و آخری نبی ہیں جن کی آمد کی دُنیا منتظر تھی ۔ اس نے یہ تکرار محض حقیقت کی تصدیق کے لیے کی تھی ۔

دوران سفر آپ ﷺ کو تجارتی مال میں سے بے پناہ منافع ہوا اور اتنا فائدہ ہوا جتنا حضرت خدیجہ کو اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا ۔ جب آپ ﷺ واپس مکہ مکرّمہ تشریف لا رہے تھے اس وقت دوپہر کا وقت تھا حضرت خدیجہؓ کو قافلہ کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی وہ اپنے مکان کی چھت پر بیٹھی قافلہ کی واپسی کا منظر دیکھ رہی تھیں ۔ حضور اکرم ﷺ کی اس شان سے آمد نے انہیں بے حد متاثر کیا کہ دوپہر سورج کی گرمی اور تپش کی شدت سے بچانے کے لئے بادل کا ٹکڑا آپ ﷺ پر سایہ فگن ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے اور فرشتے اپنے پروں کا سایہ کیئے چل رہے تھے ۔

ورقہ بن نوفل کی تصدیق :

شام کے تجارتی سفر کے بعد حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ نے آپ ﷺ کے سیرت وکردار کا جو مشاہدہ کیا تھا اور نسطوار راہب اور جھگڑالو شخص کے واقعات سے حضرت خدیجہؓ کو آگاہ کیا ۔ حضرت خدیجہ نے اس کا ذکر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے کیا جو بہت

بڑے علم دان تھے انہوں نے کہا اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو آپ ﷺ ضرور وہ آخری نبی ہیں جن کی آمد لازمی امر مقرر رہے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ جو بیوہ تھیں اور باقی زندگی اسی طرح گزارنے کا عہد کر چکی تھیں وہ اپنا زیادہ وقت خانہ کعبہ میں گزارتی تھیں۔ کئی سرداران قریش نکاح کے پیغام بھجوا چکے تھے بلکہ ایک سردار نے ایک ہزار اونٹ تک حق مہر میں دینے کی پیش کش کی لیکن حضرت خدیجہؓ نے قبول نہ فرمایا۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی پاکدامنی اور اعلیٰ سیرت و کردار کی حامل ہونے کی وجہ سے اہل قریش نے آپ کو "طاہرہ" کے خطاب سے سرفراز کیا ہوا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے حضور اکرم ﷺ کی سیرت و کردار اور اعلیٰ حسب و نسب سے متاثر ہو کر اور چونکہ دونوں کا تعلق ایک ہی خاندان سے تھا جن کا شجرۂ نسب جناب قصیّ بن کلاب سے جا ملتا ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذریّت میں سے تھے۔ حضور اکرم ﷺ سے عقد کرنے کی خواہش کا اظہار کیا اور اپنی کنیز "نفیسہ" کے ذریعہ پیغام بھجوایا جس کو حضور اکرم ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے مشورہ و اجازت سے قبول کر لیا۔ اُن کا نکاح ورقہ بن نوفل نے پڑھایا اور پانچ صد طلائی درہم حق مہر کے عوض عقد ہوا۔

دسواں معجزہ وابتداء نزول قرآن:

نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے علم لدونّی عطا فرمایا، آپ ﷺ نے کسی سے دنیاوی علوم کا درس نہ لیا اس لیے آپ ﷺ "نبی اُمّی" کے لقب سے موسوم ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ پر بھی بعثت نبوی سے سات سال قبل خوابوں میں اسرار منکشف ہونے شروع ہو گئے تھے جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے بعینہٖ وہی معاملات معمولات زندگی میں رونما ہوتے حضور نبی اکرم ﷺ کی

عمر مبارک کے چالیس سال پورے ہونے پر اگلے روز جب آپ ﷺ غار حرا میں خلوت گزاری فرما رہے تھے تو دوشنبہ ۹ فروری ۶۱۰ء کو تاریکی ہٹی، اسرار و رموز سے پردہ اُٹھا اور حقیقت عالم و انسانی زندگی کے راز منکشف ہوئے اللہ تعالیٰ کی جناب سے ایلچی حضرت جبرائیل امین علیہ السّلام رونما ہوئے اور فرمایا۔

" محمد بشارت قبول فرمایئے۔ آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں"

اس واقعہ کو سُن کر حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ زوجہ مطہرہ کے عمزاد ورقہ بن نوفل نے یوں تصدیق فرمائی :

"یہی وہ ناموس اکبر ہے جو موسیٰ علیہ السّلام پر اُترا تھا کاش میں جوان ہوتا اور اس وقت تک زندہ رہتا جب قوم انہیں نکال دے گی۔ کاش میں رہتا اور ان کی نمایاں خدمت کر سکتا"

اس واقعہ کے چھ ماہ دس یوم بعد آپ ﷺ پر پہلی مرتبہ ۱۸ رمضان المبارک سے نزولِ قرآن کا آغاز سورۃ اَلعَلَق کی ابتدائی آیات سے ہوا۔ (۹۶:۱ تا ۶) اہلِ عرب چونکہ علم الانصاب کے ماہر تھے اور تمام سردارانِ قریش کے حسب و نسب کو زبانی یاد رکھنے کا انہیں ملکہ حاصل تھا اسی لئے نزول قرآن کے بعد اپنی اعلیٰ یادداشت و حفظ کے وصف کی بناء پر جوں جوں کلام حکیم کا نزول ہوتا رہا وہ مسلمانوں کے سینے میں محفوظ ہوتا گیا۔ اور جسے تواتر کے ساتھ صحابہ کرامؓ زبانی دُہراتے اور سُن کر ضرورت پڑنے پر اصلاح کرتے رہے اسی وجہ سے اپنے نزول کے وقت سے تا قیامت کلام حکیم کے الفاظ و معانی میں کوئی تحریف یا تبدیلی ناممکن ہے بلکہ بعید از قیاس ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ

بِيَمِيْنِكَ اِذًا
الْمُبْطِلُوْنَ ۝ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِيْ
صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ط (۲۹:۴۸۔۴۹)

ترجمہ: "اور آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کیونکہ ایسی صورت میں یہ ناحق شناس لوگ کچھ شبہہ پیدا کرتے۔ بلکہ قرآن تو بیّن آیتیں ہیں۔ جو علم والوں کے سینوں میں محفوظ ہیں"۔

بعثت نبوی ﷺ کے بعد معجزات، بشارات، پیشین گوئی اور نگاہِ بصیرت:

1۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ پہاڑ پر ہمراہ صحابہ کرام تشریف لے گئے تو اسلام وعلیکم یا رسول اللہ کی ندا آئی۔ کوئی موجود نہ پا کر صحابہ کرام نے سوال کیا تو حضور ﷺ نے استفسار پر فرمایا کہ اس پہاڑ نے سلام کیا ہے۔ تمام چرند پرند۔ نباتات و جمادات حضور نبی اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجتے تھے۔

2۔ ایک جگہ پر واقع چشمہِ آب کا پانی رُک رُک کر بہتا تھا جب حضور ﷺ نے اس کے پانی سے ہاتھ منہ دھوئے تو چشمہ جوش مار کر اُبلنے لگا۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ہاتھوں کی انگلیوں سے پانی رواں ہوا جس پر برتن پانی سے بھر گیا اور صحابہ کرام نے اُس سے وضو فرمایا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کی نظر التفات اور دستِ مبارک کے لمس کی برکت اکثر مواقع پر غذا کی قلت کے دور ہونے کا موجب بنی اور کثیر تعداد میں صحابہ کرامؓ نے سیر ہو کر کھانا تناول فرمایا۔

3۔ جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ روانہ ہوئے تو کفّارانِ قریش نے اعلان کیا کہ جو محمد بن عبداللہ (ﷺ) کو پکڑ کر ان کے پاس لائے گا اسے سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ سراقہ بن مالک گھوڑے پر اسلحہ سمیت تعاقب میں نکل پڑا جب حضور نبی اکرم ﷺ کے قریب پہنچا تو سراقہ کے گھوڑے کی اگلی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں اور سراقہ زمین پر گر پڑا۔ جب گھوڑے نے زمین سے پاؤں نکالے تو ایک دھواں بگولے کی طرح زمین سے برآمد ہوا جو خدا کی جانب سے پیارے رسول ﷺ کی حفاظت کے لیے تھا اُن واقعات سے سراقہ تائب ہوا اور گرفتار کرنے کا مشن ترک کر دیا۔

4۔ مسجد نبوی میں جس کھجور کے درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر حضور ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے اُس جگہ بعد میں ایک منبر بنا دیا گیا تو جس روز آپ ﷺ نے اس پر بیٹھ کر خطبہ دیا تو وہ کھجور کا درخت گریہ زاری کرنے لگا۔ صحابہ کے استفسار پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ اس کھجور کے تنے کی آہ وزاری ہے جس پر حضور ﷺ نے اس تنے سے دریافت کیا کہ تجھے سرسبز و شاداب درخت بنا دیا جائے یا یہ کہ جنّت کا درخت۔ اس پر تنے نے جواب دیا کہ حضور مجھے جنّت میں جگہ ملے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو جنّت کا درخت ہوگا۔ اس کے بعد مسجد نبوی ﷺ میں اس کو زمین میں دفن کرا دیا جو جگہ ریاض الجنۃ کہلاتی ہے وہاں ستون (موسومہ استوانہ حنانہ) استادہ ہے۔

5۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک یہودی کو فرمایا کہ تو کس طرح ایمان لائے گا اُس نے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ چل کر حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے۔ اس پر حضور ﷺ نے یہودی کو کہا کہ تم خود یہ پیغام درخت کو دیدو کہ محمد ابن عبداللہ (ﷺ) تجھے بلاتے ہیں۔ اس پر یہودی نے کہا کہ کیا ایسا ممکن ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ خود

جا کر یہ پیغام دے۔ یہودی کا پیغام دینا تھا کہ درخت نے انگڑائی لی اور جڑوں سمیت چل کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس پر یہودی نے کہا کہ اب یہ درخت اسی طرح اپنے مقام پر واپس جائے تب مانوں گا۔ حضور ﷺ نے اس درخت کو واپسی کا حکم دیا جس پر وہ درخت اسی طرح واپس جا کر اپنی جگہ حسب سابق استادہ ہو گیا جسے دیکھ کر وہ یہودی ایمان لے آیا۔

6۔ مکہ مکرمہ کے قریب ہی پہاڑ جبل ابو قبیس کی چوٹی پر ایک تعمیر شدہ مسجد ہلال تھی جہاں حضور ﷺ کے حکم سے شق القمر کا معجزہ حضور نبی اکرم ﷺ کے اعلانِ نبوت کے آٹھ برس بعد ظہور پذیر ہوا کہ ایک انگشت کے اشارہ پر چاند دو ٹکڑے ہو کر جدا ہوا اور پھر حسب سابق دونوں ٹکڑے مل کر چاند مکمل ہو گیا۔

7۔ حضور اقدس ﷺ مسجد نبوی میں شریک صحابہ کرام کو جب بھی خطاب فرماتے تو آپ ﷺ کی آہستہ آواز کو جس طرح قریب بیٹھے سنتے اسی طرح دور بیٹھے اصحاب اسی لب ولہجہ میں سماعت کرتے تھے۔ جس کی سب سے بڑی مثال آپ ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع تھا جب آپ ﷺ نے جبل الرحمۃ کی پہاڑی سے میدان عرفہ میں مقیم ایک لاکھ چوبیس ہزار حجاج صحابہ کرام کو خطاب فرمایا۔ اس وقت لاؤڈ سپیکر جیسا کوئی آلہ ایجاد نہ ہوا تھا۔ لیکن حضور اکرم ﷺ کے خطاب کو تمام حاضرین نے اسی طرح سماعت کیا جس طرح آپ ﷺ نے خطاب فرمایا۔ اس خطبہ کو من وعن جملہ حجاج کرام تک پہنچانے کے فرائض اس وقت چند صحابہ کرام نے بھی سرانجام دیئے۔

8۔ حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں شریک جس طرح سامنے بیٹھے صحابہ کرامؓ پر آپ ﷺ کی نظر ہوتی اسی طرح آپ ﷺ کی نظر دائیں بائیں حتیٰ کہ پشت کے پیچھے بیٹھے اصحاب پر بھی

ہوتی تھی۔ آپ کو منہ پھیر کر یا مڑ کر دیکھنے کی حاجت نہ ہوتی تھی یہ آپ ﷺ کی نظرِ بصیرت کا کمال تھا۔

9۔ جنوں کی جماعت نے خود پیش ہو کر کلام حکیم کی تلاوت حضور اقدس ﷺ سے سنی اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔

10۔ نبی اکرم ﷺ کا سایۂ مبارک نہ تھا جو بذاتہٖ کسی معجزہ سے کم نہیں۔ کیونکہ روشنی (نور) کا سایہ نہیں ہوتا۔

11۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے معرکہ حق و باطل یعنی غزوہ بدر کے موقع پر اسلام کی فتح کے لیے مٹھی بھر خاک لیکر لشکرِ کفارانِ قریش کی جانب پھینک دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لشکر کفار کی نگاہیں خیرہ ہوگئیں اور ان کی نگاہوں میں جنگ کا نقشہ ہی کچھ اور نظر آنے لگا حتیٰ کہ ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوئے۔ اس معرکہِ حق و باطل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرستادہ ملائکہ سے مجاہدین اسلام کی مدد کی اور وہ فتح مبین سے ہمکنار ہوئے۔ اس واقعہ کا حوالہ سورۃ انفال قرآن حکیم میں اس طرح آیا ہے

"سو تم نے اُن کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے (بیشک) ان کو قتل کیا اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکی اور تا کہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے ان کی محنت کا خوب صلہ دے" (۷ : ۱۶)

12۔ معرکہِ حق و باطل شروع ہونے سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ میدان کارزار میں تشریف لائے اور ہاتھ میں پکڑی چھڑی سے مختلف جگہوں کی نشاندہی فرمائی کہ کس، کس جگہ پر کون، کون سے سرداران قریش کا لاشہ مقتل گاہ میں پڑا ہوگا۔ فتح مبین کے بعد مجاہدین اسلام نے خود مشاہدہ کیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے جس طرح پیشین گوئی فرمائی تھی عین

اسکے مطابق سرداران قریش کی لاشیں پڑی ملیں۔

13۔سراقہ بن مالک جب حضور نبی اکرم ﷺ کو دوران سفر ہجرت کسی قسم کا نقصان پہنچانے کے مقصد میں ناکام ہوکر تائب ہوا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے سراقہ کو فرمایا کہ سلطنتِ کسریٰ کے سونے کے کنگن تیرے ہاتھوں میں پہنائے جائیں گے۔اس وقت تو سراقہ کو اس بات پر تعجب ہوا مگر سیدنا عمرؓ ابن خطاب کے دور خلافت میں نبی آخرالزماں ﷺ کی وہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ ایران فتح ہوا اور وہاں کے حاصل ہونے والے مال غنیمت میں شامل شاہی خاندان کے سونے کے کنگن بھی تھے جو خلیفہ دوئم نے سراقہ کے ہاتھوں میں پہنا دئے۔

14۔غزوہ بدر میں فتح مبین کے بعد کفاران قریش کے گرفتار ہونے والوں کو فدیہ لیکر رہا کیا جاتا تھا۔ان قیدیوں میں نبی اکرم ﷺ کے چچا زاد عباسؓ ابن مطلب بھی تھے۔لہٰذا نبی اکرم ﷺ نے عباسؓ اور ان کے دونوں بھتیجوں کا فدیہ ادا کرنے کو کہا تا کہ انہیں رہا کیا جاسکے۔عباسؓ نے کہا کہ اس کے پاس اتنی رقم نہیں ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو رقم تم نے ام الفضل سے کہہ کر زمین میں دفن کروائی ہے اس میں سے ادا کردو۔یہ سن کر عباسؓ نے کہا کہ خدا کی قسم آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ﷺ ہیں کیونکہ اس بات کا عباسؓ اور ان کی زوجہ اُمّ الفضل کے علاوہ کسی اور کو علم نہ تھا لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کو اس کا علم ہوگیا۔

15۔ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ اُحد کے پہاڑ پر تشریف لے گئے۔آپ ﷺ کے ہمراہ صدیق اکبرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ تھے۔اُحد کا پہاڑ لرزنے لگا تو آپ ﷺ نے اپنا قدمِ مبارک پہاڑ پر مار کر فرمایا اُحد تھم جا کہ تجھ پر ایک رسولؐ، ایک صدیق اور دو شہداء

کھڑے ہیں۔اس حکم کو سن کر پہاڑ حسب سابق ساکت ہو گیا اور حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئی حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کی صورت میں پوری ہوئی۔ (بحوالہ بخاری شریف بروایت حضرت انسؓ)

16۔ نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے تقریباً 60 میل دور بمقام جعرانہ قیام فرمایا جہاں شہدائے غزوہ حنین کا قبرستان واقع ہے۔آپ ﷺ نے وہاں کے مکینوں سے پینے کے لئے پانی طلب فرمایا تو انہوں نے بتایا کہ ان کے کنویں کا پانی کھارا اور کڑوا ہے جس پر رسالتمآب ﷺ نے اپنے لعاب دہن مبارک اس کنویں میں ڈالا جس کی وجہ سے کنویں کا پانی شیریں ہو گیا اور آج تک مسلمان اس شیریں آبِ شفاء سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔یہ وہ مقام ہے جہاں سے غیر ممالک سے آنے والے عمرہ کے لیے احرام باندھتے ہیں اس جگہ کو بڑا عمرہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے اور ایک روایت کے مطابق جبرئیل امینؑ نے آپ ﷺ کی خدمت میں جنّت سے لاکر احرام کی چادریں پیش کیں اور آپ ﷺ نے وہاں سے احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا۔

17۔دین اسلام کے مختلف امور سے آگہی، تصوّر وحدانیت اور اصلاح معاشرہ کے لیے سابقہ ادوار میں جو انبیاء و رُسل مبعوث ہوئے انہوں نے طویل اور دراز عمر پائی حتیٰ کہ کئی پیغمبران نے کئی کئی سو سال کی عمر پائی۔جبکہ دین اسلام کو مکمل ضابطہ حیات کی صورت میں نافذ کرنے کے لیے مشن رسالتمآب نبی آخرالزماں ﷺ نے ۲۳ سالوں کی قلیل مدّت میں پورا کیا۔آپ ﷺ دنیا کے واحد انسان ہیں جنہیں عاقبت کا مشاہدہ کرانے اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لیے ذاتی اعزاز "معراج" کا شرف حاصل ہوا۔جس کے لیے ارض و سمٰوت کے تمام قانون و ضابطے معطّل کر کے اللہ تعالیٰ نے خصوصی شرفِ

ملاقات عطا فرمایا۔

﴿حضور نبی اکرم ﷺ کا شجرۂ نَسَب اور خاندان﴾

منصبِ نبوت پر سرفرازی سے پہلے حجاز مقدّس کی عظیم ہستی جو صادق اور امین موسوم تھی ان سے عقد کے لیے حضرت خدیجہ الکبریٰ نے بڑی عمر اور بیوہ ہونے کے باوجود خود پیغامِ عقد بھیجا جو اُس ذاتِ اقدس ﷺ نے قبول فرمایا۔ اسی طرح بعثتِ نبوی ﷺ کے بعد کلام حکیم کی اس درج ذیل آیات کی رُو سے کہ نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کو اللہ تعالیٰ دوسری عورتوں کی نسبت ان کی نیکیوں کا دُگنا اجر عطا فرمائے گا۔ اس لیے بیشتر نیک، صالح اور اعلیٰ حسبَ ونَسب کی خواتین نے خود نبی اکرم ﷺ سے عقد کی خواہش کا اظہار کیا جس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے کثرتِ ازدواج کی اجازت ملنے پر نئی امّت کی تربیّت اور اصلاحِ معاشرہ کی خاطر رسول مقبول ﷺ نے ان بیوہ گان، یتیم اور بے سہارا معزّز خواتین سے عقد فرمایا۔ جس سے مُسلم خواتین میں تبلیغ اسلام اور ان کے نسوانی مسائل کی راہنمائی مہیّا کرنا بھی مقصود تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے جملہ ازواجِ مُطہرات پر تازیست عقد کرنا حرام (ممنوع) قرار دے دیا تھا۔ اس سلسلہ میں کلامِ حکیم میں ارشاد ربانی ہوا:

"جو عورتیں خود کو بلا معاوضہ پیغمبر کے حوالہ کر دیں بشرطیکہ پیغمبر اُس کو نکاح میں لانا چاہیں....

الخ.... (۳۳:۵۰تا۵۲)۔

"اے نبی اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ جو کوئی تم میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری

کرے گی اور نیک کام کرے گی تو ہم اُس کو دوہرا ثواب دیں گے اور ہم نے اس

کے لیے عمدہ

روزی تیار کر رکھی ہے" (۳۳:۳۱)۔

ازواج مطہرات :

1۔اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ بنتِ خویلد جن کا تعلق قبیلہ اَسَد قریش سے تھا۔آپ ؓ بیوہ تھیں۔ پہلے خاوند سے آپ ؓ کی کوئی اولاد نہ تھی۔آپ کی عمر چالیس سال تھی اور نبی اکرم ﷺ کی عمر پچیس سال کی تھی جب آپ ؓ کا عقد ہوا۔ان کی زندگی میں حضور نبی اکرم ﷺ نے کوئی عقد ثانی نہ کیا۔حضور ﷺ کی تمام اولاد تقریباً انہی کے بطنِ مبارکہ سے تولّد ہوئی۔آپ ؓ کا وصال ہجرت مدینہ سے تین سال قبل ہوا۔آپ ؓ کا جائے مدفن مکّہ مکرّمہ میں جنّت المعلیٰ بنا۔

2۔حضرت سودہ ؓ بنتِ زمعہ جن کا تعلق قبیلہ عاحر بن لدی قریش سے تھا۔آپ ؓ بیوہ تھیں آپ ؓ کی عمر 30 برس کی تھی جب ہجرتِ مدینہ سے تین سال قبل آپ ؓ کا عقد ہمراہ نبی اکرم ﷺ قرار پایا۔آپ ؓ کا وصال 54ھ میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری ایام میں ہوا۔

3۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ بنتِ ابوبکر صدیق ؓ جن کا تعلق قبیلہ قریش کی تیم شاخ سے تھا۔آپ واحد نا کتخدا خاتون تھیں جن کا بہت کم عمری میں بحکم خدا عقد ہمراہ رسالتمآب ﷺ ہجرت سے تین برس قبل ہوا اور آپ ؓ کا وصال 17 رمضان 58ھ میں مدینہ طیّبہ میں ہوا۔آپ ؓ کی ابدی آرام گاہ جنّت البقیع قرار پائی۔

4۔حضرت حفصہ ؓ بنتِ عمر فاروق ؓ کا تعلق قبیلہ قریش کی عدی شاخ سے تھا۔بوقت نکاح آپ ؓ کی عمر مبارک 18 سال تھی جو بیوہ تھیں۔ 3ھ میں حضور اکرم ﷺ سے نکاح ہوا اور 45ھ میں روزہ کی حالت میں وصال ہوا۔

5۔حضرت زینب ؓ بنت خزیمہ جن کا تعلق قبیلہ قریش کی شاخ عامر بنوصعصعہ سے تھا۔آپ ؓ بیوہ

تھیں جن کا عقد 3 ھ میں بعمر 30 سال میں ہمراہ نبی اکرم ﷺ قرار پایا۔ آپؓ کا وصال 4 ھ میں ہوا۔

6۔ حضرت اُم سَلِمہ بنت ابی اُمیہ المغیرہ کا تعلق قبیلہ قریش کی شاخ مخزوم سے تھا۔ آپؓ کی عمر 29 برس تھی 4 ھ میں عقد ہمراہ رسول پاک ﷺ قرار پایا اور 63 ھ میں وصال ہوا۔ ابدی آرام گاہ جنّت البقیع ہے۔

7۔ حضرت زینبؓ بنت جحش جن کا تعلق قبیلہ قریش کی شاخ اسد سے تھا۔ آپؓ رسالتمآب ﷺ کی حقیقی پھوپھی زاد ہمشیرہ تھیں۔ جن کی پہلی شادی حضور نبی اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام منہ بولے بیٹے زیدؓ بن حارث سے ہوئی۔ جن سے نباہ نہ ہوسکا۔ مجبوراً حضرت زیدؓ کو اپنی زوجہ محترمہ کو طلاق دینا پڑی۔ اس طرح آپؓ کا عقد ثانی ہمراہ نبی اکرم ﷺ 5 ھ میں ہوا۔ جب آپؓ کی عمر 38 برس تھی۔ اس طلاق اور پھر حضور اکرم ﷺ سے شادی کی اجازت کا ذکر کلام حکیم میں موجود ہے۔ آپؓ کا وصال 20 ھ میں ہوا۔

8۔ حضرت جویریہؓ بنت حارث بن ابی ضرّار جن کا تعلق قبیلہ بنی خزاعیہ سے تھا۔ جو بیوہ تھیں آپؓ کی عمر بیس برس تھی جب آپؓ کا عقد 5 ھ میں حضور اکرم ﷺ سے قرار پایا۔ آپؓ کا وصال 50 ھ میں ہوا۔ پہلے آپؓ کا نام برّہ تھا۔ عقد کے بعد آپؓ کا نام "جویریہ" رسالتمآب ﷺ نے رکھا۔

9۔ حضرت اُم حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ جن کا تعلق قریش کی شاخ شمس سے تھا آپؓ کے پہلے خاوند عبداللہ بن جحش نے مرتد ہوکر عیسائی مذہب اختیار کرلیا۔ 35 سال کی عمر میں 6 ھ میں عقد ہمراہ حضور اکرم ﷺ ہوا اور آپؓ کا وصال 44 ھ میں ہوا۔

10۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ مصری خاتون تھیں، وہ اور انکی بہن سیرین مصر اور اسکندریہ کے

بادشاہ مقوقش نے بطور ہدیہ پیش کیا تھا جنہیں رسالتمآب ﷺ نے آزاد کر کے 7ھ میں اُن سے عقد فرمایا ان کے بطن مبارک سے حضور رسالتمآب ﷺ کے ایک فرزند حضرت ابراہیمؓ تولّد ہوئے۔ آپؓ کا وصال 61ھ دورِ خلافت حضرت عمر فاروقؓ میں ہوا۔

11۔ حضرت صفیہؓ بنت حی بن اخطب جن کا تعلق مدینہ کے قبیلہ بنونضیر سے تھا، وہ مطلقہ تھیں جو دورانِ غزوہ گرفتار ہو کر آئیں۔ آپؓ کا عقد 17 سال کی عمر میں ہمراہ رسالتمآب ﷺ قرار پایا اور آپؓ کا وصال 50ھ میں ساٹھ سال کی عمر میں ہوا اور جنّت البقیع جائے مدفن بنا۔

12۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث جن کا تعلق قبیلہ قریش کی شاخ عامر صعصعہ ہلالی سے تھا۔ آپؓ بیوہ خاتون تھیں جن کا 27 سال کی عمر میں عقد ہمراہ رسالتمآب ﷺ سال 7ھ میں قرار پایا۔ آپؓ کا وصال 51ھ میں ہوا۔ بمقام سرف آپؓ کی ابدی آرام گاہ ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے حضور اکرم ﷺ کا یہ نکاح حالت احرام میں پڑھا گیا۔

13۔ حضرت ریحانہؓ بنت زید نضریہ کا تعلق مدینہ کے خاندان بنونضیر سے تھا۔ آپؓ کا عقد بعمر بیس برس 5ھ میں ہوا اور 9ھ میں انتقال ہو گیا۔

فرزندان والاتبار وبناتِ طیّبات:

حضور ﷺ کے فرزندان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

1۔ حضرت قاسمؓ : یہ حضور اکرم ﷺ کی سب سے پہلی اولاد ہیں اور ان کی نسبت ہی سے آپ ﷺ کی کنیّت ابوالقاسم مشہور ہوئی۔ دو سال کی عمر ہی میں اُن کا انتقال ہو گیا تھا۔ آپؓ کی ولادت بعثت نبوی ﷺ کے بعد ہوئی تھی۔

2۔ حضرت عبداللہؓ: بعض علماء نے دونوں فرزندان کو طیّب اور طاہر سے بھی موسوم کیا ہے۔آپؓ کا وصال بھی اوائل عمر میں ہوگیا تھا۔ان دنوں کی والدہ ماجدہ اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ تھیں۔

3۔ حضرت ابراہیمؓ: ان کی والدہ ماجدہ حضرت ماریہ قبطیہؓ تھیں، ذوالحج 8 ہجری میں ان کی ولادت ہوئی اور 10 ہجری میں ان کا انتقال ہوگیا۔

حضورﷺ کی دختران کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

1۔ حضرت فاطمۃ الزّہرہؓ : خاتون جنت اُن کا لقب ہے۔غزوہ بدر کے بعد ان کا نکاح حضرت علی مرتضیٰؓ سے ہوا۔3 رمضان المبارک 11 ہجری میں ان کا انتقال مدینہ منوّرہ میں ہوا اور جنّت البقیع جائے مدفن قرار پائی۔ان کے بطن مُبارک سے حضرتِ اَمام حَسنؓ اور اَمام حُسَینؓ تولّد ہوئے۔

2۔ حضرت زینبؓ : اُن کا عقد 14 ہجری قبل ہجرت ابوالعاصؓ بن ربیع سے ہوا جو اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کی بہن ہالہ بنت خولد کے بیٹے تھے۔8 ہجری میں مدینہ منوّرہ میں اُن کا انتقال ہوا۔ان کے بطن سے ایک بیٹا علیؓ اور دختر اُمامہؓ تولّد ہوئے۔

3۔ حضرت رقیّہؓ : مکہّ مکرمہ ہی میں قبل از ہجرت حضرت عثمان غنیؓ سے اُن کا نکاح ہوا، 2 ہجری میں مدینہ منوّرہ میں انھوں نے وفات پائی۔آپؓ کا پہلے نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا۔لیکن بعد علان نبوتﷺ اس نے اپنے والدین کی ایما پر حضرت رقیہؓ کو طلاق دے دی تھی۔حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ کے بطن مبارک سے ایک فرزند عبداللہؓ تولّد ہوئے جو چھ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

4۔ حضرت اُم کلثومؓ: حضور اکرمﷺ نے حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد اُن کا عقد

بھی حضرت عثمان غنیؓ سے کر دیا۔ 9 ہجری میں اُن کا انتقال ہوا۔ پہلے ان کا نکاح بھی بعثتِ نبوی ﷺ سے پہلے ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا لیکن بوجوہ بالا حضرت اُمِ کلثومؓ کو بھی طلاق دے دی گئی۔ انکے عقد ثانی کا حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے جبرئیل امین کے ذریعہ ملا تھا۔

حضور ﷺ کے نواسے اور نواسیاں :

سرورِ کونین ﷺ کے نواسوں کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

1۔ حضرت علیؓ بن ابوالعاصؓ 2۔ حضرت عبداللہؓ بن عثمان غنیؓ 3۔ حضرت حسنؓ بن علیؓ 4۔ حضرت حسینؓ بن علیؓ 5۔ حضرت محسنؓ بن علیؓ (آپ بوقت پیدائش وصال فرما گئے)۔

نبی اکرم ﷺ کی نواسیوں کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

1۔ حضرت امامہؓ بنت ابوالعاص۔ آپؓ کا پہلا نکاح والد کی وصیت کے مطابق زبیر بن العوام سے ہوا جن کے انتقال کے بعد اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے وصال کے بعد حضرت امامہؓ کا عقد حضرت علیؓ سے ہوا۔ جبکہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت امامہؓ کا عقد مغیرہ بن نوفل سے ہوا۔

2۔ حضرت اُمّ کلثومؓ بنتِ علی مرتضیٰؓ (زوجہ خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروقؓ)

3۔ حضرت زینبؓ بنتِ علی مرتضیٰؓ : (زوجہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ)

4۔ حضرت رقیہؓ بنتِ علی مرتضیٰؓ: ان کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔

حضور ﷺ کے چچا :

نبی اکرم ﷺ کے نو چچا تھے جو سیرت ابن ہشام کے مطابق حسب ذیل ہیں۔

1۔ حضرت حمزہؓ 2۔حضرت العباسؓ 3۔ابوطالب (عبدمناف)

4۔ ابولہب (عبدالعزی) 5۔ زبیر 6۔ مقوم

7۔ ضرار 8۔ مغیرہ 9۔ حارث۔

حضورﷺ کی پھوپھیاں: حضور نبی اکرمﷺ کی چھ پھوپھیاں تھیں جن میں حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب نے اسلام قبول کیا جن کے بطن مطاہرہ سے حضرت زبیرؓ تولّد ہوئے جوام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے حقیقی بھتیجہ اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے داماد تھے انہیں حواری رسول مقبولﷺ ہونے کا شرف حاصل تھا۔ دیگر پھوپھیوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

2۔ ام حکیم البیضا (یہ حضرت عثمان غنیؓ کی نانی تھیں) 3۔ اروی 4۔ عاتکہ 5۔ برّہ

6 ۔ امیمہ بعض مؤرخین کے مطابق اروی اور عاتکہ نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا۔

حدیث نبوی بروایت حضرت ابن عباس، رسول اللہﷺ نے فرمایا :

"اللہ تعالیٰ نے خلق کی تخلیق فرمائی تو مجھے سب سے اچھے گروہ میں بنایا۔ پھران کے دو گروہوں میں

سے زیادہ اچھے گروہ کے اندر رکھا۔ پھر قبائل کو چنا تو مجھے سب سے اچھے قبیلے کے اندر بنایا پھر۔

گھرانوں کو چنا تو مجھے سب سے اچھے گھرانے میں بنادیا۔ لہٰذا میں اپنی ذات کے اعتبار سے بھی

سب سے اچھا اور اپنے گھرانے کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہوں"

سلسلۂ خاندان فاطمی وعلوی:

حضرت علیؓ نے حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کی عظمت اور نبی اکرم ﷺ کی نگاہ میں انکی قدر و منزلت کے پیش نظر انکی زندگی میں کوئی دوسرا عقد نہیں کیا البتہ انکے وصال کے بعد مختلف اوقات میں مختلف قبائل میں چند عقد فرمائے۔ آپؓ کی نو ازواج کے علاوہ کنیزیں بھی حرم میں شامل تھیں۔ بوقت شہادت تین ازواج امامہ، اسماء بنت عمیس اور ام البنین کے علاوہ اٹھارہ کنیزیں بھی موجود تھیں۔ آپؓ کی نسل حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ سے چلی جو خاندانِ فاطمی کہلایا۔ جبکہ محمد ابنِ حنفیہ اور عمر الاطراف سے سلسلہ خاندانِ علوی چلا۔ آپؓ کے اٹھارہ فرزندان اور دختران کی مجملہ تعداد پچیّس سے چھتیس تک تحریر کی گئی ہے۔ آپؓ کی ازواج اور کنیزوں سے جو اولاد تولّد ہوئیں انکی تفصیل ذیل ہے:۔

1۔ امامہ بنت ابی العاصؓ: انکے بطن سے محمد الاوسط تولّد ہوئے جو کربلا میں شہید ہوئے۔

2۔ ام البنین بنت حزام کلابیہ: انکے تمام آباو واجداد خطّہ عرب کے مانے ہوئے دلیر اور شجاع گزرے ہیں ان سے عقد اپنے بھائی عقیل کے توسط سے کیا تھا، جن کے بطن سے چار فرزندان عباس، عبداللہ، عثمان اور جعفر تولّد ہوئے جو چاروں کربلا میں شہید ہوئے۔

3۔ لیلہ بنت مسعود دارمیہ: ان کے بطن سے دو فرزند ابوبکر اور عبیداللہ تولّد ہوئے جو کربلا میں شہید ہوئے۔

4۔ اسماء بنت عمیس خشعمیہ: ان کے بطن سے یحییٰ اور عون تولّد ہوئے۔ یحییٰ آپؓ کی زندگی میں وفات پا گئے، جبکہ عون معارکہ کربلا میں شہید ہوئے۔

5۔ ام حبیب صہبا بنت ربیعہ تغلبہ: انکے بطن سے پسر عمر الاطراف اور جڑواں دختر رقیّہ کبریٰ تولّد ہوئے۔ دختر کا عقد مسلم ابن عقیل سے ہوا تھا۔

6۔ خولہ بنت جعفر حنفیہ: ان کے بطن سے پسر محمّد تولّد ہوئے جو ابنِ حنفیہ کے نام سے مشہور

ہوئے۔

7۔ ام سعید بنت عروہ ثقفیہ: ان کے بطن سے دو دختران تولد ہوئیں۔

8۔ ام شعیب مخزومیہؓ کے بطن سے دو صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔

9۔ مخباۃ بنت امراء القیس: ان سے ایک دختر تولد ہوئیں جو بچپن میں وفات پا گئیں۔

کنیزوں سے تولد ہونے والی چند دختران کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

ام ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، رملہ صغریٰ، فاطمہ امامہ خدیجہ، ام الکرام، ام سلمہ، ام جعفر، جمانہ اور نفیسہ۔

حضرت امام حسنؓ کی 9 ازواج تھیں جن میں سے جملہ آٹھ فرزندان اور سات بیٹیاں تولد ہوئیں (سیرت الحسن ابصار العین) اور امام حسینؓ کے چھ پسران اور چار دختران تھیں، یہ واضح ہو کہ حضرت امام حسینؓ کا عقد کسریٰ شاہِ ایران کے خاندان کی دختر جنابہ شہر بانوؓ سے ہوا تھا، جن کے بطن سے امام زین العابدینؒ تولد ہوئے اور امام زین العابدینؒ ابن امام حسینؓ کے گیارہ فرزندان اور چار دختران تولد ہوئیں (ارشاد مفید فارسی صفحہ 410) امام محمد باقرؒ بن امام زین العابدینؒ کی چار ازواج تھیں اور انہیں سے اولاد ہوئیں۔ (روضہ الشہداء ص 334۔ طبع لکھنو (یو پی انڈیا)۔ امام محمد باقرؒ کی زوجہ اُمِ فروہ بن قاسمؒ بن محمد ابی بکرؒ جن کے بطن سے امام جعفر صادقؒ تولد ہوئے۔ باقی انکے علاوہ کسی کی اولاد زندہ نہ رہی۔ امام جعفر صادقؒ کے سات دختران اور تین پسر تولد ہوئے۔ امام محمد باقرؒ کی نسل صرف امام جعفر صادقؒ سے آگے چلی جو خاندان فاطمی سادات کے نام سے موسوم ہوا۔

یہاں یہ امر بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ کے خاندانوں کی آپس میں عقد و شادیاں ہوئیں مثال کے طور پر حضرت جعفر

طیارؓ کی شہادت کے بعد ان کی بیوہ کا عقد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہوا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وصال کے بعد اسی بیوہ کا عقد حضرت علیؓ سے ہوا۔ حضرت اُمّ کلثوم بنت حضرت علیؓ کا عقد ہمراہ حضرت عمر فاروقؓ ہوا اور حضرت زینب بنتِ علیؓ کا عقد حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے ہوا۔ حضرت امام جعفر صادقؒ کی والدہ محترمہ کا نام اُمّ فروہ فاطمہ جو بنت قاسم بن محمدؒ بن ابوبکرؓ خلیفہ اوّل ہیں جبکہ حضرت امام جعفر صادقؒ کی نانی محترمہ کا نام اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ ہے اس لئے حضرت امام جعفر صادقؒ حضرت ابوبکرؓ سے دوہرے رشتہ کی بناء پر فرماتے تھے کہ میں حضرت ابوبکرؓ کے خاندان سے دو مرتبہ پیدا ہوا کیونکہ دوہرا تعلق ننھیال کی جانب سے موجود تھا۔ ان نامور مقتدر شخصیات میں کوئی باہمی رقابت و مناقشت یا مذہبی تفریق نہ تھی ان کا ایمان و ایقان، علم و تقویٰ، حضور نبی اکرم ﷺ کی اتباع، شریعتِ مطاہرہ کی کماحقہٗ پیروی کسی شک و شبہہ سے بالا تھی اس لیے ان سے عقیدت رکھنے والوں کے مابین مذہبی منافرت و مخالفت کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

☆☆☆☆☆☆☆

شجرہ نسب حضرت ابراہیمؑ حضرت آدم علیہ السّلام شجرہ نسب حضرت آدمؑ سے

سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک حضرت شیث علیہ السّلام حضرت ابراہیمؑ تک

(912 سال عمر پائی)

حضرت ادریس علیہ السّلام

حضرت نوح علیہ السّلام

(2242 سال کے بعد آمد آدمِ ثانی)

حضرت بنی سام

حضرت ہود علیہ السّلام

حضرت صالح علیہ السّلام

تارخ بن ناخور ابن شاروخ ابن ملکان

حضرت ابراہیم علیہ السّلام جناب ہارانؑ

ناخورؑ

حضرت اسماعیل علیہ السّلام حضرت اسحاق علیہ السّلام حضرت سارہ

حضرت لوطؑ

(حضرت ہاجرہ کے بطن سے) (حضرت سارہ کے بطن سے)

(زوجہ اوّل حضرت ابراہیمؑ)

قیدار کنانہ کلاب حضرت یعقوب علیہ السّلام

عمون موالی

(دوازواج سے 12 فرزندان)

عدنان نصر قصیٰ حضرت یوسف علیہ السّلام (راحیل کے بطن سے)

بنیامین

(چالیسویں پشت میں فرزند)

مَعَدّ مالک عبدمناف حضرت موسیٰ علیہ السّلام

حضرت ہارونؑ حضرت شعیبؑ

(عقد ہمراہ حضورہ بنت شعیبؑ) (برادر

موسیٰؑ) (بردر)

نزار فہر (قریش) ہاشم یوشعؑ بن فراہیم ابن یوسفؑ عزیرؑ

مُضَرّ غالب عبدالمطلب الیاسؑ داؤدؑ زکریاؑ

الیاس لُوی عبداللہ الیسعؑ سلیمانؑ یحییٰؑ

عیسیٰؑ (پسر مریمؑ بنت عمران)

(حضرت یحییٰؑ کے بھانجے)

لقب حضرت محمد ﷺ ذوالکفلؑ یونسؑ

(موسیٰؑ کے 815 سال بعد)

خزیمہ مُرّہ

﴿ بَیتُ المقدّس کا تاریخی پس منظر ﴾

تاریخ کے آئینے میں اگر بیت المقدّس (یروشلم) کی حیثیت کا جائزہ لیا جائے تو اس خطہ پر عربوں کی ملکیّت چھ ہزار سالوں پر محیط نظر آتی ہے۔ جس میں کنعانیوں اور یبوسیوں کا زمانہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، یہ زمانہ چار ہزار سال قبل از میلادِ مسیحؑ کا ہے۔ اس دور میں پچیّس سو سال قبل از میلادِ مسیحؑ اس شہر کا نام "یبوس" تھا۔ اس دور کے ایک شاہ صادق الملکی کے زمانہ میں پہلی بار اس شہر میں توحید کی آواز گونجی، جس نے شہر میں ایک بڑا مقدّس گھر تعمیر کیا۔ چنانچہ شہر کا نام بیت المقدّس میں تبدیل ہو گیا۔ یہ دور اس علاقہ کے لوگوں کے لیے برکتوں اور رحمتوں کا دور تھا۔ تمام ملحقہ دوسری سلطنتوں کے فرمانروا اس علاقہ کے شاہ کو سلامتی کا بادشاہ کہتے تھے اس عربی حکمران کے دور میں سیدنا ابراہیم علیہ السّلام جب فلسطین تشریف لائے تو صادق الملکی نے آپ کا شایانِ شان استقبال کیا۔ حضرت داؤدعلیہ علیہ السّلام نے یروشلم کی بنیاد رکھی تھی اور 1,000 ق م سے اُسے فلسطین کا دارالخلافہ بنایا، جہاں آپؑ نے 45 سال حکومت کی۔ جن کا وصال 100 سال کی عمر میں ہوا اور صہیون جائے مدفن بنا۔ حضرت داؤدعلیہ السّلام کے بعد حضرت سلیمان علیہ السّلام نے القدس پر چالیس سال تک حکمرانی کی۔ یہ عرصہ ۹۶۳ سے ۹۲۳ قبل مسیح تک محیط ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے بعد آپؑ کے بیٹے "احقام" نے زمامِ اقتدار سنبھالی۔ اس کے دور میں وادیِ فلسطین دو مملکتوں میں تقسیم ہو گئی جن کے نام

"مملکتِ یہوز" اس کا دارالخلافہ "اَورسَلم" تھا، جبکہ فلسطین کے شمالی حصہ پر مشتمل مملکت "اسرائیل" موسوم ہوئی، جس کا دارالخلافہ "نابلس" تھا، جس کو اس وقت "سامرہ" بھی پکارا جاتا تھا۔ دونوں مملکتوں کے مابین قبائلی امتیاز اور علاقائی تنازعات کی وجہ سے مسلسل جنگیں لڑی جاتی رہیں تا آنکہ یہوش نامی قبیلہ نے آشوریوں سے شکست کھائی اور بابل کی طرف بھاگ گیا، یوں موقع غنیمت جان کر شام سے تعلق رکھنے والے بعض قبائل نے علاقہ پر حملہ کر دیا اور زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ہیکل "یہوش" کے زمانہ میں تعمیر ہوا۔ اس کی ہزیمت کے بعد فاتحین نے ہیکل کو نیست و نابود کر دیا اور پورے "اَورسَلم" کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔

اس سانحہ کے فوراً بعد شاہِ فارس نے اپنی بے پناہ سپاہ کے ساتھ "اورسلم" پر قبضہ کر لیا اور یہ قبضہ سکندرِ اعظم کی آمد تک پوری شدّ و مدّ سے جاری رہا۔ یہ ۳۳۶ ق م کی بات ہے۔ اس وقت سے لے کر ۶۳ ق م تک یہاں شاہِ فارس کا جھنڈا لہراتا رہا تا آنکہ رومیوں نے آ کر ایک بار پھر اس مقدس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی اس عرصہ میں یہودی اپنے روایتی انداز میں محلاتی سازشوں میں مصروف رہے۔ "اورسلم" پر ہرقلِ روم کا قبضہ ۶۳۶ء تک جاری رہا۔ یہ ہجرت نبوی ﷺ کا پندرھواں سال تھا۔ اس سال حضرت عمرؓ بن الخطاب خلیفہ ثانی کی قیادت میں سپاہِ اسلامی نے "اورسلم" کو فتح کر کے پھر سے توحیدِ الٰہی کا گڑھ یعنی القدس میں بدل دیا۔ اس طرح تاریخی حقائق اور شواہد سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہودی فلسطین یا بیت المقدّس کے قدیم باشندے نہیں بلکہ انہوں نے اس سرزمین سے اصل باشندوں کو بے دخل کر کے اس پر قبضہ ناجائز کر رکھا ہے۔

ڈاکٹر ہنری کیٹن ایک جدید یورپی محقق نے اپنے حالیہ تاریخی جائزہ میں جو ایک بین الاقوامی سیمینار میں پیش کیا گیا۔ اس میں یہ قرار دیا ہے کہ یروشلم (ارضِ مقدسہ) ڈیڑھ ارب

مسیحیوں، ایک ارب مسلمانوں اور چودہ لاکھ یہودیوں کے نزدیک مشترکہ طور پر تسلیم شدہ ایک مقدّس مقام ہے۔ ڈاکٹر ہنری کیٹن نے اپنی جدید تحقیق کی رو سے یہ ثابت کیا ہے کہ یروشلم کے وجود کو ۳۸ صدیاں گزر چکی ہیں۔ اور بیس دفعہ یہ محصور ہوا۔ سترہ دفعہ تباہ ہوا اور متعدد بار یہاں قتلِ عام ہوا۔ اس کی تحقیق کے مطابق بیت المقدّس کے اصل باشندے اسرائیلی نہیں بلکہ فلسطین کے قدیم باشندے کنعانی تھے۔ یہ کنعانی یروشلم میں تین ہزار سال قبل مسیح آباد ہوئے اور کنعانیوں کے آباؤ اجداد فلسطینی تھے۔ انھوں نے یہاں آٹھ سو سال تک حکومت کی اور اسرائیلیوں نے چار سو سال تک حکومت کی جبکہ مسلمان اس علاقہ پر نو سو سال تک حکمرانی کرتے رہے۔ ڈاکٹر ہنری کیٹن کے مطابق اس علاقہ میں آباد لوگوں کی عادات، رسم و رواج اور زبان قبل از مسیحیت اور اسلام ایک جیسی تھی۔

اسرائیل آج اس بات کا مدعی ہے کہ اس شہر مقدّس پر مسلمانوں کا کوئی حق نہیں۔ اسرائیلی بیت المقدّس پر اپنے موجودہ غاصبانہ قبضہ کو جائز قرار دینے کے لیے کوئی دلیل ثبوت یا اخلاقی جواز نہ رکھتے ہیں۔ جبکہ عرب اور مسلمان ہی بیت المقدّس اور القدس شریف کے ہر اعتبار سے گزشتہ چھ ہزار سال سے حقیقی و قانونی مالک چلے آرہے ہیں۔ اور جس پر اب فلسطینیوں کا حق ہے جنھیں اسرائیلی اس حق سے جبراً اور حیوانی طاقت کے بل بوتے پر محروم کر دینا چاہتے ہیں۔ القدّس پر مسلمانوں اور اس کے بعد وقتاً فوقتاً یہود و نصاریٰ کا اقتدار رہا۔ ۱۰۹۹ء میں جب صلیبیوں نے القدّس پر قبضہ کیا تو القدّس کے گلی کوچے سمرقند و بخارا کی طرح مسلمانوں کے خون سے نہا گئے اور اس مقدّس عبادت گاہ کو گھوڑوں کے اصطبل میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس کے برعکس غازی صلاح الدّین ایوبی جب حطین سے فاتح کی حیثیّت سے القدّس میں داخل ہوئے تو ایک واضح اعلان کے ذریعے غیر مسلموں کو اجازت دیدی گئی کہ وہ بطور ذمّی

حکومت کی حفاظت میں زندگی بسر کرتے رہیں یا عافیت کے ساتھ ہجرت کر سکتے ہیں۔ ۱۹۶۷ء میں پھر تاریخ نے ایک نیا ورق الٹا۔ جب یہودیوں نے بیت المقدّس پر دوبارہ قبضہ کیا۔ اب یہودی اس خطہ سے اس کے جائز وارثان فلسطینیوں کو بے دخل و محروم کر کے تمام دنیا سے یہودی لا کر نئی بستیاں آباد کر کے اپنے ناجائز قبضہ کو مستقل حیثیت دینا چاہتے ہیں اور دنیا بھر میں یہ رونا روتے پھرتے ہیں کہ اسرائیلی جنھیں ان کے آبائی وطن سے جبراً بے پناہ کُشت وخون کر کے بے دخل کر دیا گیا تھا وہی اس کے جائز وارث ہیں اور فلسطین ان کا آبائی وطن ہے اس لیے وہاں آباد ہونے کا ان کا پیدائشی حق ہے۔

مسلمانوں کی اس مقدّس عبادت گاہ پر یہودیوں کا جابرانہ قبضہ تاریخ اسلام کا ایک المناک سانحہ ہے جس نے دنیا کے ڈیڑھ ارب مسلمانوں کو بے چین کر رکھا ہے۔ مسجدِ اقصٰی مسلمانوں کے لیے کیا حیثیت اور مرتبہ کی حامل ہے۔ اس کا اندازہ درجِ ذیل امور سے ہو جاتا ہے:-

(۱)۔ خداوند تعالےٰ نے واقعۂ معراج کے سلسلے میں اسے مبارک مسجد قرار دیا۔

(۲)۔ خدائے بزرگ و برتر نے اسی جگہ اپنے فرشتے جبرائیلؑ کو حضرت سلیمان علیہ السّلام کے پاس بھیجا تھا۔

(۳)۔ اسی جگہ یوحناؑ اور زکریا علیہ السلام کو پیغمبری کی بشارت دی گئی۔

(۴)۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو مسجدِ اقصٰی کا نقشہ دکھایا تھا اور اس کے مطابق تعمیر کی۔

(۵)۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پیغمبروں نے قربانیاں دیں۔

(۶)۔ یہی وہ شہر ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور پنگھوڑے میں لوگوں سے

گفتگو فرمائی

(۷)۔ اس جگہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو آسمان پر اٹھایا گیا۔

(۸)۔ یہی وہ مقام ہے جو حضرت آدم علیہ السّلام، حضرت ابراہیم علیہ السّلام، حضرت اسحاق علیہ السّلام، حضرت یعقوب علیہ السّلام، حضرت سلیمان علیہ السّلام اور حضرت مریم علیہ السّلام کی جائے مدفن ہے۔

(۹)۔ اس جگہ حضور نبی آخر الزمان ﷺ کی اقتداء میں تمام انبیاء، رسّل اور پیغمبروں نے نماز پڑھی، جبکہ حضرت جبرائیلؑ نے خود اذان دی۔

بیت المقدّس کی منجملہ تعمیرات بشمول گنبد صخرا اور مسجد اقصیٰ کی وضاحت:

بیت المقدّس حرمین شریفین یعنی کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی ﷺ کے بعد امت مسلمہ کا تیسرا مقدّس ترین مقام حرم ہے۔ اقصیٰ سے مراد وہ تمام حصے اور تعمیرات ہیں جو اس کی چہار دیواری کے اندر واقع ہیں۔ ان میں مسجد اقصیٰ۔ قبۃ الصخرا اور کشادہ صحن وغیرہ شامل ہیں قبۃ الصخرا میں جانے کے گیارہ دروازے ہیں جن میں سے سات کھلتے ہیں باقی بند رکھے جاتے ہیں اسی طرح مسجد اقصیٰ کے چودہ دروازے ہیں جن میں سے دس کھلتے ہیں اور دیگر بند رہتے ہیں۔

قبۃ الصخرا بیت المقدّس کے وسط میں واقع ہے جسے اموی خلیفہ عبدالمالک بن مروان نے تعمیر کروایا۔ یہ ایک پہاڑی پر تعمیر کیا گیا اس کی کل لمبائی شمالاً۔ جنوباً 219 گز ہے جبکہ شرقاً غرباً 224 گز ہے۔ اس کی اونچائی 12 گز ہے۔ قبۃ الصخرا کا چبوترا بنیادی پلیٹ فارم چاروں طرف سے تعمیر شدہ ہے اور فرش سے ڈیڑھ میٹر اونچا ہے۔ چٹان گنبد کے عین نیچے واقع ہے۔ اس عمارت کے گرد لکڑی کا چوکھٹا بنایا گیا ہے جس کے اندر مرد و خواتین کے لیے نماز ادا کرنے کی جگہ ہے۔ قبۃ الصخرا کے اندر ایک غار واقع ہے جو گیارہ سیڑھیوں (Steps) نیچے تک جاتا

ہے تمام بیت المقدّس دراصل اقصیٰ کمپلیکس ہے جس کے اندر ایک اور مسجد بنی ہوئی ہے جو بیت المقدّس کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کا قبتہ الصخرا سے فاصلہ 500 میٹر ہے۔ مسجد کا اندرونی حصہ 80 میٹر لمبا اور 55 میٹر چوڑا ہے۔ اس مسجد کا گنبد عمارت کے درمیان واقع ہے ۔یہی وہ جگہ جہاں تمام انبیاء ورسّل نے حضور نبی آخرالزماں ﷺ کی امامت میں نماز پڑھی اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ کا آسمان پر معراج کے لیے عروج شروع ہوا۔ سرور کائینات ﷺ نے سفر معراج شروع کرنے سے قبل اپنے قدم مبارک کا نشان قبۃ الصخرا پر ثبت فرمایا بیت المقدّس میں دیوار البراقی ہے جو دیوار گریہ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ دیوار بیت المقدّس کے مغربی حصہ میں واقع ہے جو 47 میٹر لمبی اور 17 میٹر اونچی ہے۔ اس دیوار کو البراق کا نام اس روایت کی بنیاد پر دیا گیا ہے جس کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے آسمانوں کا سفر اس دیوار پر گزر کر شروع کیا تھا۔ یہودی اپنے شاندار ماضی سے اپنی بداعمالیوں کے سبب محروم ہوئے ۔اس لیے یہودی اپنی بدبختی کے سبب اس دیوار کے ساتھ سر ٹکراتے اور گریہ وزاری کرتے ہیں اس لیے اس دیوار کا نام دیوار گریہ موسوم ہوگیا۔

بیت المقدّس کے احاطے کے اندر سو سے زائد جلیل القدر انبیاء اور رُسّل ۔پیغمبران خدا کا جائے مدفن ہیں جن کے نشانات موقع پر مٹادئے گئے۔ اسی طرح کعبۃ اللہ کے احاطے میں بھی متعدد انبیاء ورسّل وپیغمبران اور نفوسِ قدسیّہ کی تدفین عمل میں آئی جبکہ جائے حطیم کے نیچے حضرت ہاجرہ، حضرت اسماعیلؑ ذبیح اللہ کا جائے مدفن قرار پایا۔ تاریخی اعتبار سے چونکہ کرہ ارض پر کعبۃ اللہ عبادت کا پہلا مرکز ومحور بنا اس لیے وہ ہی پہلا قبلہ گاہ ہے جبکہ بیت المقدّس اس کے بہت بعد میں تعمیر ہوا اس لیے وہ قبلہ گاہ ثانی ہے لیکن غلط العام رواج پا چکا ہے جس کی رَو

سے بیت المقدّس کو قبلہ اوّل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دور رسالتمآب ﷺ کے بعد 636ء میں یروشلم سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں فتح ہوا۔ آپ ﷺ بنفس نفیس شہر میں داخل ہوئے اور بیت المقدس کو واگذار کر دیا نیز وہاں آپ نے ایک مسجد بھی تعمیر کروائی جو بعد میں مسجد عمرؓ کے نام سے مشہور ہوئی۔ 693ء میں اموی خلیفہ عبدالمالک بن مروان نے قبتہ الصخریٰ یا چٹان والے گنبد کی تعمیر شروع کروائی جوان کے بیٹے خلیفہ ولید کے دور میں 705ء میں مکمل ہوئی۔ 15 جولائی 1099ء میں عیسائی صلیب برداروں نے بیت المقدّس پر قبضہ کرلیا اور قبتہ الصخریٰ کو چرچ اور مسجد اقصیٰ کو اصطبل میں تبدیل کر کے ان پر صلیب نصب کر دیں۔

2 اکتوبر 1187 کو صلاح الدّین ایوبی نے بیت المقدّس کو آزاد کرایا اور سارے بیت المقدّس کی صفائی کروا کر نجاستوں سے پاک کیا۔ 2 فروری 1924 برطانوی افواج نے مسجد اقصیٰ پر دوبارہ جبراً قبضہ کرلیا 10 جولائی 1948 کو اسرائیلی طیاروں کی بمباری اور 21 اگست 1969ء میں آگ لگا کر قبتہ الصخرا اور مسجد اقصیٰ کے بڑے حصّہ کو نقصان پہنچایا گیا۔ 29 جولائی 2001ء کو قبتہ الصخرا کے قریب ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کے لیے چار ٹن وزنی پتھر کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ بیت المقدّس کے چاروں طرف پہلے ہی خندقیں، سرنگیں اور فصیل تعمیر کر کے بنیادیں کمزور کر دی گئی ہیں۔ یہودی ایک سازش کے تحت مسجد اقصیٰ کے بجائے قبتہ الصخرا کو ہی تصاویر میں منسوب کرتے ہیں تا کہ آئندہ اصل مسجد اقصیٰ کے انہدام سے عام دنیا والے جذباتی نہ ہوں۔

"معراج" سفرِ کائناتِ ارض وسمٰوٰت

اب تک سجی ہوئی ہے ستاروں کی انجمن　　اس انتظار میں کہ پھر آئیں وہ ایک رات

(اعظم چشتیؒ : قومی صدارتی تمغہءِ حُسنِ کارکردگی)

نظامِ آخرت کا مشاہدہ کرنے والے پہلے انسان:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَ سَمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۔ (۱:۱۷)

وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندہ (محمدؐ) کو شب کے وقت مسجدِ حرام (کعبہ) سے مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدّس) تک، جس کے گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، لے گیا تا کہ ان کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھلا دیں اور بے شک اللہ تعالیٰ بڑے دیکھنے والا اور سُننے والا ہے۔

معراج النبی ﷺ ایک بڑا اور اچھوتا مافوق الفطرت واقعہ ہے یہ تکمیل دین سے جداگانہ ذاتی اعزاز تھا جس سے نبی ﷺ کو سرفراز فرمایا گیا جو نبی آخرالزماں ﷺ کے لئے مخصوص تھا کیونکہ ایسا اعزاز کسی دیگر نبی یا رسول کو عطا نہ ہوا۔ اللہ جلّ شانہٗ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السّلام کو اور پھر اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو نظام آخرت کا عینی شاہد بنایا کیونکہ تمام مسلمان بن دیکھے آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

پہلے انسان کے ذریعہ عقیدہِ آخرت، نوعِ انسان کو ورثہ میں ملی۔ جب دین کامل کا نفاذ ہوگیا تو خالقِ کائنات نے نوعِ انسانی کے ایک نمائندہ کا انتخاب کیا جس کی صداقت و دیانت پر دوست و دشمن سب کو اتفاق تھا اس طرح فرمانروائے کائنات نے دنیا کے سب سے متّقی انسان کو نظام آخرت کا عینی مشاہدہ کرایا تا کہ مسلمانوں کے ایمان کی صدقت کا بیّن ثبوت مہیا کیا جا سکے۔

تخلیق ارض وسمٰوٰت سے قبل فرشتوں سے افضلیت پانے والے کا نام عرشِ بریں پر "احمد" کندہ تھا جس کی توصیف کتبِ الٰہیہ میں بھی ظہورِ قدسی سے قبل موجود تھیں جس کا مفہوم فرشتوں کو معلوم تھا کہ اُن سے بھی زیادہ اللہ کی حمد وثنا کرنے والی ایک ذاتِ ہمتا ہے جس کا نام "احمد" ہے۔ جس کا لغوی مفہوم ہے کہ سب سے زیادہ حمد وثنا اور عبادت کرنے والا۔ ظہورِ قدسی کے بعد ذاتِ اقدس کا نام دُنیا میں "محمد ﷺ" قرار پایا اُس کے معنی ہیں جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی یعنی وہ ذات اقدس جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے کی۔ ملائکہ وفرشتوں اور جن وانس نے کی اور تا ابد ہوتی رہے گی۔

مفسّرین اور محدّثین کے نزدیک جناب سرورِ کونین ﷺ کا رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر کو "اسراء" موسوم کیا گیا جبکہ مسجد اقصیٰ سے آسمانوں سے سفر کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ تک عروج فرمانا "معراج" کہلاتا ہے۔

معراج کے سفر کے آغاز سے قبل حضرت جبرائیل امین چند فرشتوں کے ہمراہ آئے اور حضور نبی اکرم ﷺ کو حضرت اُمّ ہانی کے گھر سے اُٹھا کر حطیم خانہ کعبہ لائے اور چاہ آب زم زم کے پاس آپ ﷺ کا سینۂ مُبارک چاک کر کے آپ کا دل نکالا اور آب زم زم سے صاف کیا پھر ایمان وحکمت کا خزانہ سینہ مبارک میں بھر دیا۔ یہ ملاء اعلیٰ سے مناسبت کے لئے کیا گیا۔ کیونکہ وہاں کا رشتہ عالم ملکوت سے ہے جو نور حکمت سے سراسر معمور ہے۔

بارگاہ الٰہی سے حضور سرورِ کونین ﷺ کو علم ومعرفت کی دولت عطا ہوئی اس لئے آپ علم بھی ہیں اور علوم اوّلین وآخرین سے بھی آگاہ۔ ذات وصفات الٰہی سے سب سے زیادہ متعارف۔ اس لئے حضور نبی اُمّی ﷺ نے فرمایا کہ

"مجھے میرے رب نے پڑھایا اور بہترین تعلیم دی۔ مجھے میرے رب نے

آداب سیکھائے اور بہترین ادب سیکھایا "

شرح شق الصدر کا واقعہ عجیب دلنواز انداز میں ہوا۔ نہ کوئی نشتر استعمال ہوا اور نہ تکلیف ہوئی۔ نہ خون نکلا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے سینۂ مبارک میں شگاف سیئے ہوئے نشان دیکھے۔ اُسی ضمن میں سرورِ کائینات ﷺ نے یوں بھی فرمایا تھا ۔

"میں نے اپنے رب کریم کو بہترین صورت (تجلّی) میں دیکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ (یدقدرت) میرے سینے کے درمیان رکھا اور اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک میرے قلب نے محسوس کی تو میں نے اشیاء ارض وسماء کو جان لیا"

حضور نبی اکرم ﷺ کے قلب میں دانائی اور دُنیا و مافیہا کے اسرار و رموز سے آگہی کا وصف منتقل کر دیا گیا تا کہ اس قابل ہوسکیں کہ عالم ناسوت کے دنیاوی نظامِ وقت، زمان اور مکان (Time and Space) کے تمام فطرّت کے قواعد وضوابط کا اطلاق حضور اکرم ﷺ کے سفر معراج پر نہ ہوسکے۔ اور سفر کی تکمیل تک وہ نظام معطّل رہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ کونین ﷺ جس حالت میں معراج پر تشریف لے گئے وہ تمام سفر حرمِ کعبہ سے مسجد اقصیٰ اور مسجد اقصیٰ سے تمام دنیائے آسمان تک سفر حتیٰ کہ واپسی تک بستر اسی طرح گرم رہا۔ وضو کا پانی بہتا رہا اور دروازہ کی کنڈی ہلتی رہی۔ جس طرح جبرائیل امین روح مجرّد ہیں اس لئے وہ ناسوتی یا مادی جسم نہیں رکھتے تاہم وحی الٰہی پہنچانے کے لئے جب حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تو آپ کو نظر آتے حتیٰ کہ کبھی اس طرح مجسم ہوجاتے کہ دربار نبوی ﷺ میں موجود صحابہ بھی انہیں دیکھ لیتے اور انکی گفتگو سن کر یہ گمان کر لیتے کہ یہ اعرابی ہیں۔ ان کا سینکڑوں مرتبہ عالم ملکوت سے عالم ناسوت میں پیغام رسانی کا ذریعہ بنے رہنا اور لمحات میں اتنا طویل سفر کر لینے سے اس مسئلہ Space Travel کی حقیقت واضح ہوجاتی

ہے اسی طرح سرورِ کائنات ﷺ جو روح الارواح ہیں اور جسد ناسوتی بھی رکھتے ہیں حتیٰ کہ وہ سراپا نور ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو کُن فیکون کہہ کر تمام کائنات تخلیق کرسکتا ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ اپنے محبوب ﷺ کو چند لمحات میں عالم ملکوت کی سیر کرادے۔ جبرائیل امین جو روح ہیں اور جب عالم ملکوت (عالم ارواح) سے عالم مادی (ناسوت) میں نمودار ہوئے تو ان پر جہت لازم ہوگئی اسی طرح جب حضور اقدس ﷺ عالم ملکوت میں پہنچے تو اس عالم کے اقتضاء کے موافق بے جہت ہوگئے کیونکہ ہر عالم کا ایک اقتضاء (قانونِ قدرت) ہے اور اس کے کچھ لوازمات ہوتے ہیں جو کوئی اس مخصوص عالم میں ہوتا ہے تو اس عالم کے تمام قوانینِ فطرت جاریہ اس پر لاگو ہوجاتے ہیں۔ عالم اشتہاد (دنیا) تحت قانون فطرتِ زمانہ ہے جہاں ماضی، حال، مستقبل اور وقت سیکنڈ، منٹ، گھنٹہ، دن وسال میں مقیّد ہے جس سے اس عالم میں فرار ممکن نہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ان قیود سے بھی اس عالم ناسوت میں انسان کو آزاد فرما سکتا ہے جیسے کہ سرورِ کائنات ﷺ کا سفر اسراء (مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر) کے دوران دنیا کے اصول فطرت معطل ہوگئے۔ اور سفرِ معراج (مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک سفر) کے دوران اپنے جسم اطہر کے ساتھ کائنات کا سفر براق (برق سے تیز سواری) کے ذریعہ طے فرمایا۔ اس دوران عالم ملکوت کے قانونِ فطرت پر عبور حاصل کرلیا۔

واقعہ معراج النبی ﷺ کا سائینٹفِک استدلال:

اک نقطہ پہ ٹھہری رہی گردشِ دوراں o جب تک وہ سرِ عرش سے پھر نہیں آیا

(پروفیسر غلام جیلانی اصغر تمغہ امتیاز)

واقعہ معراج کے بعد سرور کونین ﷺ نے اُن تمام حضرات سے جنہیں آسمان پر دیکھا تعارف کرایا گیا۔ ڈانتے نے اپنی کتاب طربیۂ خدائی (Divine Comedy) میں

بسلسلہ تعارف اشخاص و حالات کی نسبت وہی روّش اختیار کی جو سرورِ کونین ﷺ نے واقعہ معراج کے بارے میں اختیار کی۔ یہ بات اس دور میں جبکہ آئن سٹائن کا نظریہ اضافت مشہور ہو چکا ہے عجب نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اس نظریہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ "زمانہ" اُن دو اجسام کے لیے جن میں سے ایک متحرک ہو اور دوسرا ساکن ایک جیسا نہیں رہتا۔

جس طرح عالم خواب میں فاصلے ختم ہو جاتے ہیں اور انسان آن واحد میں ہر جگہ جا سکتا ہے۔ ہر قوم کی زبان سمجھ سکتا ہے ہر زبان میں بات کر سکتا ہے۔ عالم خواب میں ماضی۔ حال۔ مستقبل سب برابر ہیں جو ہزاروں سالوں پر محیط چند لمحات میں اس دور سے گزر جاتا ہے۔ نیند کی حالت میں روح بدن سے پرواز کر کے دوسری دنیا چلی جاتی ہے یا ہمارے اعصاب اور مغز کی شکنوں میں ایسی حرکت پیدا ہو جاتی ہے جو ہمیں زبان و مکان سے ماوراء لے جاتی ہے پھر ہم اپنے آپ کو ازلی و ابدی پانے لگتے ہیں۔ اسلامی روایات و عقائد کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی روح آسمانوں تک نہیں گئی بلکہ اپنے جسمِ خاکی کے ساتھ ایک خارق العادۃ سرعت کے ساتھ آسمان پر تشریف لے گئے۔

معراج کی سرعت رفتار روشنی کی سرعت سے زیادہ تیز تھی آج کل سائنسی ایجادات نے ثابت کر دیا ہے کہ اس جہاں کے قطر کی وسعت آئن سٹائن کے نظریہ کے مطابق تین ہزار ملین نوری سال ہے یعنی اگر نور ایک سیکنڈ میں تین لاکھ کلومیٹر کی سُرعت سے حرکت کرے اور دنیا کی ایک سمت سے چلے تو تین ہزار ملین سال بعد دوسری طرف پہنچ جائے گا۔ مگر ایک سرعت اور بھی ہے جو آتی ہے اور ایک لحظہ میں دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک پہنچ جاتی ہے۔ جسے امواجِ نیروی جاذبہ کہتے ہیں۔ اگر ایک منٹ میں انتہائے جہاں پر ایک کہکشاں جو سینکڑوں ملین آفتابوں (Suns) کی حامل ہے یکا یک ٹوٹ جائے اور امواج میں تبدیل ہو جائے تو نیروی

جاذبۂ دنیا اس طرح عکسِ عمل کرے گی کہ اُسی آن میں نظامِ جہاں کو معتدل کر دے گی۔ اگر ایسا نہ ہو تو اسی منٹ میں جبکہ وہ کہکشاں ٹوٹ کر امواج میں تبدیل ہو ہماری دنیائے خورشید (Solar System) نیست و نابوت ہو جائے۔

یہ قانونِ نیروئے جاذبہ (Law of Gravitation) کی تاثیر جس کا نیوٹن نے انکشاف کیا پورے جہاں پر ہاوی ہے۔ اس لیے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ معراج میں رفتار آسمانی نور کی سُرعتِ رفتار سے تیز تھی۔ کیا سفرِ معراج خاکی جسم کے ساتھ تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے ممکن ہے؟ فزیکل سائنس کے مطابق مادہ اُس پر قادر نہیں مگر یہ تبھی ممکن ہے جب جسم خود "مبدّل بہ نور" ہو جائے اور نور بھی تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے زیادہ سبک رفتار ہو۔ لہٰذا سرورِ کائنات ﷺ نے اپنے سفر کو نیروئے جاذبہ سرعتِ عکس العمل سے شروع کیا اور اسی طرح ختم فرمایا۔

کائنات سے کرّہ عرض تک آمد و رفت اور خلائی سفر کی مثالیں:

عالم ناسوت سے عالم ملکوت یا وہاں سے یہاں مابین سفر (Space Travel) کی بیّن مثالیں قرآن پاک اور شریعت مطاہرہ سے ثابت ہیں۔ جیسے حضرت آدم علیہ السّلام اور حضرت حوّا علیہ السّلام کا عالم دنیا میں آب و گل سے تخلیق اور پھر عالم ملکوت لے جائے گئے جہاں جنت میں قیام جس کے بعد پھر زمین (عالم ناسوت) میں اُتار دیا جانا۔ حضرت جبرائیل امین اور دیگر فرشتوں کے ذمہ قضاء، قدر اور عالمِ ملکوت کا نظم و نسق سپرد ہے وہ ملائکہ عالمِ ملکوت سے عالم ناسوت آتے جاتے رہتے ہیں اور اللہ کے محبوب نبی و پیغمبروں کو وحی الٰہی سے آگاہ کرتے رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا صلیب دیے جانے سے قبل آسمان پر اٹھایا جانا معہ جسدِ خاکی کے جب آپ غسل فرما رہے تھے اور جب وہ دوبارہ عالم ناسوت میں اُتارے

جائیں گے تو اُسی طرح پانی ان کے بدن سے ٹپک رہا ہوگا۔ ان کے عالمِ ملکوت جانے اور واپس آنے کے دوران Time & Space کے ضوابط کا اطلاق معطّل رہا۔ وہ دورِ امام مہدی میں خود نبی بن کر نہیں بلکہ نزول کے بعد نبی اخرالزماں ﷺ کی شریعت کے تابع ہو کر کرّہ ارض پر شریعت محمدی ﷺ کی ترویج کے لئے اپنی خدمات بروئے کار لائیں گے حتیٰ کہ جب آپ کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی تو سرورِ کونین ﷺ کے روضہ اقدس میں موجود چوتھی خالی قبر کی جگہ میں مدفون ہوں گے اور قیامت کے روز نبی آخرالزماں ﷺ۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ اُٹھیں گے۔ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا اپنے جسم کے ساتھ آسمان پر اُٹھایا جانا کلام حکیم کے ان الفاظ سے ثابت ہے۔

اِذْقَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ (۳:۵۵)

ترجمہ: جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسٰی (کچھ غم نہ کرو) بیشک میں تم کو وفات دینے والا ہوں اور (فی الحال) میں تم کو اپنی طرف اُٹھا لیتا ہوں اور تم کو اُن لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جو منکر ہیں۔

حضرت جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبیوں / پیغمبروں کو پیغام رسانی کا فرض سرانجام دیتے تھے۔ ان کی سرعتِ رفتار کی ایک مثال یہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السّلام کو ان کے سوتیلے بھائیوں نے کنویں میں پھینکا تو منڈیر سے کنویں کی نچلی تہہ تک گرنے سے پہلے حضرت جبرئیل امین نے ملائے اعلیٰ سے کرّہ ارض پر پہنچ کر انہیں سنبھال لیا۔ اسی طرح جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو نمرود نے آگ دہکا کر منجنیق کے ذریعہ اچھال کر پھینکا تو حضرت جبرئیل امین نے خلیل اللہ علیہ السّلام جو ابھی فضا میں تھے اپنی مدد کی پیش کش کی تو خلیل اللہؑ نے

فرمایا انہیں خدا کے سوا کسی کی مدد درکار نہیں اور نہ ہی انہیں کسی قسم کا ڈر اور خوف ہے حتیٰ کہ آپؑ دہکتی آگ میں گرے جو اللہ کے حکم سے حضرت جبرئیل امین نے گل وگلزار بنادی۔

اللہ تعالیٰ کے ولی، غوث، قطب، قلندر، ابدال، اوتاد وغیرہ نفوسِ قدسیہ اللہ کے حکم سے اس کرّہ ارض پر جہاں چاہیں لمحات میں سفر طے کر لیتے ہیں اور عالم روحانیّت میں اللہ تعالیٰ کے سپرد کردہ احکامات اور امور سرانجام دیتے ہیں جس کی ایک مثال قرآن پاک میں بھی موجود ہے اور وہ جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور راہ سلوک و روحانیّت کے علمبردار حضرت خضر علیہ السّلام کی ہے۔ جس سے دُنیاوی علوم کے پیغمبر کو راہِ سلوک و روحانیّت کے نظام کار سے آگاہ کرانا مقصود تھا۔

جس کا ذکر سورۃ الکھف (۱۸ : ۶۵ تا ۶۸) میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

"(موسیٰ اور ان کے غلام نے وہاں پہنچ کر) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جن کو ہم اپنی خاص رحمت یعنی (علم معرفت / علم غیب) دی تھی اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے ایک خاص طور پر علم سکھایا تھا۔ موسیٰ نے ان کو سلام کیا اور ان سے فرمایا کہ میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں۔ اس شرط سے کہ جو علم مفید آپ کو (منجانب اللہ) سکھایا گیا ہے اس میں سے آپ مجھ کو بھی سکھا دیں۔ ان بزرگ نے جواب دیا کہ آپ سے میرے ساتھ رہ کر (میرے افعال پر) صبر نہ ہو سکے گا اور بھلا ایسے امور جو آپ کے احاطہ علم سے باہر ہیں"

بیسویں صدی میں آغاز ہونے والی Space Flight کے سلسلہ میں بھی راہنمائی

کلام حکیم کی سورۃ الرحمٰن کی اس نص سے ہوتی ہے:

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ط لَاتَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ج ۔

(الرحمٰن ۔۳۳)

اے گروہ جن وانس کے اگر تم میں یہ طاقت ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی دیکھیں) نکلو۔ مگر ماسوائے اللہ تعالیٰ کی (عطا کردہ) قوت کے تم نہیں نکل سکتے۔ (۳۳:۵۵)

قرب الٰہی ومشاہدّات انوار تجلیاّت الٰہی:

ارشاد ربّانی ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السّلام کو ملکوت اور ارض وسمٰوت کا مشاہدّہ کرایا ۔حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو کوہ طور پر تجلیاّت الٰہی سے فیضیاب کیا مگر سرور کائینات ﷺ نے عالم ناسوت وملکوت کی تمام حدود کو پار کیا اور خالق کائنات کی خاص خلوت گاہ میں ملاقات کی سعادت حاصل کی جس کا حوالہ سورۃ النجم آیات ۱۶ تا ۱۷ میں اس طرح آیا ہے

" نگاہ نہ تو جھپکی اور نہ اس نے حد سے تجاوز کیا انہوں نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے"۔

یہ لطیف نکتہ کہ معراج میں اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب ہونا جتنا کہ کسی کمان کو کھینچنے پر اس کے دونوں سرے قریب ہوجاتے ہیں وہ کیسے ممکن ہوا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو وہ طور پر نور ربّانی کا ذرا سا جلوہ برداشت نہ کرسکے اور بے ہوش ہوگئے ۔جبکہ کوہ طور خاکستر ہوکر سرمہِ چشم بن گیا۔اس اہم واقعہ کو مختلف مفسّرین قرآن اور علماء وفضلاء اور اہل فکر ونظر نے اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔جیسے محی الدّین ابن عربی نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "فتوحات مکیّہ"

میں بیان کیا اسی طرح عالمی شہرت یافتہ مفکّر و مصنّف ڈانتے نے اپنے پیرایہ میں بیان کیا۔ علاّمہ اقبالؒ نے جاوید نامہ میں اس پر اظہار فرمایا۔ سب سے خوبصورت اندازِ بیان مولانا جلال الدّین رومی (مولانا رومؒ) نے اپنی اعلیٰ پایہ عالمی شہرت یافتہ مثنوی شریف میں اختیار کیا اور واقعہ معراج النبی ﷺ کی وضاحت یوں فرمائی کہ

لوہا اور آگ دو مختلف خواص کے حامل ہیں لیکن جب لوہا آگ میں تپایا جاتا ہے تو وہ آگ کی خاصیّت اختیار کر لیتا ہے اور لوہا خود سرخ آگ ہو جاتا ہے اور جب اسے آگ سے دور کر دیا جائے تو اپنی سابقہ حالت میں آجاتا ہے۔ اس طرح جب سرورِ کائنات ﷺ عرشِ اعظم پر پہنچے تو عالمِ ناسوت اور اس عظیم شرفِ ملاقات کے لئے آپ ﷺ کا جسم تیار کر دیا گیا تھا۔ اس لئے جب آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ جلّ جلالہٗ کے نور کا پرتَو پڑا تو آپ ﷺ بھی اس نور پر نور سے نورٌ علیٰ نور ہو گئے اور اس حالت میں دیدارِ الٰہی فرمایا۔ جب وہ عمل مکمّل ہو چکا تو پھر اپنی اصل حالت میں واپس تشریف لے آئے۔

اس مناسبت سے انسان کے مقام و مرتبّت کی نسبت کسی نے کیا خوب فرمایا ہے:

"کہ انسان وہ ذرّہ ہے جس کے سامنے آسمان کی رفعتیں سرنگوں اور یہ وہ قطرۂ آب ہے جس میں سمندروں کی گہرائیاں پنہاں و موجزن"

انسان کے جسم و روح کے تصرّف اور ارواح قدسیہ جو مامور من اللہ ہیں اور انتظام و انصرام نظام کائنات کے لیے مقرر ہیں۔ دنیاوی معاملات انتقال ارواح و انسانی زندگی اور قربِ خداوندی تک کے معاملات کے ذمہ دار ہیں۔ اس نظامِ تصوّف اور روحانیّت کی نسبت

عارف کامل اسماعیل حقّی یوں فرماتے ہیں۔

"انسان مختلف عناصر کا مرکّب ہے۔اس کی صورت کا تعلق عالم محسوس (عالم ناسوت) سے ہے اور اس کی روح کا تعلق عالم غیب (عالم ملکوت) سے ہے ..... صورت اور روح کے علاوہ اس میں ایک پوشیدہ قوّت بھی ہے۔اچھی تربیّت سے وہ عالم ناسوت سے ترّقی کر کے عالم ملکوت تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔اور رسالتمآب ﷺ کی سچی پیروی سے اس پر عالم جبروت و عظموت کی راہیں کھلتی ہیں۔اس کو اپنی اطاعت و پیروی کی برکت سے جو الٰہی نور حاصل ہوتا ہے اس سے وہ جمال و جلال کے انوار و تجلّیات کا مشاہدہ کرتا ہے"

اس موقف کی تائید حدیث مبارکہ سے اس طرح ہوتی ہے

"اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ بندہ نفلی عبادات سے میرے قریب تر ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبّت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبّت کرنے لگتا ہوں تو میں ہی اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں ہی اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے" (حوالہ رواۃ البخاری)

اس قرب محبّت کا سب سے بلند اور ارفع مقام وہ ہے جہاں محبوب رب العالمین ﷺ فائز ہیں۔

اُسوہ حسنہ حضرت محمد ﷺ مغربی دانشوروں و مستشرقین کی نظر میں:

ابتدا میں ان باتوں کا اظہار کر دینا نہایت ضروری ہے کہ زیر نظر سطور حضور اکرم ﷺ کی بابرکت ذاتِ گرامی کی مناسبت سے مختلف امور کے تحت ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں۔ اس میں حضور اکرم ﷺ کی مقدّس تعلیم کا ضمناً ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے مقام کو دیگر لوگوں کی نظر میں اجمالاً بیان کیا گیا ہے تا کہ بوقتِ مطالعہ اس امر کا اندازہ ہو سکے کہ آپ ﷺ کو دنیا کس نظر سے دیکھتی اور اُن کے بارے میں کیا کچھ خیالات رکھتی ہے۔

آج کے موجودہ دور میں انسانیّت جس کرب و بلا میں تڑپ رہی ہے اور اپنی بدنصیبی کے جس نازک دور سے گزر رہی ہے اس کی حالت نہایت ہی قابل رحم ہے اگر انسانیّت کی اس بیماری کا علاج نہ کیا گیا تو پھر کوئی طاقت ایسی نہ ہوگی جو دنیا کو تباہ و برباد ہونے سے بچا سکے ___ فی زمانہ انسانی حقوق کی پامالی سے اندازہ لگایا جانا آسان ہے کہ ہر بڑا اپنے چھوٹے کے حقوق بڑی ڈھٹائی سے ڈاکہ ڈال کر اپنی مطلب برآوری سے صرف مطمئن ہی نہیں بلکہ پوری طاقت سے عمل پیرا رہنے کا عزم کئے ہوئے ہے۔ آئے دن مختلف الخیال لوگ باہمی اتفاق سے اس اندھیر گردی کو دور کرنے کے بارے میں سوچ بچار کر کے انسانی حقوق کی پاسداری کے اعلانات کرتے ہیں لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو خود ہی ان کی خلاف ورزی میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ چیچنیا، الجزائر، کشمیر، فلسطین وغیرہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ انسانی حقوق کا چارٹر موجود ہے اس پر تبصرہ بھی ہوتا ہے انسانی حقوق کی نگہداشت کے لیے اُس کی تشہیر بھی خوب کی جاتی ہے مثلاً جب فرانس کی حکومت نے حقوقِ انسانی کے تحفظ کے لیے "انسانی حقوق کا چارٹر (The declaration of the right of man) منظور کیا تو یورپ

کے مشہور مورخ لارڈ ایکٹن نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا" یہ کاغذ کا پُرزہ دنیا بھر کے کتب خانوں سے زیادہ وزنی اور نپولین کی قشونِ قاہرہ سے زیادہ پُرشکوہ" ـــــــ لیکن کیا موصوف کا تبصرہ ایک مبالغہ آرائی پر منتج نہیں تھا جبکہ فرانس ظلم وتشدّد میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ اور فلسطین میں مظلوم مسلمانوں پر چیرہ دستیاں ان انسانی حقوق کی دھجیاں ہوا میں نہیں بکھیرتیں؟ کیا اس طرح اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کے تحفّظ کا اعلامیہ بے مقصد نہیں ہو جاتا؟ جبکہ کسی بھی ملک میں اس کا احترام نہیں کیا جاتا، چہ جائے کہ اس پر عمل کیا جاتا۔ اگر مشاہیر عالم۔ بنظر عمیق آج سے چودہ سو سال قبل کا مطالعہ کر سکنے کا جذبہ رکھ کر اس محسنِ اعظم کے اس ذی شان خطبہ پر ایک نظر دوڑائیں تو انہیں آج تک کی مختلف اقسام کے انسانی حقوق کے اعلانوں سے زیادہ کارآمد سہل اور قابلِ عمل نظر آئے گا جسے تاریخ اسلام میں خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس کے مقابلہ میں انسانی حقوق کے یہ بودے چارٹر کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ تاریخ کی ورق گردانی کر لیجیے لیکن سیّاہ اوراق اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ اگر حضور اکرم ﷺ کے اس چارٹر کے بارہ میں اس طرح اظہار خیال کیا جائے تو کوئی مبالغہ آرائی نہ ہوگی۔ کہ چرخِ گردوں کی کج بینی اور رفتارِ زمانہ کے نامساعدات کے باوجود انسانیّت کو اعلیٰ وارفع مقام پر پہنچانے کے لیے اس خطبہ سے زیادہ پردرد، پراثر اور پرخلوص آواز کسی کے دہن سے نہ نکل سکی ـــــ دنیا کی کسی بھی ہستی نے حضور اکرم ﷺ سے بڑھ کر انسانی حقوق کے سلسلہ میں کوئی چیز پیش نہیں کی اور نہ ہی آئندہ کسی سے توقع ہو سکتی ہے کیونکہ آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات ہر لحاظ سے تمام اشخاص سے مکمّل اور ارفع ہے۔ انسانی حقوق جن کا ذکر بار بار آئے دن ہوتا ہے بغیر کسی راہبری کے تحفّظ میں قطعاً نہیں آسکتے۔ اگر راہبر ہر طرح سے بلند اور اکمل ہوگا تو اس کی تعلیمات ادھوری نہ ہوں گی چنانچہ اس خیال کی ترجمانی پروفیسر باسورتھ اس طرح کرتے ہیں

کہ

"بلا شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور اگر پوچھا جائے کہ افریقہ بلکہ دنیا کو مسیحی مذہب نے زیادہ فائدہ پہنچایا یا اسلام نے تو جواب میں یہی کہنا پڑے گا کہ اسلام نے"

حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلام کی سربلندی جس محنت و جانفشانی سے کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو قرآنی ضابطہ حیات کے سانچے میں ڈھالا اس سے آپ ﷺ کا مقام تمام انبیاء میں افضل ہوگیا۔ آج کی مہذّب دنیا میں بڑے بڑے فلاسفر، شعراء ادباء، سیاستدان اور مصلح حضرات کے درمیان حضور اکرم ﷺ کی شان مبارک اس منور خورشید کی مانند ہے جس کی تابانی سے کل عالم استفادہ کرتا ہے۔ یا اُن کی مثال اس ہیرے کی مانند ہے جو پتھروں کے درمیان اپنی آب وتاب اور چمک دمک میں نظیر نہیں رکھتا !

اس صدی میں جمہوریّت کا بول بالا ہے۔ ہر وہ ملک مہذب ملک کہلاتا ہے، جہاں جمہوری طرزِ حکومت ہو۔ جمہوری سیاست دانوں اور فلاسفروں کو عزّت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ان کو دنیا کے بڑے بڑے لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے جمہوریّت کے زندہ کرنے والوں کو پیغمبر جیسا رتبہ عطا ہوتا ہے لیکن اس شخص کی طرف بھی کسی نے نظر اٹھا کر دیکھا جو کہ آج سے پندرہ سو سال قبل دور جہالت میں بھی جمہوریّت کا دلدادہ تھا اگر مبالغہ آرائی نہ سمجھیں تو کوئی شک نہیں کہ محمد ﷺ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے دنیا کے تختے پر جمہوریّت کی پہلی بنیاد رکھی ۔اور اس جمہوریّت کی مدد سے جاہلیّت اور کفر کو مٹانے کی سعی کی ۔اس کی جگہ نئی تہذیب، نیا تمدّن اور نیا سماج عالم وجود میں آیا جس کی نظیر آج کوئی بھی جمہوری ملک پیش نہیں کرسکتا۔ کیونکہ کوئی جمہوری ملک بھی آنحضرت ﷺ کی جمہوریّت کی کسوٹی پر پورا نہیں اُترتا۔ پروفیسر

مارگیولتھ فرماتے ہیں کہ_____

" محمد (ﷺ) کی وفات کے بعد ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا۔ آپ (ﷺ) ایک سلطنت کی بنیاد ڈال چکے تھے جس کا ایک سیاسی اور مذہبی دارالخلافہ مقرّر فرمایا۔ آپ (ﷺ) نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنادیا اور عرب کو ایک مشترکہ مذہب عطا کیا ان میں رشتۂ اخوّت قائم کیا جو دیگر رشتوں اور خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم تھا"

اسی لیے اسلامی نظریہ حکومت اور اس کی جمہوری خوبیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام کی ہمہ گیر اور سیلانی طاقت کا مطالعہ کرنے کے بعد جارج برنارڈ شا فرماتے ہیں۔

" آنے والے سو سالوں میں ہماری دنیا میں صرف مذہب اسلام ہی ہوگا "

اسی قسم کے خیالات کا اظہار رابندر ناتھ ٹیگور کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"وہ وقت دور نہیں جب کہ اسلام اپنی ناقابل انکار صداقت اور روحانیت کے ذریعہ سب کو اپنے اندر جذب کرے گا اور وہ وقت آنے والا ہے جب اسلام ہندو مذہب پر غالب آجائے گا اور ہندوستان میں صرف ایک ہی مذہب اسلام ہوگا"۔

خیر وفلاح اور تعمیر و بناؤ کی مہم میں حصہ لینے والے تاریخی ہیروز کی صفوں کا جب بھی جائزہ لیا جائے گا۔ ان میں انبیاءؤ رسل کی صفِ اوّل اپنی امتیازی شان کی وجہ سے بیش از بیش خراج عقیدت حاصل کرتی رہے گی اور چونکہ حضور اکرم ﷺ کی حیثیت سب انبیاء ورسل سے افضل ہے۔ اور حقائق واضح طور پر آشکارا ہیں کہ دنیا آج تک اس جیسا جلیل القدر شخص پیدا نہ کرسکی۔ انبیاء کرام کا ذکر کردینے سے حضور اکرم ﷺ کی ہستی ممیز ہوجاتی ہے کیونکہ جو تعلیم ویگر

انبیاء نے فرداً فرداً دی، رسول اکرم ﷺ نے مجموعی طور پر اسے عالم کے سامنے پیش فرمایا اور اس طرح اپنی برتری کا انمٹ ثبوت مہیا کیا۔ اور اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے خود فرمایا کہ جتنی تکلیف مجھے پہنچائی گئی ہے اتنی کسی کو نہیں پہنچی ____ حضرت نوح علیہ السّلام کے ساتھ ان کی قوم نے کیا سلوک کیا اور ان کا انجام کیا ہوا؟ ____ حضرت ہُود اور حضرت صالح علیہ السّلام جو سچائی اور نیکی کی دعوت دیتے تھے مگر قوم کا کیا روّیہ تھا اور وہ قوم آخر کار کس انجام کو پہنچی؟ ____ حضرت ابراہیم علیہ السّلام شگفتہ مزاجی اور بیدار مغزی کی خوبیوں کے مالک جب اس میدان عمل میں آئے تو قومی غدّار اور دینی مجرم ان کو آگ میں ڈالنے کا فیصلہ کرتے ہیں ____ حضرت لوطؑ، یحییٰؑ، زکریا علیہ السّلام کے قصص ان کی تعلیمات ان کی قوموں کا ان سے سلوک اور ان قوموں کے انجام کے مکمّل مظہر ہیں ____ حضرت موسیٰؑ اور یوسفؑ علیہ السّلام جیسی پاکباز اور باہمّت ہستیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کئی پیغمبروں کو دعوت اور تبلیغ دین اسلام کی پاداش میں تختہ دار پر چڑھانے کا فیصلہ نہیں کیا گیا تھا؟ ____ انبیاء کرام کی ہمہ کوششوں اور جدوجہد میں مسلسل ناکامیوں کو دور کرنے کے لیے اور گمراہ دنیا کو راہ راست پر لانے کے لیے ایسی ہستی کی ضرورت محسوس کی جانے لگی جو ہر طرح سے جامع اور دیگر انبیاء کرام کی ہمہ صفات کی حامل ہو چنانچہ اس مقصد کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی نظر انتخاب حضور اکرم ﷺ پر پڑی جنہوں نے اپنے جس حُسنِ عمل سے قلیل مدّت میں دنیا کی کایا پلٹ دی وہ حیرت انگیز ہے ____ دنیا آپ ﷺ کا خیر مقدم بھی تاریکی، جور وستم اور ظلم واستبداد کے بھیانک پس منظر میں کرتی ہے۔ آپ ﷺ قدم قدم پر آزمائے جاتے ہیں لیکن آپ ﷺ نے جہالت کی گرد، ظلم وستم کی تیز آندھیوں اور گمراہی کی تاریکیوں کا جو مردانہ وار باعزم واستقلال مقابلہ کیا اس کی مثال پیش کرنے سے اوراقِ تاریخ شرمسار ہیں۔ دنیا کو ہر قسم کی آلائش سے

آپ ﷺ نے پاک فرمایا اسکی مثال تلاش کرنا عبث ہے۔ کیا دنیا کے پاس ایسی رقّت آمیز اور ایسے عزم واستقلال کی حامل کوئی شخصیت کی مثال موجود ہے، یقیناً ہرگز نہیں۔

1911 میں بیروت کے ایک مسیحی اخبار الوطن نے لاکھوں عرب عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ تو اس کے جواب میں ایک عیسائی عالم نے یہ نہ لکھا کہ سب سے بڑا شخص جن کو کہا جائے وہ یسوع مسیح تھے بلکہ وہ لکھتا ہے

"وہ شخص دنیا کا سب سے بڑا انسان ہے جس نے دس سال میں نئے مذہب نئے فلسفہ نئی شریعت اور ایک نئے تمدّن کی بنیاد رکھی۔ جنگ کا قانون تبدیل کر دیا۔ نئی طویل العمر سلطنت قائم کی۔ اُن تمام کارناموں کے باوجود جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ صرف امّی وناخواندہ تھا تو انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ وہ شخص محمد بن عبداللہ، اللہ کے رسول (ﷺ) ہیں جنہوں نے قرآنی زبان کو دنیا کی دائمی اور عالم گیر زبان بنا دیا"

اس کے علاوہ انسائیکلو پیڈیا آف برٹینیکا میں لکھا ہے کہ تمام نبیوں میں اور مذہبی لوگوں میں محمد ﷺ سب سے زیادہ کامیاب رہے جو قرآن سے بھی واضح ہے۔

اسی طرح کارلائل رقمطراز ہیں:

"مذہب کے بانیوں میں محمد (ﷺ) نبوت کے ہیرو ہیں"

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے لیٹر مورخہ 26-8-1944 میں جو انہوں نے محمد اعظم لیکچرار اُردو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن) کو کارلائل کی کتاب "ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ" کے اُردو ترجمہ کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کے موقع پر کارلائل کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اس دانشور نے حضور نبی اکرم ﷺ کے کارناموں کی غیر جانبدارانہ تصویر کشی

کر کے نہ صرف عالمِ اسلام بلکہ ساری دنیا کی بے پناہ خدمت کی ہے۔

اس عالمی دانشور کارلائل کی مذکورہ کتاب سے ایک اقتباس یہاں نقل کیا جارہا ہے۔

"دنیا کے دیگر مذاہب جب اوہام اور تخیلات میں بُری طرح مبتلا ہو چکے تھے اور اپنے اوہام کو دوسروں سے منوانے کے لیے جنگ و جدال میں مصروف تھے یہ ہستی ان اوہام سے کوسوں دور تھی۔ آپ (ﷺ) اپنی روح اور حقائق کی بناء پر سب سے الگ تھلگ تھے۔ رازِ ہستی آپ (ﷺ) پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکا تھا۔ آپ کا وجود وہم و گماں سے ماوراء اور صفاتِ ایزدی کا پرتو تھا۔ اس پُر خلوص انسان کی ندا ہاتفِ غیب کی آواز تھی جسے لوگ انتہائی توجہ اور انہماک کے ساتھ سنتے تھے اور انہیں سننا بھی چاہیے تھا کیونکہ اس کے مقابلے میں دنیا کی ہر چیز ہیچ تھی اور آج بھی ہے"۔

مغربی مستشرقین نے رسالتمآب ﷺ کی نسبت جو گل ہائے عقیدت پیش کیے اُن میں سے چند درج ذیل ہیں:

جارج سیل اس طرح فرماتے ہیں کہ

"میں نے اپنی تحقیق میں کوئی ایسا ثبوت نہ پایا جس میں حضرت محمد (ﷺ) کی رسالت پر شبہے کا اظہار کیا جاسکے"

مسٹر اسکاٹ ایڈیٹر اخبار الاندلس نے اس طرح اظہارِ خیال فرمایا

"میں شکوک و شبہات کا اظہار کرنے والوں کی ہرزہ سرائی سنتا ہوں تو ششدر رہ جاتا ہوں۔ اللہ اکبر! اگر محمد رسول (ﷺ) برحق نہ تھے تو اب تک پھر کوئی رسول دنیا میں آیا ہی نہیں"

اسی طرح مسز اینی بیسنٹ کے خیال میں:-

" محمد (ﷺ) کو مکہ کے تمام مرد، عورتیں اور بچے " امین " کے نام سے شناخت کرتے تھے۔ امین کے معنی ہیں اعتماد کے لائق اور قابلِ بھروسہ۔ مجھے اس لفظ سے زیادہ افضل اور احسن لقب ایسا نظر نہیں آتا جس سے یہ لوگ آپ (ﷺ) کو بچپن سے موسوم کرتے"۔

سر ولیم میور نے ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا:

" آنحضرت محمد (ﷺ) کی صداقت ثابت کرنے کے لیے بے شمار شواہد موجود ہیں اُن میں سے سب سے بڑا ثبوت میرے نزدیک یہ ہے کہ جن لوگوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا وہ سب کے سب راست باز افراد تھے جو آپ (ﷺ) کے محرمِ راز، دوست اور افرادِ خاندان تھے اور آپ (ﷺ) کی نجی اور ذاتی زندگی سے کامل آگہی رکھتے تھے۔ میں بے شک یہ تسلیم کرتا ہوں کہ آپ (ﷺ) کے مذہب اسلام میں پرہیز گاری اور خدا ترسی اتنے کامل درجے پر ہے جو دیگر مذاہب میں ہرگز نہیں پائی جاتی۔ میں اس امر کا برملا اعتراف کرتا ہوں کہ اخلاقِ انسانی کی ترقی کا باعث صرف اسلام ہی تھا"۔

ممتاز امریکی ادیب و مصنف مائیکل ہارٹ نے یکصد عالمی عہد ساز شخصیّات پر ایک کتاب "یکصد" (The Hundred) لکھی ہے جس میں تاریخِ عالم کو متاثر کرنے والی ممتاز ترین شخصیات کے کارنامہ ہائے زندگی کو یکجا کیا گیا اور اس کی روشنی میں فاضل مصنّف نے ان عہد

ساز شخصیات میں حضرت محمد ﷺ کو سرِ فہرست رکھا ہے۔ موصوف نے تحریر کیا کہ دنیا میں جتنے لوگوں نے انقلابی کارنامے سرانجام دیے وہ کارنامے اُن کے بغیر بھی رونما ہو سکتے تھے مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو اتنا عظیم کارنامہ سرانجام نہ پاتا۔

شہنشاہ فرانس نپولین بوناپارٹ نے یہ قرار دیا:-

"وہ دن دور نہیں جب میں دنیا کے صاحبانِ علم و دانش کو متحد کر کے ایک ایسا دور قائم کر دوں گا جو یک رنگ و ہم آہنگ ہو اور اصولِ قرآن اس کی بنیاد ہو کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ قرآن ہی کے اصول سچے ہیں اور انسانیت کو طمانیت کی منزل تک اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں"۔

(اقتباس "بوناپارٹ اور اسلام" از شغلر پیرس۔ فرانس)

"رومانیہ کے ممتاز مستشرق کونسٹن ورجیل جارجیو نے آنحضرت ﷺ کی ذات اور اُن کی تعلیمات

کا گہرا مطالعہ کیا اور ان کے لائے ہوئے انقلاب کا انقلابِ فرانس (1789) سے موازنہ کر

کے دنیا پر واضح کیا کہ اسلامی انقلاب نہ صرف اس دور میں حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہو گیا تھا

بلکہ صدیوں بعد بھی اس کے اثرات محسوس ہو رہے ہیں۔ جبکہ علمبردارانِ انقلاب فرانس اپنے

مقصد میں عشرِ عشیر بھی کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ انسانی مساوات کی ایسی مثال کوئی دوسرا

انقلاب پیش نہیں کر سکا۔ دنیا کو بوریا نشین حکمران کے تصور سے اسلام ہی نے روشناس کرایا ہے"

(اقتباس ازاں کتاب "Muhammad" از کونسٹن برجیل جارجیو۔ ترجمہ مولانا عبدالصمد صارم۔ انجینئر خلیل الرحمٰن)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿محمد مصطفیٰ ﷺ دُنیا کے سب سے بڑے انقلابی راہنما﴾

کسی بھی انقلاب کو برپا کرنے کے لیے سب سے بنیادی کردار اہل قیادت کا ہوتا ہے۔ قیادت دراصل ایک خداداد وصف ہے جسے محنت کے بل بوتے پر حاصل نہ کیا جاسکتا ہے۔ قیادت کسی انقلاب یا تحریک کے لیے عوام کو ایک پلیٹ فارم مہیا کرتی ہے۔ اصل قیادت ایک سحر انگیز جادوئی وصف کی مالک ہوتی ہے کیونکہ لوگ دیوانہ وار اس کی سمت کھنچے چلے آتے ہیں۔ ایک بڑے انسان کو انقلاب برپا کرنے کے لیے افراد کی ضرورت ہوتی ہے، افراد بھی وہ جو کہ تحریکِ انقلاب سے Committed ہوں، افراد کی انقلاب سے Committemen اتنی شدید ہو کہ یہ افراد اُس قیادت اور انقلاب کے سچے عاشق صفت

لوگ ہوتے ہیں

اسلام میں توحید ایک Idealogy ہے جبکہ محمد ﷺ ایک اہل و عظیم قیادت ہیں ۔اللہ تعالیٰ نے ایک ہی سیرت، ایک ہی قیادت نبی آخرالزماں ﷺ کی بنی نوع انسان کے لیے بہترین نمونہ قرار دی اور ارشاد ہوا کہ

"آپ فرما دیں، اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تم سے محبّت کرے تو پھر میری فرمانبرداری میں آجاؤ"

(۳۱:۳)

حضور اکرم ﷺ ایک ہمہ گیر انقلاب لے کر آئے آپ ﷺ نے لوگوں کے عقائد بدلے، افکار بدلے، نظریات بدلے، زندگی کی قدریں بدلیں، نقطہ نظر تبدیل ہوگیا، سوچ کا رُخ بدل گیا، طرزِ بودوباش بدل گیا، معیشت کا انداز بدل گیا، سیاست کے اطوار بدل گئے۔ اس لیے یوں کہا جاسکتا ہے کہ زمین بدل گئی آسمان بدل گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک بہت بڑے منفرد انقلابی رہنما تھے۔ ایک فردِ واحد نے اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ اور 23 قمری برس کے اندر اندر انقلاب کی تکمیل بھی ہوگئی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے انقلاب کی بنیاد تعلیم پر رکھی۔ ایک معاشرے میں جہاں خواندہ لوگوں کی تعداد برائے نام تھی ایک بامقصد نظامِ تعلیم کے ذریعے اُس کی فکر و نظر اور سوچ میں انقلاب برپا کر دیا اور اس کے ذریعہ ایسے افراد تیار کیے جو اس انقلابی جدّ و جہد میں آپ ﷺ کے دست و بازو بنے اور جن کے اندر کا انقلاب بیرونی دنیا میں ایک ہمہ گیر انقلاب کا پیش خیمہ بن گیا۔

گویا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قیادت کا نام محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ اب اللہ کی اس عطا کردہ قیادت کو صرف مسلمان ہو کر نہیں بلکہ غیر جانبداری کے ساتھ پرکھیں کہ ایک ضعیفہ یہودی

عورت سامان سر پر اُٹھائے جارہی ہے آنحضرت ﷺ بوڑھیا کا سامان اُٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیتے ہیں، بوڑھیا کہتی ہے کہ بچہ ایک جادوگر (معاذ اللہ) شہر میں آیا ہوا ہے اُس سے بچنا۔ منزل پر پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے بوڑھیا کا سامان اپنے سرِ مبارک سے اُتارتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بوڑھی ماں وہ بندہ میں ہی ہوں۔ یہی وصف قیادت ہے کہ بوڑھیا کا سامان اُٹھانے سے پہلے آنحضرت ﷺ اُس کی ذات، اُس کا قبیلہ، اُس کا عقیدہ نہیں پوچھتے بلکہ نظریاتی مخالف ہونے کے باوجود بھی آنحضرت ﷺ کو اُس یہودیہ کے وصفِ انسانیت کی قدر تھی۔ نظریاتی اختلاف اپنی جگہ پر مگر انسان ہونے کے ناطے اُس بوڑھی عورت کا بڑھاپا یہ تقاضہ کرتا تھا کہ کوئی آئے اور اس کا بوجھ اُٹھائے۔

اسی طرح ایک روز مسجد نبوی میں آنحضرت ﷺ ایک عیسائی وفد سے محوِ گفتگو تھے کہ اُسی اثناء میں عیسائیوں کی عبادت کا وقت ہوگیا اور انھوں نے مسجد سے جانے کی اجازت چاہی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عبادت مقصود ہے تو اسی مسجد میں کر لیجیے۔ لہٰذا کوئی انقلاب برپا کرنے کے لیے لازم ہے کہ قیادت ایک بڑے انسان کے پاس ہو اور وہ بڑا انسان جس طرح کا غیر متعصّب انسان ہوگا اسی سطح کی عظیم قیادت کا حامل ہوگا۔ انقلاب جس معاشرے میں برپا ہونا ہوتا ہے وہ نظریات کا معاشرہ ہوتا ہے۔ اگر قیادت عوام کے نظریاتی اختلاف کو ہی سلجھانے میں مصروف رہے تو انقلاب کے دور رس نتائج مرتّب نہ ہوسکیں گے۔ چنانچہ اب بھی اسلامی انقلاب برپا کرنے والی قیادت پر لازم ہے کہ وہ تاریخ، قرآن اور حدیث کے ساتھ ساتھ سائنس، معاشیات، اقتصادیات اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے علوم پر بھی دسترس رکھتی ہو تاکہ قیادت کو اندرونی خلفشار کے بجائے انقلابِ اسلامی کو بین الاقوامی سطح پر متعارف کروانے اور منوانے کا موقع و یکسوئی مل سکے۔

اسلام سلامتی کا دین ہے جب تک ایک انقلابی کی آنکھ اور زبان سے سلامتی نہ پھوٹے وہ معاشرے میں اپنا کردار نہیں منوا سکتا ہے۔ جب کہ آنکھ کی سلامتی حیاء ہے اور زبان کی سلامتی حق گوئی۔ گویا جس کی آنکھ حیا اور زبانِ حق بیان کرتی ہے وہ ہمیشہ انقلابی ہی رہتا ہے۔ اگر انقلابی کے پاس وہ Committed جماعت ہی نہ ہو کہ جس نے اپنے مفادات، ترجیحات اور ترغیبات کو پس پُشت ڈال کر تحریک یا انقلاب کو حیات بخشنی ہے تو اس کے مشن کو جلاء نہیں مل سکتی۔ چنانچہ آپ اسلامی روح کی حامل ایک انقلابی صرف اس وقت کہلا سکتے ہیں جس وقت آپ معاشرے کے افراد کی محرومی دور کرنے کے لیے اپنے پاس دستیاب نعمتوں سے کس قدر دستبردار ہوتے ہیں کہ پس ماندہ افراد کو حیات مل جائے اور کسی حد تک اُن کی پریشانیوں کی تلافی ہو جائے۔

انقلابِ اسلامی کے حقیقی داعی کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کو پسِ پشت ڈال کر فرقہ بندی، گروہ بندی اور ذات برادری کے بت مسمار کر دے۔ چنانچہ مثال دی جا سکتی ہے کہ اُس حیات طیّبہ ؐ کے مقلّدین یعنی ماضی قریب کے اولیاء کرام نے اپنے آستانوں پر ایسی فضاء قائم کی ہوئی تھی کہ جہاں مسلمانوں کے علاوہ ان کے نظرّیاتی مخالف ہندو، سکھ، عیسائی اور کافر بھی حاضر ہوتے تھے تو احترامِ انسانیّت پاتے تھے، محبت پاتے تھے اور وہیں کے ہو کر رہ جاتے تھے۔ نظرّیاتی اختلاف اپنی جگہ مگر اُن آستانوں نے کبھی انسانیّت کی تذلیل نہیں کی، کافر کے کفر سے نفرت مگر اپنے رب کا بندہ ہونے کے ناطے اُس کے وصفِ انسانی سے اختلاف نہ کیا۔ اُن کے ہاں سلامتی ہی سلامتی تھی۔ حتیٰ کہ صوفیاء کرام کے خاموش انقلاب کی تربیّت کا اثر ہے کہ آج اولیاء اللہ کے مقلّدین محض نظرّیاتی اختلاف کی بناء پر مسلمان تو کجا غیر مسلم کا خونِ ناحق بھی نہیں بہاتے۔ چنانچہ عصرِ حاضر کے انقلابی ذہن کو مسلمانوں کے ہر اُس دور کا مطالعہ نہایت

باریک بینی سے کرنا چاہیے کہ جس دور میں مسلمانوں کے نظریاتی مخالف سب سے زیادہ مسلمانوں سے مطمئن اور نزدیک تھے۔

کوئی انقلاب (Revolution) بپا کرنے کے چار بنیادی اصول ہیں۔

1۔ ایک نظریہ وفکر اس کی تبلیغ و پرچار حتیٰ کہ نامساعد حالات میں بھی فکر ونظریہ کا پرچار جاری رکھنا۔

2۔ اس نظریہ کو دل وجان سے ماننے والوں کا گروہ (Followers) اور اس کی تنظیم (Organization)۔

3۔ اگر تنظیم پر تشدد ظلم وستم روا ہوں تب بھی صبر واستقلال اور پامردی سے مقابلہ کرنا۔ اُس مرحلہ پر ظلم کا جواب تشدد سے نہ دینا جو Passive Resistance کے مترادف ہے۔

4۔ جب تنظیم قوّت حاصل کرلے تو پھر کسی عام جگہ پر اس فکر ونظریہ کا پرچار شروع کرنا۔ اس طرح آخری پالیسی کشمکش وتصادم کی ہوتی ہے جس کے بعد تمام طاقتیں زیرنگیں ہوکر نظریّہ قبول کرلیتی ہیں۔

حجاز مقدّس میں بعثت نبوی ﷺ کے وقت کوئی نظم وضبط اور حکومت نہ تھی بلکہ طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ ان حالات میں نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی واحدانیّت کا پرچار شروع کیا۔ حتیٰ کہ بنی نوع انسان کے لئے مکمل ضابطہ حیات پیش کردیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ قول و فعل میں تضاد (Inconsistency) نہ تھا۔ جو فکر ونظریہ حیات پیش کیا اس پر خود عمل کرکے دکھایا۔ آپ ﷺ کا تمسخر اُڑایا گیا۔ سوشل بائیکاٹ ہوا۔ طائف میں پتھر برسائے گئے کہ آپ ﷺ لہولہان ہوگئے۔ آپ ﷺ کے قتل کے منصوبے بنائے گئے۔ دین اسلام کے ماننے

والوں پر بے پناہ تشدّد ہوا لیکن انہوں نے صبر و تحمّل کا مظاہرہ کیا۔ اس مرحلہ پر محاذ آرائی کرتے تو ختم ہو جاتے۔ مدت عرصہ ۱۳ سال تک Passive Resistance کا مظاہرہ کیا۔ حتیٰ کہ کچھ پیروکار حبشہ ہجرت کر گئے۔ پھر تمام مسلمان (Followers) ہجرتِ مدینہ پر مجبور ہوئے۔ اس تنظیم نے وہاں پہنچ کر ایک نظریاتی ریاست کی بنیاد رکھی۔ لوگوں کی تربیّت کر کے مکمّل ضابطہ حیات پر عمل کرایا۔ جس سے وہ ایک قوّت بن گئے۔ مہاجر و انصار کی مشترکہ افرادی قوّت سے قبائل مدینہ و یہودیوں کو قائل کر لیا اور جذبہ حریّت سے تصادم و کشمکش کا پھر برملا اعلان کیا۔ اوّل کمزور شرائط پر صلح حدیبیہ تسلیم کر لی۔ لیکن عرصہ دو سال بعد مخالفین کی جانب سے معاہدہ کی خلاف ورزی پر تجدید معاہدہ سے انکار حتیٰ کہ قریش کی منّت و سماجت بھی مسترد کر دی۔

یہ انقلابی راہنما نے دیکھ لیا کہ پے در پے حزیمتوں اور شکستوں کے بعد کفّارانِ قریش میں وہ دم خم باقی نہ رہا۔ اس طرح کسمپرسی کے عالم میں نکالے گئے جیالے فاتح کی حیثیّت سے مکہّ میں داخل ہوئے جو خطہ عرب میں اُن کے انقلاب کی تکمیل کا باعث بنا۔

معاہدہ مواخاۃِ مدینہ:

مسلم مہاجرین کی کثیر تعداد محض دینِ اسلام کے خاطر اپنے وطن اور اپنے تمام اثاثہ کو چھوڑ کر ہجرت کر کے مدینہ آئے تو اِن غریب و نادار مہاجرین جن کا تمام اثاثہ بوقت ہجرت کفّارانِ قریش نے جبراً چھین لیا تھا۔ ان کی مصیبت کا حل اسلامی مواخاۃِ (مسلم بھائی چارہ) سے نکالا اور اسلامی تعلیم کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اس پر مدینہ منوّرہ میں پوری طرح آزمایا گیا جس کے تحت ایک مہاجر اور ایک انصار (مقامی سکونتی مدینہ) کو بھائی بھائی (مواخاۃِ) کے رشتہ میں پرو دیا۔ انصار نے اپنے مہاجرین بھائی کو اپنے تمام اثاثہ کا حصہ دار

بنالیا۔ اس طرح مہاجرین کو مدینہ منوّرہ میں نیا گھر مل گیا۔ لیکن مہاجرین نے بھی اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار کا پورا مظاہرہ کیا اور اس قسم کی مدد حتی الوسعیٰ قبول کرنے سے گریز کیا۔ انہوں نے اپنا کام خود کر کے روزی کمانے کو ترجیح دی۔ مہاجرین نے تجارت کو بطور پیشہ اپنایا جبکہ انصار مدینہ کی گزراوقات کھیتی باڑی پر تھی۔

میثاقِ مدینہ:۔

مدینہ کے گردونواح میں یہودی بستیاں آباد تھی جو بڑے تاجر اور سرمایہ دار تھے۔ جو ناقابل برداشت شرح سود پر قرضہ دیتے تھے اور قرضہ واپس لینے میں نہایت درشتگی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ جبکہ مدینہ منوّرہ میں رہنے والے قبیلے اوس وخزرج اسلام سے قبل اکثر برسرِ پیکار رہتے تھے ان کی آخری باہمی جنگ نے انہیں پوری طرح برباد کر دیا تھا۔ یہودی بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ مدینہ کے لوگ متحدہ ہو کر زندگی بسر کریں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی مدینہ منوّرہ آمد سے اہل مدنیہ کی باہمی جنگ و جدال کی جگہ قبیلوں کے اتحاد نے لے لی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس شہر میں امن قائم کرنے کے لئے اسلام اور یہودیّت کے درمیان مشترکہ اقدار کی بنیادیں فراہم کیں اور مسلمانوں اور یہودیوں میں ایک معاہدہ تحریر و تکمیل ہوا جو دنیا کا پہلا تحریری آئین قرار پایا۔ یہ دستور ۵۱ آرٹیکل/شرائط پر مشتمل تھا جس کا متن/خلاصہ یہاں نقل کرنا قارئین کے استفادہ کے لئے ضروری ہے۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم"

(شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے)

"یہ دستاویز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے جو اللہ کے نبی ہیں، قریش اور اہلِ یثرب میں سے مومنوں اور مسلموں نیز ان لوگوں کے درمیان جوان کے

تابع ہوں، ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ہمراہ جہاد میں حصہ لیں"۔

دوسرے لوگوں کے بالمقابل وہ ایک امت ہیں قریش میں سے مہاجرین اسلام سے پہلے کے دستور کے مطابق خوں بہا ادا کریں گے اور اپنے اسیروں کا فدیہ ادا کریں گے تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو اور بنی عوف کے لوگ اپنے دستور کے مطابق خوں بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا، تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

(اسی طرح بنوساعدہ۔ بنوحارث، بنوجشم۔ بنونجار۔ بنوعمرو بن عوف۔ بنوالنبیت اور بنو اوس بھی

کریں گے تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو)

کوئی مومن کسی دوسرے مومن کی اجازت بغیر اس کے مولیٰ (معاہداتی بھائی) سے معاہدہ نہ کرے گا۔

متقی اور ایماندار مسلمان ہر اس شخص کی مخالفت پر کمربستہ رہیں گے، جو ان میں سے سرکشی کرے، جو ظلم یا گناہ یا زیادتی کا مرتکب ہو یا مومنوں میں فساد پھیلائے۔ ان سب کے ہاتھ ایسے شخص کی مخالفت پر ایک ساتھ اٹھیں گے۔ خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

کوئی مومن کسی مومن کو کافر کی خاطر قتل نہیں کرے گا اور نہ کسی مومن کے خلاف کافر کی امداد کرے گا۔

یہودیوں میں سے جو اتباع کرے گا اسے امداد و مساوات حاصل ہوگی اور نہ ایسے لوگوں پر ظلم ہوگا۔ اور نہ اس کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی۔

مومنوں کی صلح ایک ہی ہوگی۔ اگر کوئی اللہ کی راہ میں (جہاد کر رہا ہو) تو کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کرے گا۔ جب تک کہ یہ صلح سب کے لئے برابر ہو.....

اور مومنین اس چیز کا بدلہ لیں گے جو خدا کی راہ میں ان کے خون کو پہنچے.....اور جو شخص کسی مومن کو ناحق قتل کرے گا اور گواہوں سے اس کا ثبوت بھی فراہم ہو جائے گا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ بجز اس صورت کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے اور تمام مومنین اس کی تعمیل کے لیے اٹھیں گے اور اس کے سوا ان کے لیے کوئی (دیگر) صورت جائز نہیں ہوگی۔ اور یہودی جب تک مومنین کے ساتھ مل کر جنگ کرتے رہیں گے (اس جنگ کے) مصارف بھی برداشت کریں گے۔

اور بنوعوف کے یہودی۔ مومنین کے ساتھ ایک اُمت (سیاسی وحدت) تسلیم کیے جاتے ہیں۔ یہودی اپنے دین پر رہیں گے۔ مسلمان اپنے دین پر خواہ موالی ہوں یا اصل البتہ جو لوگ ظلم اور جرم کے مرتکب ہوں گے وہ اپنی ذات یا گھرانے کے علاوہ کسی کو ہلاکت و فساد میں نہیں ڈالیں گے..... (اسی طرح یہودیوں کے مختلف قبیلوں مثلاً بنونجار کے یہودی بنوحارث کے یہودی، بنوساعدہ کے یہودی بنوجشم کے یہودی، بنواوس کے یہودی اور بنوثعلبہ وغیرہ کے یہودیوں کے بارے میں بھی اُوپر دی گئی دفعہ کے مطابق الفاظ درج ہیں).....(تمام یہودی قبائل کا ذکر کرنے کے بعد معاہدہ میں یہ الفاظ ہیں)

وفاشعاری ہو نہ کہ عہد شکنی۔

اور یہودیوں کے قبائل کی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو کہ ان کو ہیں۔ اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد علیہ السلام کی اجازت کے بغیر جنگ کے لیے نہیں نکلے گا۔ زخم کا

بدلہ لینے میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے گی۔ جو شخص خونریزی کرے تو ذمہ داری اس پر اور اس کے گھرانے پر ہوگی بجز اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ اس کے ساتھ ہے۔ یہودی اپنے خرچ کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے خرچ کے۔

جو کوئی اس دستور العمل کو قبول کرنے والوں کیخلاف جنگ کرے تو وہ (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ وہ ایک دوسرے کی خیر خواہی پر عمل پیرا رہیں گے اور باہم مشورہ کریں گے۔ وفا کا شیوہ ہوگا نہ کہ عہد شکنی۔

یثرب (مدینہ) کی وادی اس دستور العمل کو ماننے والوں کے نزدیک مقدّس ومحترّم ہوگی۔ پناہ گزین سے ویسے ہی برتاؤ ہوگا جیسا کہ اصل شخص (یعنی پناہ دہندہ) سے ہو رہا ہو، نہ اسے کوئی نقصان پہنچایا جائے اور نہ ہی وہ کسی جرم کا مرتکب ہوگا، کسی عورت کو اس کے کنبہ والوں کی اجازت کے بغیر پناہ نہیں دی جائے گی۔

اس دستور العمل کو قبول کرنے والوں کے درمیان کوئی نیا معاملہ یا جھگڑا پیدا ہو جس پر فساد رونما ہونے کا ڈر ہو تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دیا جائے گا۔ نہ (کفّار) قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ اس شخص کو جو ان کا معاون ہو۔

اگر کوئی یثرب پر حملہ آور ہو تو (معاہدہ فریقوں یعنی یہودیوں اور مسلمانوں پر) ایک دوسرے کی امداد و نصرت لازم ہوگی۔ اگر انہیں صلح کر لینے اور اس میں شرکت کرنے کی دعوت دی جائے گی تو یہ اسے قبول کر لیں گے اور شریک ہوں گے۔ اسی طرح جب وہ کسی کو صلح کے لیے بلائیں تو اسے قبول کریں گے۔ اور مسلمانوں پر بھی قبول کرنا لازم ہوگا بجز اس صورت کے کہ کوئی دینی جنگ کرے۔

اور اللہ تعالیٰ، جو کچھ کہ اس صحیفے میں ہے، اس کی سب سے زیادہ تصدیق کرنے والا

ہے۔..... یہ نوشتہ کسی ظالم اور مجرم کو سزا دینے میں مانع نہیں ہوگا..... اللہ اس شخص کا حامی ہے جو عہد و اقرار میں وفا شعار اور پرہیز گار ہے اور اللہ کے رسول محمد ﷺ بھی اس کے حامی ہیں۔"

مختصر عرصہ میں یہودیوں کو چھوڑ کر تمام اہل مدینہ نے اسلام قبول کر لیا لیکن ان میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کو دل سے رسول مقبول ﷺ کے مشن کی کامیابی گوارہ نہ تھی۔ ہجرت مدینہ سے قبل عبداللہ ابن ابی اس شہر کا حکمران بننے کا خواب دیکھ رہا تھا جو ایسے لوگوں کا سرغنہ بن گیا جو صرف زبان سے تو اسلام کا اقرار کرتے تھے لیکن دل سے مسلمانوں سے کینہ اور بغض رکھتے تھے۔ قرآن میں ایسے لوگوں کو منافقین قرار دیا گیا۔ بعد میں ان لوگوں نے یہودیوں اور دوسرے دشمنانِ اسلام سے تعاون کیا اور ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کو نقصان پہچانے کی سعی میں لگے رہتے تھے۔ یہودیوں پر مسلمانوں کے انعام و اکرام کے باوصف صہیونیت کی عالم اسلام کے خلاف مقامی و عالمی سطح پر ریشہ دوانیوں اور خفیہ سازشوں کا ذکر آگے تفصیل کے ساتھ مؤلف کے تحقیقی مضمون میں بیان ہوا ہے۔

﴿بین الاقوامی اعلیٰ سفارتی اقدار کا اجراء﴾

ترسیل نامۂ مبارک:

مدینہ میں اسلامی ریاست کی داغ بیل پڑنے کے بعد اواخر ۶ھ ہجری اور اوائل ۷ھ ہجری کے دوران اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں غیر مسلم حکومت کے سربراہان۔ مقتدر شخصیات اور بااثر سرداران کو جو خطوط ارسال کئے گئے ان کی بنیاد قرآن حکیم کی یہ نص بنی۔

"اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھے طریقہ سے بلاؤ"۔ (النحل

دورِ اطہر ﷺ میں مختلف سربراہان مملکت، بادشاہوں اور تاجداروں کو جو خطوط ارسال فرمائے گئے ان کو اپنی پوری قوم کا ذمہ دار بنا کر دعوت اسلام دی گئی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے نامہ مبارک میں ایک طرف مروجہ آداب کا خیال رکھا اور بطور خاص ان پر اپنی مہر ثبت کرنے کے لئے انگوٹھی بنوائی جس پر ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ کندہ تھے۔ اس کے علاوہ ایک خاص اسلوب وطریقہ مروّج فرمایا۔ ہر خط کا آغاز خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے پھر مرسَل کی حیثیت سے اپنا اسم مبارک تحریر فرمایا۔ اس کے بعد مکتوب الیہ کا نام پھر کم ازکم انتہائی محتاط انداز اور جچے تلے الفاظ میں مدعا بیان فرماتے تھے۔ اس دور کے لحاظ سے جو سفارتی زبان آپ ﷺ نے اپنے خطوط میں استعمال کی وہ حضور ﷺ کے تدبّر۔ ذہنی برتری اور عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کا مرقّع تھی۔ ہر حکمران کو مخاطب کرتے ہوئے اس کے مذہب اور مخصوص حالات کو پیش نظر رکھ کر عبارات تحریر کرائی گئیں۔ یکساں قسم کے متن کو خطوط کا نفس مضمون نہ بنایا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے ہر حکمران کی جانب اس کی قومی زباں جاننے والے کو اپنا ایلچی یا سفیر نامزد کر کے اس کے بدست نامہ مبارک ارسال فرمائے۔

602ء سے 614ء کے بعد تک حجاز کے قرب وجوار میں دو عظیم سلطنتیں یعنی فارس (جسے ایران کہتے ہیں) اور روم کے مابین مدّت دراز سے حریفانہ نبرد آزمائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ 570ء میں نبی اکرم ﷺ کی ولادتِ شریفہ اور چالیس سال بعد 610ء میں اعلانِ نبوت تک مذکورہ ممالک کی باہمی جنگ وقتال اہل حجاز کے لیے دلچسپی کا باعث تھیں۔ مشرکین مکہ مذہباً اہل فارس کو جو آتش پرست مجوسی تھے زیادہ قریبی سمجھتے تھے جبکہ روم کے نصاریٰ اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے قریبی دوست قرار دیے جاتے تھے۔ جب خسرو پرویز (کیخسر وثانی) کے عہد میں فارس نے روم کو ایک ہولناک جنگ کے بعد فیصلہ کن شکست دی حتیٰ

کہ شام۔ مصر۔ ایشیائی کوچک وغیرہ کے علاقے رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے اور ہرقلِ قیصر روم کا دارالسلطنت بھی خطرہ میں پڑ گیا۔ بڑے بڑے پادری قتل یا قید کر لیے گئے۔ بیت المقدّس سے عیسائیوں کی سب سے مقدّس صلیب بھی ایرانی فاتحین لے اُڑے۔ اس طرح قیصر روم کا اقتدار بالکل فنا ہو گیا۔ بظاہر کوئی صورت روم کے دوبارہ اُبھرنے اور فارس کے تسلّط سے نکلنے کی نہ رہی۔ یہ حالات دیکھ کر مشرکین مکہ خوش ہوتے اور انھوں نے یہاں تک کہا کہ جس طرح ایرانیوں نے رومیوں کو مٹا دیا ہے اُسی طرح وہ مسلمانوں پر غلبہ حاصل کر لیں گے۔ اس وقت قرآن نے اسبابِ ظاہری کے بالکل برعکس اعلان کر دیا کہ بے شک اُس وقت رومی اہلِ فارس سے مغلوب ہو گئے لیکن تین سے نو سالوں کے اندر وہ پھر غالب و منصور ہوں گے۔ اُدھر ہرقلِ قیصر روم نے اپنے زائل شدہ اقتدار کو واپس لینے کا تہیہ کر لیا حتیٰ کہ قرآن پاک کی یہ پیشین گوئی کہ روم کو پھر فتح نصیب ہو گی آٹھویں سال پوری ہو گئی۔ قرآن پاک کی اس عظیم الشان محیّر العقول پیشین گوئی کی صداقت کا مشاہدہ کر کے بہت سے کفّار مسلمان ہو گئے۔ قیصرِ روم کو رسالتمآب ﷺ نے بعد ازاں نامہ مبارک ارسال کیا جس کی اُس نے توقیر کی جبکہ ایران کے خسرو پرویز نے حضور پرنور ﷺ کے نامہ مبارک پر برہمی کا اظہار کیا اور پھاڑ دیا اس توہین آمیز رویّہ پر اُسے بُرے انجام کا سامنا کرنا پڑا۔

خسرو پرویز بڑی شان و شوکت والا بادشاہ تھا۔ اس کی سلطنت اور دربار کو ایسا وقار حاصل ہوا کہ باید و شاید۔ عجم کا دستور تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھے جاتے تھے اس کے عنوان میں پہلے بادشاہ کا نام تحریر ہوتا تھا۔ جبکہ نامہ مبارک میں پہلے خدا کا نام پھر عرب کے دستور کے مطابق رسول ﷺ کا اسم گرامی تحریر تھا۔ خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا اور نامہ مبارک کو پھاڑ ڈالا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی کے مطابق سلطنت عجم بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی

اور خسرو پرویز کے بیٹے شیرویہ نے اپنے باپ خسرو پرویز کو قتل کر ڈالا۔

نجاشی ودیگر تاجداران:۔

اسی طرح کا مکتوب حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو تحریر کیا گیا جس کے جواب میں اس نے تسلیم کیا کہ آپ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں۔اس نے حضرت جعفر طیار جو اوائل دور اسلام میں ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلام قبول کر لیا اور ہرقل روم کو خراج دینا بند کر دیا۔

اس طرح کے سفارتی طریق پر جو خطوط دیگر سرکردہ شخصیات کو ارسال ہوئے ان کے اسمائے گرامی ذیل ہیں:

۱۔ عزیز مصر مقوقیش رئیس قبط۔ ۲۔ منذر بن ساوی امیر بحرین جو شہنشاہ فارس کا باجگزار تھا اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ ۳۔ جعفر اور عبد پسران جلندی کا اقتدار عمان میں تھا جن کو عمرو بن عاص کے بدست مکتوب ارسال کیا گیا۔ ۴۔ منذر بن حارث بن ابوشمر حاکم دمشق۔ ۵۔ ہوذہ بن علی حاکم یمامہ عیسائی مذہب کا پیرو تھا۔ ۶۔ جریج بن متی مقوقس تاجدار اسکندریہ ومصر یہ بھی عیسائی عقیدہ کا حامل تھا۔

چھوٹے والیان مملکت وسرداران:۔

۱۔ فروہ بن عمرو گورنر سلطنت روم۔ ۲۔ ثمامہ حکمران نجد۔ ۳۔ جبلہ غسانی۔ ۴۔ اکیدر حاکم دومتہ الجندل۔ ۵۔ ذوالکلاح حمیری بادشاہ قبیلہ حمیر جو اپنے آپ کو خدا کہلواتا اور خود کو سجدے کراتا تھا۔ وہ بھی اسلام لایا اور دور فاروقی میں بادشاہت سے دستبردار ہو کر راہبانہ زندگی گزارنے کے لئے مدینہ آ گیا۔

مذکورہ بالا نامور شخصیات میں سے چند کے نام جو اصل نامہ مبارک ارسال کئے گئے ان

کے عکس معہ مہرِ نبوت نمونہ کے طور پر پہلے لف کیے گئے ہیں جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ رسالتمآب ﷺ نے جن سفارتی آداب اور اسلوب کا اجراء فرمایا وہ موجودہ ترقی یافتہ دور اور بین الاقوامی سفارتی آداب کی بنیاد بنا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿محمد مصطفیٰ ﷺ بطور فقیہہ / پہلے مجتہد (First Jurist)﴾

اللہ جلّ شانہٗ نے کائناتِ دنیا میں خونریزی اور بے راہ روی ختم کرنے اور پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل کے لئے وقتاً فوقتاً پیغمبر۔ رسول و نبی مبعوث فرمائے اور اُن پر احکامات الٰہیہ نازل فرمائے جو انہوں نے اپنی اپنی اُمّت کو پیش کیے۔ جنہوں نے احکامات الٰہیہ بطور Divine Commandment معاشرہ میں نافذ کیے جن کی رو سے قتل و چوری اور زنا (Adultry) کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اُن کے بعد دیگر انبیاء و رسُل بھی دین اسلام کی تبلیغ و ترویج اور اصلاح معاشرہ کے لئے تشریف لاتے رہے۔ جن میں نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ اس مشن کی آخری کڑی ہیں۔ چونکہ ان کے بعد کسی نبی یا رسول کا آنا منقطع ہونا تھا۔ اس لیے حضور ﷺ کے توسط سے عالم انسانیت کے لئے ایسا قانون وضابطہ پیش کرنا مقصود تھا جو ان کے پیشرو پیغمبران کے مقابلہ میں جامع۔ واضح اور مکمل ہو اور تا قیامت آنے والی بنی نوع انسان کے لئے راہنمائی کا موجب ہو۔ اس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کو انسانی زندگی کے تمام پہلو اور زمان و مکان کی قید کے بغیر ایک مکمل نظام حیات پیش کرنا تھا۔ چونکہ ترقی پذیر دنیا میں تمام امور حتمی قرار نہ دئے جاسکتے ہیں اس لئے ضروری تھا کہ ایسے بنیادی اصول متعیّن کر دیئے جائیں تاکہ تغیّر پذیر معاشرہ میں ان کی جزئیات میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی بھی ممکن

ہو۔اس طرح اسلام نے ضوابط واخلاق کے وہ بنیادی اصول بتادئے تا کہ آنے والے دور میں جگہ اور وقت کے اعتبار سے ایسے قواعد مرتب ہوسکیں جو ہر معاشرہ سے ہم آہنگ ہوتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون جو قرآن حکیم کے ذریعے حضور اکرم ﷺ نے پیش کیئے اُن کو مسلم فقہا پانچ بنیادی اصول قرار دیتے ہیں۔جنہیں کلیات خمسہ کہا جاتا ہے۔جو درج ذیل ہیں

1۔ انسانی جانوں کا تحفّظ 2۔ جائیداد کا تحفّظ 3۔ دین کا تحفّظ

4۔ وراثت کا تحفّظ 5۔ اصولوں کا تحفّظ

قرآن حکیم میں تقریباً ۲۲۷ نصوص ایسی ہیں جو قانونی امور بابت وراثت، عقد، حق مہر، طلاق، ہبہ، وصیّت، بیع، گارڈین شپ، نان ونفقہ اور جرائم سے متعلق ہیں۔

حضور رسالت مآب ﷺ اسلام کے پہلے فقیہہ ومجتہد ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی ان امور میں راہنمائی فرمائی۔ آپ ﷺ کے دور میں جن امور میں معاملات کی ضرورت نئے حالات اور نئے تقاضوں کی وجہ سے پیش آئی تو آپ ﷺ نے اجتہاد کے ذریعہ جدید اصول و ضوابط مسلمانوں کو دئے جو بہر حال اِذن الٰہی کے تابع تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کلام حکیم میں فرمادیا۔

"جو رسول مقبول تم کو بتائیں یا حکم دیں اُس پر سختی سے عمل کرو اور جس سے منع فرمادیں اس سے اجتناب کرو" (سورۃ الحشر 59:7)

حضور نبی اکرم ﷺ نے جن امور میں بطور فقیہہ۔مجتہد (First Law giver) اجتہاد فرمایا۔وہ درج ذیل ہیں۔

خرید وفروخت ومعاہدہ جات :

تمام ترقی یافتہ معاشروں میں جہاں قانون وفقہ کی عمل داری ہے وہاں پر معاہدہ کی بنیاد فریقین کی آزادانہ مرضی (Consent) پر ہوتی ہے۔لیکن قانون میں کسی شخص کی مرضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ آزادانہ مرضی کے اظہار کا اہل بھی ہے یا نہیں۔ یا معاہدہ کے مفادات و نقصانات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ نے اس ضمن میں یہ اصول دیا۔

" میری اُمّت غلطی ،دھوکہ اور جبر کے ذریعہ پیدا ہونے والی ذمہ داریوں سے مُبّرا ہے"

جس کا مقصد یہ تھا کہ کسی ایک فریق کو کسی سودے میں ناجائز نقصان سے محفوظ رکھا جاسکے۔

صفات نبی ﷺ سے مُرصّع مکمل ضابطہ حیات :

کسی نبی برحق میں درج ذیل صفات ہونا لازمی ہیں جو قرآن سے ثابت ہے کیونکہ یہ صفات کسی کاذب یا غیر نبی میں نہ ہوتی ہیں۔

1۔ نبی برحق مبعوث علی اللہ ہوتا ہے۔

2۔ اس پر وحی کا نزول ہوتا ہے جو بذریعہ فرشتہ یا پیغام الٰہیہ کا دل پر القاء کی صورت میں ہوتا ہے ۔نبی برحق کا خواب بھی سچا ہوتا ہے۔

3۔ وہ نبی برحق وحی کی ترتیب وتدوین یعنی اُس کو Codify and Arrange کرتا ہے جیسے کہ قرآن کا مختلف اوقات میں نزول ہوا لیکن اس کی ترتیب وتدوین کہ کس آیت کو کہاں رکھا جاوے اس کی ہدایت بھی وحی کے ذریعہ دی گئی۔

4۔ نبی کو حرام وحلال اور قانونی وغیر قانونی (شرعی یا غیر شرعی) قرار دینے کا اختیار ہوتا ہے۔

5۔ وہ احکام الٰہیہ / وحی کا نفاذ (enforcement) کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی شرح وتوجیح بھی کرتا ہے جو بہر حال رضا الٰہی کے مطابق ہوتی ہے۔

6۔ وہ قابل اطاعت ہوتا ہے جو اللہ کے ساتھ نبی کی اطاعت نہ کرے وہ مومن نہیں ہوسکتا۔ قرآن میں آیا ہے کہ

"قسم ہے آپ کے رب کی، یہ لوگ ایمان دار نہ ہونگے جب تک یہ بات نہ ہو کہ اُن کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرا دیں، پھر آپ جو فیصلہ کر دیں اس کو قبول کرلیا جائے حتیٰ کہ اس کے قبول کرلینے سے دل پر بوجھ نہ ہو (یعنی دل برداشتہ نہ ہو)" (سورۃ النساء ۴: ۶۵)

7۔ نبی برحق معصوم عن الخطاء ہوتا ہے۔ اس سے غلطی سرزد نہیں ہوتی جو اقدام کرتا ہے وہ اللہ کی رضا کے مطابق کرتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس قرآن حکیم کی مجسم تفسیر ہے۔ وہ کسی قرآنی حکم کی تشریح اور توجیح سے قرآن کو Supplement کرتے ہیں۔ مثلاً قرآن حکیم میں قطع ید کا حکم تحریر ہے اس کی تشریح کہ کونسا ہاتھ ہو یعنی دایاں یا بایاں ہو تو اس میں سے کہاں تک کاٹا جاوے۔ یہ سزا پہلی چوری پر ہے یا دوسری چوری پر۔ اس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کی تشریح کہ دایاں ہاتھ پہلی چوری پر، دوسری چوری کی سزا پر بایاں پاؤں کاٹا جاوے گا۔ اس کے بعد تیسری مرتبہ پر ہاتھ یا پاؤں نہ کٹے گا بلکہ صرف جیل میں قید کی سزا ہوگی۔ اس طرح کی مزید مثالیں حسب ذیل ہیں۔

1۔ پانچ نمازوں کی تشریح وتوجیح ، ان کی ترتیب اور ہر نماز کی فرض رکعتیں مقرر کرنے کا ذکر قرآن حکیم میں نہ ہے۔لیکن حضور ﷺ نے وقت اور رکعتوں کا تعین فرمایا۔عام دنوں میں ظہر کی نماز اور جمعہ کے روز اس کی ادائیگی کا طریق کار۔

2۔ قرآن حکیم میں مقررہ اوقات پانچوں نمازوں اور ان کی رکعت مقرر ہیں اور جب وقت جہاں ہو جائے وہاں نماز کی ادائیگی کا حکم ہے۔لیکن میدان عرفہ میں مغرب کی نماز ادا نہیں ہوتی بلکہ مزدلفہ میں ادا ہوتی ہے خواہ رات ڈھل جائے اور نماز قضاء ہو جانے پر اس کا ثواب مقررہ وقت پر ادا ہونے والی نماز کی طرح ملتا ہے۔

3۔ مسجد نمرہ میں ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ ادا ہوتی ہیں ۔جبکہ عام حالت میں دونوں نمازیں مقررہ وقت پر جداگانہ ادا ہوتی ہیں وہاں عصر کی نماز قضا یا وقت سے پہلے نہیں بلکہ قضا ادائیگی بھی بروقت ادا تصور ہوتی ہے۔

4۔ قرآن کا حکم ہے کہ زمین پر اکڑ کر مت چلو کیونکہ تم اپنے اس فعل سے گویا زمین کو پھاڑ کر اُس کے اندر تو نہیں جا سکتے ۔اور نہ آسمان جتنا بلند ہو سکتے ہو۔اس لئے روئے زمین پر اکڑ کر چلنے سے منع کیا گیا۔لیکن دورانِ طوافِ کعبۃ اللہ کے پہلے تین چکر میں حجاج کرام کو سینہ اکڑا کر چلنے کا حکم ہے جو سنت رسول مقبول ﷺ ہے

5۔ ہر نماز باجماعت میں نمازی کے لئے دونوں بازو اور ٹانگیں اور بدن کی ستر پوشی کی ہدایت دی گئی لیکن دورانِ طواف حاجی کے لئے داہنا کندھا کھلا رکھنے اور اوڑھنے والی چادر کا ایک پلّو بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈالنے کا حکم ہے جو سنت نبوی ﷺ ہے۔ جس پر عمل لازمی قرار دیا گیا۔

6۔ نماز جنازہ کا طریقہ جو عام نمازوں سے مختلف ہے۔اسی طرح قصر نماز کی رعایت دوران

سفر دی گئی ہے۔

7۔ وضو۔ روزہ۔ حج۔ قربانی اور زکوٰۃ کے مسائل جیسے صاحبِ نساب اور شرح زکوٰۃ اور وصولی کا طریقہ کار ہمیں رسالتمآب ﷺ کی واضح ہدایات ہی سے ملتا ہے۔

8۔ عربی زبان کی فصاحت اور بلاغت کے باوصف سورۃ الرّوم کے الفاظ " فِی بِضْعِ سِنِیْنَ " کے لغوی معنی سے فتح روم کے دوبارہ غلبہ کی مدت کی واضح صراحت نہ ملنے پر نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ کی روشنی میں تین سے نو سال کی درمیانی مدت مقرر ہوئی جو قرآنی پیشین گوئی آٹھویں سال میں پوری ہوئی۔ مذکورہ بالا لفظ کی تشریح کی توثیق حضرت یوسف علیہ السّلام کے سات سالہ قید خانے میں قیام کی مدّت سے بھی ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا مثالیں احکام الٰہیہ کی تشریح و اضافہ (Supplement) کرنے کے مترادف ہیں۔ جن پر سنت رسول مقبول ﷺ کے مطابق عمل ہوتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔

حقوق انسانی کا پہلا بین الاقوامی چارٹر:

حتیٰ کہ حضور نبی اخرالزماں ﷺ کا اس کرہ ارض پر احیائے دین کا مشن مکمل ہونے پر دین اسلام کی تکمیل اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے اپنی نعمت پوری ہونا قرار دینا اور دین اسلام مسلمانوں کے لیے پسند فرمانے کی اس طرح سند نازل فرمائی۔

(القرآن): اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً ط

(ترجمہ) : آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا۔ میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے

پسند کرلیا۔ (المائدہ ۵:۳)

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے پہلے اور آخری حج اکبر کے موقع پر کم و بیش اتنے فرزندانِ توحید نے شرکت فرمائی جتنے اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں مختلف اقوام کی اصلاح اور تربیّت کے لیے یعنی تقریباً ایک لاکھ چوبیّس ہزار نبی، پیغمبر و رُسّل بھیجے۔ یہی امتِ مسلمہ کا وہ اعزاز ہے جس کی خواہش کے لیے پیغمبروں نے حضور سرورِ کائنات ﷺ کی امت میں پیدا ہونے کی دعا کی تھی۔

اس موقع پر پہلا بین الاقوامی حقوق (Human Rights) کا چارٹر پیش کیا، جو آنے والی تمام نسلوں کے لیے پیغام امن و سلامتی تھا۔

خطبہ حجتہ الوداع ۱۰ ہجری:۔

یہ خطبہ انفرادی اور اجتماعی اخلاقیات اور شریعت اسلامی کے بنیادی اصولوں اور اہم ترین مسائل پر حقائق کا ایک جامع مرقع ہے جسے حقوق انسانی کے باب میں عالمی منشور کی حیثیت حاصل ہے۔

چشم ملک نے اپنی ہزار ہا سالوں کی گردش دوراں میں اس سے زیادہ عجیب و دل فریب منظر نہیں دیکھا اور نہ ہی دنیائے انسانیّت نے احترام آدمیت اور انسان کی عظمت و شان سے متعلق آپ ﷺ کی پُر خلوص۔ پُر سوز اور شیریں و دلنواز آواز میں اس سے بہتر کوئی وعظ سنا۔

رسالتمآب ﷺ نے اللہ کی حمد و ثناء بیان کر کے خطبہ کی یوں ابتداء فرمائی۔

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے۔ کوئی اُس کا ساجھی نہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اس نے اپنے بندے (رسولؐ) کی مدد فرمائی اور تنہا اسی کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا"۔

لوگو! میری بات سنو۔ میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں یکجا ہو سکیں گے۔

لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے تا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ تم میں زیادہ عزّت و کرامت والا اللہ کی نظروں میں وہی ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہے۔'' چنانچہ اس آیت کی روشنی میں نہ کسی عرب کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے۔ ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ انسان سارے ہی آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ مٹی کے بنائے گئے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ بس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات علیٰ حالہٖ باقی رہیں گی۔

پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

قریش کے لوگو! ایسا نہ ہو کہ اللہ کے حضور تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہوا ہو اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر پہنچیں۔ اور اگر ایسا ہوا تو میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آ سکوں گا۔ قریش کے لوگو! اللہ نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ لوگو! تمہارے خون و مال اور عزّتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئیں۔ ہمیشہ کے لیے ان چیزوں کی اہمیّت ایسی ہی ہے جیسے تمہارے اس دن کی اور اس ماہِ مبارک (ذی الحجہ) کی خاص کر اس شہر میں ہے۔ تم سب اللہ کے آگے جاؤ گے۔ اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت باز پرس فرمائے گا۔ دیکھو

کہیں بعد میں گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں کشت وخون کرنے لگو۔ اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔

لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ ہاں غلاموں کا خیال رکھو۔ انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ ایسا ہی پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔ دور جاہلیّت کا سب کچھ میں نے اپنے پیروں سے روند دیا۔ زمانہ جاہلیّت کے خون کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں۔ پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں۔ میرے اپنے خاندان کا ہے ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنو ہذیل نے مار ڈالا تھا۔ اب میں معاف کرتا ہوں۔ دورِ جاہلیّت کا سود اب کوئی حیثیّت نہیں رکھتا۔ پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے۔ اب یہ ختم ہو گیا۔

لوگو! اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق خود دے دیا۔ اب کوئی کسی وارث کے لیے وصیّت نہ کرے۔ بچہ اُسی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔ جس پر حرام کاری ثابت ہو اس کی سزا پتھر ہے۔ حساب کتاب اللہ کے ہاں ہوگا۔ جو کوئی اپنا نسب بدلے گا۔ یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا۔ اس پر خدا کی لعنت۔ قرض قابل ادائیگی ہے۔ عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہئے۔ تحفہ کا بدلہ دینا چاہئے اور جو کوئی کسی کا ضامن بنے وہ تاوان ادا کرے۔ کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے۔ سوائے اس کے جس پر اس کا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی دے۔ خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔

عورت پر یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی بغیر اجازت کسی کو دے۔ دیکھو! تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں اسی طرح اُن پر تمہارے حقوق واجب ہیں۔

عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی خیانت نہ کریں۔ کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں۔ اور اگر وہ ایسا کریں تو اللہ کی طرف سے اس کی اجازت ہے کہ تم انہیں معمولی جسمانی سزا دو اور وہ باز آجائیں تو انہیں اچھی طرح کھلاؤ، پہناؤ۔ عورتوں سے بہتر سلوک کرو کیونکہ وہ تو تمہاری پابند ہیں اور وہ خود اپنے لیے وہ کچھ نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں اللہ کا لحاظ رکھو کہ تم نے انہیں اللہ کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر وہ تمہارے لیے حلال ہوئیں۔

لوگو! میری بات سمجھ لو۔ میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو گے اگر اس پر قائم رہے اور وہ اللہ کی کتاب ہے۔ اور دیکھو دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے لوگ انہی باتوں کے سبب ہلاک کر دیئے گئے۔ شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی ہے کہ اب اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی۔ لیکن اس کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنہیں تم کم اہمیت دیتے ہو اس کی بات مان لی جائے اور وہ اسی پر راضی ہے۔ اس لئے تم اُس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرنا۔ لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ پانچ وقت کی نماز ادا کرو۔ مہینے بھر کے روزے رکھو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو۔ اپنے اللہ کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہل امر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنّت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمے دار ہوگا۔ اور اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہئے کہ یہ احکام اور یہ باتیں اُن لوگوں کو بتا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔ اور لوگو!

تم سے میرے بارے میں (اللہ کے ہاں) سوال کیا جائے گا بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟

لوگوں نے کہا کہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ ﷺ نے امانت (دین) پہنچادی اور آپ ﷺ نے حق رسالت ادا فرمایا اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی جانب اٹھائی اور لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا: ''اللہ گواہ رہنا! اللہ گواہ رہنا! اللہ گواہ رہنا''

﴿رسالتمآب ﷺ بطورِ سپہ سالار وکمانڈر﴾

بین الاقوامی جنگی قوانین اور جنگی جرائم کے سدّ باب کے اصول:

حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی کے جس پہلو پر بھی نظر ڈالی جائے آپ تمام نوع انسانی میں ارفع واعلیٰ شخصیّت کے حامل نظر آتے ہیں۔ بحیثیت شہری دیکھا جائے تو مدنی زندگی اور بعد فتح مکہ مکی شب وروز کی زندگی میں ہر شہری امیر یا غریب سب کے محسن نظر آتے ہیں۔ بحیثیت تاجر دیکھا جائے تو صادق وامین نظر آتے ہیں۔ بحیثیت خطیب دیکھا جائے تو فصاحت وبلاغت کا مرقع نظر آتے ہیں۔ اور اگر بحیثیت سپہ سالار دیکھا جائے تو آپ کی شخصیّت دنیا کے تمام فوجی جرنیلوں میں عظیم المرتبت کے ابھرتی ہے۔ حضور رسالتمآب ﷺ تین وجوہات کی بناء پر بطور امیر لشکر مجاہدین وسپہ سالار کی حیثیّت سے ممتاز دیکھائی دیتے ہیں۔

۱۔ حضور اکرم ﷺ کی تمام غزوات کا اصل مقصد اسلام کی تبلیغ وترویج، ارکان اسلام کے تحفظ اور انسانی آزادی کی تائید وحمایت تھا۔ فساد وبدامنی پھیلانا یا بندگانِ خدا کو غلامی کی زنجیروں میں پابند وسلاسل رکھ کر خدمت لینا مقصود نہ تھا۔

۲۔ کسی بھی فوجی کمانڈر کو اپنی قوم کی حمایت یا اکابرین قوم کی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ خود نئی قوم / اُمّہ کی تشکیل دی بلکہ ان میں

جذبہ جہاد و قومی حریّت پیدا کرنے کے لئے خود سپہ سالار کے فرائض بھی سرانجام دئے۔

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ حد درجہ بلند ہمت اور عزم و ثبات کے پیکر ثابت ہوئے جنہوں نے کبھی مصلحتوں کی خاطر دین کے اصولوں کو قربان نہ کیا۔

اپنی عظیم ترین شخصیّت و کردار کی بدولت آپ ﷺ نے جو لشکر مجاہدین تیار کیا اور جو جنگیں لڑیں ان کی اہمیّت عظمت اور حکمت عملی کو عصر حاضر کے غیر مسلم فوجی جرنیل بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے۔

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق جنگ و قتال اس وقت جائز ہے جب وہ تبلیغ اسلام یا امن و امان برقرار رکھنے یا مملکت کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لئے ہو۔ اسلام وہ پہلا دین ہے جس نے یہ درس دیا کہ دوران جنگ دشمنوں سے بھی شرافت اور اخلاق سے پیش آیا جائے۔ آپ ﷺ نے بتدریج سابقہ وحشیانہ مظالم اور ظالمانہ حرکات روا رکھنے کی اجازت نہ دی جو دورِ جہالت میں جنگوں کے دوران روا رکھی جاتی تھیں۔

فاتح لشکر مجاہدین کو صرف اُن لوگوں کے قتال کی اجازت دی جو جنگ میں عملاً شریک ہوتے تھے لیکن عورتیں، بچّے بوڑھے، بیمار، زخمی، اندھے، لولے، لنگڑے، پاگل، سیاح، گوشہ نشین عبادت گذار وغیرہ کا احترام کرنے کی ہدایت تھی۔ فتح مکہ کے موقع پر رسالتمآب ﷺ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ کسی زخمی پر حملہ نہ کیا جائے۔ جو شخص اپنی جان بچا کر بھاگ جائے اس کا تعاقب نہ کیا جائے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اسے بھی امان بخش دی جائے۔

دورِ جاہلیت میں لڑائیوں میں لاشوں کی بے حرمتی کا ایک عام دستور رائج تھا لیکن حضور رسالتمآب ﷺ نے اس قبیح حرکت سے بھی سختی سے منع فرما دیا۔

ایک موقع پر اسلامی فوج کو روانہ کرتے وقت تاکید فرمائی کہ معاہدہ کرنے کے بعد بدعہدی نہ کرنا۔ مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور مثلہ (ناک۔کان وغیرہ کاٹنا) نہ کرنا۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے قیدیوں کو قتل کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فوج میں نظم وضبط کو رواج دیا۔ زمانہ جاہلیّت میں جو کوئی فوج جنگ کے لئے روانہ ہوتی تو گانے اور باجوں سے رخصت کیا جاتا۔ راستے میں کوئی مسافر ملتا تو لوٹ لیا جاتا۔ حضور ﷺ نے ان تمام باتوں کی سختی سے ممانعت فرمادی۔ حضور رسالتمآب ﷺ نے ایک مرتبہ اسی قسم کے حالات کے پیش نظر فرمایا تھا کہ

"تمہارا اس طرح وادیوں اور گھاٹیوں میں منتشر ہو جانا (یعنی نظم وضبط برقرار نہ رکھنا شیطانی فعل ہے"

رحمت عالم ﷺ نے مجاہدین اسلام کو یہ واضح تین ہدایات دی تھیں۔ جو دشمن کے سامنے پیش کی جائیں۔

۱۔ غیر مسلموں کو دعوت اسلام

۲۔ ان کے مال وجان کے تحفّظ کے لئے جزیہ کی ادائیگی پر آمادگی۔

۳۔ دونوں باتوں سے انکار پر جنگ وقتال

عصر حاضر میں ماہرین جنگ نے ایک کامیاب فوجی سپہ سالار کے لئے درج ذیل صفات کا حامل ہونا لازمی قرار دیا ہے۔ جس کے بغیر کوئی شخص حربی قیادت کے بلند مقام پر فائز نہیں ہوسکتا جو درج ذیل ہیں:

۱۔ سپہ سالار عزم کا پختہ اور ارادے کا مضبوط ہو۔

۲۔ دل کا صاف اور بغض وکینہ سے پاک ہو۔

۳۔ طبعاً سفاک وظالم نہیں بلکہ شریف النّفس ہو۔

۴۔ ذہنی وجسمانی لحاظ سے مضبوط اور صحت مند ہوتا کہ ہر طرح کی جنگی حکمت عملی کا مردانہ وار مقابلہ

کر سکے۔ حتیٰ کہ بڑی آزمائش میں مشکلات کو برداشت کرنے کی صلاحیّت رکھتا ہو۔

جب ان صفات کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کا مشاہدہ کرتے ہیں تو آپ ﷺ کے خصائص کبریٰ کے مقابلہ میں یہ تمام صفات بہت ہی معمولی نظر آتی ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ تو ایسے اوصافِ حمیدہ سے متصّف تھے جن کا یہ ماہرین جنگ تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ حضور رسالتمآب ﷺ نے غزوات میں نت نئے اور جدید طریقے یا جنگی حکمت عملی حالات کی مناسبت سے اختیار فرماتے۔

۱۔ غزوہ بدر میں حضور ﷺ نے صف بندی کر کے دفاع کے بجائے پہلے دونوں لشکروں کے سب سے بہادر افراد کا دو بدو مقابلہ کرایا اور پھر حملہ آور ہونے کا طریقہ اختیار فرمایا اور اس حکمت عملی سے قریش کی اس فوج پر غالب آئے جس کی تعداد مجاہدین اسلام کے مقابلہ میں تین گنا تھی کفر و اسلام کی اس پہلی جنگ میں فتح کے لئے رسالتمآب ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے تائید غیبی بھی طلب فرمائی جس میں مجاہدین کی امداد و اعانت فرشتوں نے کی جو قتال کرتے نظر بھی آئے۔

۲۔ غزوہ احزاب میں خندقیں کھود کر دفاع کرنے کا بالکل انوکھا طریقہ ایجاد فرمایا۔

۳۔ غزوہ بنی نصیر و غزوہ خیبر میں دشمن کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی حکمت عملی اختیار

ہے۔ دورِ حاضر کے جدید حربی اسلوب (Modern Warfare) میں رائج ہے۔

۴۔ جنگ اُحد میں تیراندازوں پر مشتمل ایک علیحدہ دستہ لشکر کے پیچھے تعینات فرمایا کہ ضرورت پڑنے پر اچانک حملہ آور ہو کر دشمن کو شکست دینے میں لشکرِ اسلام کی مدد کر سکیں۔

موجودہ ایٹمی لیزر اور کیمیاوی ہتھیاروں راکٹ و بیلیسٹک میزائل کی ایجادات و ترقی یافتہ ممالک کے پاس انفارمیشن ٹیکنالوجی نے سابقہ ادوار کے جنگی اصولوں کا نظریہ یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ اسلامی نظریۂ جہاد میں اب نئی فکرِ فدائی حملوں کی صورت میں اجاگر ہوئی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مختلف مکاتب فکر فدائی حملوں کے بارے میں شش و پنج میں مبتلا ہیں حتیٰ کہ بیشتر جذبہِ حریّت سے عاری اور ترقی یافتہ ماحول سے متاثر اہلِ حل و عقد اسے بھی دہشت گردی قرار دیتے ہیں۔

خودکشی کے لغوی معنیٰ جان بوجھ کر اپنی جان لینا ہے، جو اپنے مفادات اور امنگوں میں ناکامی پر خود کو ہلاک کرنے کا فعل ہے، خودکشی کرنے والا نہ صرف یہ کہ بزدل اور مایوس ہوتا ہے بلکہ آزادانہ سوچ، عزم اور حوصلہ سے عاری ہونے کی وجہ سے چلتی پھرتی لاش کے مانند ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر "فدائی" کا جائزہ لیں تو وہ بزدلی، مایوسی، فکر کا فقدان اور پست حوصلہ وغیرہ کا شکار نہیں ہوتا۔ جو خود اپنی جان لیتا نہیں بلکہ کسی قومی جذبہ، امتِ مسلمہ کے مفاد کی خاطر ظالموں اور غاصبوں یا مشرکوں و کفار کی جان لینے کے لیے اپنی جان کو ہلاکت سے دوچار کر دیتا ہے۔ اس کی مثال اس طرح بھی دی جا سکتی ہے جیسے کوئی مجاہد لشکرِ اسلام کا دشمن کے نرغے میں آجانے پر خوف زدہ ہو کر اپنی کنپٹی پر پستول یا بندوق سے گولی چلا کر خود کو ہلاک کر لے تو بلاشبہ یہ اقدام خودکشی کے مترادف ہوگا لیکن دشمن کی چیرہ دستیوں اور ظلم و ستم کے شکار یا ریاستی دہشت گردی (State Terrorism) سے نجات کے لیے اگر دشمن کی کثیر غالب

اکثریت کی وجہ سے اس پر غلبہ پانا ممکن نظر نہ آئے تو وہ مجاہد خوف زدہ ہونے کے بجائے بارود اپنے جسم سے باندھ کر دشمن کے قافلہ یا انکی فوجی یونٹ میں گھس کر دھماکہ کر کے خود کو موت سے ہمکنار کرنے کے علاہ دشمن کے افراد کو بھی ہلاک کرنے کا موجب بنے تو یہ خودکشی نہیں بلکہ یہ اقدام جُراَتِ رندانہ، جذبۂ حریّت اور بہادری سے رقم ہوگا۔اسی طرح حالتِ جنگ میں اگر مسلمان مجاہدین کا کوئی گروہ دشمن کے نرغے میں گھر جائے اور دشمن سے جان بخشی کی توقع نہ ہو تو ایک سپاہی اپنی جان کی قربانی دیکر دوسرے مجاہدین کو بچ نکلنے کا موقع فراہم کر سکتا ہے۔ان مثالوں کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اگر ایک فدائی بھی قوم کو بچانے کے لیے اس کی آزادی کے تحفظ اور دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی جان قربان کرتا ہے جبکہ اسکی نیّت بھی خودکشی کی نہیں بلکہ کسی عظیم مقصد اور قومی مفاد کے لیے ایسا اقدام اٹھایا جائے تو یہ کسی طرح بھی خودکشی کے ذُمرہ میں نہیں آتا۔اس لیے متذکرہ بالا اقدام پر درج ذیل حدیث مبارکہ کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے، جیسا کہ ارشاد ہوا:-

" کوئی شخص تم میں سے موت کی آرزو نہ کرے" (بخاری، کتاب التمنّیٰ حدیث نمبر2078)۔

اسی طرح دوسری حدیث مبارکہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ:-

"میرے بندے نے اپنی زندگی کے معاملہ میں میرا مقابلہ کیا، اس لیے جنّت میں اس کو داخل

ہونے سے روک دو"

(یعنی اللہ نے بندے کو زندگی کی نعمت دی لیکن وہ اسے برحق موت سے پہلے ختم کر دیتا ہے)

دورِ رسالتمآب ﷺ اور خلفائے راشدین کے ادوار میں کفار یا دشمنوں کو زک پہنچانے کے لیے حربی حکمتِ عملی کے پیش نظر اگر رات کی تاریکی یا دشمن کی غفلت کے دوران اچانک اُن افواج پر شبخون مار کر مالی و جانی نقصان پہنچایا جا سکتا ہے جس میں شبخون مارنے والے گروہ میں شامل چند مسلم مجاہدین بھی شہادت نوش جان فرما جائیں تو اس فعل کو کسی حد تک فدائی حملوں پر منطبق کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے اُمّتِ مسلمہ کو موجودہ عالمی دہشت گردی کے الزامات کے ردّ کے لئے متفقہ لائحہِ عمل مرتّب کرنے کی اشد ضرورت ہے تا کہ عالمی سطح پر اسلام اور اس کے پیروکاروں کی شہرت بھی خراب نہ ہو اور اُمّتِ مسلمہ کے تحفّظ اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا عمل جاری رہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

"اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور کمزوروں کی خاطر سے جن میں کچھ مرد ہیں۔ کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں جو دعا کر رہے ہیں کہ ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں"۔ (النساء : ۷۵)

﴿اسلام اور دیگر مذاہب کا تقابلی جائزہ﴾

اسلام کے علاوہ کسی مذہب نے اتنے مستند اور سائنٹیفک نظریات اور قوانینِ فطرت پیش نہیں کیے جتنے اسلام نے ہمیں آج سے پندرہ سو سال قبل عطا کیے۔ اس طرح دیگر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی افادیّت واضح ہو جاتی ہے۔ _____ ذیل میں دیگر مذاہب کا اجمالی خاکہ اور بالخصوص عیسائیّت کی نسبت تفصیل سے بحث کی گئی ہے جو کہ موجودہ مہذّب و ترقی یافتہ دنیا کو ایک لمحہ فکریہ کی دعوت دیتی ہے۔

1۔ ہندومت :

ہندو خدا کی وحدانیت کو تین مختلف پرمیشوروں (gods) میں تقسیم کرتے ہیں

(ا)۔ برھما (پیدا کرنے والا)

(ب)۔ وشنو (پالنے والا یا حفاظت و دیکھ بھال کرنے والا)

(ج)۔ شیوا (تباہ و برباد کرنے والا) _____ خدا کی وحدانیت کی تقسیم کے بعد ان پرمیشوروں کو مٹی کے بتوں کی شکل میں پوجا پاٹ کا جو رواج شروع ہوا تو حالت یہاں پہنچ گئی کہ اگر کوئی قومی ہیرو قومی بھلائی کا کام کرتا تو اس کی بھی پوجا شروع ہو جاتی۔ اس طرح ان تین پرمیشوروں کے علاوہ بھی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مختلف ذاتوں کے درمیان پچاسّوں پرمیشوروں کی پوجا کی جاتی ہے۔ مثلاً بنگال میں کالی ماتا یا دُرگا ۔کشمیر میں شیو جی، ان کی بیوی بربتی اور ان کا فرزند گنیش اور اُتر پردیش (یو۔پی) میں ہنومان جی اور کرشن مہاراج کی پوجا اتنی عروج پر ہے کہ جتنی اصل تین پرمیشوروں کی بھی نہیں۔ ہندو عقیدے کی اس بے راہ روی کا زور اتنا بڑھا کہ اس مذہب کے پیروکاروں نے سورج، سانپ، پیپل، برگد، گائے اور آگ وغیرہ کی پوجا شروع کر دی۔ گنگا دریا سے تو اتنی عقیدت ہے کہ جو نہالیا گویا اس کی زندگی بھر کے تمام گناہ دُھل گئے۔ ہندو فلسفہ کی انتہا یہ ہے کہ اپنے وجود اور خواہشات کو ختم کر کے اپنی روح کو برہما پرمیشور میں ملا کر یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ ان کی روح کو دوبارہ پیدا کر کے (عقیدہ اواگون Recarnation) تکلیف میں نہ ڈالا جائے۔

2۔ بُدھ مت :

"بدھ مت" کو تو ایک مذہب کی حیثیت سے تسلیم ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مہاتما بدھ

نے جس طرح ریاضت سے اپنی روح کو تکلیف دے کر خود ایک اعلیٰ مقام حاصل کیا اور لوگوں کو ہدایت کی تلقین کی ۔ اس طرح انہوں نے ہندومت کی بے راہ روی کو سُدھارنے (اصلاح Reform۔) کی جو جدّ وجہد کی اس کی رو سے ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اسی سلسلہ میں روح کی نجات کا سبق جین مت سکھاتا ہے تا کہ انسان اپنی روح کو نجات دلوا کر ہمیشہ کے لیے آزاد کر دے اور وہ دوبارہ نچلے ذات کے انسانوں اور جانوروں میں منتقل ہو کر تکلیف نہ اٹھائے یہ بھی ہندو مذہب کی درستی کی تحریک تھی ____ پس یہ مذاہب صرف چند عقائد پوجا پاٹ رسوم اور نفس کشی کے علاوہ انسان کو کچھ نہیں دیتے اس طرح ان سے دنیا کے مسائل کا حل تو کیا معراجِ انسانیت تک نصیب نہیں ہو سکتی۔

3۔ عیسائیّت :

"مذہب عیسائیّت" میں عیسیٰ علیہ السّلام نے خدا کی وحدانیّت کی دعوت دی لیکن نصاریٰ نے ان کی وفات کے بعد مذہب کی اصل شکل کو مسخ کر دیا اور مسیحؑ کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا۔ عیسائیّت کا نظریہ ہے کہ خدا یسوع مسیحؑ میں سما چکا ہے (God is one) اور پھر یسوع مسیحؑ اپنے تین مشہور پیروکاروں میں سما چکے ہیں (One in three) اس طرح خدا کی وحدانیّت کو اس مذہب میں بھی تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا جو عیسائیّت کا "نظریہِ تثلیث" کہلاتا ہے _ قرآن جو کہ اللہ تعالیٰ کی آخری ہدایت (Latest message) ہے جس کی پیش گوئی بائبل نے کی تھی۔ وہ عیسائیّت کے ان فرسودہ نظریات کی نفی کرتا ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ بتا دیجیے لوگوں کو خدا واحد ہے ____ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۔ نہ اس نے کسی کو پیدا کیا (جنا) اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا (جنا گیا۔begotten) ____ چونکہ وہ انجیل (Bible) اللہ تعالیٰ کی اب مستند کتاب تسلیم نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس میں کئی مرتبہ ترمیم

ہوئیں اس کے بعد کئی ایڈیشن (testaments) موجود ہیں جو کہ ایک دوسرے سے بہت حد تک مختلف ہیں اس کے مقابلہ میں قرآن اپنی الہامی شکل میں لفظ بلفظ بغیر کسی زیروزبر کی تبدیلی کے جو پندرہ سو سال قبل نازل ہوا موجود ہے۔ اس روز سے بعینہٖ لاکھوں لوگوں کے سینوں میں (حفاظ کے سینوں میں) محفوظ چلا آرہا ہے لہٰذا قرآن کی کتابی صورت میں ذرا بھی تبدیلی کا امکان باقی نہیں رہ جاتا کیونکہ جو بھی بصورت وحی نازل ہوا اسکو صحابہ کرام حفظ کر لیتے تھے اور یہ سلسلہ سینہ بہ سینہ امّت کو منتقل ہوتا رہا ہے، عیسائیت و دیگر مذاہب والوں نے سابقہ پیغمبروں میں کسی کا رتبہ حد سے زیادہ بڑھا دیا اور اکثر نبیوں کو پیغمبری کے رتبہ سے گرا کر ان کی حرمت وتقدّس کی تذلیل کا باعث بنے۔ لیکن قرآن نے جہاں سابقہ مذاہب اور الہامی کتب کی تصدیق کی وہاں ان پیغمبران کی عظمت کی گواہی بھی دی۔ اور عیسائیت کو روحانی سہارا دیا کیونکہ اسکے اصلی مذہب کی صداقت صرف قرآن اور اسلام سے ہی ملتی ہے۔

عیسائیت کی حقیقت :

ہمارا یہ ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور سچے نبی تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے "انجیل" کی کتابی شکل میں اپنا دین نازل فرمایا جس کا ثبوت خود خدائے تعالیٰ کی واحد سچی کتاب قرآن سے بھی ملتا ہے۔ لیکن اسلام کے مقابلہ میں عیسائیت کوئی جامع مذہب اور بائیبل زندگی کا کوئی منضبط لائحہ عمل پیش نہیں کرتی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام دنیا میں اپنی قوم نصاریٰ کو محبّت و آشتی کا درس دینے کے لیے اور اس پر نزول رحمت کے لیے دعاؤں کا مجموعہ لے کر مبعوث ہوئے جبکہ اسلام مکمل ضابطہ حیات پیش کر کے فرامینِ الٰہی کو آخری شکل دیتا ہے۔ یہ ضابطہ کسی ایک قوم یا نسل کو زندگی کے کسی ایک پہلو کی اصلاح کے لیے نازل نہیں ہوا بلکہ یہ تمام نسلِ انسانیت کے لیے مستقل (final goal) راہِ عمل متعین کرتا ہے۔

ہماری مراد یہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دین کی اس مکمل شکل سے نابلد تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کو یہ کام اپنے آخری نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کروانا مقصود تھا۔ اسی لئے خود عیسیٰ علیہ السلام نے فرمادیا۔

"خدا کی سلطنت قریب ہے تم لوگوں کو اس کے لیے تیاری کرنی چاہیے میں تم کو تمام حقیقت بتا سکتا لیکن ایک آدمی آئے گا اور تمام حقیقت سے تم کو آگاہ کردیگا" (انجیل)

گو بائبل جو کہ الہامی کتاب نازل ہوئی تھی زمانے اور یہود و نصاریٰ کی دست بُرد سے محفوظ نہ رہی۔ لیکن پھر بھی اس میں بعض جگہ ایسے جواہر ریزے درخشاں و تابندہ ملتے ہیں جن سے نور کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر ضیاء پاشی کرتی ہیں۔ یہ اصل احکامات الٰہی کا نمونہ ہیں جو لوگوں کی دست برد سے محفوظ رہے خاص طور پر ملاحظہ ہو حوالہ Deut XVIII: 15-8

شجرہ نسب حضرت آدمؑ سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک

حضرت آدم علیہ السلام

حضرت شیث علیہ السلام

(912 سال عمر پائی)

حضرت ادریس علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام

(2242 سال کے بعد آمد آدمِ ثانی)

حضرت بنی سام

حضرت ہود علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام

تارخ بن ناخورابن شاروخ ابن ملکان

حضرت ابراہیم علیہ السّلام

حضرت اسماعیل علیہ السّلام

(حضرت

ہاجرہ کے بطن سے)

قیدار　　کنانہ　　کلاب

عدنان　　نصر　　قصیّ

(چالیسویں پشت میں فرزند)

مَعَدّ　　مالک

عبدمناف

نزار　　فہر(قریش)

ہاشم

مُضَر　　غالب

عبدالمطلب

الیاس　　لُوی　　عبداللہ

لقب

حضرت محمد ﷺ

خزیمہ مُرّہ

شجرہ نسب حضرت آدمؑ حضرت آدم علیہ السّلام

سے حضرت عیسیٰؑ تک حضرت شیث علیہ السّلام

(912 سال عمر پائی)

حضرت ادریس علیہ السّلام

حضرت نوح علیہ السّلام

(2242 سال کے بعد آمد آدمِ ثانی)

حضرت بنی سام

حضرت ہود علیہ السّلام

حضرت صالح علیہ السّلام

تارخ بن ناخور ابن شاروخ ابن ملکان

حضرت ابراہیم علیہ السّلام

حضرت اسحاق علیہ السّلام

(حضرت سارہ کے بطن سے)

حضرت یعقوب علیہ السّلام

حضرت یوسف علیہ السّلام (راحیل کے بطن سے)

بنیامین

حضرت موسیٰ علیہ السّلام　　حضرت ہارونؑ

(برادر موسیٰؑ)

یوشعؑ بن فراہیم ابن یوسفؑ　　عزیرؑ

الیاسؑ　　داؤدؑ　　زکریاؑ

الیسعؑ　　سلیمانؑ　　یحییٰؑ　　عیسیٰؑ (پسر مریمؑ بنت عمران)

ذوالکفل　　یونسؑ

(حضرت یحییٰ کے بھانجے)

(موسیٰؑ کے 815 سال بعد)

اگر صہیونی تحریک کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اس ضمن میں اسرائیل کو اس دہشت گردی کا ذمّہ دار قرار دینے کے امکانات موجود ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ بیسویں صدی کی دوسری جنگ (1939-45) کے دوران صہیونی دہشت گردی نے یہودی تارکین وطن کے ایک بھرے ہوئے بحری جہاز کو خود ڈبو دیا تھا جس میں ڈھائی ہزار یہودی، خواتین اور بچّے شامل تھے جو موت کے آغوش میں سلا دیئے گئے اسکا سبب محض یہ تھا کہ برطانیہ نے ان تارکین وطن کو فلسطین میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی تھی۔

۲۔ عالمی رائے عامہ کو متاثّر کرنے اور ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے ایک خونی ڈرامہ یہ بھی رچایا کہ بیت المقدّس میں پرنس ایڈورڈ ہوٹل یہودیوں نے خود تباہ کیا جس میں ایک صد

سے زائد افراد ہلاک ہوئے حتیٰ کہ اقوام متحدہ کے نمائندے پرنس برناڈوٹ کو بھی بیت المقدس میں قتل کر دیا اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اس کا تعلق جرمنی سے تھا۔

۳۔1967ء میں عرب اسرائیل جنگ سے قبل اسرائیل نے امریکی بحریہ کے ایک جنگی جہاز USS LIBERTY کو میزائل مار کر تباہ کر دیا تھا۔ اسکی اصل وجہ یہ تھی کہ اس جہاز نے مصر پر اسرائیل کے اچانک حملہ کا منصوبہ مانیٹر کر لیا تھا۔

اس لیئے یہ امکان کافی تقویت حاصل کر لیتا ہے کہ گیارہ ستمبر 1999ء کے حادثہ میں اسرائیل اور اسکی خفیہ ایجنسی موساد ملوث ہیں۔ جس کے لیے درج ذیل امور غور طلب ہیں:

(ا) ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر اور پنٹاگان پر حملہ آور ہونے والے جہازوں کے بلیک بکس مل گئے لیکن تاحال نہیں بتایا گیا کہ اُن سے کیا معلومات حاصل ہوئیں۔

(ب) گیارہ ستمبر کے واقعہ سے دو ماہ قبل جرمنی میں "اہم خفیہ اجلاس" کے بعد ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی عمارت کے یہودی مالک نے یہ عمارات دو ارب اٹھائیس کروڑ ڈالر کے عوض فروخت کر دی تھیں۔ اور اس کی خبر اور واشنگٹن پوسٹ اور نیویارک ٹائمز میں سابق اور نئے مالک کی تصاویر کی ساتھ نمایاں طور پر شائع ہوئیں۔

(ج) حادثہ سے قبل اسٹاک ایکسچینج کی غیر معمولی سرگرمیاں نوٹ کرنے کے قابل ہیں۔ روز نامہ انڈی پنڈنٹ کے کمرشل نمائندہ خصوصی کے مطابق چھ ستمبر 1999ء (واضح رہے کہ 8 اور 9 ستمبر کو ہفتہ اور اتوار تعطیل عام تھی) امریکہ کی اُن دونوں فضائی کمپنیوں جنکے جہاز ٹکرا کر عمداً تباہ کرائے گئے اُن کے حصص کی فروخت کی قیمت میں یکدم اضافہ اور حادثہ کے فوراً بعد گر گئی۔

(د) ایک دن میں یونائٹڈ ائیر لائن کے دو ہزار معاہدے ہوئے جو اس سے قبل یومیہ خرید و فروخت کے کاروبار سے 285 گناہ زیادہ تھے۔ اس دن ایک حصّہ کی قیمت 30 ڈالر تھی جو حادثہ کے بعد دس ڈالر رہ گئی۔ امریکن ائر لائن کے حصّص کی فروخت حادثے سے قبل دو تین اوسط سودوں کے مقابلہ میں ساٹھ گناہ ہوئے۔

(س) ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں قائم دو اہم بین الاقوامی مالیّتی کمپنیاں یعنی مورگن اسٹینلے اور مارشل اینڈ میکلینس کے حصّص اُن دِنوں میں علی الترتیب پچیس گناہ اور سو گنا زیادہ فروخت ہوئے۔ سرمایہ کاری کے رُجحانات کے اہم ماہر جان نگارین اُن غیر معمولی سودوں پر اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ:

"جب ہم غیر معمولی سودوں کو دیکھتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ کچھ ہونے والا ہے۔ (دی انڈی پنڈنٹ)"۔

لہذا صاف ظاہر ہے کہ چند لوگوں کو معلوم تھا کہ کچھ ہونے والا ہے اس لیے انہوں نے ان پیشگی معلومات حاصل ہونے کی وجہ سے کرڑوں ڈالر کما لئے۔

یہود و نصاریٰ کا مشن و عزائم :

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اپنے دور حیات میں کوئی پیغام (Gospil) ضبطِ تحریر نہیں کروایا اور نہ ہی یہ چیز پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ کسی نے آپ کی حیات میں اُس کو قلمبند کیا ہو۔ آپ کے حواریوں میں ایک گروپ ایسا بھی تھا جس نے یہود و نصاریٰ کی ریشہ دوانیوں سے ہٹ کر کسی حد تک عیسیٰ علیہ السّلام کے احکام پر عمل پیرا ہونے کی ٹھانی اور خود کو تزکیہ نفس کے لئے تیار کیا اور عیسیٰ علیہ السّلام کے ارشاد کے مطابق آنے والی الٰہی حکومت کے لیے منتظر رہے۔ توراۃ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانہ سے اسی

انتظار میں صدیاں گزار دیں کہ ایک سچا، مکمل اور آخری نبی مبعوث ہوگا۔ موسیٰ علیہ السّلام کے بعد غالباً کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس نے یہ پیشگوئی سنا کر یہود کو اس نبی کے لیے جو مثل موسیٰ ہوگا۔ آمادہ اور تیار نہ کیا ہو چنانچہ حضرت عیسیٰؑ پر بھی ان کو اُس نبی کا شبہ ہوا (John ۱۹:۲۳) جب انہیں یقین ہوگیا کہ یہ وہ نبی نہیں ہے جو انہیں پھر سلطنت دیں گے تو وہ انتہائی یاس میں اُن سے باغی ہوگئے لیکن اللہ اور حضرت موسیٰؑ کے وعدہ کو بھولے بغیر پھر انتظار میں لگ گئے۔ تورٰۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق پیشگوئیوں سے بھرپور ہے اگر یہ کہا جائے کہ ہر نبی کی بعثت کے اللہ تعالیٰ نے دو مقصد قرار دیئے تھے تو بے جا نہ ہوگا اوّل بنیادی دعوتِ وحدانیت

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ط (الانبیآء ۲۵)

"اور آپ سے پہلے ہم نے کوئی بھی رسول نہیں بھیجا مگر اُس کی طرف ہم نے وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی اللہ نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو"۔

دوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئی تاکہ قوم یہود اور اُن کے اثر سے دوسری اقوام اپنے آپ کو ذہنی اور روحانی طور پر تیار کرلیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو ان کی تعلیم سے پورا استفادہ کریں۔

"وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ" الخ (آل عمران ۸۱)

ترجمہ: "اور وہ وقت یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے وعدہ لیا تھا کہ تمہارے پاس کتاب اور سنّت کی باتیں آئیں گی پھر اس کے بعد ایک رسول آئے گا تم اس رسول پر ضرور ایمان لانا اور اس کی ضرور مدد کرنا"

بحرِ لوط کے مخطوطات:

یہی حواریوں کا گروپ تقریباً 68A.D میں بحرِ لوط فلسطین (Dead Sea Palistine) کے شمالی ساحل پر آباد ہوا۔ یہ ایسائینز (Essines) کہلاتے تھے۔ اُن کا نظریہ یہ نہ تھا کہ آنے والا رسولؐ خدا کا بیٹا ہوگا وہ دوبارہ واپس آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی حکومت کی داغ بیل ڈالے گا۔ بعدازاں مختلف نظریات کی موجودگی میں حالات و ماحول کی مناسبت سے نصاریٰ نے اپنے مذہبی عقیدے میں تبدیلی لانے کی کوشش کی۔ ان تبدیلیوں کی وجوہات یونانی تمدن اور ماحول کا نتیجہ تھیں اس طرح حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے انہی خیالات کو لے کر قلمبند کرنا چاہا اور اپنی من گھڑت کہانیوں۔ عقائد۔ خیالات و ماحول کے مطابق اللہ تعالیٰ کے پیغام کو نئے قالب میں ڈھال دیا۔ اس وقت وہ پیغامات جو کہ ضبطِ تحریر کیے گئے تھے کی تعداد بیس کے قریب تھی یعنی پہلی مرتبہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے (عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ انہیں صلیب دی گئی۔ قرآن اس کی نفی کرتا ہے) اڑسٹھ سال بعد یہ پیغاماتِ یسوع مسیحؑ جن کو "Gospils" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ضبطِ تحریر میں لائے گئے اور آخر تھوڑا عرصہ قبل تک ان انجیل کے صحیفوں (Gospils) کی تعداد بیس سے صرف چار تک محدود کر دی گئی _____ ایک مشہور عیسائی نقاد کے خیال کے مطابق ان موجودہ چاروں صحائف (Gospils) کا مجموعہ جو کہ نیا ایڈیشن (New Testament) کہلاتا ہے میں سینکڑوں مقامات پر چاروں میں تضاد پایا جاتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السّلام نے جو اللہ تعالیٰ کا پیغام (Divine message) دیا تھا لازمی طور پر اُسے ایک شکل میں ہونا چاہیے تھا تو پھر یہ ایک ہی عقائد اور خیالات و پیغام کی چار اقسام (Gospils) چہ حقیقت دارد ؟ اُس پر طرّہ یہ کہ ۱۹۱۳ میں پوپ نے اپنے اعلامیہ میں کہا تھا کہ اس نئی مرتب شدہ بائبل میں انجیل کے

بالکل وہی الفاظ ہیں جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر نازل ہوئے۔ جن میں ایک لفظ بھی بڑھایا یا گھٹایا نہیں جاسکتا۔ حالانکہ خود اس نئی مرتب شدہ انجیل (New testament) میں پچاسوں تبدیلیاں کی گئیں جن کے لیے باقاعدہ حکومت نے اسکالرز اور عیسائی علماء مقرر کئے جن کا تاریخی ثبوت موجود ہے۔ ان مذہبی نمائندوں کو مفکّرین قوم نے یکجا ہوکر نئے مسائل خیالات اور ترقّی پذیر ماحول کے مطابق اُس کو آخری شکل (Version) میں پیش کیا اس پر بھی نقادوں نے تنقید شروع کی جس میں روح اللہ (Soul of God) اور مسئلہِ تثلیث (Trinity) وغیرہ زیر بحث آئے اس طرح جب ان تنقیدی بحثوں سے لوگوں کا شبہ بڑھتا گیا تو اس کو نزول وحی (Divine revelation) کے دائرے سے خارج کر دیا گیا۔

موجودہ دور میں عیسائیّت کے عقائد اور بائبل کے لفظ بلفظ صحیح ہونے پر سب سے بڑی ضرب کاری بلکہ میں تو کہوں گا کہ ان عیسائی مذہبی عقائد کے تابوت میں آخری کیل بحرِ لوط کے مخطوطات (Dead sea scrolls) نے لگائی جس نے حقائق سے پردہ اٹھا کر مذہب عیسائیّت اور ان کی من گھڑت عقائد کا پول کھول کر رکھ دیا ____ یہ مخطوطات فلسطین میں بحر مردار (Dead Sea) کے ساحلی علاقہ میں واقع پہاڑی چٹانوں کی چند غاروں سے دستیاب ہوئے ہیں یہ پرانی دستاویزات (Scrolls) 68 A.D کے زمانے کی ہی ثابت ہیں جب پہلی مرتبہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے پیغامات کو ضبط تحریر میں لایا گیا تھا۔ اور آج جن کے مطالعہ کی کوشش سے (کیونکہ جو نہایت پرانی عبرانی زبان میں مرقوم ہیں) آہستہ آہستہ اس مذہب کا موجودہ مسخ شدہ چہرہ عیاں ہوتا جارہا ہے۔ یہ وہی مخلوطات (Scrolls) ہیں جب ایسینز (Essines) اور ٹائیٹس (Titus) نے 70 A.D میں فلسطین پر حملہ کیا تو قمران کے اس علاقہ کے ہزار ہا لوگ راہ فرار تلاش کرنے لگے ایک طرف مصر تھا اور

دوسری طرف رومن تھے صرف ان کو جنوب کی جانب ہی محفوظ علاقہ نظر آیا جدھر وہ ہجرت کر گئے۔ یہی ایسینز (Essines) حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ کے حواری تھے جو آنے والے رسولؐ کی انتظار میں یہاں آباد ہوئے تھے اور صحیح پیروکار تھے جنہوں نے سب سے پہلے ان الہامی احکامات کو چمڑوں اور کپڑوں و دیگر ٹکڑوں وغیرہ پر بائبل کی اصل عبرانی زبان میں قلمبند کیا تھا۔ چونکہ بہت زیادہ اور ضخامت کے لحاظ سے بھاری تھے۔ حملے کے دوران انہیں بھی لے کر بھاگ نکلنا ناممکن تھا اس لیے یہ مرقوم پلندے مٹی کے بڑے بڑے جاروں میں بند کر کے اُن کو قمران کے ساحلی غاروں میں چھپا دیا تھا اور غاروں کے منہ بھی بند کر دیئے گئے تھے ۔اس طرح آج بھی انہی ایسینز (Essines) لوگوں کے کھنڈرات اور ان کی بستیوں کے نشانات سے اسی جستجو میں ان غاروں سے مخطوطات (Scrolls) سلنڈر نما جاروں میں دستیاب ہوئے جن کا اب شدومد سے مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان عیسائیوں اور یہودیوں کی اصل حقیقت کا پردہ کھول کر اصل دین کی تحقیق کی ایک اور راہ دکھا دی ہے یہ چیز باعث افسوس ہے کہ اس تحقیقی مطالعے میں کوئی عبرانی زبان جاننے والا مسلمان شامل نہیں تا کہ اصل حقیقت اور قدیمی مذہبی عقائد واحکامات پر دین اسلام کی موجودگی میں اس پر روشنی پڑ سکے۔ چونکہ اس کا مطالعہ کر کے تحقیقی مضامین لکھنے والے صرف یہی عیسائی ہی ہیں جن کی نگارشات اور ان تحریروں کا ترجمہ کتابچوں (Dead sea scrolls pocket book series) کی شکل میں چھپ چکا ہے (ان کا مطالعہ دلچسپی اور تحقیق سے خالی نہیں) اس طرح اگر یہ لوگ نیک نیتی اور تنگ نظری سے بالا ہو کر صحیح ترجمہ پیش کریں تو مذہب عیسائیت کا تار و پوز بکھر جانا ناگزیر ہے۔

یہی ایسینز مذکور (The above Essines) جو جنوب کی طرف ہجرت

کر گئے تھے وہ یہود تھے جنہیں معلوم تھا کہ فلاں وقت میں عیسٰی علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق ایک نبی آئے گا۔ اسی نبی کی تلاش میں اور حکومت الٰہیہ کی تلاش میں ان کا جدی جوش وخروش انہیں حجاز تک لے آیا۔ جن کا ذکر آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے بعد قرآن حکیم میں بار بار آتا ہے اور جنہوں نے اسلام بھی قبول کیا اور اس طرح وہ اپنی دیرینہ خواہش کو پورا کر سکے۔

اس علم کی بناء پر جو علمائے یہود میں سینہ بسینہ چلا آتا تھا وہ پورے طور پر اور صحت کے ساتھ واقف تھے کہ نبی کریم وکہاں اور کس زمانہ میں مبعوث ہوں گے اور آپ ﷺ کی قوم اُن کے ساتھ کیا سلوک کرے گی حتیٰ کہ انہیں نبی کریم ﷺ کا حلیہ تک معلوم تھا۔ ایسا کہ وہ آپ کو اس طرح پہچان سکتے تھے جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ ھُمْ ط۔ (بقرہ ۱۴۶)

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس رسولؐ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح کہ یہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں"

توراۃ کی بعض آیات میں ایسے اشارے تھے جن سے انہوں نے اندازے لگا کر تقریباً نبی کریم ﷺ کی بعثت کا صحیح وقت معلوم کر لیا تھا۔ توراۃ میں حضور اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک مرقوم تھا یہ حلیہ موجودہ سیرت النبی ﷺ سے مشابہ ہے۔ تمام انبیاء کرام میں سے صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیۂ مبارک معہ سیرت موجود ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السّلام حالانکہ بہت بعد کے زمانہ کے نبی تھے۔ جبکہ دنیا نے نئے دور میں قدم رکھ لیا تھا لیکن ان کے حلیے وسیرت کی ایک صفّت بھی ہم تک نہیں پہنچی بلکہ ان کے بعد تابعین نے مذہب کی طرح ان کے حلیے وسیرت کو بھی مسخ کر کے حقیقت سے دور پہنچا دیا۔

یہی وہ یہود تھے جنہیں معلوم تھا کہ اس وقت پیدا ہونے والا نبی جس کی آمد کی خبر تمام انبیاء علیہ السلام دیتے آئے تھے اور جس نبی کے متعلق انہیں پورا یقین تھا کہ وہ ان کے دشمنوں کا نہ صرف قلع قمع کرے گا بلکہ دنیا میں اللہ کے بندوں کے ذریعہ جن میں وہ خود کو شامل کرتے تھے اللہ کی حکومت کو تا ابد قائم کرے گا۔ (Pasal۸۲:۸، Isaiak ۹:۶:۷ ، ۱۶: ۱۹ Escodus) ان حقائق کی بناء پر یہ چیز پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ یقیناً یہود کا ایک گروہ بالخصوص اہل یہود کے مذہبی علما کی ایک جماعت نے عراق وشام سے حجاز خصوصاً یثرب کا رُخ کیا ہوگا جو کہ نبی اکرم ﷺ کی آمد کے منتظر رہے۔

انجیل مقدس (Bible) میں تبدیلی کے ثبوت:

تمام انجیل عبرانی زبان میں نازل ہوئی۔ موجودہ انجیل کا انگریزی ترجمہ جو تمام دنیا میں رائج ہے کس طرح اصل بائبل کہلا سکتا ہے۔ ایک پیغام اپنی اصلیت پر صرف اُسی وقت تک قائم رہ سکتا ہے جب تک کہ اسی زبان میں اُسے پڑھا اور سمجھا جائے۔ ترجمہ اور تفاسیر کبھی بھی اصل عبارت کی روح کو نہیں پہنچ سکتیں اسی لئے قرآن جو کہ توراۃ اور انجیل کی طرح الہامی کتاب ہے دنیا کے کسی بھی گوشے میں جہاں ایک بھی مسلمان آباد ہے خواہ وہاں کی زبان کچھ ہی ہو قرآن کے مطالعہ کے وقت اُسے اصل زبان عربی میں تلاوت کرتا ہے۔ اسی لیے اس کی اصل روح برقرار ہے اور تا قیامت اس میں تحریف ناممکن ہے۔ جس کے تحفظ کی ضمانت قرآن اس طرح دیتا ہے۔

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَه' لَحٰفِظُوْنَ "(سورۃ الحجر ۱۵:۹)

ترجمہ: ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم اس کے محافظ ہیں (نگہبان) ہیں۔

انجیل کے دو حصے ہیں عہد قدیم (Old Testament) اور عہد جدید (New

testament عہد قدیم زیادہ ضخامت میں پائی جاتی ہیں (بیس صحائف) اوراس کے مقابلہ میں یہی الہامی کتاب عہد جدید کی شکل میں نہایت کم ہے (چار صحائف)

عہد قدیم (Old Testament) توراۃ یہودیوں کے صحائف پر بھی مشتمل ہے جبکہ عہد جدید کو چوتھی صدی عیسوی میں اپی فینس (Ephiphanius) اور ایتھناسیس (Athanasius) نے موجودہ شکل میں ترتیب دیا (Chamber Encyclopedia Bible) حالانکہ عہد قدیم (Old testament) ہی پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں عیسائیوں کی اصل مذہبی کتاب تھی۔ اُسے یہودیوں نے مندرجہ ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا۔

1۔ توراۃ (قانون یا شریعت (Law)

2۔ صحائف انبیا (Revealed Boooks of Prophets)

3۔ صحائف مقدسہ (Hagiographa یا محض Writings)

لہٰذا توراۃ نہ تو بائبل ہے اور نہ ہی کل عہد قدیم (کیونکہ اُس میں اور بھی صحائف ملتے ہیں) توراۃ کو روایت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اُس میں اصل توراۃ پانچ صحائف پر مشتمل ہے جو صحاف "موسیٰ علیہ السلام" یا "صحاف خمسہ" کہلاتے ہیں۔

1۔ تکوین (Genesis) جس میں آل یعقوبؑ کی اہمیّت اور مذہب میں اخلاقی رُتبہ پر بحث کی ہے۔

2۔ خروج ٹیکس (Exodus) یہ صحیفے ولادت موسیٰ، مقدّس میثاق اور قوانین پر مشتمل ہیں۔

3۔ لاوّوسیس (Leviticus) بنی اسرائیل کے لیے قوانین عبادت ہیں۔

4۔ اعداد (Numbers) اس میں خروج کے واقعات وتاریخ وتبصرہ ہے۔

5۔تثنیہ (Deuteronomy) تاریخی پس منظر، مجموعہ قوانین اور وفات موسیٰ علیہ السّلام پر مشتمل ہے۔

اس طرح کل مل کر صحائف کی تعداد چوبیس بنتی ہے لیکن انگریزی بائبل میں ان صحیفوں کو مزید تقسیم کر کے ۲۹ صحائف پر شمار کیا گیا ہے لیکن یہ ترتیب بھی ردّوبدل کی نذر ہوتی رہی ہے مثلاً عہد قدیم (Old Testament) کا ترجمہ یونانی زبان میں پہلی اور تیسری صدی ق۔م کے درمیان کیا گیا۔ تو ان صحائف کو موضوع کے اعتبار سے ستّر مترجموں نے مل کر مکمّل کیا تھا (Septuagint:E.B) یعنی تین حصوں پر مشتمل ہے۔

1۔ تاریخ 2۔ ایثار 3۔ پیشگوئیاں (Propheaes)

قرآن سے ثابت ہے کہ خدا نے وحی تمام انبیاء پر نازل فرمائی (كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ) موسیٰ علیہ السّلام کے بعد دو صحیفے زبور اور انجیل نازل ہوئے ۔لیکن شریعت موسوی جو کہ توراۃ میں نازل ہوئی برقرار رہی۔ قرآن کی رو سے ثابت ہے کہ توراۃ چالیس دنوں میں نازل ہوئی ۔قرآن کے علاوہ کوئی مذہبی کتاب ایسی نہیں جس نے توراۃ کی تعریف کی ہو لیکن پھر قرآن نے اعلان کر دیا کہ بنی اسرائیل اپنی سرکشی اور قتل انبیاء کی بنا پر مردود و مغضوب ہو گئے (قرآن سورۃ نمبر۴ ۱۵۵ تا ۱۵۷) _ متی (بائبل ۲۳:۳۳ تا ۳۹) ____ (اشعیاء ۲۸ تا ۴۳ اور آرمیا ۹ : ۸ تا ۱۵) جہاں ان کے اس قسم کے اعمال اور ان کے کرتوت کی وجہ سے انہوں نے توراۃ کو تحریف اور متغیر کر کے اس کو اصلی وحی کی حالت میں قائم نہیں رکھا (سورۃ نمبر۵ : ۱۴ اور سورۃ ۴ : ۴۵) اسی طرح عہد قدیم کے ذکر صحائف سے مترشّح ہوتا ہے کہ تحریف کا آغاز بہت ابتدائی زمانہ سے ہونا شروع ہوا۔ بعض انبیاء بنی اسرائیل نے خود اعتراض کیا (اشعیاء ۲۴ : ۵ ۔ ارمیاء ۲۳ : ۳۶)

لیکن یہود و نصاریٰ اسے اصل وحی لفظ بلفظ ثابت کرتے ہیں۔

آریگن ۱۸۵ تا ۲۵۴ (Origen) پہلا عیسائی عالم ہے جس پر صاف طور پر منکشف ہوا کہ بائبل خصوصاً "عہد قدیم" میں بعض عبارتیں ایس ہیں جو یا تو معنوی اعتبار سے صحیح نہیں یا اخلاقی اعتبار سے پست و مذموم ہیں (E.B Bible) لیکن اس نے فیلو (Philo) کا طریقہ تمثیل (Method of Allegeony) کر کے اپنی تسلی کی ___ یہی بظاہر الفاظ سے ماوراء معنی آگسٹین (Augustine) (۳۵۴ تا ۴۳۰) اور ٹامس ایکوناس (Aquinos) (۱۲۲۵ تا ۱۲۷۴) نے اختیار کیا (E.B. Bible) یہود و نصاریٰ نے اس نظریہ میں سولہویں صدی کی مسیحی اصلاح تحریک (Reformation) تک کوئی شک و شبہ نہیں کیا۔ سوائے فورفری (Porphyry) (۲۳۳ تا ۳۰۴) نے خیال ظاہر کیا تھا کہ صحیفہ دانیال (Daniel) بابل کی جلاوطنی کے زمانہ میں نہیں لکھا گیا بلکہ چار صدی بعد تحریر ہوا۔ اس طرح ہسپانوی عالم دین عذراء ۱۰۹۲ تا ۱۱۶۷ نے تحقیق کی کہ صحائف خمسہ (Pentataeuch) موسیٰ علیہ السّلام کے بعد کی تالیف ہیں اس طرح تنقیدی مطالعہ، تاریخ دور جدید کے علوم اور فلسفہ نے قوّت فکر کو آزاد کیا اور حقائق سامنے آئے۔ فرانسیسی عالم کاپلو (capellus ۱۶۲۴) نے ثابت کیا کہ تورات کا اصل عبرانی متن بغیر ماثوری (Massoretec) اعراب کے اور طریقوں پر بھی پڑھا جا سکتا ہے نیز یہ کہ جو عبرانی متن موجود ہے وہ بھی حتمی طور پر صحیح نہیں ہے۔ ایک اور فرانسیسی عالم مورینو (Morinus ۱۶۳۳) نے ثابت کیا کہ یونانی سبعین (Septugunt) کی عبارت اکثر جگہ عبرانی متن سے زیادہ صحیح ہے۔ ایک اور عیسائی عالم رچرڈ سائمن (Richard Simon ۱۸۸۵) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ بائبل کا مطالعہ تاریخی تنقید کے

اصولوں پر ہونا چاہیے ۔ اس طرح تنقید کی ابتدا ہوئی اور ایک فاضل جرمن عالم ریمورس (Reimerus) نے ۱۷۴۷ میں ایک ضخیم کتاب میں بائبل کی مُنَزَّلُ مِنَ اللّٰہ (Revelation) ہونے سے انکار کیا۔ ایک اور جرمن عالم لیسنگ (Lessing ۱۷۲۹۔۸۱) نے بھی دعوے کیا کہ واقعات مندرجہ بالا اعتبار سے محقق نہیں ہیں۔ لہٰذا کسی مذہبی عقیدے کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ اس تنقید کا سترھویں اور اٹھارھویں صدی کا زمانہ نہایت اہم ہے جبکہ فلاسفر سپنوز (Spinoza) اور ہابس (Hobbes) خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ جدید تنقید اور تحقیق نے ثابت کر دیا کہ موجودہ تورات معہ دیگر صحائف عہد قدیم مذہبی عقیدے کے اللہ کے کلام نہیں بلکہ انسانوں نے مختلف زمانوں میں تالیف و تصنیف کیا اس لیے موجودہ تورات موسیٰؑ کے بعد کی تالیف ہے۔

علی ھٰذا القیاس بائبل کی ہر کتاب و صحیفہ بلا استثنیٰ انسانی تالیفیں ہیں جو ان نبیوں کے بہت بعد کے زمانہ میں مرتب ہوئیں ۔ اور یہ قرآن سے بھی واضح ہے قرآن سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تورات حوادث زمانہ کے ہاتھوں کئی بار تلف ہوئی ۔ دراصل ان حوادثات کی تاریخ وہ ہے جس سے یہودی قوم متعدد بار دوچار ہوئی ۔ مختصراً ۷۰۵ ق۔م سے ۱۳۵ء تک فلسطین متواتر مختلف حملہ آوروں اور فاتحین کی جولان گاہ بنا رہا اس میں سناخریل (Senacheril) اور بخت نصر قابل ذکر ہیں جنہوں نے یروشلم کو تباہ کیا۔ اس تباہی میں تورات خاکستر ہوگئی تھی اور یہودیوں کو مملکت بابل میں جلاوطن کر دیا اس کے بعد یہودی واپس فلسطین آئے ۵۳۸ء ق م ایران و روما سکندر اعظم کے زیر نگیں رہا ___ ۶۳ ق۔م میں پامپی (Pompey) نے یروشلم فتح کیا۔ ہیکل دوبارہ تعمیر ہوا۔ پھر ۷۰ء میں ٹائیٹس (Titus) نے معہ ہیکل (Temple synagoue) کو تباہ کیا پھر ہیڈرین (Hadrian) نے یہودیوں

کی جداگانہ حیثیت کوفنا کیا۔اس سے ظاہر ہے کہ یہودیوں کے اصل صحائف مقدّس ان حوادث زمانہ کی نذر ہوگئے اور بعد میں تالیف ومرتّب ہوئے ____ (قرآن کی طرح تورات زبانی حفظ نہ کرتے تھے اس طرح اس کودوبارہ اصلی شکل میں تالیف کرنا ناممکن ہے) عام خیال ہے کہ عذرا (Ezra) نبی ان کودوبارہ معرض وجود میں لائے اور مستند قرار دیا ایک روایت ہے کہ عذرا نے ۹۴ صحائف کو چالیس دن میں پانچ کتابوں میں دوبارہ لکھوایا (۲۴ صحائف عہد قدیم اور ستر صحائف جو بعد میں غیر مستند Opocryphet قرار دیئے گئے) لیکن یہ روایت بھی افسانہ ہے یہ ظاہر ہے کہ عذرا نے منقول کیا ہوگا نہ کہ پھر وحی سے نازل ہوا اور عذرا کے بعد تین بار پھر تباہی آئی لیکن یہ نقلی حالت میں ہم تک پہنچ گئے۔

اس کتاب مقدّسہ کا عبرانی متن جو اس وقت مخطوطات اور مطبوعات کی شکل میں چھٹی اور ساتویں صدی کے درمیان متعیّن کیا گیا۔عبرانی متن کو منضبط کرنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ اصل عبرانی کتاب Script میں حرکات نہیں ہوتی تھیں جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ایک زمانہ گزرنے کے بعد الفاظ اور عبارتوں میں غلط معانی ہونے لگے۔ کیونکہ یہ مختلف طریقوں سے پڑھے جاسکتے ہیں۔لہٰذا علمائے یہود نے پانچویں اور نویں صدی عیسوی کے درمیان علامات وحرکات یعنی Accents Wovel Signs ایجاد کئے۔لہٰذا اس طرح معنوں کے تعیّن کرنے اور تاویل کا بہت دخل ہوا۔موجودہ عہد میں بہت سی ایسی مثالیں ہیں جن میں غلط حرکات لگ جانے سے عبارت بے معنی ہوگئی ہے ___ بہرحال بڑا کام یہ کیا گیا کہ عبرانی میں اُسے متعیّن کردیا گیا۔اس متن کو massoretice text کہتے ہیں۔عہد قدیم کا قدیم ترین نسخہ عبرانی قلمی نسخہ ۹۱۶ عیسوی میں تحریر ہوا۔دوسری صدی عیسوی سے قبل جو مخطوطات تھے وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں _ سامری تورات (Samartan

versions) اور خصوصاً یونانی سبعین (Septuagint) کی قدیم روائتیں ہم تک پہنچی ہیں۔ان کے اختلاف کا ثبوت ملتا ہے عبرانی متن میں ایسے آثار بھی پائے جاتے ہیں جن سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اوائل زمانہ میں مختلف وجوہ کی بنا پر متن میں ردوبدل کرنا جائز سمجھا جاتا تھا_ اتنا تو علمائے یہود تسلیم کرتے ہیں کہ تورات میں اٹھارہ جگہ ایسی ہیں جہاں اوائل زمانہ میں کاتبوں نے عمداً تبدیلیاں کیں جن کا ثبوت ہمارے پاس ہے،اس کے علاوہ کتنے تغیّر وتبدّل کا ثبوت نہیں۔اس ماسوروی متن کے علاوہ قدیم زمانہ میں اور بھی علامتیں تھیں جواب ناپید ہیں اور یہ روائتیں ایک دوسرے سے باہم اختلاف رکھتی ہیں حوالہ (Litterature of the D.T : E.B. Bilble materially Bewe

جدید تحقیق وتنقید نے یہ ثابت کردیا کہ تورات بمعہ مختلف صحائف وحی اللہ کی جانب سے نہیں۔جہاں تک یہود ونصاریٰ کا تعلق ہے پوپ لیوسیر Leo XIII ۱۸۷۸ / ۱۹۰۳ نے حال ہی میں موقف واضح کردیا کہ یہ مطلق غلط اور ممنوع ہے کہ وحی کو کتاب مقدّسہ میں فقط چند مقامات کے لیے محدود کردیا جائے۔یا یہ تسلیم کیا جائے کہ کسی صحیفہ کے مصنف سے غلطی سرزد ہوئی ہے_____ یہ اعلان ایک خاص فرمان میں کیا تھا۔

جمہور نصاریٰ (رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ) نے تا حال اختیار کیا ہوا ہے

" It is absolutely wrong and forbidden either narati inspiration to certain parts only of Holly scripture or admitthatsacredwriterhaserred". (E.B. Bible)

لیکن اب یہود ونصاریٰ اتنی تحقیق کے ہوتے ہوئے قرآنی دعوے کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئے بلکہ اکثر نے تو قطعی طور پر انکار کردیا کہ توراۃ لفظاً ومعناً منزّل من اللہ ہے۔

اس مادہ پرستی کے زمانہ میں بعض لوگوں کی کوتاہ بین نظریں دیکھنے سے قاصر رہی ہیں کہ جہاں تورات میں انسانی ہاتھوں کی لکھی ہوئی تحریریں موجود ہیں وہاں اس میں اب بھی وحی الٰہی کے جواہر ریزے دمک رہے ہیں جن کی تصدیق اور بعض تحریف شدہ بیانات کی تصحیح قرآن کریم کرتا ہے (سورۃ نمبر ۵ : ۴۸ اور سورۃ ۲۷ : ۷۶) قرآن نے تورات میں داخل غلط باتوں کی تصحیح کی مثلاً قرآن کریم نے انبیاء کے متعلق جو نازیبا باتیں اس وقت تورات میں درج ہیں ان کا صحیح مقام دنیا کو دکھایا ____ مثلاً اس میں اکثر ایسی ہیں جنہیں کوئی مسلمان زبان پر لانا بھی گوارہ نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر یہ قطعات ملاحظہ ہوں۔

1۔ تکوین ۳۲ (متعلق ہارون علیہ السلام)

2۔ سیموئل ۱۱ : ۲ تا ۱۳ (متعلق داؤد علیہ السلام)

3۔ املوک ۱۱ : ۴ (متعلق سلیمان علیہ السلام)

4۔ تکوین ۱۹ : ۳۱ تا ۳۴ (متعلق لوط علیہ السلام)

5۔ تکوین ۲۷ (متعلق یعقوب علیہ السلام) وغیرہ

جب کتاب مذکور نے ان نبیوں کی عظمت اور نبوت سے انکار کیا تو قرآن نے تصدیق کی ____ بوقت ظہور اسلام یہودیوں کے پاس کچھ اصل تورات موجود تھی۔ لہٰذا بعد ازاں تورات کا بقایا حصہ بقول قرآن سورۃ ۵ : ۴۳ اور سورۃ ۵ : ۴۴ کا محافظ قرآن بنا دیا ____ یہ قانون قدرت ہے کہ جب کسی چیز کی افادیت ختم ہو جاتی ہے تو وہ بھی ختم ہو جاتی ہے اور بنی نوع بشر کے لیے جو چیز مفید ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے۔

وَاَمَّا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ ط سورۃ الرعد ۱۷

اور جو چیز انسانوں کو نفع دیتی ہے وہ زمین میں نفع رسانی کے ساتھ رہی ہے۔

(اقتباس ازاں۔ اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ باب تورٰۃ)

وہ کونسا مذہب یا نظام ہے جو دُنیا میں نہیں آزمایا گیا۔ وہ کون سا طرزِ حیات ہے جو اہلِ دُنیا نے اپنا کر نہیں دیکھا لیکن انسانیت کی بے قدری اور ایک دوسرے سے بیگانگی کے علاوہ کیا ملا؟ لیکن بنی نوع انسان کو جو آبرو ملی اور بنی نوع انسان کو جو وقار نصیب ہوا وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی نظرِ کرم سے دینِ اسلام کے مکمل ضابطۂ حیات پر عمل پیرا ہو کر ملا ہے۔

☆☆☆☆☆

دینِ اِسلام اور سائنس

کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں ڈھونڈنے والوں کو دُنیا بھی نئی دیتے ہیں

(علامہ اقبالؒ مفکرِ اسلام)

اِک خالق جہاں ہے تو اِک مالکِ جہاں اِک جانِ کائنات ہے اِک وجہ کائنات

(اعظم چشتیؒ صدارتی تمغہ حُسنِ کارکردگی)

کائنات کے سربستہ زاروں کی جستجو سے متعلق تمام علوم "سائنس" کے زمرے میں آتے ہیں۔ قرآن سے قبل لوگوں کا نظریہ کائنات مختلف تھا مثلاً سقراط کا زاویہ نگاہ کہ مشاہدہ "انسان" ہے نہ کہ کائنات۔ پلوٹو نے یہ کہہ دیا تھا کہ کائنات محض فریبِ نگاہ (Illusion) ہے۔ انسان اس قابل نہیں اور نہ ہی اس کے حواس خمسہ اس قابل ہیں کہ کائنات کی تحقیق کر سکے۔ تقریباً تمام مذاہب انہی نظریات سے متاثر بلکہ بہت حد تک ان نظریات کو قبول بھی کر چکے تھے۔ مثال کے طور پر "ہندو" کہتے ہیں کہ مادی کائنات سراب ہے اور یہ تو پرمیشور کا سپنا ہے..... یہ تو ایشور کی لیلہ ہے (ناٹک) ہے اور ایشور اُس میں ہیرو (Chief Actor) کی حیثیت

سے پارٹ لے رہا ہے..... قرآن نے ان باطل خیالات کو چیلنج کیا اور پلوٹو کے نظریات کو غلط ثابت کیا

" ہم نے کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں جو کچھ پیدا کیا ہے وہ باطل نہیں۔ یہ اُن کا ظن ہے جو حقیقت سے انکار کرتے ہیں یہ اُن کی قیاس آرائیاں ہیں" (الرعد)

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی حقیقت کو ثابت کر کے پیش کیا کیونکہ بے مقصد اور کھیل سمجھ کر کوئی کام کرنا اُس کے شایانِ شان نہیں۔ یہ تو علم کی وجہ سے ہے اور علم سے ہی سمجھ میں آئے گا۔ علم پھر کیا ہے؟

وَلَاتَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْم"o

"جس کا تمہیں علم نہ ہو تم مت اُس کے پیچھے بھاگو " (بنی اسرائیل ۳۶)

علم وہ چیز ہے جو سمع و بصر، ادراک اور حواس کے ذریعہ حاصل کیا جائے اور پھر اعداد و شمار (Data) و فکر پیش کر کے اُسے اپنے ذہن (mind) کے پاس لے جائے اور اس طرح دماغ جو کچھ آخری فیصلہ دے وہ "علم" کہلائے گا۔ پس جب بھی کائنات کی حقیقت کو دل و دماغ کے قریب لایا جائے گا تو حقائق پر سے پردے اُٹھ جائیں گے۔ کائنات کی نشانیاں علم والوں کو اُس کی تخلیق پر غور و فکر کرنے کی دعوت دیتی ہیں اور اس طرح اُس سے جو نتائج و فوائد اخذ ہوتے ہیں۔ انہیں مدِ نظر رکھ کر انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اے خدا تو نے اس کائنات کو باطل پیدا نہیں کیا۔ ہوا اور موسم کی تبدیلیاں، دن رات، فضاء میں بلا سہارے تیرتے ہوئے کرّے (Planets) جو ایک اَن دیکھی کشش سے اپنے اپنے مقررہ راستے (مدار) میں جکڑے ہوئے چکر لگا رہے ہیں۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ پس جوں جوں انسان اس کائنات کا علم حاصل کرتا جائے گا۔ تو اُس پر کائنات کے سربستہ راز کھلتے

چلے جائیں گے اور انسان خود قرآنی آیات کا ثبوت مہیا کرتا چلا جائے گا۔

علم انسان کو لکیر کا فقیر بننے نہیں دیتا بلکہ اُسے تحقیق (Research) کی دعوت دیتا ہے تا کہ وہ کانوں سے سُن کر دل و دماغ سے تولنے پر خود کو آمادہ کرتا ہے۔ لہٰذا جو بھی اس دنیا میں تحقیق یا ریسرچ سے کام لے گا اُس پر کائنات بے نقاب ہو جائے گی۔ قرآن ایسے لوگوں کو "متقین" کے نام سے خطاب کرتا ہے جن کو آخرت میں جنّت کی بشارت دی گئی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے تیرھویں صدی عیسوی کے ابتداء سے مسلمانوں نے جب اِس تحقیق و تجربات کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تو ان کا زوال ناگزیر ہو گیا کیونکہ سائنسی ترقیّات و ایجادات مسلمانوں سے اُس کے بعد نہ ہو سکیں۔ بلکہ مسلمانوں کی تحقیقی خصوصیات اقوام مغرب نے اختیار کر لیں۔ گو وہ فطرت کی خفیہ قوّتوں کو اب تک تو بے نقاب کرتا رہا ہے لیکن بطریق احسن انہیں استعمال کرنے میں ٹھوکر کھائی۔ کیونکہ فطرت کی نعمتوں کو اپنی مرضی کے مطابق صرف کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح اپنی خود غرضی اور مادہ پرستی سے اپنی ہی جنس یعنی بنی نوع انسان کے دیگر گروہوں کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

گو انہوں نے سوچ کی کرنوں سے توانائیوں کو نچوڑ تو لیا لیکن یہی اہل مغرب انسانی زندگی کی شب یلدا کو سحر عطا نہ کر سکے۔ کیونکہ انہوں نے نیچر کی قوّتوں کو مسخّر کر کے مُہلک سائنسی ایجادات ایٹم، ہائیڈروجن، نائٹروجن بم و راکٹ اور میزائل کے بعد اب لیزر ٹیکنالوجی سے دوسروں کے لئے تباہی و بربادی کے سامان مہیا کئے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی رو سے وہ اللہ کی بہترین نعمت کے حق دار نہیں۔ اُن کے مقابلہ میں ایک مسلمان جو بھی تحقیق و ریسرچ سے ایجادات کرتا ہے تو تمام بنی نوع انسان کی فلاح اُس کا مقصود ہوتی ہے اسی لئے نیچر کو مسخّر کر کے مسلمان تو جنّت کا حقدار بن جاتا ہے اور اقوامِ غیر محروم۔

علم ہیئت اور قرآن:

علم ہیئت (Astronomy) اور سائنس کے موضوع پر قرآن کے علاوہ تمام مذاہب کی کتب خاموش ہیں۔ قرآن جہاں سیاسی، معاشی، معاشرتی مسائل کا حل پیش کرتا ہے وہاں مذہب اسلام سائنس کو بھی انسانی ضابطہ حیات کا لازمی جزو تصور کرتا ہے۔ نصف صدی قبل سطحی علم رکھنے والے تنگ نظر علما نے چاند اور ستاروں تک پہنچنے کی خبر پڑھی تو تحقیق کرنے والوں پر کفر کا فتویٰ لگا دیا تھا اور قیامت کے آنے کا پیغام دیتے رہے حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں پچاسوں جگہ ریسرچ کی دعوت دیتا ہے اور مختلف آیاتِ قرآنی اس زمین کے علاوہ دیگر سیاروں پر آباد مخلوق کی طرف اشارہ کرتی ہیں مثلاً قرآن کی ابتدائی سورۃ فاتحہ میں خدا تعالیٰ کی تعریف یوں بیان ہوتی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط (سورۃ الفاتحہ ۱)

تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

اس میں دو لفظ رَبّ اور عٰلَمِین غور طلب ہیں۔ لفظ ربّ کا مطلب اُس ذات سے ہے جو جاندار مخلوق کی پرورش کرنے والا۔ نگہبان اور رزّاق ہے۔ خواہ وہ اس دُنیا پر ہو یا یہ مخلوق کسی سیارے پر۔ دوسرا لفظ "عالَمین" ہے۔ یہ لفظ عالَم کا صیغہ جمع ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایک عالَم (دُنیا) کا رب نہیں ہے بلکہ عالمین کا ربّ ہے اور اس طرح اس دُنیا (زمین جو کہ خود ایک سیارہ ہے جو آسمان میں دیگر ستاروں و سیّاروں کے درمیان چمکتا دمکتا کرّہ ارض ہے) کے علاوہ ایسے ہی دیگر سیّاروں، ستاروں اور چاند کا بھی ربّ ہے تو وہاں پر مخلوق کا آباد ہونا ضروری ہے۔ اب یہ تحقیق انسان کے لئے باقی رہ جاتی ہے کہ وہ تلاش کرے کہ کن ستاروں اور سیّاروں پر مخلوق آباد ہے اور کن پر نہیں اور کس قسم کی مخلوق آباد ہے۔ پس خدائے تعالیٰ نہ صرف اس زمین

کا پیدا کرنے والا ہے بلکہ فضائے کائنات (Space-Cosmos) میں جتنے سیارے، ستارے اور اُن کے چاند ہیں اُن پر آباد مخلوق کا پالنے والا رب ہے۔ ہر ستارہ خود روشن ہوتا ہے جیسے ہمارے نظام شمسی کا سورج۔ وہ اپنے محور پر حرکت کرتا (گھومتا) رہتا ہے جبکہ اس کے کشش ثقل کے حصار میں مختلف سیارے معہ اپنے مختلف سائز کے چاندوں کے نہ صرف اپنے محور پر حرکت کرتے ہیں بلکہ اپنے نظام شمسی کے مرکزی ستارے (سورج) کے گرد بھی حرکت کرتے رہتے ہیں اور اپنی مقرّرہ مدت میں اپنے مدار پر چکر پورا کر لیتے ہیں جیسے زمین سورج کے گرد 365 دنوں میں ایک چکر پورا کرتی ہے اور اپنے محور کے گرد اس کا چکر 24 گھنٹوں میں مکمل ہوتا ہے ہمارا نظام شمسی عطارد۔ زہرہ (ان کا کوئی چاند نہیں) زمین (اس کا ایک چاند ہے) مریخ۔ مشتری (جدید تحقیقات کے بعد اس کے گرد 28 چاند حرکت کرتے ہیں) زحل (جدید تحقیقات کے بعد اس کے 30 چاند ہیں) یورینس (21 چاند) نیپچون (8 چاند) پلوٹو اور وینس پر مشتمل ہے۔ اسی طرح کے لاتعداد نظام شمسی اپنے سیارگان اور ان کے چاندوں کے ہمراہ کائنات آسمان (Milky-Way) کہکشاں کا حصہ ہیں اور یہ تمام نظام شمسی کسی دیگر مرکز کے گرد گھومتے ہیں ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام خالق کائنات کے گرد طواف وسجدہ اور حمد وثنا کے لیے حرکت کرتے ہوں۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا۔ (۲۵۔۶۱)

ترجمہ: وہ ذات بڑی عالیشان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اُس (آسمان) میں ایک چراغ (یعنی آفتاب) اور نورانی چاند بنایا۔

جو دُنیا پہلی تھی وہ اب ہٹ گئی یا جواَب ہے یا آئندہ پیدا کی جائیں گی جیسا وہ اُن سب کا بنانے والا اُن کی نگہبانی اور کنٹرول کرنے والا ہے۔ ویسا ہی وہ اُن کو تباہ کرنے کی طاقت

رکھتا ہے۔ (یعنی قیامت کے دن سارے نظام کا درہم برہم کرنے والا) "قیامت" وہ مقررہ دن ہے جس دن اِس کائنات وزمین کی موت واقع ہوگی۔ کیونکہ اُس روز تمام فضائی کائنات تہ وبالا کردی جائے گی۔ اُس میں زمین کا حال ایسا ہوگا گویا پانی اُگل رہی ہو اور اُس پر گڑے پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے پھریں گے۔ زمین پھٹ جائے گی اور اپنے اندر سے ہر چیز اُگل دے گی۔ اس قیامت کا موجب خود انسان بھی ہوسکتا ہے جو اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوگا۔ خود انسانی ایجاد کردہ ایٹم اور ہائیڈروجن بموں سے ہی کائنات میں قیامت برپا ہوجانا بعید از قیاس نہیں۔ (ملاحظہ ہو سورۃ القارعہ (۱۰۱:۱تا۵) اور سورۃ رحمٰن (۵۵:۲۶تا۲۷ اور ۳۵تا۳۷)۔

ابتداء میں عیسائی مشنری کا اعتقاد تھا کہ زمین تمام عالمِ فضا کے درمیان واقع ہے جس میں خدا یسوع مسیح کی شکل میں اترا ہے۔ لیکن اس نظریہ کو پہلے قرآن نے اور پھر سائنسی ایجادات نے غلط ثابت کردیا۔ قرآن نے پندرہ سو سال قبل کائنات کی طرف توجہ دلائی جبکہ انسان نے کوئی دوربین یا تحقیقی آلات ایجاد بھی نہیں کئے تھے۔ مثلاً قرآن میں یوں فرمایا گیا

۔

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط آسمانوں وزمین سب کا پیدا کرنیوالا وہی ہے

(الانعام ۱۰۱)

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط آسمانوں اور زمین کی بادشاہت خدا ہی کے لئے ہے

(ال

عمران: ۱۸۸)

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ط سورج اور چاند کو تمہارے حکم میں لگا دیا گیا کہ

دونوں (دن اور رات) ایک ہی طریقہ پر چل رہے ہیں۔ (ابراہیم: ۳۳)

"تمہارے نفع کے واسطے سورج اور چاند کو (اپنی قدرت کا) مسخر بنایا جو ہمیشہ چلتے ہی رہتے ہیں"۔ (۱۴:۳۳)

اسی طرح دوسری گواہی قرآن نے یہ دی کہ سورج اور چاند اپنے مدار پر یا محور کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ اس سے قبل دُنیا اس کائناتی و سائنسی اصول سے بے خبر تھی۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ط ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمُ ۔ (یٰسین ۳۸)

" کہ سورج اپنے اس محور پر گھومتا ہے جو قانون کے مطابق اُسکے لئے مقرر کیا گیا ہے"

اس طرح قرآن نے پندرہ سو سال قبل علم ہیت (Astronomy) کے اصل، صحیح اور مستند اصول پیش کیے جن کو پہلے تسلیم نہ کیا گیا۔ بعد میں سائنسی ایجادات نے اُس پر مُہر تصدیق ثبت کردی اور اب بھی پچاسوں حقائق ایسے ہیں جہاں سائنسدانوں کی تخلیقی قوت جواب دے چکی ہے لیکن قرآن اُن پر روشنی ڈالتا ہے

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ط (سورۃ الانبیآء ۳۰)

"وہ لوگ میرا انکار کرتے ہیں۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ تمام آسمانی کائنات اور زمین ملا کر اپنے کام میں لگا دیئے گئے۔ ہم نے اُنہیں علیٰحدہ اور تمام زندہ جانداروں کو پانی سے پیدا کیا اُس پر بھی ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں"

اس آیت قرآنی سے دو بڑے سائنسی حقائق ثابت ہوتے ہیں جن سے دُنیا ابھی تھوڑے عرصہ قبل تک آگاہ نہ تھی اور وہ یہ کہ پہلے تمام فضائے عالم میں صرف ایک ہی ستارے کا

جُھنڈ تھا جو کہ اپنے محور پر حرکت کرنے کی وجہ سے لاکھوں ستاروں کے جُھنڈ میں تقسیم ہو گئے اور اس طرح اپنے اپنے مدار پر حرکت میں لگ گئے اور دوسرا اصول یہ کہ زندگی کی ابتداء پانی سے ہوئی۔

قرآن علمِ ہیئت یا سائنسی موضوع پر اور کائنات کے حقائق کو اپنی دو ہزار آیات میں زیر بحث لاتا ہے اتنی آیات تو مسائل روزہ، حج، زکوٰۃ اور نماز وغیرہ کے لئے بھی موجود نہیں کیونکہ اُن کی تعداد صرف ڈیڑھ سو کے قریب ہے۔ قرآن و سائنس کو مذہب سے علیٰحدہ کر کے نہیں پیش کیا جا سکتا کیونکہ روحانیت کے بغیر کائنات کے تمام سربستہ راز نہیں کھل سکتے اور نہ ہی کوئی شخص کائنات کا مطالعہ کئے بغیر روحانیت کی حدّ کو پا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے دیگر مذہب والوں کی طرح کائنات کی پوجا نہیں کی بلکہ اپنے لئے تحقیق و ریسرچ کا سہارا لے کر خدا کو پہچاننے کا ذریعہ بنایا۔ ابتدائی مسلمانوں نے کائنات کی تحقیق کے سلسلہ میں اتنا مواد مہیّا کیا کہ آنے والے سائنسدانوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوا۔ جب روس نے سب سے پہلے اپنا مصنوعی سیارہ سپوٹ نک (Sputnik) چھوڑا تو یہ تسلیم کیا گیا کہ اس کامیابی کے لئے مسلمانوں کے آٹھ سو سال قبل دَور کے ایک قدیم عربی نسخہ سے کافی استفادہ کیا گیا جو کہ جرمنی کی ایک لائبریری سے دستیاب ہوا تھا چونکہ مسلمانوں کو علمِ ہیئت پر تحقیق اور کائناتی علوم پر دسترس حاصل تھی۔ اس لئے آج کے فضائی دَور اور خلائی سفر کے راہنما (Pioneer) عربی مسلمان ہی کہلا سکتے ہیں جنہوں نے دُوربین، الجبرا، حساب کے فارمولے بنائے اور علم ہیئت کے اصول مرتّب کئے جس کی مدد سے سیّاروں، ستاروں یا چاند تک پہنچنا ممکن ہوا۔

کائنات میں مکین مخلوق :

لاعلمی کا عالم ہے کہ روس نے اپنے مصنوعی سیارے سپوٹ نک (Sputnik) وفضا

میں خلائی سفر کی پہلی کوشش قرار دیا۔ حالانکہ اس سے صدیوں قبل دورِ عباسیہ میں ایک مسلمان سائنسدان خود ساختہ روشن چاند کافی بلندی پر معلق لٹکائے رکھنے میں کامیاب ہو چکا تھا لیکن اُسے نظر انداز کر کے مسلمانوں کے کارہائے نمایاں کی پردہ پوشی کی گئی۔ اسی طرح حقائق پر دوسری پردہ پوشی اس وقت کی گئی جب روسی سائنسدانوں کی مدد سے گیگرین (Gagarine) اور امریکہ کے مسٹر شیپرڈ (Shepered) کو خلائی سفر (Space flight) کرا کے زمین پر اُتارا گیا تو یہ دعویٰ کیا گیا کہ انسانی تاریخ میں یہ پہلا خلائی سفر ہے لیکن دُنیا کی تاریخ میں یہ پہلا خلائی سفر نہیں۔ دُنیا میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السّلام کی آگ و پانی سے تشکیل اس کرّہ ارض پر ہوئی جہاں سے ماوراء مقام جنّت ان کی قیام گاہ بنا۔ دوبارہ پھر جنّت الفردوس سے دُنیا میں بھیج دیئے گئے۔ یقیناً وہ کوئی اس دنیا سے ماورا جگہ تھی جس کے اور زمین کے درمیان فضاء حائل تھی جس میں سے گزر کر آپ دُنیا سے گئے اور پھر واپس تشریف لائے۔ اسی طرح دُنیا سے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو اُوپر اٹھا لیا گیا یہ یکطرفہ خلائی سفر تھا (یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کیونکہ ہم صلیب دیئے جانے کو تسلیم نہیں کرتے)۔ جیسا کہ کلامِ حکیم میں آیا ہے۔

اِذْقَالَ اللّٰہ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔

ترجمہ: "جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسٰی (کچھ غم نہ کرو) بیشک میں تم کو وفات دینے والا ہوں اور (فی الحال) میں تم کو اپنی طرف اٹھائے لیتا ہوں اور تم کو ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جو منکر ہیں"۔ (۳: ۵۵)

اسی طرح حضرت جبرائیل اللہ تعالیٰ کا حکم (Divine message) لے کر انبیاء ورُسّل کے پاس آتے اور واپس تشریف لے جاتے۔ لیکن یہ انسان نہ تھے اس لئے ان کو زماں

ومکاں (Space & Time) کی قید نہ تھی۔ لیکن سب سے کامیاب انسانی خلائی سفر دُنیا کی ایک مکمل ترین شخصیت نے بھی کیا ۔ یہ خلائی سفر "معراج" ہے جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلا سے گزر کر "سدرۃ منتہیٰ" تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضری سے سرفراز ہوکر بغیر کسی ضرر کے واپس تشریف لائے، ایسے خلائی سفر یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ زمین کے علاوہ فضائے کائنات میں اور بھی مخلوق کا دیگر سیاروں پر گمان ہوسکتا ہے اس مخلوق میں انسان فرشتے اور جن شامل ہیں۔ جن کا پرورش کرنے والا وہی " رب العالمین " یعنی خدائے تعالیٰ کی ذات ہے اور ہوسکتا ہے کہ دیگر سیارگان پر انسان آباد نہ ہو بلکہ اس زمین سے دیگر سیاروں پر مخلوق کی ابتداء ہو۔

اللہ کی راہ میں مارے جانے والوں کی نسبت قرآن میں فرمایا گیا کہ انہیں مُردہ مت کہو وہ زندہ ہیں۔ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ وفات کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے تک ان کے قیام وتصرّف کے لیے عالم برزخ موجود ہے۔

"جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں مت کہو کہ وہ (عام مردوں کی طرح) مردے ہیں بلکہ وہ تو زندہ اور مقرب ہیں لیکن تم (ان) حواس سے (اس حیات کا) ادراک نہیں کر سکتے" (۲: ۱۵۴)

اس لئے حق یہ ہے کہ انسان کو اس کرّہ زمین کے فطرتی قوانین (constitution) کے تحت باری تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اس لئے وہ صرف یہاں کی آب وہوا، کشش ثقل یا خوراک پر زندہ رہ سکتا ہے کیونکہ اس کو مدنظر رکھ کر انسانی جسم اور دل و پھیپھڑوں کی ساخت بنائی گئی جس طرح پانی میں رہنے کے لئے مچھلی کے جسم اور پھیپھڑوں کی ساخت بنائی کہ پانی کے علاوہ وہ ہوا میں زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح انسان پانی میں زندہ نہیں

رہ سکتا۔ اس طرح فضا کے مطابق پرندے پیدا کیے۔ گو انسان اس فضا سے نکل کر مستقل طور پر کسی دوسرے کرّہ چاند یا ستارے پر زندہ نہیں رہ سکتا کیونکہ وہاں کے فطرتی قوانین کے مطابق اس کو نہیں بنایا گیا اس کا ثبوت وہاں کی آباد مخلوق ہوگی جو کہ ہم سے بالکل مختلف ہوگی۔ یہ تحقیقاتی ریسرچ انسان کو دیگر سیاروں پر لے جا سکتی ہے اور کچھ عرصہ شاید یہ مصنوعی ذرائع سے ہوا اور کشش ثقل وغیرہ جو کہ اُن کے بدن کے لئے ضروری ہیں فراہم کر لیں یا خوراک لے جائیں لیکن مخلوق کا جا کر آباد ہونا اور نئے فطرتی قوانین کے مطابق خود کو ڈھالنا محض خوش فہمی اور خام خیالی ہے کیونکہ انسان فطرتی قوانین کی رو سے بے بس ہے۔ مگر قرآن کی پچاسوں آیات سے دیگر سیارگاں (Planets) پر آباد مخلوق کا گمان ہوتا ہے مثلاً

1۔ "اور جتنے (جن وانس) زمین و آسمانوں میں ہیں سب اسی کے تابع ہیں"۔ (۲۶:۳۰) یعنی زمین و آسمانوں میں بسنے والے خواہ وہ کسی قسم کی مخلوق ہوں یا چرند و پرند و نباتات و جمادات۔ سب نہ صرف یہ کہ اس کی عبادت کرتے ہیں بلکہ اُس کی مملوک، بندے اور رعیّت ہیں"۔ (۷۹:۱۶)

2۔ " کیا تم نے دیکھا کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور پَر پھیلائے ہوئے جانور بھی۔ اور سب اپنی نماز اور طریقہ سے واقف ہیں جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اور آسمان اور زمین کی بادشاہی خدا ہی کے لیے ہے"۔ (۲۴: ۴۱ ۔ ۴۲)

3۔ "اور (وہ) فرشتے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور اہل زمین کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں (معافی مانگتے ہیں)" (المومن ۷)

4۔ "جو فرشتے کہ فرشِ الٰہی کو اُٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرداگرد ہیں وہ اپنے ربّ کی تسبیح وتحمید کرتے رہتے ہیں" (۳۹:۷۵)

5۔ "اور منجملہ اس (کی قدرت) کی نشانیوں کے پیدا کرنا ہے آسمانوں اور زمین کا اور اُن جانداروں کا جو اس نے آسمانوں اور زمین میں پھیلا رکھے ہیں اور وہ اُن (خلائق) کے جمع کر لینے پر بھی جب وہ (جمع کرنا) چاہے، قادر ہے" (۴۲:۲۹)

6۔ "اور جب کہ ہم جنّات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے اور جو قرآن سننے لگے۔ غرض جب وہ لوگ قرآن کے پاس آپہنچے تو کہنے لگے کہ خاموش رہو۔ پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس خبر پہنچانے کے واسطے واپس گئے۔ کہنے لگے کہ اے بھائیو ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰؑ کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ حق اور راہ راست کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ اے بھائیو! اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو اور اُس پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ معاف کر دے گا" (۴۶ : ۲۹ تا ۳۱)

7۔ وہ جنّات اُن کے لئے (حضرت سلیمانؑ) وہ چیزیں بناتے جو ان کو (بنوانا) مقصود ہوتا۔ بڑی بڑی عمارتیں۔ مورتیں اور لگن (ایسے بڑے) جیسے حوض اور بڑی بڑی دیگیں۔ (سباء ۳۴:۱۳)

8۔ (اللہ تعالیٰ) جو فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار پَر دار بازو ہیں۔ (۳۵:۱)

قیامت بپا ہونے پر یا کرّہِ ارض کے تہس نہس ہوجانے پر یہاں کے مکین و باسی جب ختم ہوجائینگے تو ہمارا آخرت اور بعد مرگ دوبارہ زندگی پر ایمان ہے جہاں دنیاوی اعمال کی سزا و جزا مقرر ہے اس لئے کائنات میں جنّت و دوزخ کے وجود سے مفر ممکن نہیں اس لیے کسی دیگر کرّہ پر منتقلی اور مستقل قیام دراصل اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

خلائی سفر کا آغاز:

مندرجہ بالا آیات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کائینات میں زمین اور آسمانوں میں مختلف ان گنت نظامِ شمسی، کہکشاں میں جا بجا تیرے ہوئے چاند و سیّارے یا وہاں آباد مخلوق اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کرتی ہے کیونکہ اس زمین کی طرح دیگر سیّارے وستارے بھی اللہ تعالیٰ کی سلطنت کے صوبوں میں سے ہیں اور تمام ارض وسماء پر اسی کا اقتدارِ اعلیٰ (sovereignty) ہے۔ جس میں ہر طرح کی آباد مخلوق اس کی رعیّت اور اس کائنات کا تمام نظام اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق جاری وساری ہے۔

کسی راکٹ یا مصنوعی سیّارہ کے زمین کے مدار (محور ORBIT) سے باہر نکلنے کے لیے تقریباً سات میل فی سکنڈ یعنی پچّیس ہزار میل فی گھنٹہ (چالیس ہزار دوصد کیلومٹر فی گھنٹہ) رفتار درکار ہوتی ہے۔ زمین کی مقناطیسی کشش سے باہر نکلنے میں Escape Velocity 9ء8 میٹر فی سکنڈ جبکہ زمین کے گرد واحد گردش کرنے والے چاند کی کشش 1ء62 ہے انکے مقابلہ میں سورج کی کشش 274 میٹر فی سیکنڈ ہے۔ چاند، مریخ یا دیگر سیّاروں پر جانے کے لیے زمین کی کشش سے زائد قوتِ رفتار ہونا ضروری ہے۔ جبکہ گیارہ کیلومیٹر فی سیکنڈ رفتار ہو تو زمین کی قوت کشش سے باہر نکل کر فضائے کائنات (آسمان Space) میں پہنچا جا سکتا ہے۔ جس کے بعد راکٹ یا مصنوعی سیّارہ زمین کے گرد اپنے مدار میں چکر لگانا شروع کر

دے گا۔ جتنی رفتار زیادہ ہوگی اتنا ہی زمین سے فاصلہ مدار بڑھتا جائے گا، جوں جوں رفتار بڑھتی جائیگی زمین سے فاصلہ بھی اتنا ہی بڑھتا جائیگا حتیٰ کہ وہ راکٹ جب مریخ یا کسی دیگر سیارہ جیسے مشتری یا مریخ وغیرہ کے مدار میں پہنچ جائے گا تو اس سیارہ کی کششِ ثقل راکٹ کو اپنی طرف کھینچ لے گی اسکے بعد اس راکٹ کی رفتار اتنی کم کرنا ہوگی جو اس کی کشش (Escape Velocity) سے کم رہ جائے جس سے اس سیارہ یا چاند پر اترنا ممکن ہو جاتا ہے۔ اس سائینٹیفک اصولوں کی بنیاد پر ہی چاند پر اُترنے کے لیے اپالو مشن میں کامیابی ہوئی اور کئی ممالک کے مواصلاتی یا موسمی تحقیقاتی سیارے زمین کے گرد مقررّہ محور میں گردش کر رہے ہیں۔ اسی مقصد کے لیے روس اور امریکہ کے باہمی تعاون سے ایک بین الاقوامی خلائی سٹیشن "میر" جو کئی سالوں سے زمین کے گرد چکر لگا رہا ہے اس سے رابطے کے لیے روسی خلائی جہاز "سویوز" اور امریکی کولمبیا و ڈِسکوری خلائی شٹل کے ذریعہ کی مذکورہ سپیس سٹیشن پر قیام پذیر خلاء بازوں کی آمدورفت کئی سالوں سے جاری ہے اور آئندہ مزید جاری رہنے کا امکان ہے۔ مشتری اور مریخ سیاروں کی جانب بھی اسی اصول کی بنیاد پر تحقیقی راکٹ چھوڑے جا چکے ہیں۔ اس فضائی پرواز کے سلسلہ میں کشش ثقل (Escape Velocity) کا حوالہ سورۃ الرّحمٰن کی اس آیت سے ملتا ہے:

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْاط لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ط (الرّحمٰن ۵۵ : ۳۳)

"اے گروہ جنّ وانس کے اگر تم میں یہ طاقت ہے کہ آسمانوں وزمین کی حدود (حدود سے مراد کششِ ثقل سے نکل کر خلا میں بے وزن ہوکر پرواز کرنا ہے) سے کہیں باہر نکل جاؤ، تو (ہم بھی دیکھیں) نکلو! مگر ماسوائے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوّت کے! تم نہیں نکل سکتے"

اسی طرح درج ذیل آیت اس خطرہ کا بیّن ثبوت فراہم کرتی ہے کہ اگر ایٹمی جنگ چھڑ گئی اور یہ مہلک بم ہیروشیما اور ناگاساکی کی طرح بڑی طاقتوں نے ایک دوسرے کے خلاف استعمال کیے تو پھر دُنیا میں سوائے آگ اور دُھوئیں کے کچھ نہ ہوگا۔ ایسی حالت میں کسی میں مقابلہ کی سکت کس طرح باقی رہ جائے گی جبکہ دُنیا میں پورا قیامت کا منظر برپا ہوگا۔

يُرسَلُ عَلَيكُمَا شُوَاظٌ مِّنَ النَّارِ ۙ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنتَصِرَانِ (۵۵:۳۵)

"تم پر آگ کے شعلے اور دُھواں چھوڑ دیا جائے گا تو پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے"۔

بالآخر ہم نے دیکھا کہ فضاء کی تسخیر اور دیگر تحقیق و ریسرچ کا جو کام مسلمانوں کے سپرد ہوا تھا جن کے پاس رہنمائی کے لئے (guidance) بھی تھی لیکن آج وہ زمین کی اتاہ گہرائیوں میں کیوں گرتا جا رہا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ان قرآنی اصولوں (guidance) کو اقوامِ مغرب اپنے ہاتھوں میں لے کر اوجِ ثریا پر پہنچنے کی جدوجہد کرتی رہی ہیں اور اُس پر ستم ظریفی یہ کہ مسلمانوں کے ہمہ ذخیرہ ہائے علوم و فنون افکار و نظریات اور بغداد جیسے تمدّن کے مخزن کو ایک متعصّب پالیسی کے تحت تباہ و برباد کر کے مسلمانوں کی تخلیقی قوّت کو ہمیشہ کے لئے مفلوج کر دیا اور یہ کوششیں صلیبی جنگوں کے بعد ہنوز جاری ہیں۔

مسلمانوں کو ذلّت و خواری کے غار میں دھکیل کر اُس کے اسلاف کی ناکامی کا بڑے شدّ و مدّ سے پروپیگنڈہ کیا گیا۔ تاکہ انہیں اپنے سرمایہ افتخار کارناموں پر ایک نظر بھی ڈالنے کی خواہش پیدا نہ ہو۔ اس طرح اقوامِ مغرب نے جو ٹھوکر لگائی اُس سے مسلمان اب تک نہیں سنبھل سکا اور اُن کے حلقۂ غلامی میں رہنے کے بعد تو بالخصوص مسلمانوں پر ترقّی اور برتری کی تمام راہیں مسدود کر دی گئیں اور اس قوم کو کبھی آزاد نہ سوچنے اور پنپنے کا موقعہ فراہم نہ ہونے دیا۔ ان حالات میں اقوام مغرب کا ترقیاتی و تحقیقی میدان میں ابھرنا ناگریز تھا۔ اور دوسری طرف

مسلمانوں میں تعلیم کی کمی، جہالت اور غلامانہ ذہنیت کی وجہ سے وہ ہمیشہ احساسِ کمتری کا شکار رہے۔ حالانکہ خود قرآن میں باری تعالیٰ نے یہ پیشگوئی کردی تھی کہ ہم ایسی نئی ایجادات کا سلسلہ جاری رکھیں گے جس کا تمہیں اب علم نہیں۔

وَيَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ۔ (۸:۱۶)

"اور وہ (اور بھی چیزیں) پیدا کرتا ہے جن کی تم کو خبر نہیں"

موجودہ دَور میں جتنی ایجادات وترقیاں سائنسی، معاشرتی وصنعت وحرفت میں ہوئی ہیں۔ یا آئندہ ہوں قرآن مسلمانوں کو پوری تیاری کی دعوت دیتا ہے خواہ غیر مسلموں نے ایٹم وہائیڈروجن بم یا راکٹ ومیزائل اور لیزر، ہتھیار کیوں نہ بنالئے ہوں۔ اگر آج مسلمان تیاری کریں تو ان کو پکڑ لینا مشکل نہیں کیونکہ قرآن خود اس کے لئے مسلمانوں کو تیار کرتا ہے۔ کہ

وَاَعِدُّ وْالَهُمْ مَّا اسْتَطَعتُم مِّنْ قُوَّةٍ مِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ ط (الانفال: ۲۰)

" کہ جہاں تک ہوسکے اپنی پوری صلاحیت وقوت کے ساتھ دُشمن کے مقابلہ میں مستعد ہو اور پوری تیاری رکھو کامیابی تمہارے قدم چومے گی"

(حدیث مبارکہ) : يَامَعْشَرَالقُرَّآءِ اِسْتَ قِيمُوْا فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِيْدًا وَلَا تَاخُذُوْا يَمِيْنًا وَلَا شِمَالاً فَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَا لًا بَعِيْدًا۔

(ترجمہ): اے پڑھے لکھے لوگو تم استقامت اختیار کرو۔ تم دور دور تک غالب ہوجاؤ گے اور دائیں بائیں انحراف نہ کرو ورنہ دور دور تک گمراہی پھیل جائے گی۔

مسلمانوں کے ابتدائی سرمایۂ افتخار سائنسدان:

تیرھویں صدی کی ابتداء میں جب بدقسمتی سے مسلمانوں کا زوال شروع ہوا تو اُس کے بعد ایجادات میں مسلمان اپنا حصّہ کَمَا حَقُّهٗ ادا نہ کرسکے لیکن ان کی سابقہ کارگزاریاں تحقیق

ریسرچ وابتدائی ایجادات ہمارے لئے سرمایۂ صد افتخار ہیں۔ یہ سرمایہ ومواد جو مسلمانوں کی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔ اہل مغرب نے جس قدر اس سے استفادہ کیا اس سے کسی کو انکار نہیں۔ ۱۹۶۰ء میں آئزن ہاور نے واشنگٹن میں اور ملکہ الزبتھ نے اپنے دورۂ مشرقی پاکستان میں خود اس کا اعتراف کیا کہ تحقیق وریسرچ کو آج جو مقام حاصل ہے مسلمان اُس کے میر کارواں (Pioneer) ہیں ___ سب سے پہلے مسلمان سائنسدانوں کی نوشتہ کتب کا ترجمہ لاطینی زبان میں ہوا جہاں سے پھر دیگر یورپی زبانوں میں ترجمہ ہوا اور اس طرح اقوام غیر پر بھی سائنس کے میدان میں جولانی کرنے کے لئے دروازے کھل گئے ___ چونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا تھا۔ اس لئے یہ مسلمانوں کی قومی اور مذہبی زبان کی حیثیّت اختیار کر چکی تھی اس لئے وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ سائنس وثقافت کا سرمایۂ علوم اسی زبان کا خاصہ بن گیا اور بغداد صدیوں تک اسلامی علوم وفنون اور ادب وسائنس کا مرکز بنا رہا۔ اُس وقت عربی زبان کی حیثیّت ایسی تھی جیسا کہ یورپ میں لاطینی زبان کو مقام حاصل تھا۔ لیکن یہ زبان فلاسفی، دینیات اور سائنس کی زبان نہ تھی۔ جیسا کہ عربی میں صلاحیت پائی جاتی ہے کہ ہر علم کو اپنے سینہ میں جگہ دے سکتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں لاطینی زبان کا زیادہ تر سیاست اور ڈپلومیسی سے تعلق تھا۔

ہٹی (Hitty) خود ایک جگہ لکھتا ہے کہ سارٹن نہایت جذباتی انداز میں اعلان کرتا ہے کہ انسانیت کا سب سے بڑا کام مسلمانوں نے سرانجام دیا۔ مثال کے طور پر انسانیّت کی اس خدمت نے مندرجہ ذیل مسلمان مفکّرین، اکابرین، مُوجد تاریخ دان، حساب دان اور سائنسدانوں جنہوں نے وسائل کی کمی ہونے کے باوجود عربی زبان میں ذخیرہ علوم کتابی صورت میں پیش کیا وہ عظیم فلاسفر، الفارابی عظیم حسابدان ابوکامل۔ ابراہیم اور سنان مسلم ہی تھے جو دیگر

علوم اور جغرافیہ میں یکتائے روزگار تھے۔ المسعودی طبری عظیم مسلمان تاریخ دان تھے۔ ان ہی مسلمانوں کی نگارشات تھیں جنہوں نے الجبراء، جغرافیہ، علم ہیئت (Astronomy) اور ادویات (Medicine and Pharmacy) میں خاص مقام پیدا کیا اور مغربی علوم نے ان سے پورا استفادہ کیا۔ حساب اور الجبراء میں صدیوں تک جناب محمد ابن مُوسیٰ الخوارزمی مشرق و مغرب میں اپنا مقام روشنی کے مینار کی مانند رکھتے تھے۔

علم الجبرا اور علم ہیئت جن کے موجد بالخصوص مسلمان ہیں انہوں نے ان علوم پر جو مواد مہیّا کیا اُس نے مغربی سائنسدانوں پر تحقیق و ریسرچ کے دروازے کھول دیئے۔ آج انہیں فارمولوں اور اصولوں اور ابتدائی تحقیق کی روشنی میں راکٹ اور میزائل کی ایجاد کے بعد مصنوعی سیّاروں اور خلائی پرواز سے بالخصوص خلائی مشن کے ذریعہ نیل آرمسٹرانگ کے چاند پر اترنے کے بعد دیگر ستاروں اور سیّاروں پر پہنچنے کے انتظامات ہو رہے ہیں۔ روس کے خلائی اسٹیشن میر میں خلانوردوں کا قیام اور کولمبیا اپالو اور ڈسکوری خلائی شٹل جیسے فضائی راکٹوں کی مذکورہ خلائی اسٹیشن تک زمین سے آمد و رفت نے خلائی سفر مزید آسان بنا دیا ہے۔ عظیم حسابدان الخوارزمی کا زائچہ (Astronomical Table) عرصہ تک مشہور رہا جسے بعد ازاں دسویں صدی عیسوی میں مسلمہ نے نظر ثانی کر کے پیش کیا۔ اور انہوں نے ہی زمین کا نقشہ چند سائنسدانوں کی مدد سے تیار کر کے اپنی کتاب " صورت الارض" میں پیش کیا۔ اسی طرح مسلمانوں میں علم ہیئت میں سب سے اوّل تحقیق کرنے والے ابو عبداللہ ابن جُبیر البتامی مسلمان سائنسدان تھے جو کہ اب تک لاطینی دُنیا میں Albateganius کے نام سے مشہور ہیں جنہوں نے سورج کی حرکت اور زمین کے تعلق سے سورج گرہن کے گھٹنے بڑھنے پر تحقیق کی۔ ابو العباس محمد ابن طہر الفرغنی جو لاطینی میں Alfragamus کے نام سے مشہور ہیں نے

خلیفہ مامون کے عہد میں "دارالحکمہ" کی بنیاد رکھی۔اور زمین کی پیائش کی۔مغربی سائنسدانوں میں اُن کی کتاب "حرکات الساویہ وجوامع علم النجوم" نے کافی شہرت حاصل کی جو کہ لاطینی زبان میں Scuntia stellarum کے نام سے مشہور ہے۔اودانتے Dante کے علم ہیئت پر زیادہ تر اعداد شمار (Data) اسی کتاب سے اخذ شدہ ہیں ابو مشعار جو یورپ میں (Alhumasar the Altulaytul) کے نام سے مشہور ہیں سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے سمندری لہروں پر چاند کے اثرات بیان کئے۔ ابوالقاسم سید الطلاطلی (Abu Alqasim altulaytuli جو کہ عظیم حسابدان اور اس علم میں یکتا اور مانے ہوئے (authority) تھے۔جنہوں نے سائنسی "تاریخ" پر جو طبقات الامم (Tabaqatul Umam کے نام سے مشہور ہے تصنیف کی جس سے بعد میں لکھنے والوں نے خوب استفادہ کیا۔ جابر افن فلاح اشبیلیہ (Seville) جن کا لاطینی نام Geber ہے۔انہوں نے armllaroyasphere ایجاد کیا تاکہ آسمانی سیارگاں کی زمین سے دوری کی پیائش کرکے ان کی پوزیشن معلوم ہوسکے۔ باٹنی (Botony) میں ابوالاعباس البناطی نے پودے دریافت کرکے ان کی لسٹ اپنی کتاب میں پیش کی۔اسی طرح ابوجعفر نے بھی بہت سے درختوں کو جمع کرکے عربی اور لاطینی نام دیئے۔ ابن رُشد موسیٰ ابن مامون ادویات (Medicine) کے میدان میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ علم الابدان میں عبداللطیف بغدادی نے انسانی ڈھانچہ کا مطالعہ کرکے اس علم میں غیر معمولی اضافہ کیا۔اسی طرح ابوسینا، فارابی، اورخیام کا مقام مشرق ومغرب میں کسی سے پوشیدہ نہیں۔پس موجودہ تحقیق ریسرچ اور سائنسی ایجادات یعنی دور عباسیہ کے سائنسدان ماہر علوم وفنون اور موجد سائنس ہی اصل راہ دکھانے والے ہیں۔

محی الدّین ابن عربی نے چاند وسیارگان کا سفر کیا اور وہاں کی سطح زمین مشاہدہ کی اور اہل دنیا کو آگاہ کیا ریسرچ اور تحقیق کے میدان میں اسلام کے غازی سائنس اور روحانیت کو ہمیشہ شانہ بشانہ لیکر چلے ہیں یہی وجہ ہے کہ رسول مقبول ﷺ خلفاء، صحابہ اور آئمہ کرام کی نگاہ بصیرت کسی بھی معاملہ کی گہرائی تک پہنچنے میں ذرا تامل نہ کرتی تھی۔ اُن کے مقابلے میں اب تک محققین وسائنسدان کسی بھی نکتہ کے حل یا ایجاد کے لئے تحقیقاتی کمیشن یا سائنسی لیبارٹریوں میں تحقیق وتجرّبات کر کے کروڑوں روپیہ صرف کر کے اور مواد (Data) جمع کر کے برسوں میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے ہیں۔ پھر بھی وہ موجودہ مسائل کا حل فطرت کے قوانین، روحانیّت اور فلسفہ کی مدد سے نکالنے کی پوری صلاحیّت نہیں رکھتے اسی لئے انہیں اپنے حصولِ مقصد میں متعدد بار ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا لیکن مسلمان جب اسلام کے ذخیرہ افکار سے مستفیض ہوئے تو روحانیّت کا دامن تھام کر ایسے مافوق الفطرت کارنامے سرانجام دیئے کہ مغربی مفکرّین ومستشرقین یا سائنسدان (روحانیّت سے نابلد ہونے کے سبب) ہمارے اسلاف کے کارناموں کی حقیقی روح کو پالینے سے قاصر رہے۔ اس لئے بھی کہ معجزات یا مافوق البشّر کارنامے سرانجام دینا پیغمبرانِ خدا اور یا پھر صرف مسلمان فقراء وصوفیاء کرام کے ہی حصّہ میں آیا ہے۔ ہمارا یہ چیلنج ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ کوئی قوم بھی کائنات کے سربستہ رازوں اور فطرت کی حقیقت کو پالینے کی صلاحیّت نہیں رکھتی اس لئے یہ طے شدہ امر ہے کہ بغیر اسلام کے ذخیرۂ افکار سے استفادہ کئے فلسفہ اور رروحانیّت کو ساتھ لیکر نصوصِ قرآنیہ کا دقیق مطالعہ کئے بغیر کائنات کی تحقیق وتسخیر ممکن نہیں۔ مادیّت پسند طبقہ سے بس یہی توقع کی جاسکتی ہے کہ دیگر دُنیاوی، ملکی اور سماجی کاموں کی طرح تسخیر کائنات کا کام بھی ادھورا چھوڑ کر اپنی عقل کی نارسائی تسلیم کرلے گا۔

مسلمان سائنسدانوں پر ایک طائرانہ نظر :

مسلمانوں کا سائنسی دور ساتویں صدی سے تیرویں صدی تک محیط ہے۔ مسلمانوں نے یونانیوں کے گرانقدر سائنسی سرمائے کو 800ء سے 900ء تک عربی زبان میں منتقل کیا ۔علم وحکمت، فلسفہ وفن، سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں غزالیؒ ۔ رازیؒ ۔فارابیؒ ۔ابن سیناؒ ۔ابن تماماؒ۔ابن طفیلؒ۔ابن رشیدؒ اور ابن خلدونؒ جیسے نامور مسلمان کیمیادان۔حکماء۔اطباء ۔ماہر طبیعات ۔نفسیات دان اور فلاسفر پیدا کئے ۔ان شہرۂ آفاق ہستیوں نے طب اور سائنس کے میدان میں ایسے تجرّبات کئے کہ آج کی سائنس اور طب کی بنیاد انہیں اصولوں پر متعیّن ہے ۔

عالم اسلام کے بطل جلیل نامور سائنسدانوں کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

1۔ نصیرالدّین طوسی ان کے نام سے چاند کے ایک آتش فشاں دھانے کا نام منسوب کیا گیا۔ نصیرالدّین طوسی مشہور فاتح ہلاکو خان کے مشیر تھے۔نصیرالدّین طوسی کا ایجاد کردہ آلہ ٹریکوٹ پندرھویں اور سولہویں صدی میں بہت مقبول ہوا۔انہوں نے بارہ سال کی محنت شاقہ سے خلائی تقویم مرتّب کی جو مشرقی ممالک بالخصوص چین میں بہت مقبول ہوئی ۔نصیرالدین طوسی نے علم فلکیات پر اپنی تحقیقات مراغہ کی رصدگاہ میں کی

2۔ بوعلی سینا نے 760 سے زائد ادویہ ایجاد کیں ۔ان کی کتاب القانون فی الطبّ سترھویں صدی عیسوی تک یورپ کے تمام میڈیکل کالجوں میں پڑھائی جاتی رہی۔

3۔ جابر بن حیان نے وارنش بنانے کا طریقہ ایجاد کیا۔

4۔ ابوالقاسم زہرادی نے سرجری کے بہت سے آلات ایجاد کئے۔

5۔ عمر خیّام جن کا اصل نام غیات الدین ابوالفتح عمر ابن ابراہیم الخیامی تھا۔جنہوں نے ایسی

اشیاء کے اوزان معلوم کرنے کے طریقے دریافت کئے جس میں ہیرے اور پتھر جڑے ہوئے ہوں۔اور پتھروں کو نکالے بغیر ان کا اصل وزن معلوم کرنا مقصود ہو۔

6۔ ماموں الرشید نے بیت الحکماء کا علمی ادارہ قائم کیا۔ان کا سربراہ خین بن اسحاق تھا جو عیسائی تھا آخری عمر میں اسلام قبول کرلیا۔

7۔ مصر کے خلفاء حکیم اور عزیز باامراللہ کے عہد کے سائنسدان ابن یوسف نے پنڈولیم ایجاد کیا جسے اہل مغرب گلیلیو(Galalio) کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔

8۔ البیرونی نے 18 قسم کے پتھروں کا صحیح وزن معلوم کرنے کا پیمانہ دریافت کیا۔البیرونی نے ہی یہ ثابت کیا تھا کہ روشنی کی رفتار آواز کی رفتار سے زیادہ ہے۔مسلمانوں کے عباسی دورِ خلافت میں زمین کی پیائش کی گئی۔ وہ پیائش ابھی تک کچھ فیصد فرق سے قریب ترین پیائش تسلیم کی جاتی ہے اس کے بعد ابوریحان البیرونی نے ہندوستان کے سفر کے دوران موجودہ پاکستان کے علاقہ جہلم کے قریب ایک مقام پر زمین کے محیط کی بابت تحقیق کرنے کی سعی کی تھی۔ایک ہموار میدان، ایک اونچے ٹیلے اور اُفق کے جھکاؤ کے ذریعے ایک مخصوص فاصلے تک زمین کے ایک ڈگری پیائش کرکے اُس نے محیط کی جو پیائش نکالی اُسے درست ترین سمجھا جاتا ہے۔

9۔ابوسعید مسلم سائنسدان نے زمین کے متحرّک ہونے کے اصول پر مبنی آلہ ایجاد کیا۔

10۔ابن نفیس نے ولیم ہاروے سے تین سو سال پہلے ہی دوران خون کے نظام کو دریافت کرلیا تھا۔

11۔احمد کثیر الفرعانی نے مشہور عالم اور نہایت کارآمد آلہ جات اصطرلاب اور دھوپ گھڑی ایجاد کیں۔اصطرلاب چاند سورج اور سیاروں کی حرکت کا مشاہدّہ کرنے کے کام میں لایا

گیا۔

12۔ابن بیطار گھوڑے کے علاج کے ماہر تھے۔انہی ابن بیطار نے ایسے دوصد پودوں کا جائزہ اپنی کتاب" الجامعہ فی الادویہ المفردہ "میں پیش کیا۔

13۔ابوالحسن نامور مسلم سائنسدان نے گلیلیو سے بہت عرصہ پہلے دوربین تیار کرلی تھی۔

14۔محمد بن موسیٰ خوارزمی کی تصانیف نے اہل عرب کو اعشاریہ(Decimel) سے روشناس کرایا۔

15۔عربوں نے سب سے پہلے صابن ایجاد کیا اور عربوں ہی نے سائنس میں تجرباتی اصول کی بنیاد رکھی تھی۔

16۔ابن ماجہ نامور جہازران نے بحری سفر میں قطب نما(Compas) کے استعمال کو فروغ دیا۔

17۔خالد بن یزید مسلمانوں کا پہلا کیمیادان(Chemist) تھا۔

18۔مشہور عباسی خلیفہ ماموں الرشید کے زمانے میں متعدد ماہرین نے موسیٰ خوارزمی کی قیادت میں زمین کا قطر اور حجم معلوم کرنے کے لیے دریائے فرات کے شمال میں سنجر اور پامیہ کے مقام پر پیمائشی تجربات کئے۔

19۔اسلامی دنیا کا پہلا جغرافیہ(Geography) نویس احمد ابی یعقوبی تھے۔

20۔میر فتح اللہ نے پہلی بار بارود ایجاد کیا۔

21۔ابن بیطار اسلامی ماہر نباتات(Botonist) نے تحقیق کے لیے جڑی بوٹیاں جمع کرنے کے لیے بحرۂ روم کا وسیع دورہ کیا تھا

22۔ابن الہیثم کو فاطمی خلیفہ نے دریائے نیل کے سیلاب پر قابو پانے کی تدابیر دریافت کرنے

پر مامور کیا تھا۔اسی نامور سائنسدان نے ہوائی کرّہ کی بلندی 58-1/2 میل ثابت کی۔

اسی سائنسدان کا کارنامہ وہ اصول دریافت کرنا ہے کہ جب روشنی کی شعاعیں باریک سوراخ سے گذر کر کسی پردے پر پڑتی ہیں تو پردہ پر الٹا عکس بنتا ہے اور اسی اصول کی بنیاد پر بعد میں کیمرہ ایجاد ہوا۔

23۔ابن یوسف مصری مشہور ریاضی دان نے لاگ رتھم (Logrithm) کی بنیاد رکھی تھی۔

24۔خلیفہ مامون الرّشید نے بغداد اور دمشق کے گردونواح میں فلکیات کی تحقیقات کے لیے رصد گاہیں بنوائیں تھیں۔

25۔مسلمانوں نے سب سے پہلی رصدگاہ ہسپانیہ کے شہر اشبلیہ میں قائم کی تھی۔

26۔جابر بن حیّان نے پہلی مرتبہ سلفیورک ایسڈ۔نائٹرک ایسڈ اور ہائیڈروکلورک ایسڈ تیار کئے تھے۔

27۔طبیب محمد بن زکریا رازی سب سے پہلے مسلمان سائنس دان ہیں جنہوں نے چیچک اور خسرہ پر تفصیل سے معلومات فراہم کی تھیں

28۔خوارزمی نامور سائنسدان نے عربی ہندسوں میں صفر (Zero) کا اضافہ کیا تھا۔

29۔جابر بن حیّان نے کیمیائی مساوات کے استعمال کو میزان کے نام سے فروغ دیا۔اور اس سائنسدان نے ماء الملوق نام سے موسوم تیزاب ایجاد کیا جس میں سونا حل ہو جاتا ہے۔

30۔ابن الہیثم کی کتاب المناظر روشنی پر پہلی جامع کتاب مانی جاتی ہے تصنیف کی۔اس سائنسدان نے کشید کرنے۔عرق کھینچنے اور سَت یا جوہر نکالنے کے کام کو آسان بنا دیا تھا اس کی ایجاد کو قرنبیق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔مغرب کے سائنسدان قرنبیق کو پیلی کن اس

لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی شکل پیلی کن (Pelican) پرندے سے ملتی تھی۔ اس قرنبیق کے دونوں حصّے چکنی مٹی سے بنائے گئے۔ اس قرنبیق آلے سے جابر بن حیّان نے تین معدنی تیزاب ایجاد کئے۔

31۔ ابن اسحاق الکندی نے 265 کتب تصنیف کیں۔

32۔ ابن الہیثم کے دریافت کردہ روشنی کے انعطاف اور انعکاس کے اصول آج تک نافذ ہیں

۔

33۔ ابن زکریا رازی کا آج کل میزان طبعی کا آلہ ہائیڈروسٹیٹک بیلنس کہلاتا ہے۔

جس طرح باقی علوم چین، یونان، مصر اور ہندوستان کے بعد مسلمانوں نے سنبھالے لیکن یورپ نے ان بنیادی معلومات اور ابتدائی تحقیقات کو لے کر انھیں بامِ عروج تک پہنچادیا۔ جیولوجی اور جیوگرافی میں بھی ان ابتدائی معلومات کو لے کر یورپ نے علم وفن کو اس درجہ تک پہنچادیا کہ آج ہمارے پاس زمین (کرہ ارض) کے ایک ایک انچ کی پیائش حتیٰ کہ نظامِ شمسی کے سیاروں اور ان کے چاندوں کی پیائش بھی موجود ہے۔

☆☆☆☆☆

اس وقت ہمہ قسم کے عقلی علوم و عملی فنون سے متعلق بے شمار کتب بھری پڑی ہیں اور مختلف ذخائرِ افکار کے پلندوں سے لائبریریاں اٹی پڑی ہیں لیکن اب بھی بہت سے ایسے پہلو باقی رہ گئے ہیں۔ جن پر تحقیق و ریسرچ بہت پہلے ہونی چاہیے تھی مثلاً ایک پہلو خود انسان کی اپنی ذات جسم ہے۔

کائنات کی تمام اشیاء کیوں، کس طرح اور کس نظریے کے تحت معرض وجود میں لائی گئیں؟ ان کی موجودہ شکل کے علاوہ دوسری صورت کیوں مناسب نہیں؟ یہ مچھر، مکھی، سانپ، کیڑے مکوڑے، درندے، چرند و پرند اور مختلف اقسام کے جانوروں وغیرہ کی پیدائش حتیٰ کہ خود حضرت انسان کو ایسی مخصوص ساخت و شکل و شباہت میں پیدا کرنا آخر کیوں مقصود تھا؟ اس موضوع پر تحقیق کے اعداد و شمار (Data) و مواد عنقا ہے۔ اتنا اہم موضوع نہ معلوم کیوں اہل مغرب سے سہو نظر ہوا اور تحقیق نہ کی گئی کہ آخر انسان کی اپنی حقیقت کیا ہے؟ اس کا فلاں عضو موجودہ شکل میں ہے ایسا کیوں بنایا گیا اور آخر اُسے فلاں جگہ ہی لگانا کیوں بہتر تھا؟ کاش وہ ریت پسند اگر صرف اپنی ہی ذات کی ساخت پر غور کر لیتے تو خدائے تعالیٰ کی شان، عظمت اور اس کی وحدانیّت اور کارسازی کے قائل ہو جاتے اور ان کے دلوں میں اُس کے حقیقی ربّ العالمین ہونے کا ذرا شک و شبہ باقی نہ رہ جاتا۔ سرجری، ایٹمی شعاع اور فارمیسی وغیرہ نے انسان کو بے انتہا فائدہ پہنچایا ہے اور تشریح Anatomy علم الابدان اور علم الامراض وغیرہ پر بے حساب تحقیق کی گئی لیکن جہاں ماہرین نے Anatomy کی متعدد قسمیں بیان کیں وہاں اس خاص قسم تشریح (Anatomy) کو جداگانہ علم کی صورت میں پیش نہ کیا اس لئے کہ اس تشریح میں اعضاء جسم کی مخصوص ساخت، شکل و شباہت سے بحث و استدلال کیا جانا چاہیے تھا مثلاً سر ایک کیوں پیدا کیا یا سر گول کیوں

ہے؟ آنکھیں بادام کی مانند سر میں کیوں پیدا کی گئیں؟ گھٹنے کا جوڑ پیچھے کیوں مڑتا ہے؟ بال بے جان کیوں بنائے گئے وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا اگر اس تشریح کو مدنظر رکھا جائے اور تحقیق کی جائے تو نہ صرف ایک ضروری علم کی ابتداء ہوسکتی ہے بلکہ اس کے توسط سے اُن انسانی اعضاء کے خالق اور پروردگارِ عالم کی معرفت اور خود اپنی حقیقت سے آگاہی حاصل ہوجائے گی۔ چونکہ اس قسم کے علم کے لئے استدلال کی ضرورت ہے اور ہوسکتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد مغربی مفکّرین اس پر سوچ و بچار کریں اس لئے قبل از وقت یہی بہتر ہوگا کہ اس علم پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے کیونکہ اس میدان میں بھی علمی تحقیق مسلم مفکّرین سے پوشیدہ نہ تھی۔ پہلی صدی ہجری میں دور اسلامیہ کی ایک پاک ہستی حضرت امام ابوعبداللہ جعفر بن محمد الصادق علیہ رحمۃ کی تعلیمات سے بھی واضح طور پر اس قسم کی علمی بحث پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ اس علم الابدان کے ذریعہ خداوند عالم کے وجود کو ثابت فرماتے اور اس قدرت کاملہ کی عظمت اور شان کا ثبوت فراہم کرتے تھے۔

امام جعفر صادق علیہ رحمۃ علم وحکمت ودانائی کے بحر بے کراں تھے اور آپ کے چشمہ علم سے مسلم وغیر مسلم سب ہی سیراب ہوتے تھے۔ ویسے بھی باب العلم حضرت علیؑ کی اولاد یعنی خاندان رسالت ﷺ کے چشم وچراغ تھے۔ یہاں آپ کے ارشاداتِ تشریح پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دور جدید کے محققین، ڈاکٹروں اور مفکّرین تک یہ پہنچ سکے اور اسلامی ذخیرۂ افکار کی افادیت کا انہیں بھی کچھ اندازہ ہوسکے۔ پہلی صدی میں امام جعفر صادقؒ نے منصور دوانیقی کی مجلس میں ایک کامل ہندی طبیب سے انسانی اعضاء کی ساخت پر اٹھارہ سوالات کئے تھے اور وہ فاضل مردِ طبیب ان میں سے ایک کا جواب نہ دے سکا بالآخر آپ نے ایسے تشریحی جوابات دیئے کہ طبیب ایمان لاکر حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ آپ نے اُن تشریحی سوالات کے درج ذیل

جواب ارشاد فرمائے تھے۔

1۔ اوّل یہ کہ سر میں دروز (Satures) اس لئے ہوتے ہیں کہ وہ جوف دار ہوتا ہے اور ہڈیوں کی ان دروز کا فائدہ یہ ہے کہ اگر ایک ہڈی کو آفت پہنچے تو سر کی تمام ہڈیوں میں سرایت نہ کرے۔

2۔ سر کے اُوپر بال اس لئے بنائے گئے کہ اُن کے توسط سے دماغ کو روغنیات پہنچ سکیں اور ان کے آزاد سروں سے بخارات خارج ہوں اور حرارت و برودت رفع ہو۔

3۔ پیشانی بالوں سے خالی اس لئے ہے کہ اس کی طرف سے آنکھوں کی جانب روشنی پہنچتی ہے

4۔ پیشانی پر خطوط اور چنٹیں اس لئے ہوتی ہیں کہ سر سے آنکھوں کی طرف آنے والا پسینہ ان میں رُک جائے اور اُن کے ذریعہ جانبین کی طرف بہہ نکلے۔

5۔ بھویں آنکھوں کے اُوپر اس لئے ہوتی ہیں کہ روشنی کی مناسب مقدار آنکھوں تک پہنچ سکے (اکثر تیز روشنی میں آدمی ہاتھ اپنی آنکھوں کے اُوپر رکھتا ہے)۔

6۔ آنکھیں بادام کی مانند اس لئے بنائی گئیں ہیں کہ دوا کی سلائی آنکھ میں بآسانی پھیری جاسکے اور مرض رفع ہو سکے۔

7۔ دونوں آنکھوں کے درمیان ناک اس لئے پیدا کی گئی کہ روشنی دو حصوں میں منقسم ہو کر دونوں آنکھوں کو برابر پہنچے۔

8۔ ناک کا سوراخ نیچے کی جانب اس لئے رکھا گیا تا کہ اس کے ذریعہ دماغ سے فاسد مادے نیچے اُتر کر خارج ہوں اور خوشبو مرکز شامہ کی طرف چڑھے (اگر سوراخ اُوپر ہوتا تو نہ مادے خارج ہوتے اور نہ بو محسوس ہوتی)

9۔ مونچھیں اور لب منہ کے اُوپر اس لئے بنائے گئے کہ دماغ سے نازل ہونے والے مواد منہ میں نہ پہنچیں یا کھانے پینے میں حائل نہ ہوں۔

10۔ مردوں کی داڑھی مرد اور عورت میں تمیز کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

11۔ نکیلے دانت چیزوں کو کاٹنے کے لئے ڈاڑھیں غذا پیسنے اور چبانے کے لئے ہیں۔

12۔ دونوں ہتھیلیاں بالوں سے خالی اس لئے کہ ان کے ذریعہ اشیاء کا مس مقصود ہے۔ بال ہونے پر کوئی چیز چھو کر محسوس نہ کر سکتا۔

13۔ بال اور ناخن اس لئے بے جان کہ طوالت بری اور تکلیف دہ ہوتی ہے اس لئے کہ کاٹے جا سکیں تو تکلیف نہ ہو۔

14۔ قلب صنوبر کے دانے کی طرح اس لئے کہ وہ اوندھا (فنعکس) ہے اور راس دقیق اس لئے کہ وہ پھیپھڑوں میں سما سکے اور ان کی ٹھنڈک کی ترویح حاصل کر سکے ورنہ اس کی گرمی دماغ کو اذیت پہنچاتی۔

15۔ پھیپھڑے دو اس لئے کہ قلب دونوں کے مابین داخل ہے اور ان کی حرکت و تنفس سے ترویح حاصل کرتا ہے۔

16۔ جگر محدّب اس لئے ہوتا ہے کہ معدہ پر بوجھ ڈالے اور اس کو گھیر کر نچوڑے تا کہ اس سے بخارات خارج ہوں

17۔ گھٹنے کا جوڑ پیچھے کی طرف اس لئے مڑتا ہے کہ انسان اپنے سامنے کی طرف چلنے پر قادر ہو

۔

18۔ تلوے نیچے سے خالی اس لئے ہوتے ہیں کہ زمین پر چلنا آسان ہو چپٹے ہوتے تو سارے بدن کا بوجھ پڑتا

(حوالہ طب الامام الصادق علیہ رحمۃ بقلم محمد خلیلی مصبوعہ نجف ۱۳۷۴ء ____ (۲)
کتاب الخصال ابن بابویہ القلمی مجلد ثانی صفحات ۹۷۔۱۴۹ پران)

اس کے علاوہ ایک نصرانی کے جواب میں جسم انسانی کی تشریح کا خاکہ یوں بیان فرمایا حالانکہ اس وقت سرجری، مُردے کی چیڑ پھاڑ، ایکسرے وغیرہ کا وجود نہ تھا اور نہ ہی تحقیقی مواداس موضوع پر مستند پیش کیا جاسکتا تھا۔ اس وقت آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بارہ وصل (وصل سے مراد بارہ اعضاء جو باہم ملتے ہیں مثلاً سر، گردن، بازو کا جوڑ، ران کا جوڑ وغیرہ) ۲۴۸ ہڈیوں اور ۳۶۰ رگوں پر تخلیق فرمایا۔ یعنی دونوں ہاتھوں میں ۸۲ ہڈیاں (ایک ہتھیلی میں ۳۵ ہڈیاں، کلائی میں دو، بازو میں ایک، مونڈھے میں تین (کُل مجموعہ ایک ہاتھ ۴۱ ہڈیاں) پاؤں میں ۴۳ ہڈیاں۔ صلب (ریڑھ) ۱۸ مہرے۔ اور ہر پہلو پر ۹ پسلیاں۔ گردن میں ۸ اور سر میں ۳۲ ہڈیاں ہوتی ہیں (حوالہ طب الامام الصادق علیہ رحمۃ بقلم محمود الخلیلی ومناقب ابن شہر آشوب و بحار الانوار جلد ۱۴۔ صفحہ ۴۸۰)

اس طرح مسلمان بھی علم الابدان تشریح (Anatomy) اور جڑی بوٹیوں سے ادویات تیار کرنے یعنی فارمیسی میں بھی ماہر و یکتائے روزگار تھے۔ حتیٰ کہ کیمیا سے سونا تک بنانے کی اہلیت رکھتے تھے موجودہ ترقی یافتہ سائنسی دور سے پندرہ سو سال قبل تاریک دور میں اسلام کے ذخیرہ افکار نے ہمہ قسم کے علوم وفنون کے جواہر ریزے بکھیرے جن کی خوشہ چینی کر کے اقوامِ مغرب نے موجودہ دور میں ضیا پاشی کی ہے۔ قرآن پاک نے زریں اصول پیش کئے تو مسلمان اُس وقت کچھ نہ سمجھ سکا آج جب حقیقت پر سے پردہ اُٹھا تو قرآن کی صداقت سامنے آجاتی ہے۔ مثال کے طور پر سب سے پہلے صدیوں قبل قرآن نے بتایا کہ سیارے اور چاند ستارے کشش سے جکڑے ہوئے حرکت کرتے ہیں۔ کہ کائنات کی تخلیق پانی سے ہوئی

___ اور یہ کہ پودوں میں بھی مخالف جنس (نر و مادہ) ہوتے ہیں وغیرہ ___ اسی لئے آج جب مغربی محققین سائنسدان اور ماہرین اپنی جدید تحقیق کو صدیوں قبل کی الہامی کتب میں اس کا حوالہ پاتے ہیں تو گنگ رہ جاتے ہیں۔

﴿ اسلامی نظریۂ حکومت وسیاست ﴾

" جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی " (علامہ اقبالؒ)

اسلام کی مثال ایک عمارت ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے۔ ارشاد گرامی نبی اکرم ﷺ:

"جس عمارت کی کوئی بنیاد نہ ہو وہ عمارت گر جاتی ہے اور جس کا کوئی نگہبان نہ ہو وہ لُوٹ لیا جاتا ہے"

اسلام محض ایک مذہب یا چند عقائد و رسومات کا نام نہیں بلکہ ایک مکمّل ضابطۂ حیات ہے یہ ان اصول وضوابط پر مشتمل ہے جو انسان کی ہر پہلو سے کشمکش حیات میں رہنمائی کرتا ہے۔ ایسا نظامِ حیات کوئی مذہب نظریہ یا اِزم پیش کرنے سے قاصر ہے صرف اسلام ہی تمام قسم کے مسائل خواہ وہ سیاسی نوعیت کے ہوں یا معاشی و معاشرتی کے لئے راہنما اصول پیش کرتا ہے جن کی روشنی میں ہم ان کا حل تلاش کرتے ہیں۔ یہ زرّیں اصول ہمیں کلامِ حکیم سے حاصل ہوتے ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونے کا خلاصہ ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیّبہ یا صحابہؓ کے کردار اور خلفائے راشدین کے دور حکومت سے ملتا ہے۔

سیاسی نظریّہ :

اسلام جہاں انسانی ترقّی کے بنیادی اصولوں کے ساتھ ہمہ گیر نظریّہ پیش کرتا ہے۔ وہاں انسان کے سیاسی پہلو پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ اسلام انسانی جدّ وجہد کے سیاسی وغیر سیاسی

مسائل میں تفریق نہیں کرتا۔

اسلامی حکومت میں سیاست کی بنیاد قرآن کے ان بنیادی اصولوں پر استوار ہوتی ہے جو انسانی زندگی کے ہر لائحہ عمل میں کارآمد اور قابلِ عمل ہوتے ہیں۔ اس لئے آج بھی اسلامی نظریہ کو انسانی مسائل حل کرنے میں جو کامیابی حاصل ہو سکتی ہے وہ کسی بھی مغربی سیاسی نظریے سے ممکن نہیں۔ ہمارا یہ ایمان اور اعتقاد ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کردہ سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی اصول ہی اسلامی سیاست کے بنیادی مدار ہیں انہیں اصولوں پر اسلامی حکومت کی بنیاد کھڑی کی جاتی ہے جن کا مختصر خاکہ زیرِ نظر ہے۔

اسلامی تصورِ ریاست وسیاست :

ریاست کرّہ ارض کا ایک بین الاقوامی سرحدوں میں محدود خطہ یا ملک ہے اس کا وجود سیاسی تصوّر کے بغیر مکمّل نہیں۔ اسلامی ریاست کے خدّ وخال اور بنیادی اصولوں کے اشتراک عمل سے رائے عامہ اور قومی ذہن تشکیل پاتا ہے۔ یہی عوامل انفرادی اور اجتماعی حقوق کے ضامن ہوتے ہیں نہ کہ فوج یا مارشل لاء وغیرہ۔ مگر جو بات ہمیں اکثر پریشان کرتی ہے وہ تصوّر ریاست اور تصوّرِ سیاست میں ہم آہنگی کا فقدان ہے۔ دور حاضر میں اکثر مفکّرین سیاست سے مراد محض نظم ونسق۔ حکومت کو چلانا اور افراد معاشرہ کو نظم وضبط میں رکھنا لیتے ہیں جبکہ امام غزالیؒ کے ہاں سیاست کا مفہوم مخلوق کی اصلاح اور وسائل زندگی اور افرادِ معاشرہ کے درمیان تعاون پیدا کرنا ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک سیاست خدا کی نیابت کے تحت اس کے بندوں پر اس کے احکام نافذ کرنے کا نام ہے۔ علامہ اقبالؒ جمہوریّت کو اسلام کے سیاسی نصب العین کا اہم ترین پہلو گردانتے ہیں مگر مغربی طرز جمہوریّت سے بیزار ہیں جہاں عوام کی عددی واضح اکثریت کے بجائے اقلیتی ووٹوں کی اکثریّت سے حکمرانی خارج از امکان نہیں جس سے

جمہوری روح پامال ہوتی ہے۔ چونکہ فرد کا انفرادی مزاج اور ریاست کا اجتماعی مزاج ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اس لیے موجودہ دور میں دونوں کی تربیّت کی ضرورت اظہر من الشّمس ہے کیونکہ انسان کا ارتقائی سفر ابھی جاری ہے اور اسے نیابت الٰہی کے مقام پر پہنچنے کے لیے طویل سفر طے کرنا ہے

اقتدار اعلیٰ (Sovereignty) :

اسلام میں قانون سازی انفرادی یا اجتماعی طور پر کسی مذہبی فرقے یا عوام کو حاصل نہیں اور انہیں ایسے غیر شرعی قوانین اُمتِ مسلمہ پر نافذ کرنے کا حق بھی حاصل نہ ہے۔ بلکہ قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ ہے۔ ان قوانین کا نزول وحی و احکامات الٰہیہ کی صورت میں پیغمبروں کے توسّط سے ملّت کے لئے ہوتا ہے جس میں افراد کو اضافہ یا تحریف کی اجازت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اسلامی قانوں کی رُو سے امیر و غریب حکمران یا فرد سب برابر متصوّر ہوتے ہیں۔ پس اسلامی ریاست کی اساس ان بنیادی اصولوں پر استوار ہوتی ہے جن میں اوّلاً اقتدار اعلیٰ Sovereignty اللہ تعالیٰ یا شریعت کو حاصل ہے۔

اِنِّ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ط ذالِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (سورۃ یوسف ۴۰)

"حکم فقط اللہ ہی کے لئے ہے جس نے حکم دیا ہے کہ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی دینِ قیّم ہے"۔

اِلٰـــہ کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ ذات جس کو کُل اتھارٹی حاصل ہے کیونکہ وُہی مالک الملک ہے اور اس کی تمام کائناتِ ارض و سماء کی حکومت و انتظامیہ میں کوئی شریک نہیں اس اتھارٹی کو خدائے تعالیٰ بجائے خود ملّت میں جاری و ساری (execute) کرنے کے لئے

شریعت کو اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت سے متعین کرتا ہے اور یہ شریعت (Divine guiding principles) ہی وہ ضابطہ ہے جسے ملّت کا ہر فرد من وعن قبول کرتا ہے۔ اسلامی ریاست میں ملّت، فرد اور حکومت علیٰحدہ وجداگانہ حیثیت کی حامل نہیں بلکہ یہ مکمل طور پر ایک ہی جسم کے مختلف اعضاء ہیں۔ اس طرح اسلام موجودہ طرز کی جمہوریّت سے ہٹ کر ایک اچھوتا تخیّل اقتدار اور نظریہ سیاست پیش کرتا ہے جس میں مذہب کو ریاست سے اور اخلاق کو سیاست سے علیٰحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ تمام افراد ملّتِ اسلامی مملکت میں صرف اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار رعیّت ہیں۔ جن کو چار اقسام (Catagories) میں تقسیم کیا گیا ہے۔ وہ مسلمین، مومنین، صالحین اور متقین ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں کسی فرد کا تقویٰ ہی اُس کو اسلامی ریاست میں ایک اعلیٰ مقام عطا کرتا ہے۔ اس لئے اس نیم مذہبی جمہوریّت (Divine democracy) میں اللہ تعالیٰ جس کو چاہے حکمرانی دے اور جس سے کوئی عہدہ چاہے چھین لے کیونکہ اُس کے اقتدارِ اعلیٰ میں کوئی بھی شریک نہیں۔

گو علم وتقویٰ مسلم معاشرہ میں ایک فرد کو قومی ذمہّ داری سونپے جانے کا اہل قرار دیتا ہے۔ لیکن دولت یا علم وحکمت کے مقابلہ میں تن وتوش۔ بہادری اور قرب الٰہی بھی اقتدار کے لیے بنیاد بنا جس کی مثال کلام حکیم میں سورۃ بقرہ (۲: ۲۴۶ تا ۲۴۷) اس طرح ملتی ہے۔

ترجمہ : "موسیٰؑ کے بعد اسرائیلیوں نے اپنے ایک پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرّر کردیجئے کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال کریں..... ان لوگوں سے پیغمبر نے کہا کہ اللہ نے تم پر طالوت بادشاہ مقرّر کیا ہے..... جنہیں اسرائیلیوں کے مقابلہ میں منتخب فرمایا جو علم اور وجاہت میں افضل ہے..... اللہ جسے چاہے اپنا ملک عطا کرے"۔

اسلامی مملکتوں کے سربراہان کے لئے قابل تقلید اندازِ حکمرانی:

دین اسلام کی رو سے حکمرانی کی منصب کا اہل وہ شخص ہے جو اپنی اہلیّت ، قابلیّت ، صداقت، اسلامی تعلیمات سے آگہی اور خداخوفی کی اعتبار سے لوگوں میں ممتاز اور بہتر ہو۔ ایک مسلمان حکمران کی یہ بھی ذمّہ داری ہے کہ وہ عمّال (یعنی حکومت کے عہدیدار) مقرر کرتے وقت ایسے اشخاص کو منصب پر مامور کرے، جو لوگوں میں سب سے زیادہ موزوں اور اہلیّت کا حامل ہو۔ اگر وہ ایسے شخص کو کسی منصب پر فائز کرتا ہے جس سے بہتر شخص رعایا میں موجود ہے تو اسلام ایسے حکمران کو قابلِ باز پرس قرار دیتا ہے۔

حضرت عوف بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکمرانوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:-

"تمہیں بتاؤں کہ حکمرانی کیا ہے"؟

لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایئے، تو رسالتمآب ﷺ نے فرمایا:

"حکومت کا پہلا درجہ ملامت ہے۔ دوسرا درجہ باعث ندامت اور تیسرا درجہ عذابِ آخرت

ہے بشرطیکہ عدل سے کام نہ لیا گیا ہو" (طبرانی، بروایت بنراز)

ایک دیگر جگہ فرمایا:

"عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ حاکم بننے کے حریص ہوں گے، لیکن قیامت

کے روز پچھتائینگے" (بخاری)۔

" وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ" (۲۴: ۵۵)

" اللہ تعالیٰ نے تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اُن کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور اپنا خلیفہ بنائے گا۔ جس طرح کہ اُس نے تم سے پہلے لوگوں کو اپنا نائب بنایا تھا"

اسلامی مملکت کا صدر، امیر یا اللہ تعالیٰ کا خلیفہ (Vice-gerent) صرف ایک متقّی مسلمان ہی ہوسکتا ہے۔

شفیق بلخی نامور اہل نظر بزرگ حج پر تشریف لے گئے خلیفہ ہارون الرّشید کو اطلاع ملی تو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اپنے لئے پند و نصائح اور رشد و ہدایت کی فرمائش کی تو انہوں نے اس طرح ارشاد فرمایا:-

"اے خلیفۃ المسلمین! ہوشیار ہو کر حکومت کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی جگہ پر متمکّن فرمایا ہے اس لئے خداوند کریم کو تم سے صدق و سچائی کا طرز عمل مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مقام پر تعیّنات فرمایا ہے اس لئے رب ذوالجلال تم سے حق و باطل میں فرق کرنے ہی کی توقع رکھے گا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مقام پر فائز فرمایا ہے اس لئے باری تعالیٰ کو تم سے حیا و کرم کا متوقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہٗ کے منصب پر سرفراز فرمایا ہے اس لئے ذوالجلال ولاکرام تم سے عدل و انصاف ہی کا طالب ہے"

خلیفہ ہارون الرّشید نے بڑی عقیدّت کے ساتھ کہ یہ نصیحتیں سماعت فرمائیں اور عرض کیا کہ کچھ مزید نصیحت فرمایئے جس پر حضرت شفیق بلخی نے فرمایا کہ۔

"اللہ تعالیٰ نے ایک مقام بنایا ہے جس کا نام دوزخ ہے تمہیں اس کا دربان بنایا ہے اور تمہیں تین چیزیں عطاء فرمائی ہیں۔ا۔مال وزر ۲۔ تازیانہ ۳۔ تلوار اور تمہیں حکم دیا ہے کہ ان تینوں چیزوں کے ذریعہ لوگوں کو دوزخ میں داخل نہ ہونے دو یعنی (ا)۔ تمہارے پاس جو حاجت مند آئے اس کی مال و زر سے مدد کرو۔ (ب)۔جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی کرے تازیانہ سے اس کی تادیب کرو۔ (ج)۔جو شخص اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود توڑے اسے تلوار سے سیدھا کردو۔اگر تم ان باتوں پر عمل نہیں کروگے تو یاد رکھو اہل دوزخ کے پیشوا تم خود ہی ہوگے"

انتظامیہ (Executive) :

اس طرز حکومت میں ایک انتظامیہ(Executive) یعنی اسلامی نظام کو چلانے یا صدر مملکت کو مشورہ دینے کے لئے ایک کابینہ ہوتی ہے جو کہ مسلمانوں کی عام مرضی یا کثرتِ رائے اور یا پھر خلیفہ کی منشاء کے مطابق معرض وجود میں آتی ہے انتظامیہ کے ممبران کو صدرِ مملکت امیر یا خلیفہ نامزد کرسکتا ہے اور اُسے انہیں برطرف کرنے کا حق بھی حاصل ہے۔اور اس طرح یہ مجلسِ شوریٰ خلیفہ کو ملکی معاملات کا حل تجویز کرتی ہے اور عوامی رائے عامہ انصاف یا معاشرتی امور آپس کے باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (۴۲:۳۸)

" اور اُن کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں"

صدر اپنی کابینہ کے لئے کابینہ کے افراد ملّت کے صالحین میں سے منتخب کرتا ہے جو اعلیٰ قابلیّت کے حامل منصف وعادل ہونے کے علاوہ نگاہِ بصیرت رکھتے ہوں۔اُن کا وسیع

معلومات کے علاوہ دیگر علوم وقرآن وسنّت میں وسیع و گہرا مطالعہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے ذمہِ انتظامیہ کے بنائے ہوئے اصولوں کو جاری وساری اور شریعت کے اصولوں کی نگہبانی کرنا ہوتی ہے۔

صدرِ مملکت وزراء یا مشاورتی کونسل کے افراد کو مندرجہ ذیل خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے۔

1۔ وہ امین (Trust worthy) ہونا چاہیے۔

2۔ متقی اور اللہ کا خوف رکھنے والا ہونا چاہیے۔

3۔ ایسا لیڈر ہو جسے عوام چاہتے ہوں اور وہ بھی ملّت سے محبّت رکھتا ہو اور وہ ایک دوسرے کے لئے دُعا کرتے ہوں۔

4۔ جو ایسے عہدے کی خواہش و لالچ نہ رکھتا ہو لیکن اگر کوئی فرد کسی ایک کام میں ماہر اور یا کسی عہدے کے لئے موزوں ترین ہو تو وہ خود کو پیش کر سکتا ہے۔ جیسا کہ یوسف علیہ السّلام نے عزیزِ مصر کو خزانے وخوراک کی نگہبانی و تقسیم کے منصب پر تقرّری کے لئے اپنی خدمات پیش کیں جو کہ منظور کر لی گئیں۔

5۔ اس عہدے کے لئے عورت کی خدمات نہ لی جائیں تو بہتر ہے کیونکہ بخاری شریف میں مذکور ہے لَنْ یُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَوْاَمَرَھُمْ اِمْرَأَۃً۔ کہ جس قوم نے اپنے مملکتی امور عورت کے سپرد کئے وہ کبھی پنپ نہیں سکتی۔ اس سے سیاست یا انتظامیہ میں عورت کا حصّہ نہ لینا بہتر ہے لیکن ان کو مستقلاً نا اہل یا Debar or Disqualify نہیں کیا گیا اس کی غیر معمولی صلاحیتوں سے کسی بھی شعبہ میں خدمات لی جا سکتی ہیں۔

6۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہ صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ بُرائی سے روکتے اور

بھلائی کی دعوت دیتے ہیں۔ یَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (الِ عمران ۱۰۴)

7۔ پس اگر کوئی تنازعہ پیدا ہو تو یہ لوگ اللہ کی کتاب اور سنّتِ رسول ﷺ کی طرف رجوع کریں کیونکہ اس طرح فیصلہ کرنا ہی صحیح اقدام ہے اور جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اُس کے مطابق اگر فیصلہ نہیں کرتے تو وہ ظالم منکرین اور فاسقین ہیں۔

8۔ پھر حکم دیا گیا کہ اگر کوئی بدصورت غلام بھی کسی عہدے پر مقرّر ہو جو کہ معاملات قرآن اور سنّت کی روشنی میں فیصل کرے تو اس کی اتّباع و تعمیل لازمی قرار دی گئی اور اگر کوئی عہدیدار شریعت کے بتائے ہوئے راستے پر نہ چلے تو اس کی اتّباع لازمی نہیں بلکہ برطرف کرنے کا حق حاصل ہے۔

عہدِ نبوی میں عمّالِ حکومت:

حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اطہر میں عمّالِ حکومت کو ضروریات زندگی کی کفالت کے لیے معقول اور مناسب تنخواہ دی جاتی تھی جس سے اس عامل، اس کے اہل و عیال مکان اور ایک خادم کے اخراجات بخوبی پورے ہو سکتے تھے۔ ایک طریقہ تو یہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ بنفس نفیس اپنے دستِ مبارک سے تنخواہ عطا فرمایا کرتے تھے۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ عاملین حکومت اپنی ضروریات کی کفالت بھر رقم خود لے لیں اور اس کا حساب بارگاہ نبوی ﷺ میں پیش کر دیں۔ آپ ﷺ جائز ضروریات کے لیے اخراجات کی توثیق و تصدیق فرما دیتے تھے اور زائد اخراجات یا اصرافِ بے جا کو تسلیم کرنے سے انکار فرما دیتے تھے (حوالہ بخاری شریف: ارزاق العمال۔ مصنف عبدالرزاق واقدی ص۔۲۔۱۹۴۱۔ابن سعد۔طبقات پنجم ص۔۹۔۵۲۴)

ملازمین کی تقرّری کی اہلیّت وصلاحیّت:

ایک اسلامی مملکت میں ملازمین تقرر کرتے وقت سب سے پہلی شرط اسلام پر پختہ عقیدہ رکھنا ہے۔ اس کے بغیر کسی تقرری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے بعد دوسری اہم ترین شرط صلاحیت و لیاقت ہے۔ شہری نظم و نسق کے سلسلہ میں انتظامی لیاقت سیاسی تدبر، دنیاوی سوجھ بوجھ۔ معاملہ فہمی اور حالات و مواقع کی واقفیت وغیرہ کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ رب العزت نے دیانت و امانت اور اخلاق و کردار کی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ صحت مندی اور قوی ہونے کو بھی لازمی قرار دیا ہے۔ جس شخص کو ملازم رکھا جائے اس کے متعلق اس بات کا بھی جائزہ لیا جائے کہ وہ صحت مند۔ تندرست و توانا اور طاقتور بھی ہو۔ ذہنی یا جسمانی معذور اشخاص عمالِ حکومت کے طور پر نااہل ہیں۔

عمالِ کے وصول ٹیکس کے سلسلہ میں فرائض:

عہد نبوی ﷺ میں ٹیکس وصولی کے لیے جن لوگوں کو مقرر کیا جاتا تھا ان کو دو پروانے دئے جاتے تھے۔ ایک میں افسران کے فرائض منصبی کا ذکر ہوتا تھا اور دوسرے میں لوگوں کے حقوق و فرائض کی وضاحت کی جاتی تھی۔ عمال حکومت کو ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کریں ان پر تنگی نہ کریں۔ ان سے خوش اخلاقی سے ملیں۔ ان پر ظلم و ستم کرنے سے گریز کریں۔ لوگوں کا بہترین مال ٹیکس میں وصول نہ کریں بلکہ اوسط درجہ کے مال پر اکتفا کریں۔ واجب شرح سے زیادہ واجبات وصول نہ کریں اس سلسلہ میں معاندانہ طریقے بروئے کار نہ لائیں۔ ٹیکن کی وصولی کے لیے خود لوگوں کے پاس جایا کریں ان کو اپنے دفتروں میں آنے کی زحمت نہ دیا کریں (نسائی صفحہ ۳۹۰۔ ابن اسحاق ص ۶۴۴۔ واقدی ص ۹۷۲۔ ابن سعد اوّل ص ۲۷۰ دوم ص ۱۶۰)

ادارہ مقنّنہ (Legislature)

اسلامی حکومت میں چونکہ قانون سازی یا دستور کے اصل ماخذ قرآن اور سنت ہی ہیں اس لئے مسائل کو نصوص قرانیہ کی مدد سے ہی حل کیا جاتا ہے۔لیکن نئے حالات اور بدلتے ہوئے تقاضوں کے پیش نظر اور اسلامی قانون کی بہتری، وُسعت اور ترویج دینے کے لئے علم فقہ (Islamic jurisprudence or science of law) کی ابتدا ہوئی۔ جو کہ اسلامی مملکت کے امور میں راہنمائی (Guidance) اور اُس کا خلاصہ پیش کرتا ہے

موجودہ دور میں خدا کی حاکمیت وشریعت کی برتری کے ساتھ ایک عوامی نمائندہ ادارۂ قانون ساز(Legislature) کا قیام نہایت ضروری ہے گو دورِ خلافت میں انتظامیہ، قانون سازی اور عدلیہ تینوں شعبے امیر یا خلیفہ میں مرکوز تھے لیکن ریاستی امور انتظامیہ اور قانونی امور میں مشورہ دینے کے لئے اس قسم کے ادارہ کا وجود ملتا ہے۔جنہیں "اَھلُ الحَلِّ وَالعَقدِ" کہا جاتا ہے۔خلیفہ ان ارباب حل وعقد سے مشورہ کرتے تھے۔اس دور میں قانونی ماہرین، مجتہدین وعوامی نمائندگان جو قانون ساز اسمبلی کے اہل ہوں منتخب کر کے یہ ادارہ وجود میں لایا جاسکتا ہے جس کا کام قانون سازی اور قومی مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں تلاش کرنا ہوگا اور اگر نئے مسائل پیدا ہوں جن کا حل قرآن وسنت میں نہ ملے تو پھر اجماع، قیاس استحان یا اجتہاد سے تلاش کرنا ممکن ہوگا تا کہ نئے حالات و نئے تقاضوں کی روشنی میں ترقی کے میدان میں کسی سے پیچھے نہ رہیں۔

عدلیہ (Judiciary) :

قانون ساز ادارے کے بنائے ہوئے قوانین کا نفاذ عدلیہ کے توسّط سے ہوتا ہے۔ دورِ خلفائے راشدین میں انتظامیہ اور عدلیہ دونوں ادارے خلیفہ ہی میں مرکوز تھے کیونکہ عوام کو خلیفہ پر کلیتہً اعتماد ہوتا تھا۔اس لئے یہی آخری عدالتِ نظر ثانی Court of last

(resort) متصوّر رہوئی۔ گو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں انتظامیہ اور عدلیہ کو علیٰحدہ علیٰحدہ اپنے حلقہ اثر میں کام کرنے کا اختیار دیدیا گیا تھا اس لئے موجودہ دَور میں بھی چونکہ ہمارے پاس اس معیار کے خلفاء جو کہ صدرِ مملکت اور چیف جسٹس کے عہدوں کی ذمّہ داریاں سنبھال سکیں کا ہونا مشکل ہے۔ اس لئے یہ دونوں شعبے اپنی کارکردگی میں خود مختار (Independent) ہوں گے اسلام میں نظامِ عدل کو "قضاء" کہا جاتا ہے۔ سورۂ المائدہ میں بالخصوص نہایت تفصیل سے نظامِ عدل میں قاضی کے فرائض بیان ہوئے۔ مندرجہ ذیل آیات بالخصوص قابل ذکر ہیں۔

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ط (۵:۴۸)

"آپ اُن کے درمیان اُس حق کی روشنی میں فیصلہ کریں جو اللہ نے آپؐ پر نازل فرمایا ہے اور اُس حق کے مقابلہ میں اُن کی خواہشات کی پیروی نہ کریں"

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ط وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ط (۵:۵۰)

کیا یہ لوگ جاہلیت کے فیصلے تلاش کرتے ہیں؟ اور اللہ سے بڑھ کر اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہے۔ اُس قوم کے لئے جو (اللہ کے فیصلہ پر) یقین کرتی ہے؟

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ۔ (۱۲:۹۰)

(ترجمہ): اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے اور بھلائی کرنے۔

وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ط (الرّحمٰن۔۹)

"اور ترازو کو ٹھیک طریقہ سے قائم کرو اور تولنے میں کمی مت کرو"

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"قیامت کے روز قاضی (جج) سے اس کے فیصلوں کے بارے میں سختی سے محاسبہ کیا جائے گا۔

وہ کہیں گے کہ کاش انہیں عمر بھر ایک کھجور کی بابت بھی فیصلہ نہ کرنا پڑتا"۔

کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ "عدل ہی سے زمین و آسمان قائم ہیں"۔

دورِ رسالتمآب ﷺ کے مفتی، جج اور قاضی:

حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اطہر میں جو مفتی حضرات اس منصب پر فائز تھے ان صحابہ کرام کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔ جنہیں دینی و اسلامی معاشرہ کے نئے پیش آمدہ معاملات میں فتویٰ دینے کا مجاز قرار دیا گیا تھا۔ اُن میں چاروں خلفائے راشدین کے علاوہ درج ذیل اصحاب کرام شامل تھے۔

۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہریؓ
۲۔ حضرت معاذ بن جبلؓ
۳۔ حضرت ابی بن کعبؓ
۴۔ حضرت زید بن ثابتؓ
۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
۶۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ
۷۔ حضرت ابوالدرداءؓ
۸۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ
۹۔ حضرت سلمان فارسیؓ
۱۰۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ
۱۱۔ حضرت انس مالکؓ
۱۲۔ حضرت عمار بن یاسرؓ
۱۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
۱۴۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
۱۵۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ
۱۶۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ
۱۷۔ حضرت ابوسعید خدریؓ
۱۸۔ حضرت زبیر بن عوامؓ

۱۹۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ

خواتین صحابیہ کرام میں درج ذیل شخصیات شامل تھیں۔

۱۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ ۲۔ ام المومنین حضرت اُمّ سلمیٰؓ

فتح مکہ کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اطہر میں درج ذیل صحابہ کرام کو جج / قاضی کی حیثیت حاصل تھی۔

۱۔ حضرت عمر فاروقؓ ۲۔ حضرت علی مرتضیٰؓ ۳۔ حضرت معاذ بن جبلؓ

۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۵۔ حضرت ابی بن کعبؓ ۶۔ حضرت زید بن ثابتؓ

۷۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ ۸۔ حضرتِ عقبہؓ ۹۔ حضرت معقل بن یسارؓ

ان صحابہ کرام کو نبی اکرم ﷺ کی جانب سے اس منصب کے لیے مقرر فرمایا تھا جو بطور مفتی / جج / قاضی فرائض انجام دیتے تھے۔

نظام عدل واحسان کا بنیادی اصول القرآن میں اس طرح بیان ہوا جس پر سختی سے عمل پیرا ہونے کی ہدایت مفتی وقاضی صاحبان کو دی گئی۔

"تم ان لوگوں کے ہمنوا نہ بننا (ان کی طرف نہ جھکنا نہ ان کا ساتھ دینا) جو ظالم ہیں ورنہ تم کو جہنم کا عذاب پہنچ کر رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا اور نہ تمہیں کہیں سے مدد مل سکے گی۔" (سورۃ ھود :۱۱۳)

اسلامی معاشرہ میں عدل واحسان کا نظام کلیدی حیثیت رکھتا ہے اس نظام کے تحت ہر ظالم کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اس کے ظلم اور زیادتی کا خمیازہ اسے لازمی بھگتنا پڑے گا اسی طرح ہر مظلوم کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اس کی بہر حال حقرسی ہوگی اور ظلم وزیادتی کا لازمی مداوا کیا جاوے گا

یہی اسلامی نظامِ عدل کی روح ہے۔

اِسلامی ریاست کا مقصد اور فرائض :

حضور نبی اکرم ﷺ مسلمانوں کے ملکی معاملات لوگوں کے سپرد کرتے وقت اس بات کا خاص خیال فرماتے تھے کہ جن لوگوں کو مسلمانوں کے معاملات اور انتظام کی ذمہ داری سونپی جائے وہ اپنے اخلاق کردار اور اہلیّت کے علاوہ عوام النّاس کے اعتماد کے بھی حامل ہوں اور لوگ ان کو پسند کرتے ہوں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:-

"تمہارے بہترین قائد اور حکمران وہ ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو اور وہ تم کو پسند کرتے ہیں۔ تم ان کو دعائیں دیتے ہو اور وہ تمہارے لیے دعائیں کرتے ہوں بدترین حکمران وہ ہیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور وہ تم کو ناپسند کرتے ہوں اور تم ان پر لعنت بھیجتے ہو وہ تم پر لعنت بھیجتے ہوں"

اُمّتِ مسلمہ کا وجود چونکہ دین کی بنیادی ضرورت ہے اور قرآن کی رُو سے تمام اُمّت ایک ہی پارٹی تصوّر کی جاتی ہے اس لئے اسلامی ریاست میں فرقہ بندی اور پارٹی بازی کی اجازت نہیں ۔ جو لوگ خدا اور کتاب میں اعتقاد رکھتے ہیں وہ مسلمان کہلاتے ہیں اور باقی مشرکین ۔ اسلامی ریاست میں وہ غیر مسلم "ذمّی "متصوّر ہوتے ہیں ۔ جن کے مال و جان کی حفاظت کا ذمہ مسلمان لیتے ہیں اور یہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ و مددگار لیکن دُشمن اور کافروں کے مقابلہ میں فولاد ہوتے ہیں ۔ تمام امّت کی فوجی ٹریننگ ہوتی ہے جو کہ بوقت ضرورت جہاد و قتال میں شرکت کرتی ہے اور اسلامی نظامِ حکومت مسلمانوں ہی کے لئے معرضِ وجود میں آتی ہے جس کے فرائض حسب ذیل ہیں۔

1۔ تاکہ اُمّت شریعت اور انصاف کی رُو سے اپنی زندگی بہتر طریق پر صراطِ مستقیم پر چلا سکے۔

2۔ ریاست لوگوں کو نماز پڑھنے زکوٰۃ ادا کرنے، برے کاموں سے ایک دوسرے کو روکنے اور نیک کام کرنے کے لئے آمادہ کرتی ہے۔

3۔ جو قرآنی احکامات کی تعمیل نہ کریں ریاست اُن کو منواتی ہیں۔

4۔ امن وانصاف کا قیام سرحدوں کی حفاظت، عام آدمی کا معیارِ زندگی بلند کرنا حاجت مندوں کی مدد وغیرہ ریاستی فرائض میں شامل ہیں۔

اسلامی ریاست کا مقصد قرآنی نصوص سے اس طرح بھی واضح ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ط (ال عمران:۱۱۰)

"تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے (تا کہ) تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے اور بُرائی سے روکتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو" (سورۃ ال عمران ۱۱۰)

اسلامی ریاستوں کا دورِ اقتدار :

مدینہ منوّرہ میں پہلی اسلامی نظریاتی مملکت کے قیام کے بعد اسلامی ممالک کے عہد اقتدار کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

1۔ مدّت۔ ولادت باسعادت ﷺ سے یوم وصال تک کی کل مدّت 8156 یوم بنتی ہے 8 ربی الاوّل 1ھ سے 12 ربی الاوّل 11ھ لغائت 8 جون 632ء تک دورِ اقتدار رسالت مآب نبی آخر الزماں ﷺ رہا۔ اس کے دوران مدینہ منوّرہ میں کرّہ ارض پر پہلی نظریاتی مملکت قائم کی۔

2۔ عہد خلیفہ اوّل سیّدنا ابوبکر صدیقؓ جنہوں نے رسالت مآب ﷺ کے بعد اقتدار سنبھالا ان کا دور خلافت 23 اگست 634ء تک جاری رہا۔ آپ کا دارالخلافہ مدینہ منوّرہ ہی

رہا۔

3۔ عہد خلیفہ دوئم سیدنا عمر فاروقؓ کا دس سالہ دور خلافت 644ء تک جاری رہا۔ اور دارالخلافہ مدینہ منوّرہ ہی رہا۔

4۔ عہد خلیفہ سوئم سیدنا عثمان غنیؓ کا بارہ سالہ دور اقتدار 656ء تک جاری رہا۔ اور مدینہ منوّرہ دارالخلافہ رہا۔

5۔ عہد خلافت سیّدنا علی مرتضیٰؓ کا چار سال نو ماہ کا دور اقتدار 660ء تک جاری رہا۔ انہوں نے دارالخلافہ کوفہ (عراق) مقرر فرمایا۔

6۔ عہد خلافت حضرت حسنؓ کی مدّتِ اقتدار صرف چھ ماہ رہی۔ آپؓ 660ء میں خلافت سے دستبردار ہوگئے اور امیر معاویہؓ کے اقتدار سنبھالنے سے بنوامیّہ کے دور کا آغاز ہوا۔

7۔ دور بنوامیّہ 661ء سے 750ء تک رہا۔ اس دوران دارالخلافہ دمشق (شام) رہا۔

8۔ دور خلافت عبداللہ بن زبیر 685ء سے 695ء تک رہا۔ انہوں نے اپنا دارالخلافہ مکہ مکرمہ بنایا۔

9۔ پہلے عباسی خلیفہ السفّاح کا عہد 750ء سے شروع ہوکر المستحسن 1250ء تک رہا۔ اس دوران دارالحکومت بغداد (عراق) رہا۔

10۔ عباسی دور اقتدار میں اموی خلافت بھی اندلس 756ء تا 1046ء تک قائم رہی۔ جبکہ ان کا دارالحکومت قرطبہ (سپین) رہا۔

11۔ اسی عباسی دور میں شمالی افریقہ کی فاطمی خلافت کا دور 909ء تا 973ء قائم رہا۔ ان کا دارالخلافہ مہدیہ (تیونس) رہا۔

12۔اسی طرح شمالی افریقہ ومصر کی فاطمی خلافت 973ء سے 1171ء تک قائم رہی۔ جبکہ انکا دارالخلافہ قاہرہ (مصر) رہا۔

13۔مصر کی عباسی خلافت کا دور اقتدار 1250ء سے 1515ء تک قائم رہا ان کا دارالخلافہ قاہرہ (مصر) رہا۔

14۔عثمانی ترکوں کی خلافت 1515ء سے 1924ء تک جاری رہی ان کا دارالخلافہ قسطنطنیہ (ترکی) رہا۔

ساڑھے سات سو سال پہلے دس فروری 1258ء کو جب عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے دور میں انکی ذاتِ امت مسلمہ کیلئے انتشار کا سبب بن چکی اور بغداد میں شیعہ اور سنّی مسلک کے مسلمان ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے۔ جنبلی مسلک کے پیروکار ایک طرف اور باقی مسالک کے پیروکار دوسری جانب صف آراء تھے۔ انہی دنوں دریائے دجلہ میں تاریخ کی بد ترین طغیانی آئی۔ پورا شہر پانی میں ڈوب گیا۔ قصر شاہی بھی اس سے محفوظ نہ رہا۔ اس شاہی محل میں خلیفہ کا معتمد خاص اور وزیر اعظم مویدالدین بن الکامی بھی سکونت پذیر تھا اس نے تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کی دعوت دے دی۔ ہلاکو نے بغداد کا محاصرہ کرلیا اور بیرون شہر واقع بلند مقامات سے شہر پر ہر طرف سے آگ برسانی شروع کردی آگ کی بارش اتنی ہولناک تھی کی چالیس روز بعد خلیفہ جان بچانے کے لیے ہتھیار ڈالنے پر تیار ہوگیا۔ ہلاکو خان 1258ء میں بغداد پر ایک عذاب بن کر نازل ہوا، کئی ماہ لوٹ مار کا بازار گرم رہا۔ اہالیان بغداد کو قتل اور شہر کو نذر آتش کر دیا گیا۔ ابن خلدون کے مطابق بغداد میں بیس لاکھ کی آبادی میں سے 16 لاکھ باشندے پیوند خاک ہو گئے۔ تین دن اور تین راتیں دارالخلافہ بغداد میں کلمہ گو مومنین کا خون پانی کی طرح سڑکوں اور نالیوں میں بہتا رہا۔ منگول بغداد پر قابض ہو چکے تو خلیفہ اپنے تین ہزار درباریوں

کے ہمراہ غیر مشروط طور پر فاتح کے حضور پیش ہوا۔ ہلاکو کے حکم پر خلیفہ کو انتہائی بے رحمی سے مار مار کر قتل کر دیا گیا۔ تاریخ نے دکھایا کہ جو حکمران اپنی جان بچانے کے لیے اپنی غیرت اور اپنی رعایا کی جانوں کی قربانی پیش کرتا ہے اسے بالآخر تہہ تیغ ہونا پڑتا ہے۔ سقوط بغداد کے بعد تاتاری دنیا کی سپر پاور بن چکے تھے اور روئے زمین پر کوئی اُن سے ٹکر لینے کو تیار نہ تھا۔ تاتاری مغرب کی جانب یلغار کرتے رہے اور جو بستی راستے میں آئی اسے جلا کر وہاں بسنے والے بے گناہ انسانوں کے سر کاٹ کر انکی کھوپڑیوں سے اپنی فتح کے مینار بناتے رہے۔ انکے سر پر دنیا پر اپنی حکمرانی قائم کرنے کا سودا سمایا ہوا تھا۔ تاتاریوں کے اس سیلاب بلا کی راہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مبینہ جائے پیدائش بھی آئی۔ یہ جگہ ناصریہ کے پاس واقع ہے۔ اسکے قریب ہی "عین جالوت" واقع ہے۔ روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ اسلام نے جالوت کو اسی مقام پر قتل کیا تھا۔ 3 ستمبر 1260ء کو اسی جانب تاتاریوں کا ناقابل تسخیر ہیبت ناک لشکر ہلاکو کے بیٹے کی سرکردگی میں فتوحات کے نشہ میں مخمور مقام "عین جالوت" میں داخل ہوا۔ اسکا خیال تھا کہ وہ حسب سابق اپنے مدمقابل کو چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دے گا۔ لیکن دوسری طرف اللہ کا نام بلند کرنے والی فوج جس کے ہراول دستے کی کمان ایک ترک غلام کر رہا تھا۔ جسکا نام بیبرس تھا۔ تاتاری لشکر میں صرف تاتاری ہی نہ تھے بلکہ انکے عیسائی حلیف بھی تھے۔ 1262ء میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں پچیس تاریخ بروز جمعہ وہ تاریخی جنگ لڑی گئی جس نے نہ صرف یہ کہ تاتاری سیلاب کے سامنے بند باندھ دیا بلکہ تاریخ عالم کا رخ موڑ دیا۔ ہلاکو خان میں منافقت نہیں تھی، اس لیے منگولوں کی اولاد کو ایمان کی سعادت نصیب ہوئی اور اُن کے ہاتھوں اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلام عظمت کا ایک نیا باب رقم ہوا۔ کیونکہ تاتاری سپر پاور صرف ساڑھے تین برس میں فنا ہوگئی، جبکہ اسکی اولاد نے اسلام قبول کر لیا۔ جو عثمانی ترکوں کی صورت

میں مشرقی یورپ میں ہلالی پرچم کی علمبردار بنی۔

"عین جالوت" کی تاریخی فتح کے بعد ترک غلام بیبرس نے سلطان مصر کی حیثیت سے اپنی زندگی کا مِشن یہ بنایا کہ وہ شام اور فلسطین کو کروسیڈی غاصبوں کے قبضہ سے نجات دلائے گا جنہوں نے صلیبی جنگ کا نعرہ لگا کر اُن مسلم آبادیوں پر قبضہ کر رکھا تھا اور ایسے مظالم ڈھائے تھے کہ عیسائی مؤرخین بھی انہیں نا قابل بیان قرار دیتے ہیں۔

گیارھویں صدی سے پہلے ترک وسط ایشیاء کے اُن علاقوں تک محدود تھے جسے ترکستان کہتے تھے ان میں موجودہ ترکمانستان ۔ ازبکستان ۔ تاجکستان ۔ کرغیزستان ۔ قازاقستان اور سنکیانگ کے علاقے شامل تھے۔ آٹھویں صدی میں یہ علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے اور اٹھارویں وانیسویں صدی تک اسلامی خلافت میں شامل رہے یا یہاں آزاد ریاستیں قائم رہیں۔ اولذکر پانچ ممالک پر انیسویں صدی میں روس نے قبضہ کر لیا تھا اس طرح یہ روسی ترکستان کہلانے لگے جبکہ سنکیانگ کو چینی ترکستان کہا جاتا تھا۔ گیارھویں صدی عیسوی میں سلجوقی ترکوں نے وسط ایشیا سے مغرب کی جانب پیش رفت کی اور سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے جنگ ملانہ کردی۔ 1071ء میں رومی مسیحی شہنشاہوں ولوجانوس رومانونس کو شکست فاش دیکر یونانی رومی تہذیب کے علاقے اناطولیہ (موجودہ ترکی) کا بیشتر علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا تو اس وقت سے تُرک، وسط ایشیا سے ہجرت کر کے اناطولیہ میں (جو ایشیائے کوچک بھی کہا جاتا تھا) آباد ہونے لگے۔ تیرھویں صدی عیسوی کے آواخر میں عثمان خان جس نے اناطولیہ میں عثمانی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی اپنے قبیلے کے ہمراہ موجودہ ترکمانستان سے ہی تُرکِ وطن کر کے گیا تھا۔ سلطنت عثمانیہ تقریباً سوا چھ سو سال تین براعظموں، ایشیا۔ یورپ اور افریقہ کے وسیع علاقوں پر قائم رہی۔ یوں تُرک وطن سے موجودہ تُرکی اور آذربائیجان میں

تُرکوں کی اکثریت ہوتی چلی گئی اور مقامی یونانی نژاد مسیحی آبادی بتدریج اسلام قبول کر کے مسلم تُرک معاشرہ میں ضم ہوتی رہی حتیٰ کہ آج تُرکی میں مسلمانوں کی 99 فیصدی اکثریت ہے جبکہ ترکوں کے اصل علاقوں یعنی 1991ء میں سوویت روس سے آزاد ہونے والے ایشیائی مسلم ملک ازبکستان۔ قازاقستان۔ تاجکستان۔ ترکمانستان۔ کرغیرستان اور آذربائیجان میں مسلم آبادی کا تناسب بہت گر گیا۔ ایسا گذشتہ دو صدیوں کے دوران ہوا جو وہاں غیر مسلم رومیوں اور چینیوں کی آبادکاری سے ہوا ہے بلکہ سنکیانگ میں مسلمان اور غیر ترکوں کا تناسب غیر مسلم چینیوں کے مقابلہ میں خطرناک حد تک یعنی پچاس فیصد کے قریب ہو چکا ہے تاہم قازاقستان کی 38% روسی آبادی میں روس واپسی کا رجحان پایا جاتا ہے۔

ترکوں نے 1453 میں قسطنطنیہ فتح کیا جو بازنطینی عیسائی سلطنت کا صدر مقام تھا۔ یہی عظیم شہر خلافت عثمانیہ کا دارالخلافہ قرار پایا۔ اور بعد میں یہ شہر استنبول کے نام سے مشہور ہوا۔ حضرت ایوب انصاریؓ کا مرقد مبارک یہیں واقع ہے۔ اسلامی افواج نے جب پہلی مرتبہ اس کا محاصرہ کیا تھا تو پیرانِ سالی کے باوجود آپؓ اس جہاد میں شریک ہوئے۔ محاصرہ کے دوران ہی پیغام اجل آ گیا۔ لبیک کہنے سے قبل وصیّت فرمائی کہ فصیل شہر کے سایہ میں انہیں سپرد خاک کیا جائے۔

اس عظیم سلطنت کی سرحدیں پھیلتی گئیں مشرقی یورپ کے بیشتر علاقے مدتوں اس کے زیر تسلّط رہے۔ دو سو سالوں تک عثمانی افواج کا دوسرا نام فتح و کامرانی رہا۔ وہ شکست و پسپائی کے تصوّر تک سے نا آشنا تھے۔ بعدازاں ہر کمالِ را زوال کے مصداق ترک بحری بیڑہ کو 1571ء میں لیپانٹو (LEPANTO) کے مقام پر شکست نے اس تاریخی ریلے کو روک دیا جو اگر بڑھتا جاتا تو سارا یورپ مسلمانوں کے زیر نگیں آ جاتا۔ ایسا منظر یہ آسمان پہلے بھی 732ء

، میں دیکھا چکا تھا جب حضرت محمد ﷺ کو وصال فرمائے (632 عیسوی) صرف ایک سو سال ہی گذرے تھے کہ ہسپانیہ (سپین) کے مسلم حکمران عبدالرحمٰن کی افواج اور چارلیس مارٹل (CHARLES MARTEL) کی عیسائی افواج مرکزی فرانس کے شہر پائیٹرز (PIOTERS) کے قریب واقع ٹورز (TOURS) کے میدان میں ٹکرائی تھیں۔ مسلمانوں کو شکست کھا کر پسپا ہونا پڑا اور یوں تاریخ کے دھارے نے اپنا رخ مخالف سمت بدل لیا۔ یہ گھمسان کی جنگ تھی کافی دیر تک فریقین کا مقابلہ برابر رہا بالآخر پانسہ پلٹا اور مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اگر اس روز عبدالرحمٰن کو فتح نصیب ہو جاتی تو سارا یورپ دائرہ اسلام میں آ جاتا۔ اس طرح ترکوں میں بھی وہ دم خم باقی نہ رہا حتیٰ کہ آخری بار 1683ء میں انہوں نے وی آنا (VIENNA) شہر جو یورپ کے قلب میں واقع تھا کا محاصرہ کیا لیکن شہر فتح نہ ہو سکا اور محاصرہ اٹھانا پڑا۔ اس پسپائی کے بعد یہ عظیم سلطنت یورپ کا مرد بیمار کہلائی جانے لگی۔ یورپ میں واقع اس کے مفتوحہ علاقے دائرہ اقتدار سے نکلنے لگے۔ یورپی طاقتوں نے اسلامی دنیا میں ریشہ دوانیاں شروع کر دیں جس کے نتیجہ میں خلافت عثمانیہ ترکی اور ایران کے علاوہ دنیا بھر میں مسلمان جہاں بھی سکونت پذیر تھے، محکوم اور مجبور ہو کر رہ گئے۔

جنگِ عظیم اوّل میں جرمنی کا ساتھ دینے کی پاداش میں برطانیہ اور اس کے اتحادی سلطنتِ عثمانیہ ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے تھے۔ اِسی مقصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے برطانوی حکومت نے شریفِ مکّہ کے پاس اپنے مشہورِ زمانہ ایجنٹ لارنس آف عریبیا کو بھیجا تا کہ عربوں میں قوم پرستی کے جذبات اُبھار کر سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف صف آراء کیا جائے۔ لارنس کی منصوبہ بندی اور ریشہ دوانیوں کے نتیجے میں 10 جون 1916ء کو شریفِ مکّہ نے تُرکوں کے خلاف بغاوت کر دی، دمشق اور مکّہ کے درمیان تُرکوں کے ذرائع مواصلات منقطع کر دیئے۔ اس کے

بعد فرنگی کمانڈر اِن چیف جنرل ایلن بی دمشق کے دورہ پر آیا۔ 13 اکتوبر 1918ء کو امیر فیصل سے ملاقات کی جس کے نتیجہ میں اُسی روز عظیم مملکتِ عثمانیہ کو پارہ پارہ کرنے کا معاہدہ طے پا گیا۔ جس کا مقصد یہودیوں کی علیحدہ ریاست کا قیام اور عرب ریاستوں کے اتحاد کو تحلیل کرنا مقصود تھا۔ جنرل ایلن بی اور امیر فیصل نے شریفِ مکّہ (نمائندہ سلطنت عثمانیہ) گورنر مکّہ حُسین ہاشمی کو آلۂ کار بنا کر ملّتِ اسلامیہ اور بالخصوص مشرقِ وسطیٰ کا شیرازہ بکھیر دیا۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران مملکتِ عثمانیہ ایک وسیع علاقہ پر محیط تھی اُس کی سرحدیں خلیج عقبہ، عدن اور نہر سوئیز تک پھیلی ہوئی تھیں۔ انگریز تُرکوں کی بڑھتی ہوئی قوّت سے خائف تھے اس لیے سلطنتِ عثمانیہ کو مرحلہ وار کمزور کرنے کی مہم کا آغاز کیا۔

پہلی جنگِ عظیم کے بعد 24-1923ء میں سلطنت عثمانیہ کی خلافت کی قبا چاک کر دی گئی وہ چراغ جو تیرہ سو سال پہلے بڑی آب و تاب سے روشن ہوا تھا اور جو تند و تیز جھکڑوں کے چلنے کے باوجود ٹمٹماتا رہا بالآخر اپنوں کی عاقبت نا اندیشی کے ہاتھوں بُجھ گیا۔ ترکی کو بعد ازاں نہ صرف یہ کہ جدید جمہوری مملکت قرار دیا گیا بلکہ آئینی لحاظ سے سیکولر مملکت قرار پایا۔ مذہب کو ذاتی معاملہ قرار دیکر مغربی تہذیب و تمدّن کو سرکاری طور پر اپنا لیا گیا۔ اس طرح جدید ترکی یورپ کے روپ میں ڈھل گیا۔

پہلی جنگِ عظیم (18-1914) کے دوران ڈیڑھ کروڑ انسان لقمۂ اجل بنے۔ جبکہ دوسری جنگِ عظیم (45-1939) میں یہ تعداد پانچ کروڑ نفوس سے بھی تجاوز کر گئی۔ اس کے علاوہ لسانی۔ نسلی و مذہبی فسادات میں بھی لاکھوں افراد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ کیا یورپ اور دیگر عالمی امن کے دعویدار ممالک کے پاس اس دہشت گردی کا کوئی جواز ہے۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد مشرق سے مغرب تک بہت سی مسلمان قومیتیں آزاد ہوئیں

۔ جو ایک مدّت سے مغربی استعماریّت کا شکار چلی آ رہی تھیں لیکن آزاد ہونے کے باوجود یہ سب ریاستیں قومیّت اور قوم پرستی پر مبنی انہی کے تصوّرات کی پیروی کر رہی ہیں جن کی تعلیم انہوں نے اپنے سابق مغربی آقاؤں سے حاصل کی تھی ان کے اندر ابھی تک یہ شعور نہیں ابھر سکا کہ ان کے درمیان اسلام کا ایک اٹوٹ رشتہ اور امّتِ واحدہ کا تصوّر موجود ہے۔ نو آزاد مسلم ریاستوں میں بادشاہت اور آمریّت والے نظام حکومت کی تعداد زیادہ ہے۔ بادشاہت والے مسلم ممالک میں سعودی عرب۔ قطر۔ بحرین۔ کویت۔ عمان متحدہ عرب امارات۔ برونائی۔ مراکش اور اُردن شامل ہیں۔ جبکہ فوجی یا مطلق العنان حکمران والے ممالک میں شام۔ لیبیا۔ مصر۔ الجزائر۔ سوڈان۔ گنی بساؤ۔ موریطانیہ اور نائجیر شامل ہیں۔ وہ ممالک جنہوں نے برطانیہ سے آزادی حاصل کی ان میں عراق (1940)، اُردن (1946)، پاکستان (1947)، ملائیشیا (1957)، نائیجر (1960)، کویت (1961) یوگنڈا (1962)، مالدیپ (1965)، اومان (1967)، قطر (1971) بحرین (1971)، متحدہ عرب امارات (1971)، برونائی (1984) شامل ہیں۔ جبکہ ان کے علاوہ 16 مسلم ممالک جنہوں نے فرانس سے آزادی حاصل کی ان میں لبنان (1946)، شام (1946)، مراکش (1956)، گنی (1958)، سنیگال (1960)، چاڈ (1960)، کیمرون (1960)، موریطانیہ (1960)، نائجیریا (1960)، الجزائر (1962)، تومورس (1975) شامل ہیں۔ مشرقی تیمور نے مئی 2002ء میں آزادی حاصل کی حتیٰ کہ عالمی ریشہ دوانیوں اور ہندوستان کی مداخلت سے ایک آزاد مسلم مملکت پاکستان کو 1971ء میں دولخت کر دیا گیا جس سے بنگلہ دیش معرض وجود میں آیا۔

☆☆☆☆☆

﴿اختلافِ اُمّہ فرقہ واریّت اور مذہبی گروہ بندیاں﴾

؎ ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبین
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

حدیث مبارکہ میں سرکار دو عالم ﷺ نے نہایت ہی تہدید آمیز کلمات میں اس طرح ارشاد فرمایا کہ

"وہ ہمارے زمرہ سے خارج ہے جو عصبیّت کی دعوت دے۔ وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیّت کی بناء پر جدال وقتال کرے۔ وہ ہماری جماعت سے نہیں جس کا خاتمہ عصبیّت پر ہوا" (سنن ابوداؤد)

اختلاف خواہ کسی بھی قسم کا ہو وہ بُرا ہے اور فرقہ واریّت ایک لاعلاج بیماری ہے اسی چیز نے پہلی اُمتوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ اللہ کے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے اور حضرت زبیر بن عوّامؓ اس کے راوی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"پہلی امتوں کی بیماری حسد اور کینہ تمہارے اندر ثرایّت کر گئی ہے یہ بیماری حجامت بنا دیتی ہے دین کی نہ کہ بالوں کی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے تم اُس وقت تک مومن نہیں کہلا سکتے جب تک تم ایک دوسرے سے محبّت نہ کرنے لگو۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلا دوں کہ جس کے کرنے سے تم ایک دوسرے سے محبّت کرنے لگو گے۔ اپنے درمیان اسلام کو پھیلاؤ"۔ (ترمذی۔ مسند احمد)

لوگوں میں اختلافِ رائے کا پیدا ہونا ایک قدرتی عمل ہے اور اس کو ختم کرنے کی کوشش گو ایک سعیٔ لاحاصل ہے مگر ناممکن نہیں۔ اس لیے حضور ﷺ نے صحابہ کرام کی تربیّت فرمائی کہ اختلاف کی موجودگی میں اتحاد کو برقرار رکھیں اور یہ آپ ﷺ کی تربیّت کا اعجاز ہے کہ اختلاف

ہوتے ہوئے بھی صحابہ کرامؓ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے رہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ہر درخت کا تنا تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن جب وہ درخت تن آور ہو جاتا ہے تو اُس میں سے شاخیں پھوٹتی ہیں اور جس درخت میں جتنی زیادہ شاخیں ہوتی ہیں وہ اتنا ہی زیادہ سایہ دار ہوتا ہے اور اتنا ہی زیادہ پھل بھی دیتا ہے۔ یہ قدرتی امر ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ درخت کی تمام شاخیں خواہ وہ تنے سے کتنی ہی قریب یا کتنی ہی دور ہوں بحر حال ان سب کا تعلق اس درخت سے جُڑا ہوتا ہے۔ اس مثال کا اطلاق اسلام پر یوں ہے کہ دین اسلام بھی ایک درخت کی مانند ہے جس کا ایک تنا ہے اور بہت سی شاخیں بھی ہیں جنہیں فرقوں کا نام دیا جا سکتا ہے۔ کچھ شاخیں تنے سے قریب ہیں اور کچھ ذرا فاصلے پر ہیں۔ جس شاخ کا تعلق جب تک تنے سے قائم ہے وہ اسی درخت کی شاخ تسلیم کی جائے گی۔ جو شخص بھی اپنے دل میں حضور اکرم ﷺ سے کوئی تعلق محسوس کرتا ہے اس پر آپ ﷺ کی اطاعت لازم ہے۔

علامہ مقدسی نے اپنے سفرنامے میں کوفہ کے ایک معروف عالم دین حضرت عمرو بن مرا ہا کا ذکر کیا ہے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں اب تک مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں شامل ہو کر ان سے الگ ہوتا رہا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کون سا فرقہ صحیح ہے اور کون سا فرقہ غلطی پر۔ اُنھوں نے پوچھا سب جگہ ہو آئے ہو؟ کوئی فرقہ رہ تو نہیں گیا؟ اُس نے نفی میں جواب دیا تو حضرت عمرو نے فرمایا اچھا بیٹھ جاؤ۔ پھر اس سے پوچھا یہ بتاؤ کہ کسی فرقے میں اس بات پر اختلاف پایا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود ہے؟ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟ قرآن کریم اللہ کا کلام اور اس کی کتاب ہے؟ پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں؟ فجر اور مغرب میں دو اور تین فرض رکعتیں ہیں؟ نماز کے لیے وضو شرط ہے؟ مسلمانوں کے لیے پوری زمین ہی مسجد ہے؟ نماز میں قبلہ رخ ہونا لازمی ہے؟ جب تمام سوالات کے جواب میں اُس شخص کی

نہیں نہیں کی تکرار ختم ہوگئی تو عمرو بن مرا ہا نے فرمایا کہ دیکھو بھئی مسلمانوں کا جن باتوں پر اتفاق ہے محکمات بھی انہیں کو کہتے ہیں، ان کو لازم پکڑ لو اختلافی مسائل میں زیادہ غور وخوض مت کرو اس لیے کہ ان کی نوعیّت متشابہات کی سی ہے جن کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو نہیں۔

کلامِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وہ ہے اللہ، جس نے آپؐ پر الکتاب اُتاری۔ اُس میں محکم آیات ہیں (جن کے معنی واضح ہیں) وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری متشابہات ہیں (جن کے معنی میں شبہہ ہے) پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ لوگ ان کے پیچھے پڑتے ہیں جو ان میں متشابہات ہیں۔ فتنہ کی جستجو میں اس کی تاویل تلاش کرتے ہیں۔ اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔ اور پختہ علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، سب کچھ ہمارے ربّ کی طرف سے ہے اور نصیحت تو ہوش مند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں"۔ (آلِ عمران ۷)

جن باتوں پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے انہی کو اسلام کا تنا کہا جاسکتا ہے یہ بات باور کرنے کے لائق ہے کہ قبر میں آپ کو تنِ تنہا جانا ہے۔ قبر میں فرشتے آپ سے آپ کا مسلک نہیں پوچھیں گے وہ دریافت کریں گے کہ تمھارا دین کیا ہے؟ میدانِ حشر میں آپ کے ہاتھ میں جو اعمال نامہ دیا جائے گا اس میں صرف آپ کے اعمال درج ہوں گے۔ کسی کے کہنے پر کوئی کام کرنے کی صورت میں یہ کہہ کر آپ نہیں چھوٹ سکیں گے کہ میں نے فلاں عالم یا فلاں پیر صاحب کے کہنے سے یہ کام کیا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم کریں اور پھر اس کی منشاء اور مرضی کو سمجھنے کے لیے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کریں اور جو طریقہ اس کی مرضی کے قریب ترین سمجھ میں آئے اس پر عمل کریں۔ لیکن اس سے مختلف طریقے سے عمل کرنے والوں کو غلط نہ کہیں۔ اتحادِ اُمت کی سمت پہلا قدم یہ ہے کہ ہر مسلمان کو مسلمان تسلیم کیا جائے۔

دوسرا قدم حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان پر عمل کریں کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں (بخاری و مسلم)۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ کسی دوسرے مسلمان کو مردود، جہنّمی اور کافر کہہ کر اُس کو اپنی زبان سے تکلیف اور اذیّت پہنچانے کے مجرم ہی نہیں بن جائیں گے بلکہ اسلام سے بھی نکل جائیں گے۔ وہ شخص تو مسلمان ہی رہے گا۔ تیسرا قدم یہ ہے کہ ایسے واعظین اور مقرّرین سے کنارہ کشی اختیار کی جائے جو دوسرے مسلمانوں کی تحقیر کرتے ہیں اور ان کے خلاف طرح طرح کے فتوے لگاتے ہیں۔ چوتھا قدم یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی استعداد اور صلاحیّت کے مطابق دعوت و تبلیغ کا کام ضرور کرے۔ یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہے۔ پانچواں قدم یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کی وہ تمام برائیاں جن سے ہر فرقہ اور مسلک کے لوگ نالاں ہیں ان کا راستہ روکنے کے لیے ایک متّحدہ پریشر گروپ قائم کریں۔ شرط یہ ہے کہ تمام فرقوں اور مسالک کے لوگ مل کر جدّ و جہد کریں۔ نفرتوں کے بیوپاریوں کا ساتھ نہ دیا جائے۔ باہمی محبّتوں کی سوداگری کرتے ہوئے اپنے رب کی طرف واپسی کا سفر اختیار کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم یاد رکھا جائے:

"تم سب لوگ اللہ کی رسّی سے مضبوطی کے ساتھ چمٹے رہو اور آپس میں تفرّقہ پیدا مت کرو"۔ (آل عمران ۱۰۳)

اس آیت کریمہ میں رب ذُوالجلال حکم دے رہا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان متفق علیہ پر تم سب کے سب چمٹے رہو تاکہ اسلام کے درخت سے تمہارا تعلّق قائم رہے۔ پھر تم کسی بھی شاخ پر بیٹھو لیکن دوسری شاخ کو مت کاٹو کیونکہ درخت کو نقصان پہنچے گا۔ اور اس طرح اگر ساری شاخیں کٹ گئیں تو پھر درخت، درخت کہاں رہے گا۔

حضور اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمّت میں تہتّر فرقے

ہوں گے ان میں سے ایک کے علاوہ سب جہنم میں جائیں گے۔اس کی تشریح وتوجیح حدیث مبارکہ حضور اکرم ﷺ سے اس طرح ہوئی!

" اور بے شک بنواسرائیل الگ الگ ہوئے بہتر پر بطور ملّت اور الگ ہوگی میری اُمّت تہتّر پر بطور ملّت۔وہ سب آگ میں ہیں سوائے ایک ملّت کے "

صحابہ کرام رضوان اللہ نے دریافت فرمایا! یارسول اللہ وہ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا

"وہ جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب" (ترمذی)

حضور اکرم ﷺ نے فعل فَرَق کو بنواسرائیل کے لیے بابِ تفعل سے اور اپنی اُمّت کے لیے بابِ افتعال سے استعمال کیا ہے۔فَرَق کے معنی ہیں بال میں کنگھی کر کے مانگ نکالنا یعنی کسی چیز کو پھاڑ کر الگ الگ کرنا۔بابِ تفعل میں اس کے معنی ہیں کوشش کر کے الگ الگ ہونا اور بابِ افتعال میں مطلب ہے اہتمام سے الگ الگ ہونا۔اس لحاظ سے اس عمل کی تمیز کے طور پر فرقے کا لفظ مناسب معلوم ہوتا ہے لیکن حضور اکرم ﷺ نے **مِلَّۃ** کا لفظ استعمال فرمایا ہے آپ ﷺ افصح العرب تھے اس لیے اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آپ ﷺ نے فرقے کی بجائے **مِلَّۃ** کیوں استعمال کیا۔فرقے کا مطلب ہے کسی جماعت سے پھٹ کر الگ ہونے والی لکڑی یا گروہ۔جبکہ **مِلَّۃ** کا لفظ کسی خاص طریقہ عبادت کے لیے بھی آتا ہے اور کسی طریقہ عبادت پر کاربند افراد یا گروہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔اس طرح حضور اکرم ﷺ کے فرمان میں دونوں امکان موجود تھے کہ آپ ﷺ نے ملّت کا لفظ طریقہ عبادت کے لیے استعمال کیا ہے یا گروہ کے لیے استعمال کیا ہے۔اس حدیث میں من اور ما بھی استعمال ہوا ہے اس کا فرق بھی سمجھ لینا چاہیے۔جب کسی فرد یا افراد کے لیے استفہام کرتے ہیں تو لفظ مَن (کون) استعمال کرتے ہیں اور جب اشیاء کے لیے استفہام کرنا ہو تو لفظ ما

(کیا چیز) آتا ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بات سن کر جب صحابہ کرامؓ نے سوال کیا تو انھوں نے لفظ من استعمال کیا اور پوچھا من ھی (وہ کون لوگ ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے خیال میں آپ ﷺ نے ملّت کا لفظ گروہ کے لیے استعمال کیا تھا لیکن جب حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا تو آپ ﷺ نے من کے بجائے ما کا استعمال کیا اور فرمایا "ما انا علیہ واصحابی" (وہ طریقہ جس پر میں ہوں اور میرے اصحابؓ ہیں) یعنی اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے افراد کے گروہ یعنی فرقوں کی بات نہیں کی ہے بلکہ طریقہ عبادت کی بات کی ہے اور عبادت کا مطلب ہے زندگی کے ہر گوشہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پیروی کرنا۔ اس بات کو ذہن میں رکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہر فقہ اور ہر مسلک میں ایسے افراد ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ناجی (نجات پانے والے) ہیں گویا ناجی ہونے کے لیے کسی خاص فقہ یا مسلک میں شامل ہونا شرط نہیں ہے۔ بلکہ اس طریقہ پر کاربند ہونا شرط ہے جو رسول اللہ ﷺ سے اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہو۔ ناجی ہونے کے لیے سب سے اہم شرط نیّت کی ہے۔ دل میں اللہ کے احکام پر کاربند ہونے کی نیّت ہو۔ اس نیّت سے کتاب وسنّت کی طرف رجوع کیا جائے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ غور وفکر اور استنباط کی صلاحیتوں کو کام میں لاکر فیصلہ کیا جائے۔ ان شرائط کو پورا کرتے ہوئے فیصلے میں غلطی ہو جائے تو وہ قابل معافی ہے

-

ہمارے ملک میں مسلمانوں کے اندر مختلف مکاتبِ فکر اور مسالک پائے جاتے ہیں ان میں سے ہر ایک خود کو حق پر اور دوسرے کو غلطی پر سمجھتا ہے ہر ایک اپنے مسلک کی دعوت دیتا ہے اور جبکہ دین اسلام کی طرف دعوت دینے والا کوئی نہیں ہے۔ اس کا ضمناً جواب یہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے انسانوں کے ذہن وفکر اور سوچ میں بہت تنوّع رکھا ہے۔ اختلافِ فکر ونظر حیاتِ اجتماعی کے ہر شعبے میں نظر آتا ہے اور سوچ اور فکر ونظر کا اختلاف انسان کی فطرت ہے۔ ماہرین قانون مختلف قوانین کی تعبیر و تشریح میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں جیسے مرض کی تشخیص میں بھی ماہر ڈاکٹروں کے درمیان بعض دفعہ اختلافِ رائے پایا جاتا ہے، اسی طرح سیاست، معیشت اور حیاتِ انسانی کے دوسرے شعبوں میں بھی فکری اور نظری اختلاف موجود ہیں لیکن محض ان اختلافات کی وجہ سے آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ ان تمام شعبوں کی بساط لپیٹ دی جائے یا ڈاکٹروں سے علاج کروانا چھوڑ دیا جائے۔ اس کے برعکس ہر عقلمند انسان اپنی تمام تر ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے بہتر سے بہتر کی جستجو جاری رکھتا ہے۔ لہٰذا دین اور مذہب کے معاملے میں بھی اپنی خداداد صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے حق اور باطل کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ کون سا ملک یا مکتبِ فکر، کتاب وسنّت کے عین مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حق و باطل اور بھلائی وخطا اور خیر وشرّ میں تمیز کا ملکہ انسان کی فطرت میں ودیعت فرمایا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے:

"تم اختلاف میں مت پڑو، ورنہ اس طرح تم بزدِل ہو جاؤ گے اور (دنیا میں) تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ (یعنی تمہارا رعب اور دبدبہ ختم ہو جائے گا)" (الانفال:۴۶)

ارشاد خداوندی ہے :

قرآن حکیم ایسے لوگوں کو مشرک قرار دیتا ہے جو مسلمانوں کے باہمی اتحاد کو نقصان پہنچاتے ہیں اور تفرقہ پیدا کرتے ہیں۔

" تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہونا جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور اختلافات کرنے لگے تھے، اس کے بعد، جب ان کے پاس روشن نشانیاں آچکی تھیں" (ال عمران:۱۰۵)

رحمتِ عالم حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

" کہ جب مسلمان مختلف فرقوں میں بٹ جائیں تو ان میں سے صرف وہ گروہ ہدایت یافتہ اور راہِ حق پر ہوگا جو اس جادۂ مستقیم پر سختی سے کاربند ہوگا جس پر میں اور میرے اصحاب ہمیشہ کاربند رہے ہیں"

"مسلمانوں کی باہمی محبت، رحمت اور مودت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک ہی جسم ہو، جس میں ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم بے خواب اور بے آرام ہو جاتا ہے"

رسول اکرم ﷺ کو اپنی اُمّت کی وحدت اور شیرازہ بندی اس حد تک عزیز تھی کہ فرمایا

"جو شخص بھی تمہاری جماعت کی وحدت اور شیرازہ بندی کو منتشر کرنے کے لیے (کوئی) اقدام اٹھائے اُس کا، سَر قلم کر دو" (بحوالہ بلوغ المرام ص 152)

منافقت کا نصاب پڑھ کر محبتوں کی کتاب لکھنا
بڑا کٹھن ہے خزاں کے ماتھے پہ داستانِ گلاب لکھنا

☆☆☆☆☆☆

﴿ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ﴾

اور

﴿اس کی جدید تدوین کا مسئلہ﴾

قانون وشریعہ کی اساس :

"اسلام" کے معنی ہیں اطاعت اور "مسلمان" اس شخص کو کہتے ہیں جو خدا کی مرضی

کے سامنے مکمل طور پر سر اطاعت خم کر دیتا ہے۔ اسلام میں "اطاعت" کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیّت قائم کرنے کے لئے اس کے خلیفہ کے طور پر کام کرے ۔مسلمانوں کے نزدیک صحیح اسلامی معاشرہ وہ ہے جس پر انسان کی نہیں، خدا کی حکمرانی ہو (یعنی خدائی احکام کارفرما ہوں) انسان کا کام یہ ہے کہ وہ خدائی احکام کو نافذ کرے اور ضرورت پڑے تو زبردستی نافذ کرے۔ یہی دین اسلام اور انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔ اگر کسی ریاست میں اسلامی اصول قوتِ نافذہ کے طور پر کارفرما نہیں ہیں تو ایسی ریاست کو اسلامی ریاست قرار نہیں دیا جاسکتا اور اگر اس ریاست کے شہری سچّے مسلمان ہیں تو انہیں غیر اسلامی ریاست کو اسلامی اصولوں کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اگر اسلامی ملک کے عوام واقعی اپنے قومی تشخّص کو مکمل طور پر دوبارہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اہلِ اسلام کو خدائی احکام کی روشنی میں حکومتی ڈھانچہ کو قابل عمل بنانے کے لئے اسلامی ریاست کے اقدار کو از سر نو زندہ کرنا پڑے گا۔

موجودہ دور کی فلاحی مملکت (Welfare State) میں قانون سازی کا حق بنیادی طور پر تسلیم کیا جاچکا ہے۔ مفکّرین نے قانون کی تعریف یوں کی ہے کہ.....

"انسانی زندگی کو منضبط کرنے کے لئے قواعد وضوابط کا ایسا مجموعہ جو افراد کی رضامندی سے مرتّب کیا جائے اور حکومت اُسے نافذ کرے"۔

مغربی طرز فکر کے مطابق دور جدید میں قانون کی مندرجہ ذیل چار اساس تسلیم کی گئی ہیں:-

1۔ افرادِ انسانی کا گروہ۔ 2۔ قواعد وضوابط۔

3۔ قوم کی اجتماعی رضامندی۔ 4۔ حکومت کا انہیں تسلیم کر کے اپنی عدالتوں کے ذریعہ نافذ کرنا۔

جبکہ کارل مارکس نے اشتراکی نظریہ کی بنیاد پر یہ قرار دیا کہ:-

" قانون "ریاست سے وابستہ ہے اور "ریاست" مظالم ڈھانے کا ذریعہ بلکہ ریاست ایک طبقہ کو مٹانے اور پامال کرنے کی تنظیم ہے۔ (یعنی مبنی پر Expliotation ہے)

اس طرح اشتراکی نظریّہ کے تحت قانون کی عمل داری اور اس کی افادیّت سے انکار و انحراف کمیونسٹ ممالک میں جس طرح کیا گیا اس سے قانون نے وہاں سیاست کے اشاروں پر رقص کرنا شروع کر دیا اس لئے اُن ممالک میں تاحال قانون سیاست کے چنگل سے نجات حاصل نہ کر سکا کیونکہ مذکورہ بالا نظریہ کی رو سے قانون سیاست کا آلۂ کار و محکوم بن کر رہ گیا ہے۔

عہد قدیم میں مذہب اور قانون کا آپس میں گہرا تعلق اور رشتہ تھا مگر عہد جدید میں مذہب کا قانون پر کوئی نمایاں اثر باقی نہ رہا حتیٰ کہ بہت سے لوگوں میں اب یہ خیال راسخ ہوتا جا رہا ہے کہ مذہب اور قانون کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں کیونکہ بقول ان کے "مذہب" خدا اور انسان کے تعلقات متعیّن کرتا ہے اس لئے قانون کا اخلاق سے کوئی تعلق یا واسطہ نہیں۔ لیکن آج بھی اس حقیقت سے مفر ممکن نہیں کہ قانون اور مذہب ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ مذہب کے بغیر اخلاق کا وجود ناممکن اور اخلاق کے بغیر قانون کا وجود محال ہے۔ بقول گلیڈسٹون.....

"اچھا قانون نیکی کرنے کو آسان اور بُرائی کے ارتکاب کو مشکل بنا دیتا ہے"

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت عربوں میں تمام تر روایات و رسوم و رواج نسلاً در نسلاً چلے آ رہے تھے۔ حتیٰ کہ روم، ایران و دیگر ہمسایہ اقوام کے طریقے اور فرسودہ عقائد بھی عربوں میں رواج پا گئے۔ طاقتور اور بارسوخ جو چاہتا کر سکتا تھا۔ مقروض کو قرضہ ادا نہ کرنے کی صورت میں فروخت کر دیا جاتا یا مرتہن تمام مال کا مالک بن جاتا۔ قتل عمد و قتل خطا میں کوئی

فرق نہ تھا۔ قتل کی سزا بعض اوقات قاتل تک محدود رہنے کے بجائے پورے قبیلے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ ثبوت بتوں کی قسمیں کھا کر پیش کیا جاتا۔ قسم ٹوٹنے پر سو اُونٹ تک جرمانہ عائد ہوتا۔ مُتعہ کا رواج تھا باپ کی وفات کے بعد بیوگان بڑے فرزند کے حرم میں شامل ہو جاتیں وغیرہ وغیرہ۔

اسلام نے پہلے تو اخلاقی انحطاط، قانونی بحران اور معاشرتی بدنظمی کو دور کر کے منتشر اور منقسم سوسائٹی کو وحدت کی ایک لڑی میں پرو دیا۔ تمام غلط عادات ورسومات اور انصاف کی بے ضابطگیوں کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ سوسائٹی کے اخلاق اور ارتقاء کے ماتحت قانون کا نزول نیز قانون کے ساتھ اس کی اصل روح کی عمل داری ہی اسلامی قانون کی دو ایسی خوبیاں ہیں جو کہ کسی دیگر نظریہ قانون میں نہیں پائی جاتیں۔ جبکہ اسلام کا تخیّل قانون اپنے اندر ایسی ایک لچک رکھتا ہے۔ جس پر کسی دور اور کسی معاشرہ میں نافذ کیا جا سکتا ہے۔

مسلم معاشرہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر دیگر خصوصیات کے علاوہ سیاسی اقتدار کی بھی گنجائش پیدا کرے کیونکہ قوانین کا نفاذ اقتدار کے بغیر مشکل ہے۔ سیاسی اقتدار اس غرض کے لئے درکار ہوتا ہے کہ شریعت کے تجویز کردہ نظام زندگی کی حفاظت کرے۔ اُسے بگڑنے سے روکے۔ اس کی منشاء کے مطابق بھلائیوں کی نشوونما اور بُرائیوں کے استحصال کا انتظام کرے اور شرعی احکام کو جاری وساری کرے۔ اُن قوانین کے نفاذ کے لئے ایک نظام عدل (قضاء/عدلیہ) کا ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ اقتدار کا۔ یہی وہ آخری حصہ ہے جسے ہم اسلامی قانون کے نام سے موسوم کرتے ہیں کیونکہ اسلامی قانون میں قانون کا اطلاق اُن تمام احکام پر بھی ہوتا ہے جو سیاسی اقتدار کے ذریعہ نافذ کئے جائیں۔ اس لئے ہم شریعت کے صرف اُس حصہ کو اسلامی قانون قرار دیتے ہیں جسے وہ نافذ کرنے کے لئے خود اپنے

اصولوں اور مزاج کے مطابق ایک سیاسی اقتدار کی تشکیل کرے اور اُمتِ مسلمہ اس پر عمل پیرا ہو

۔

"قانون" ایک خصوصی مزاج کا حامل ہوتا ہے اور ایک خاص قسم کی روح اس کے رگ وریشہ میں رواں دواں ہوتی ہے۔ روح اور مزاج کی رعایت کے بغیر قانون کے ذریعہ نہ تو معاشرہ کی حفاظت ہوسکتی ہے اور نہ ہی وہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے جس کے لئے قانون وضع کیا گیا ہو۔ قانون کے کردار اور اثر کا تعلق بڑی حد تک روح اور مزاج سے ہی وابستہ ہوتا ہے۔ اس لئے جب اُس سے غفلت برتی جائے تو قانون موثر ہونے کے بجائے خود متاثر ہونے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ اپنی قوّتِ جاذبہ ختم کر کے اس کی معاشرتی ناہمواریوں اور بشری کمزوریوں سے سمجھوتہ کر لیتا ہے پھر اس کی حیثیت ایک رسم یا محض ضابطہ کی خانہ پُری کے باقی رہ جاتی ہے اور اس طرح اس کی تمام افادی صلاحیتیں مفقود ہو جاتی ہیں۔

فقہِ اسلامی کا تاریخی پسِ منظر :

فقہ کی حیثیت قرآن وسنت کی تعبیرات وتشریحات کی ہے۔ فقہائے اسلام اور مجتہدین کی حیثیت معلمین اور رہنمایانِ دین کی ہے جنہوں نے مسائل کے احکام کی تشریح وتوضیح کے لیے بحث وتحقیق اور اجتہاد واستنباط کی گراں قدر خدمات انجام دیں ہیں۔ ان کا فقہی اختلافِ اُمّت کی وحدت کے منافی نہیں ہے بلکہ شریعت کے محاسن میں شامل ہے۔ جیسا کہ قاضی ابن العربی نے فرمایا ہے کہ آئمہ کا فروعی اختلاف شریعت کی خوبیوں میں شامل ہے (احکام القرآن ۔ ج۔1۔ ص۔382)

فقہ اسلامی کی اساس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔ جس کی امام داؤدؒ نے سنن ابی داؤد میں روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ وتعالیٰ عنہ کو یمن بھیجنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

"جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو تم کیسے فیصلہ کرو گے؟"

حضرت معاذؓ نے فرمایا :-

"میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا"۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:-

"اگر تم (اس کا حکم) کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟"

حضرت معاذؓ نے فرمایا :-

"پھر سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کروں گا"۔

آپ ﷺ نے فرمایا :-

" اگر تم نہ سنّت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں (اس کا حکم) پاؤ اور نہ کتاب اللہ میں؟"

حضرت معاذؓ نے فرمایا :-

"میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کسر نہ اُٹھا رکھوں گا"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے لیکر جید فقہا تک اپنے اپنے ادوار میں مختلف مسائل و امور، کتاب اللہ، سنّت اور اجتہاد کی بنیاد پر حل ہوتے رہے ہیں۔ خلفاء راشدین، تابعین اور تبع تابعین کے عہد خیر القرون کہلاتے تھے ان کے دور میں اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں پر غالب آچکا تھا اسلامی فتوحات کے نتیجہ میں بہت قدیم ادیان و مذاہب، احکام و قوانین اور تہذیب و تمدن مفتوحہ اقوام کے ساتھ خلافت اسلامیہ میں داخل ہوئے۔ ان مختلف اقوام، مذاہب، قوانین اور ان کے ماننے والوں سے اختلاف و تصادم کے سبب خلافتِ اسلامیہ کو بہت سے جدید مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ خلافتِ عثمانیہ نے

اپنی خلافت میں فقہ حنفی کو نافذ کیا۔ اسلامی فقہ عہد جدید کے قانونی ضابطوں یا مجموعوں کی طرح دفعہ وار (Codified Law / Section wise) کی صورت میں موجود نہ تھی۔ خلافتِ عثمانیہ نے جدید تقاضوں کے مطابق بہت سے دیوانی قوانین وضع کئے۔

دُنیاوی مسائل اور فقہی مشکلات پر قابو پانے کے لئے جید فقہاء نے مسائل وفتاویٰ کی ضخیم کتابیں مرتب کیں جن میں فتاویٰ تاتارخانیہ اور فتاویٰ عالمگیری بہت شہرت کی حامل ہیں۔ ایسی مساعی جمیلہ سے مسائل وفتاویٰ کی تلاش میں کافی حد تک سہولت پیدا ہوگئی اس کے باوجود بھی جملہ اختلافات رفع نہ ہوسکے۔ مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی فقہ کو عہد حاضر کے قانونی مجموعوں کی صورت میں دفعہ وار ترتیب دینے کی کتنی ضرورت ہے۔ انہی تقاضوں کے پیش نظر امیر المومنین سلطان عبدالعزیز عثمانی (۱۲۷۷ھ تا ۱۲۹۳ھ) نے فقہاء، ماہرین قانون اور حکامِ عدلیہ پر مشتمل ایک مجلس قائم کی جس کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ وہ اسلامی فقہ کے حصہ معاملات کو دفعہ وار قانون (Codified Law) کی صورت میں مرتب کرے جسے ملکی قانون کا درجہ دیکر خلافت عثمانیہ کے طول وعرض میں نافذ کردیا جاوے۔

عالمِ اسلام میں مسلم معاشرہ تین طبقوں میں منقسم ہے۔ ایک طبقہ ایسا ہے جو بین الاقوامی حالات ومختلف نظریات کے تحت معاشی مسائل کا حل و دیگر اسی طرح کے مسائل کو سامنے رکھ کر اسلام کی نمائندگی کا دعویدار ہے۔ ایسا گروہ حکومتی سطح پر اسلامی قانون کو نافذ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا۔ دوسرا طبقہ ان افراد پر مشتمل ہے جو اپنے اسلاف اور شاندار ماضی سے کٹ کر دوسرے ازم اور افکار سے متاثر ہوکر اسلام کا ایک جدید ایڈیشن تیار کرنا چاہتا ہے۔ یہ طبقہ ماضی کی عظیم الشان روایات جن سے کسی قومی زندگی کی تعمیر ہوتی ہے، کو فرسودہ اور موجودہ سائنسی وتکنیکی دور کے تقاضوں کے منافی خیال کرکے غیر ترقی یافتہ تہذیب وتمدن کی

یادگار سمجھتا ہے یہ گروہ ہر باہر کی درآمد کردہ چیز کو بوتل میں بھر کر قوم کو تریاق کہہ کر فروخت کرتا ہے ۔ یہ طبقہ مذہبی اور قانونی معاملات میں پہلے طبقہ سے کہیں زیادہ خطرناک ہے ۔ تیسرا طبقہ کو کسی حد تک قدامت پسند کہہ دیا جاتا ہے درحقیقت وہ حالات وجدید تقاضوں کی روشنی میں قدیم چیزوں کو نئی ترتیب وتدوین دینا چاہتا ہے تاکہ اس کی افادیّت برقرار رہے ۔ اس طرح وہ ماضی و حال کا رشتہ منقطع نہیں ہونے دیتا ہے تاکہ قوم اپنے شاندار ماضی کی بنیادوں پر حال اور مستقبل کی پرشکوہ عمارت تعمیر کر سکے ۔ دراصل یہی تیسرا طبقہ مسلم معاشرہ کی بیداری کی علامت ہے ۔ فقہ کی جدید تدوین اسی طبقہ کے بے قرار دل کی آواز ہے ۔ اس لئے اس طبقہ کی حوصلہ افزائی اور اس کی فطری خواہشات کی تکمیل ضروری ہے ۔

کسی معاشرہ میں قانون کے ثبات اور استحکام کے لئے اس کی عظمت اور تقدّس کو بھی بحال و برقرار رکھنا لازمی امر ہے ۔ اس کی عظمت سے قانون کا وقار واحترام برقرار رہتا ہے اور تقدّس سے قانون کی شان دوبالا اور اس میں جاذبیّت پیدا ہوتی ہے ۔ اگر کسی مجموعہ قانون سے یہ دونوں چیزیں نکل جاویں تو پھر اس کی بقاء ممکن نہیں ۔ انسانی تاریخ میں جس قدر معاشرہ پر اثر مذہبی قانون نے ڈالا ، اتنا دنیاوی قانون نے متاثر نہ کیا ۔ اس لئے جدید تدوین میں قوانین کی بنیاد مذہب وشریعت سے جدا کر کے رکھنا مناسب نہ ہوگا جو مسلم معاشرہ کے مزاج کو بھی راس نہ آسکتا ہے ۔

قانون وانصاف کا چارٹر :

اسلامی قانون کی اساس حضرت عمر فاروقؓ کا سب سے مستند فرمان یعنی وہ خط / مراسلہ ہے جو انہوں نے ابوموسیٰ اَلاشعری کو ارسال فرمایا تھا ۔ اس میں انصاف کے تقاضوں اور مقدمات کے فیصلہ کرنے کے کچھ بنیادی اصول بیان فرمائے تھے ۔ اس میں "قیاس" اور "

اجتہاد" کی اجازت دی گئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے یہ قانون وانصاف کا چارٹر ابوموسیٰ کو عراق کے قاضی کے منصب پر فائز ہونے کے بعد ارسال فرمایا تھا۔ جس کا یہاں مطالعہ علمی تحقیق اور آئندہ کے لائحہ عمل کے لئے ضروری ہے اس مراسلہ / فرمان کو ادب۔ قانون اور منصب قضاء کا ایک جامع چارٹر قرار دیا جاسکتا ہے۔ جو قرآنی روح اور شریعت کے مزاج کی صحیح غمازی کرتا ہے جیسا کہ کلام حکیم میں فرمایا گیا ہے کہ.....

"جب تم انصاف کرنے لگو تو اس میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھو"۔ (سورۃ "م": ۵۷)

کلام پاک کی اس آیت کی ترجمانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انصاف وقانون کے چارٹر سے اس طرح ہوتی ہے:-

☆ واضح ہو کہ تصفیہِ مقدمات ایک اہم فریضہ ہے جو ہر زمانہ اور ابتدائے اسلام سے ادا ہوتا رہا ہے جب کوئی مقدمہ تمہارے پاس آئے تو اس کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھو اور جب صحیح فیصلہ سوجھ جائے تو اس کو نافذ کردو۔ کیونکہ زبانی فیصلے بے سود ہیں جب تک انہیں عملاً نافذ نہ کیا جائے۔

☆ مدعّی اور مدعا علیہ کے ساتھ یکساں سلوک کرو۔ کسی فریق سے التفات برتنے، عدالت میں بٹھانے یا انصاف کرنے میں کوئی امتیاز نہ برتو تا کہ بڑا آدمی یہ توقع نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ رعایت کرو گے اور غریب کو یہ اندیشہ نہ ہو کہ اس کے ساتھ بے انصافی سے پیش آؤ گے۔

☆ مدعّی سے گواہ طلب کئے جائیں اور مدعا علیہ سے قسم لی جاوے۔

☆ مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا جائز ہے بشرطیکہ اس سے قرآن کا کوئی قانون نہ ٹوٹے۔

☆ اگر آج تم کوئی فیصلہ کرو اور بعد میں (مزید غور وخوض کر کے) اس سے بہتر فیصلہ تم کو سوجھے

تو پہلے فیصلے کو رد کر سکتے ہو۔ اس لئے کہ حق ازلی اور اس کی طرف رجوع کرنا غلطی پر اڑے رہنے سے بہتر ہے۔

☆ اس مقدمہ میں خوب غور کرو جو تمہارے دل میں خلش پیدا کئے ہوئے ہو۔ جس کا حل قرآن وسنّت میں تم کو نہ ملے تو ایسے مسائل کو اچھی طرح ذہن نشین کرو جن میں کوئی وجہ مشابہت ہو اور باہم ملتے جلتے فیصلے اخذ کرو۔

☆ ان فیصلوں میں سے جس کے بارے میں سمجھو کہ انصاف سے قریب تر ہے اور خدا کو سب سے زیادہ پسند ہوگا اس کو اختیار کرو۔

☆ کوئی شخص اگر اپنا دعویٰ ثابت کرنے یا گواہ فراہم کرنے کے لئے مہلت مانگے تو اس کو مہلت دو۔

☆ اگر مدعی معیاد مقررہ میں دو گواہان پیش کر دے تو اس کا حق دلوا دو ورنہ اس کے خلاف فیصلہ کر دو یہ بہترین طریق کار ہے جس سے فریقین کی نظر میں نہ تو تمہاری غیر جانبداری مشتبہ ہوگی اور نہ ان کو تمہارے فیصلہ پر اعتراض ہوگا۔

☆ ہر مسلمان کو گواہی دینے کا حق حاصل ہے اِلّا یہ کہ کسی سنگین جرم میں حدود کی سزا بھگت چکا ہو یا جھوٹی شہادت کے لئے بدنام ہو یا اگر آزاد کردہ غلام ہے تو اس پر غلط آقا کی طرف خود کو منسوب کرنا یا (آزاد ہے تو) غلط حسب ونسب بتانے کا الزام ہو۔

☆ تمہاری بداعمالیوں (کی سزا) کا معاملہ خدا کے ہاتھ ہے (دنیا میں قانونی) سزا سے بچنے کے لئے اس پر شہادت اور حلف ضروری قرار دیا ہے۔

"خبردار انصاف کرتے وقت انصاف جو خدا کے انعام اور اچھی شہرت کا موجب ہے تمہارے دل میں اہل مقدمہ سے خفگی، اکتاہٹ یا چڑچڑاپن پیدا نہ ہو اور نہ (حق بات میں)

فریقین کے ساتھ بدمزاجی سے پیش آؤ کیونکہ جو خدا سے اپنے معاملات میں مخلص ہوتا ہے، خدا لوگوں سے اس کے معاملات ٹھکانے لگا دیتا ہے اور جو لوگوں کے سامنے ریاء کرتے ہیں خدا ان کو رسوا اور خوار کر دے گا"۔

اسی طرح کا فرمان حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے گورنر مصر مالک اُشتر کو ارسال فرمایا جو عدلیہ کے ججوں کے اوصاف و فرائض پر مبنی اسلامی عدل و انصاف کا اعلیٰ چارٹر ہے اور امیر المومنین کے فرامین میں سے ایک شاہکار ہے جو حسبِ ذیل ہے۔

☆ لوگوں میں عدل و انصاف کے لئے رعایا میں سے ایسے شخص کو قاضی / جج منتخب کرو جو عدالت کے لئے سب سے زیادہ موزوں، اہل و افضل ہو۔

☆ جو مقدمات کی تعداد اور واقعات مقدمہ کی پیچیدگیوں سے دلبرداشتہ نہ ہوتا ہو۔

☆ جو اپنے کسی فیصلے کے غلط نقطہ نظر پر مصر ہونے یا اسے درست ثابت کرنے میں نہ لگا رہتا ہو۔

☆ جو حق کے ظاہر ہو جانے یا صحیح صورت حال معلوم ہو جانے پر غلطی کو درست کرنے میں اپنی عظمت کی کجی کے مترادف خیال نہ کرتا ہو۔

☆ جو ذاتی طمع یا لالچ کا اسیر ہونے والا نہ ہو۔

☆ جو معاملہ کو خوب چھان بین کرنے کی مشقت کئے بغیر سرسری طور پر ہی عقدہ حل کر دینے پر اکتفا نہ کرتا ہو بلکہ شک و شبہ پیدا ہونے پر قدم روک کر دوبارہ باریک بینی سے کام لے کر درست نتیجہ اخذ کر کے فیصلہ کرنے والا ہو۔

☆ جو دلیل، حجّت اور ثبوت کو سب سے زیادہ اہمیّت دیتا ہو۔

☆ جو فریقین کے مابین تنازعہ میں طویل بحث اور دقیق دلائل سننے میں اکتا نہ جاتا ہو اور نہ

غصہ میں آتا ہو۔

☆ جو بے خوف وخطر اور بلا تحریص وتعصب، معاملات کی تہہ تک پہنچنے میں نہایت صبر وتحمل سے کام لیتا ہو۔

☆ جو اپنی تعریف۔ستائش یا خوشامد سے غرور وتمکنت میں نہ آجاتا ہو یا اس وجہ سے متاثر ہوکر کسی فریق مقدمہ سے انصاف کرنے میں جانبداری سے کام نہ لے۔

لیکن

بدقسمتی سے ان خصوصیات کے حامل چند افراد ہی ہوتے ہیں

اس لئے

☆ سربراہ حکومت کو اپنے مقرر کردہ ججوں کے کچھ فیصلوں اور ان کے اختیار کردہ طریق کار کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔

☆ ان کو اس قدر مال دیا جائے کہ انہیں لوگوں کی طرف سے حرص وطمع یا رشوت کی گنجائش باقی نہ رہے یعنی وہ خود کفیل ہوجائیں۔

☆ سربراہ مملکت کے نزدیک کوئی دیگر شخص اُن سے زیادہ قربت رکھنے والا نہ ہوتا کہ کوئی اسے ضرر پہنچانے کا خیال بھی نہ کرسکے اور اس کے التفات کی وجہ سے لوگوں کی سازشوں سے محفوظ رہیں۔

☆ عدل واحسان کے لئے ججوں کے انتخاب میں بالغ نظری سے کام لیا جائے تاکہ انتظامیہ کے دباؤ اثر یا خوف وسازش سے کلی طور پر آزاد ہوں جہاں نفسانی خواہشات کی کارفرمائی نہ ہو یعنی وہ طلب دنیا کا ذریعہ نہ بن جائیں۔

علم فقہ (Islamic Jurisprudence) :

فقہ مصدر ہے اور یہ باب سمع اور کرم سے آتا ہے۔ جن احکام کا تعلق عمل سے ہوتا ہے ان کو احکام فرعی کہا جاتا ہے اور جن کا تعلق اعتقاد سے ہوتا ہے ان کو احکام اصلی کہا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ حلال وحرام اور جائز و ناجائز کا علم فقہ کہلاتا ہے جبکہ صوفیائے کرام کے نزدیک علم و عمل کے مجموعہ کا نام فقہ ہے۔ فقیہہ اس عالم کو کہا جاتا ہے جو شریعت کے احکام کو واضع کرے۔

امام غزالیؒ نے فقہ (Jurisprudence) کے معنی فہم، تدبیر اور دین میں بصیرت بیان کئے ہیں۔ فقہ کی حقیقت، تخلیق و تفتیش کرنا اور کھولنا ہے۔ اس نظریہ کی بناء پر فقیہہ (Jurist) کی تعریف محققین نے یوں کی ہے.....

" فقیہہ وہ عالم ہے جو تفکر اور تدبیر کر کے قوانین کے حقائق کا پتہ لگائے اور مشکل و دقیق امور کو واضح کرے"۔

امام حسن بصریؒ نے فقیہہ میں درج ذیل اوصاف کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے:-

1۔ جو دُنیا میں دل نہ لگائے یعنی دُنیا مقصود بالذات نہ ہو 2۔ آخرت کے کاموں سے رغبت رکھے۔

3۔ دین میں کامل بصیرت ہو۔ 4۔ طاعات پر مداومت کرنے والا اور پرہیز گار ہو۔

5۔ مسلمانوں کی بے آبروئی اور ان کی حق تلفی سے بچنے والا ہو۔

6۔ اجتماعی مفاد اس کے پیش نظر ہو یعنی شخصی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دیتا ہو۔ 7۔ مال و دولت کی طمع نہ ہو۔

خلفائے راشدینؓ اور بعض دیگر صحابہؓ کی زندگی شریعت اور مزاج شریعت سے اس

قدر ہم آہنگ ہوگئی تھی کہ بہت سے احکام کے لئے ان کی رائے کے موافق وحی نازل ہوتی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں نہ تو فقہ کی باقاعدہ تدوین ہوئی تھی اور نہ اس کے حدود وقیود متعیّن ہوئے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ علیہم رسول اللہ ﷺ کو جو جو فعل جس طرح کرتے دیکھتے بس اس کی نقل کر کے عمل کرنے میں دین ودُنیا کی سعادت سمجھتے تھے۔ان کے سامنے یہ سوال ہی نہ تھا کہ آپ ﷺ کا کون سا فعل کس درجہ کا ہے؟ کس فعل کو آپ ﷺ نے بطریق عادت کیا یا بطریق عبادت ۔اس کا کرنا ضروری ہے یا نہیں ۔ جو کچھ جس طرح آپ ﷺ نے کیا تھا وہ صحابہؓ کیا کرتے تھے اور اتباع وپیروی کی یہی قسم انہیں جان سے زیادہ عزیز تھی۔صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین کا دور آیا انہوں نے بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور صحابہؓ کے اقوال وافعال خود صحابہ کرامؓ سے حاصل کئے اور حالات ومسائل کا تجزیہ کرنے میں غور وفکر اور تدبیر کر کے وہی طریق اختیار کیا جو صحابہؓ نے کیا تھا۔پھر تبع تابعین کا دور آیا انہوں نے اپنے پیشروں کی پوری زندگی اور سارے معاملات ومسائل کو عقل وبصیرت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی اور اسی روشنی میں فقہ کی تدوین عمل میں آئی۔قدیم فقہاء نے اجتہاد کے لئے کافی مواد فراہم کر دیا ہے۔اصول وضابطے مرتّب شدہ ہیں۔اس کا طریق کار متعیّن ہے لیکن مدوّن شکل میں موجود نہ ہے البتہ اس سے اب فائدہ اُٹھانے کی ضرورت ہے۔تجدیدی عمل اور فقہ کی صنعت میں تبدیل ہونے کے بعد فقہ کا تعلق اب حسب ذیل مباحث سے ہے۔

1۔ عبادات: اللہ اور بندے کے درمیان تعلّق۔

2۔ معاملات : معاشی ومعاشرتی قوانین مثلاً خرید وفروخت، عاریت، امانت وضمانت وغیرہ

۔

3۔ مفاکحات: نسل انسانی کی بقاء سے متعلق قوانین جس میں نکاح، طلاق، عدّت، نسب،

ولایّت ،وصیّت اوروراثت وغیرہ۔

4۔ عقوبات: اس میں جرائم اوران کی سزا سے متعلّق بحث ہوتی ہے مثلاً قتل، چوری، تہمت نیز قصاص، تعزیرات وخون بہاوغیرہ۔

5۔ مخاصمات : اس میں عدالتی مسائل قانون اوراصول محاکمہ وغیرہ۔

6۔ حکومت وخلافت: اس میں قومی وبین الاقوامی معاملات صلح وجنگ کے احکامات وزارت محاصل وغیرہ شامل ہیں۔

مشہور زمانہ فقہائے اربع میں اوّل امام مالکؒ (۷۹ھ تا ۹۳ھ)۔ دوئم امام ابوحنیفہؒ (۸۰ھ تا ۱۵۰ھ)۔سوئم امام شافعیؒ (۱۵۰ھ تا ۲۰۴ھ)۔ چہارم امام احمد حنبل (۱۶۴ھ تا ۲۴۱ھ)۔ان کے علاوہ صحابہ کرام میں سے عبداللہ بن مسعودؓ علم فقہ میں امتیازی مقام رکھتے تھے۔ اس طرح فقہائے کرام۔ مجتہدّین عظّام کی اتباع اور پیروی ضروری ہے جس طرح اتّباع رسول ﷺ ضروری ہے کیونکہ اللہ ربّ العزّت کا ارشاد ہے کہ

" ان لوگوں کی راہ پر چلتے رہنا جو میری طرف رجوع ہوں اور میرے احکام کی پیروی کرتے ہوں"

اسلامی قانون کی جدید تدوین اوراس کے ماخذ :

اسلامی قانون کی جدید تدوین کو دوحصوں میں تقسیم کیا جاوے۔ اوّل وہ جس کا تعلّق عقائد، عبادات واخلاقیات اور افراد معاشرہ کی انفرادی زندگی سے ہو۔ دوئم وہ جس کا تعلّق معاشرہ میں معاشیّات، سیاسیات وغیرہ یعنی ملکی قوانین سے ہو۔عوام کا تعلق پہلے حصّہ قانون سے ہوتا ہے اس میں کسی تبدیلی کی کی ضرورت نہ ہے۔ دوسرے حصّہ قانون میں کافی غور وخوض کے بعد اس کی تدوین جدید حالات ومسائل اور نئے تقاضوں کے مطابق ہونا چاہیے۔

جس کے تحت نئے پیش آمدہ مسائل کا حل دریافت کرنا اور مسلم معاشرہ کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ رکھتے ہوئے اپنا علیحدہ تشخص برقرار رکھنا ہوگا۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ جس اسلامی ملک میں جو فقہ رائج ہو اس کو سامنے رکھ کر جدید تدوین کا کام کیا جاوے البتہ جن مسائل میں حالات و تقاضوں کے مطابق تبدیلی کرنا پڑے یا نئے مسائل حل کرنے کی ضرورت ہو تو ایسے حالات میں دوسری فقہ ہائے نیز اختلافِ فقہا سے ضروری مدد لی جاوے ورنہ اس کے بغیر اس مقصد کی تعمیل کی اور کوئی بہتر صورت ممکن نہیں۔

اسلامی قانون کی بنیاد قرآن حکیم، احادیث نبوی ﷺ اور اجماعِ امّت ہیں جہاں پر اوّل الذکر دونوں ذرائع سے کوئی نظیر راہنمائی کے لئے نہ ملتی ہو تو "اجماع" کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اسلامی قانون کی جدید تدوین میں یہ اصول جتنا اہم ہے اسی قدر اس پر بے توجہگی برتی گئی۔ شخصی حکومتیں اس قسم کے ادارہ کو برداشت نہ کرتی تھیں کیونکہ اس سے ان کے اقتدار اعلیٰ پر ضرب پڑتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی مفاد اور خود غرضی کے پیش نظر اسلامی تاریخ میں اس اہم اصول کو فعال کردار ادا کرنے کا موقع میسّر نہ آسکا۔

"اجماع" کی اصل اور ممکن العمل صورت یہی ہے کہ قانونی معاملات میں حکومتِ وقت کی امداد اور رہنمائی کے لئے ایک مجلس مشاوّرت تشکیل دی جاوے جو نئے حالات و جدید مسائل پر غور و فکر کر کے موجودہ قوانین کو اسلامی قالب میں ڈھالتے ہوئے اس کی جدید تدوین کرے اور اسے مدون صورت یعنی (Codified) شکل میں امّتِ مسلمہ کے سامنے پیش کرے۔ موجودہ ترقی یافتہ دور میں جدید تقاضوں اور نت نئے مسائل کے پیش نظر درج ذیل امور سے اسلامی قانون کی تدوین کے تقاضے کما حقہٗ پورے ہو سکتے ہیں :-

1۔ نصوص قرآنیہ : کلامِ حکیم کی آیات اور اُن کے موقع و محل کے تعیّن میں سیرّت اور عہدِ صحابہ

سے استفادہ۔

2۔ احادیثِ نبوی ﷺ :احادیثِ نبوی ﷺ سے استفادہ کرتے ہوئے روایت و درایت دونوں سے کام لینا۔

3۔ اجماع :اہل علم اور فقیہہ افراد کی مجلس مشاورّت اور جدید مسائل پر اُن کی رائے۔

4۔ قیاس : سابقہ فیصلوں ونظائر کی روشنی میں نت نئے مسائل کا حل۔

5۔ استحسان: کسی مسئلے کے دو پہلوؤں میں سے کسی ایک کو معقول دلیل کی بنا پر ترجیح دینا۔

6۔ استصلاح : ضرورت اور مصلحت کو بنیاد بنا کر مسائل کا حل نکالنا۔

7۔ استدلال : تمام وہ طریقے جن سے فقہاء نے کام لیا۔

8۔ تعامل : رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کے عمل کی تقلید۔

9۔ عرف ورواج : عرب وغیر عرب کے عرف ورواج جو اسلام کے اصولوں کے منافی نہ ہوں۔

10۔مسلّمہ شخصیتوں کی رائے: اقوال، فتاویٰ ،عدالتی فیصلے وسرکاری ہدایات وغیرہ ۔

11۔ملکی قوانین: جن سے کسی اسلامی یا فقہی اصول پر زد نہ پڑتی ہو۔

12۔فقہی کلیّات: فقہی اصول وضوابط۔ 13۔فقہی احکام میں تخفیف وسہولت کے اسباب:

تقلید اس کو کہتے ہیں کہ اطاعت خداوندی اور احکامات الٰہی کو انبیاء اکرام ، آپ ﷺ کے اصحابِ کرام، فقہائے اکرام اور مجتہدین عظّام کے ذریعہ سمجھ کر ان پر عمل کرنا اور اُن احکامات کی تشریح ان حضرات کے ذریعہ کتاب وسنّت سے معلوم کر کے ان پر عمل پیرا ہونا۔ جہاں تک تقلید شخصی کا تعلّق ہے اس کی مثال کہ اہل مکّہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اقوال کو

ترجیح دیتے تھے جبکہ اہل مدینہ حضرت زین بن ثابتؓ کے اقوال پر عمل کرتے تھے اور اس کے خلاف کوئی بات سننا پسند نہیں کرتے تھے کسی دیگر کے فتویٰ پر عمل نہیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی ان لوگوں پر اعتراض نہیں کیا۔ اس طرح جو لوگ علم میں بصیرت نہیں رکھتے وہ کسی صاحب علم اور امام کی تقلید کو اپنے اُوپر لازم کرلیں تو یہ بلاشبہ جائز ہے۔

اسلامی فقہی قواعد وکلیات کی تشریح وتوضیح:

فقہی اصول یا قواعد یا کلیات، اسلامی قانون یا فقہ کے قواعد یا کلیات ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کلیات ایک لحاظ سے فقہی ضرب الامثال ہیں جو فقہ اور اصول فقہ پر مبنی ہیں۔ جس طرح کسی زبان مثلاً زبان اُردو کی ضرب الامثال ہیں اور ان میں سے ہر ایک ضرب المثل کے تھوڑے سے الفاظ بہت زیادہ معنی ادا کردیتے ہیں۔ اسی طرح سے ان قواعد وکلیات میں سے ہر ایک کے تھوڑے سے الفاظ بہت زیادہ معنی ادا کردیتے ہیں۔ مثلاً اُردو زبان میں مستعمل فارسی الفاظ سے مرکب یہ ضرب المثل "آب آمد تیمم برخاست" اس فقہی مسئلے کو ظاہر کرتی ہے کہ جب پانی میسر نہ ہو تو وضو کا متبادل یعنی تیمّم جائز ہے لیکن جونہی پانی میسر آجائے تو تیمّم کی اجازت ختم ہوجاتی ہے اور لازمی طور پر وضو واجب ہوگا کیونکہ تیمّم کا جواز محض پانی کی عدم دستیابی تھا اگرچہ اُردو زبان میں "آب آمد تیمّم برخاست" کا استعمال غیر فقہی سیاق وسباق میں بھی ہوسکتا ہے اور ہوتا ہے۔

ایسا حکمِ کلّی جو اپنے تمام جزئیات پر حاوی ہو، اسے اصول یا قاعدہ یا کلیہ کہتے ہیں۔ یہ قواعد ایسے عام اصول ہوتے ہیں جن کے تحت اکثر جزئیات آجاتے ہیں اور ان کی بنیاد اکثریت پر ہوتی ہے۔

مسلمان محققین وفقہا نے مسائل فقہ کو قواعد وکلیات کے تحت جمع کردیا ہے۔ انھوں نے

ان قواعد وکلیّات پر بہت کام کیا ہے اور بڑی دقیع اور مبسوط کتابیں لکھیں ہیں جن میں سے بعض کتب " الاشباہ والنظائر " کے نام سے مشہور ہیں ان کتب میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں :

1۔ الاشباہ والنظائر : ابن نجیم 2۔ الاشباہ والنظائر : امام سیوطی

3۔ القواعد: ابن رجب حنبلی

4۔ قواعد الاحکام فی مصالح الانام: عز بن عبدالسلام

5۔ القواعد الفیہہ النورانیہ: ابن تیمیہ 6۔ قواعد الجامع

7۔ اسلامی قانون کے کلیّات: عبدالمالک عرفانی

8۔ مجلّہ احکام عدلیہ : جس میں صرف تمدنی زندگی کے متعلق 99 کلیّات ہیں ان کا تعلّق حنفی فقہہ سے ہے (فلسفہ شریعت اسلام صبح مہمصانی ص 400)۔

تمام شریعتوں میں قواعد وکلیہ کی مثالیں یہ ہیں۔ ناحق قتل کا حرام ہونا۔ ناجائز طریقہ پر لوگوں کا مال ہضم کرنے کا حرام ہونا۔ اور زنا وغیرہ کا حرام ہونا۔ امام طبیؒ اور امام شاطبی کے نزدیک یہ قواعد کلیّات ایسے ابدی قواعد ہیں جن پر دنیا پیدا کی گئی ہے اور جن پر لوگوں کی اصلاح موقوف ہے انہی کے مطابق شرع اسلامی کے احکام آئے ہیں۔ چنانچہ یہ ایسے قواعد وکلیّات ہیں جو قیامت تک باقی رہیں گے (مواقعات: امام شاطبیؒ ج۔ دوئم ص 298)۔ چند مشہور قواعد وکلیّات کا ذکر حسب ذیل ہے۔

ا۔ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ ۔یعنی اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے۔ یہ قاعدہ رسول اکرم ﷺ کی مشہور حدیث

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّا تِ۔ یعنی اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے، پر مبنی ہے۔ مثلاً اس قاعدے سے

ملزم کو سزا اُس وقت ہوگی جب جرم کے سرزد ہونے میں نیت بھی پائی جائے۔ اس حدیث یا قاعدہ پر مبنی ایک اور قاعدہ بھی ہے یعنی اَلثَّوَابُ وَالْعِقَابُ اِلَّا بِالنِّیَّۃِ جزا اور سزا صاف نیت کی بنا پر ہوگی (الاشباہ والنظائر : ابن نجیم و اسلامی قانون کے کلیات : عبدالمالک عرفانی ص48)

یہی قاعدہ مجلّہ احکامِ عدلیہ کی دفعہ 76 میں بھی دیا گیا ہے۔ مجلّہ کی دفعہ 77 میں اسی قاعدے کی وضاحت ایک دوسرے قاعدے سے کی گئی ہے یعنی اَلْبَیِّنَۃُ لِاِثْبَاتِ خِلَافَ الظَّاہِرِ وَالْیَمِیْنِ لِاِبْقَاءِ الْاَصْلِ : یعنی گواہی خلاف ظاہر کو ثابت کرنے کے لیے ہوتی ہے اور قسم یا حلف اصل یا موجودہ صورتِ حال کو باقی رکھنے کے لیے ہوتی ہے (مجلّہ احکام عدلیہ اُردو ترجمہ مفتی امجد علی ادارہ تحقیقیات اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد) مذکورہ بالا قاعدہ انگلش قانون میں بھی مستند ہے اور آج کل پاکستان اور دوسرے ممالک میں عدالتیں اسی پر عمل پیرا ہوتی ہیں۔

۲۔ اَلْیَقِیْنُ لَا یُزَلُ بِالشَّکِ : یعنی یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ اس قاعدے کی تشریح صحیح مسلم میں مروی ایک حدیث سے لی جاتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اِذَا وَجَدَ اَحَدُکُمْ فِی بَطْنِہٖ فَاَشْکَلَ عَلَیْہِ اَخَرَجَ مِنْہُ شَیْئاً اَمْ لَا فَلَا یَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰی یَسْمَعَ صَوْتاً اَوْ یَجِدُ رِیْحاً : یعنی جب کسی کے پیٹ میں قرقر ہو اور یہ پتہ نہ چلا سکے کہ وضو اور نماز کے توڑنے والی کوئی چیز پائی گئی ہے یا نہیں تو جب تک یقین نہ ہو جائے اس پر عمل نہ کرے اور بدستور وضو اور نماز پر قائم رہے۔ کیونکہ پہلے کی حالت پر یقین ہے اور درمیان میں پیش آنے والی حالت میں تذبذب اور شک ہے اس بنا پر یقین کی حالت کو شک کی وجہ سے ختم کرنے کا حکم نہیں۔ (فقہ اسلامی کا تاریخ پس

منظر: محمد تقی امینی ص 340-339)

۳۔ لَاضِرَرَ وَّلَا ضِرَارَ : یعنی نہ تو کسی کو ضرر پہنچانے کی اجازت ہے اور نہ ضرر کے ذریعے کسی ضرر کے دفع کرنے کی اجازت ہے۔ اس قاعدے کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان نہ تو کسی کو نقصان پہنچائے اور نہ خود نقصان اٹھائے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک بھوکے انسان کی جان بچانے کے لیے کسی دوسرے بھوکے انسان کا کھانا کھالینا ناجائز ہے۔

۴۔ مَالَا قِیَمَ الْوَاجِبُ اِلَّابِہٖ فَھُوَ الْوَاجِبَ : یعنی وہ چیز جس کے بغیر ایک فرض مکمل نہیں ہوتا وہ بھی فرض ہو جاتی ہے مثال کے طور پر نماز ایک فرض ہے لیکن اس کی ادائیگی کے لیے منجملہ دیگر امور کے وضو ضروری ہے اس لیے وضو بھی فرض ہو جاتا ہے۔ اگر وضو بلا کسی عذر کے نہ کیا جائے تو نماز کی ادائیگی نہیں ہوتی۔

۵۔ وَلَاتَزِرُوَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (فاطر ۳۵:۱۸): یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ یہ قاعدہ قرآن مجید کی سورۃ الانعام کی آیت نمبر 165 پر مبنی ہے۔ ذمہ داریوں اور سزاؤں کے متعلق یہ قاعدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس قاعدے کے تحت ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور اپنی ذمہ داریوں کے لیے جواب دہ ہے۔ وہ کسی دوسرے شخص کی ذمہ داری کے لیے جواب دہ نہیں۔

کسی بھی عدالت میں حق صرف اس شخص سے طلب کیا جاتا ہے جس نے اسے غصب کیا ہو یا جس کے ذمہ کوئی حق واجب الادا ہو۔ البتہ اگر کوئی شخص رضا کارانہ طور پر اصل ذمہ دار کا ضامن بن جائے تو اس ضامن سے بھی وہ چیز وصول کی جاسکتی ہے۔ جب اصل ذمہ دار اپنے ذمہ سے عہدہ براہ ہو جاتا ہے اور اس کی کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہتی تو ضامن کی ذمہ داری بھی ختم ہو جاتی ہے۔

کسی شخص پر کسی جرم کا الزام ہو تو ملزم کے سوا کسی اور سے نہ تو جواب دہی کی جا سکتی ہے اور نہ جرم ثابت ہو جانے کے بعد مجرم کے علاوہ کسی اور کو سزا دی جا سکتی ہے۔

۶۔ اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ : یعنی انتہا کی شدید ضرورت کے وقت حرام چیز مباح ہو جاتی ہے اس قاعدے کی بنیاد قرآن مجید میں سورۃ بقرہ کی آیت کا یہ حصّہ ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَیْهِ یعنی" پس جو کوئی شدید ضرورّت سے مجبور ہو جائے جبکہ نہ تو اس کی نیّت اللہ تعالیٰ سے بغاوت ہے اور نہ حد سے بڑھنا۔ تو اس کے لیے کوئی گناہ نہیں کہ وہ حرام اشیاء استعمال کر لے۔" اس آیت کے پہلے حصے کا ترجمہ یہ ہے" اللہ تعالیٰ نے تم پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہے، حرام کر دیا ہے"۔ چنانچہ خاص حالات اور مجبوری کی صورت میں حرام چیزوں کا استعمال جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن صرف بقدر ضرورّت اور باامرِ مجبوری۔

یہ قاعدہ گویا نظریہ ضرورت پر دلالت کرتا ہے چنانچہ حلق میں لقمہ پھنس جائے اور پانی نہ ملے تو شراب جیسی چیز سے اسے نگلا جا سکتا ہے کیونکہ پانی نہ ملنے پر شراب پی کر جان بچانا مقصود ہے۔ بلکہ فقہاء کے ایک گروہ کے نزدیک اگر کوئی پیاسا پانی نہ ملنے پر اور شراب مل جانے کی صورت میں شراب پی کر اپنی جان نہیں بچاتا اور مر جاتا ہے تو اس کی موت کو خودکشی پر محمول کیا جائے گا۔ اس طرح جبر کی حالت میں زبان سے کفر کا کلمہ کہنا جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ مقروض اگر قرض ادا نہ کرے تو قرض خواہ کی درخواست پر عدالت مقروض کے مال میں سے بقدر مالیّت قرضہ رقم لے سکتی ہے۔

ذاتی دفع کا اصول بھی اسی قاعدے سے ماخوذ ہے اگرچہ جھوٹ بولنا جائز نہیں لیکن جبر

یا مجبوری کے تحت صرف جان بچانے کے لیے جھوٹ کی اجازت ہے۔

اس قاعدے کے استعمال کے لیے کچھ صورتیں ہیں۔ اگرچہ وہ بھی قواعد کا درجہ رکھتی ہیں۔ چنانچہ اس کے استعمال کے لیے جن صورتوں کا مدِ نظر رکھنا ضروری ہے وہ درج ذیل ہیں۔

(ا)۔ جو کام عذر کی بنا پر جائز ہو، عذر ختم ہونے پر باطل ہوگا۔

(ب)۔ جو چیز ضرورت کی بناء پر جائز ہو، اس کے استعمال کا اندازہ اس ضرورت کی مقدار سے لگایا جائے گا۔

(ج)۔ ضرورتوں کا اندازہ ان کی مقدار سے لگایا جائے گا۔

7۔ تُصَرِّفُ الْاِمَامُ عَلَى الرَّحْمَةِ منوطِ بِالْمُصْلِحَتِهِ الرَّعِيَّةِ یعنی امام یا سربراہِ ریاست کا رعیّت پر تصّرف رعیّت کی فلاح و بہبود سے مشروط ہے۔ یہ قاعدہ نہایت ہی اہم ہے اور معاشرے کے استحکام کے لیے بنیادی اصول فراہم کرتا ہے۔ کسی بھی اسلامی ریاست کا صدر اور اس کے تمام وزیر و مشیر اور دیگر مناصب پر متمکّن افسران اس امر کے پابند ہیں کہ وہ شہریوں کی بہتری کے لیے امور سرانجام دیں۔ یہ بات حدیث رسول مقبول ﷺ سے بھی ثابت ہے۔ جہاں آپ ﷺ نے فرمایا کہ سَيِّدُ الْقَومُ خَادِمَهُمْ یعنی " قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے" چنانچہ تمام مناصب پر نہ صرف اہل لوگ متعیّن کیے جانے ضروری ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ كُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا۔ 58:4

"بے شک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے اہلوں کے سپرد کرو"

مسلم ممالک میں اسلامی قوانین کا نفاذ:

اسلامی قانون شریعت کی تنسیخ کا سلسلہ سب سے پہلے ہندوستان سے شروع ہوا۔ چونکہ انگریزوں کے تسلّط کے بعد ایک مدت تک شریعت ہی کو سوسائٹی میں قانون کی حیثیت حاصل رہی اس لئے ۱۷۹۱ء کے بعد ہندوستان کی تمام مسلم ریاستوں نے رفتہ رفتہ اپنے پبلک قوانین کو برطانوی کوڈ کے نمونہ پر ڈھال کر شریعت کو صرف پرسنل لاء تک محدود کر دیا۔ مصری حکومت نے ۱۸۸۴ء میں اپنے پورے قانونی نظام کو فرانسیسی قوانین کے مطابق بدل دیا او رمحض نکاح، طلاق اور وراثت جیسے مسائل قاضیوں کے دائرہ اختیار میں باقی رہنے دیئے۔ اس کے بعد بیسویں صدی میں البانیہ اور ترکی نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور اپنی مملکتوں کو بے دین ریاستوں یعنی سیکولر اسٹیٹس قرار دے دیا اور اپنے ملکی قوانین اٹلی، سوئٹزرلینڈ، فرانس اور جرمنی کے نمونہ پر ڈھال لئے اس کے بعد صرف افغانستان اور سعودی عرب میں کسی حد تک شریعت کو ملکی قوانین کی حیثیت حاصل رہی ہے مگر وہاں بھی کوئی مدوّن (Codified Law) قانون یا کسی تحریری ضابطہ کی صورت میں موجود نہیں ہے لیکن اب دوبارہ اسلامی ممالک میں جدید تقاضوں اور ترقی یافتہ ممالک کے نافذ شدہ قوانین کی افادیّت اور صلاحیّت کی روشنی میں اسلامی قوانین کو مدون شکل دینے کی تحریک شروع ہو چکی ہے اور اس سلسلہ میں کافی پیش رفت بھی ہو چکی ہے۔ مصر، سعودی عرب، ایران اور پاکستان اس تحریک کے علمبردار ہیں۔ تاریخ فقہ اسلامی کے اس نہایت اہم اور نازک موقع پر حسن اتفاق سے اسلامی فقہ کے مجتہدین کثرت سے موجود تھے۔ انہوں نے پوری یکسوئی محنت اور جدوجہد سے کام لے کر فقہ اسلامی کے بنیادی ماخذ قرآن وسنّت کا پورا پورا اطلاق کیا اور جدید تقاضوں اور نئے مسائل کو حل کرنے کے لئے وسیع پیمانے پر اجتہاد سے کام لیا۔ جن فقہا نے اسلامی فقہ کے اس دور عروج میں ناقابل فراموش اجتہادی کارنامے سرانجام دیئے ان میں امام ابوحنیفہؒ کا نام سرفہرست ہے اپنی انہی عظیم فقہی

خدمات کے سبب امام اعظم کے شہرہ آفاق نام سے مشہور ہوئے۔

مجموعی طور پر یہ سب عوامل اس قدر وسیع اور جامع ہیں کہ ان کی مدد سے موجودہ حالات وتقاضوں کے مطابق مناسب اور بہترین تدوین اسلامی قانون کی عمل میں لائی جاسکتی ہے اور جس سے اجتہاد کا بند دروازہ کھولا جاسکتا ہے۔

جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اجتہاد کی نسبت ہدایات اس طرح کے متعیّن کردہ اصولوں سے ملتی ہے۔ جیسے کرّہ ارض پر دن رات کے اوقات بوجہ طلوع وغروب آفتاب میں بے حد تفاوّت پایا جائے جیسے فرض کیجیے کہ رات سال میں کبھی دو گھنٹوں کی ہو اور دن 22 گھنٹوں کا یا رات 21، 22 گھنٹوں کی اور دن صرف دو تین گھنٹوں کا ہو یا جہاں دن رات کی مدت چھ چھ ماہ کی ہو تو وہاں نماز اور روزہ کے اوقات متعیّن کرنے کے لیے اجتہادی صراحت اس طرح موجود ہے کہ ایسے مقام پر 24 گھنٹوں میں سے 12 گھنٹے پر یعنی ایک مکمل دن کے نصف نصف اوقات کے شب وروز مقرر کر لئے جائیں اور پھر ان اوقات میں نماز کے اوقات کی تقسیم کر لی جائے یا یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ مرکز اسلام یعنی خانہ کعبہ کے اوقات کے مطابق نماز کے اوقات مقرر کر لیے جاویں جیسا کہ صحیح مسلم میں نواس بن سمعان کی بیان کردہ حدیثِ مبارکہ میں حضور رسالتمآب ﷺ کی ہدایت موجود ہے۔ اسی طرح موجودہ دور میں بین الاقوامی تعلقات وسفارتی خط وکتابت یا حصول علم وتحقیق کے سلسلے میں فوٹو گرافی اور عکس کشی کی ضرورت روزمرہ کی زندگی کا حصّہ بن چکی ہے۔ جبکہ اس سے کسی بُت پرستی یا جس طرح کعبۃ اللہ کے اندر دیواروں پر پیغمبران کی شبیہہ کی تصویر کشی کر کے عبادت کی جاتی تھی وہ تصوّر اب موجود نہیں جنہیں اسلام میں غیر متحرّک عکس کشی کی وجہ سے ممنوع قرار دیا گیا تھا اس لیے آج فوٹو گرافی پر اجتہاد کی اشد ضرورت ہے۔

آج کل کے انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دور میں C.D's(Hard/Soft Disc)
کمپیوٹر کے لیے یا فوٹو سکیننگ (Scaning) پاسپورٹ ۔شناختی کارڈ واہم دستاویزات کی تیاری اور تصاویر وگراف سے مزّین علمی وتحقیقی کُتب کی تیاری کے لیے یا انٹرنیٹ پر آواز کی طرح تصاویر بھی ایک ملک سے دوسرے ملک میں منٹوں اور سیکنڈوں میں بھیجنے کے لیے موجودہ دور کے لائف اسٹائل کا حصہ بن چکی ہے۔علماء کی تحقیق کے مطابق سی ۔ڈی میں مختلف اشیاء مثلاً تحریر۔تقریر اور شکل وشبیہہ وغیرہ لہروں اور شعاعوں کی صورت میں محفوظ ہوتی ہیں جو سی۔ڈی روم (C . D . ROME) میں سی ۔ڈی ڈالنے کے بعد بذریعہ سی۔ڈی ڈرائیو (C.D.Drive) کمپیوٹر سکرین یا مونیٹر میں ایک خاص ترتیب سے یہ نمودار ہوتی ہیں اور پھر فنا ہوجاتی ہیں۔جس میں بذات خود کوئی تصویر پائیدار شکل میں نہیں ہوتی۔جو بجائے تصویر کے ظلّ وسایہ سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے نیز کسی بھی مرحلّے میں کسی بھی شے کا عکس سی۔ڈی میں لہروں اور شعاعوں کی شکل میں ہے۔لہٰذا ان پر تصاویر کے حکم کا اطلاق نہیں ہوگا۔البتہ جو سی۔ڈی منکرّات اور محرّمات اور فواحشپر مشتمل ہو ایسی تصاویر کو کمپیوٹر پرنٹر سے چھاپ کر مخربِ اخلاق مواد کے طور پر استعمال نہ ہو تو اس انفارمیشن ٹیکنالوجی کے استعمال میں شرعاً کوئی قباحت نہ ہے

۔

برّصغیر میں برطانوی نظام عدل بدستور جاری ہے لیکن اس وقت پاکستان میں نفاذِ اسلام کا عمل بھی جاری ہو چکا ہے۔قانونِ حدود (حدود آرڈیننس) اور قانون زکوٰۃ وعشر جیسے اہم اور بنیادی اسلامی قوانین نافذ ہو چکے ہیں۔شفع اور دیّت وقصّاص کے معاملات پر بھی قانون نافذ ہو چکے ہیں۔وفاقی شرعی عدالت کا قیام معرضِ وجود میں آچکا ہے جس کا اہم فیصلہ ربٰو (سود) پر صادر ہوگا وہ معاشی نظام جیسے بنکنگ وانشورنس اور سودی کاروبار کے سلسلے میں

انقلابی تبدیلیوں پر منتج ہوگا جس سے پاکستانی معاشرے پر انشاءاللہ دور رس نتائج مرتب ہوں گے بلکہ عالم اسلام میں اس سے استفادہ کیا جاسکے گا۔

مجتہد وجیورسٹ کی خصوصیات:

پاکستان کے موجودہ ارکانِ پارلیمنٹ کی علمی صلاحیتوں سے سب لوگ واقف ہیں اس لیے ان کو اجتہاد کا حق تفویض نہیں کیا جاسکتا جیسے دنیاوی معاملات میں ایک انجینئر کسی مریض کا علاج کرنے کا حق نہیں رکھتا اس لیے کہ وہ ماہر ڈاکٹر نہیں ہے تو دینی امور و مسائل میں غیر متعلقہ لوگوں کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا۔ بہر حال اجتہاد کا مہتمم بالشان کام وہی شخص یا ادارہ کرسکتا ہے جو مندرجہ ذیل شرائط پر پورا اُترتا ہو۔

۱۔ مجتہد کے لیے قرآن حکیم کی نصوص اور احادیث کا علم ضروری ہے جو احکام سے متعلق ہوں

۔

۲۔ حدیث کے سلسلے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ کتبِ حدیث کی ترتیب کیا ہے اور اس فن کی اصطلاحات کیا ہیں۔ حصول حدیث سے بھی پوری واقفیت ضروری ہے۔

۳۔ اصول تفسیر، تاریخ نزول نصوص قرانیہ اور شان نزول سے بھی پوری طرح واقف ہونا اور اس میں گہری بصیرت رکھنا ضروری ہے۔

۴۔ مجتہد کو صاحبِ نظر بھی ہونا چاہیے۔

۵۔ اجماع کے مواقع اور ان کی نزاکتوں کا بھی پورا علم ہونا چاہیے۔

۶۔ قیاس کے مقدمات کو وہ اس طرح مرتب کرے کہ صحیح نتیجہ نکالا جاسکے۔

۷۔ مجتہد علماء سلف کے متفق اور اختلافی مسائل سے پوری طرح باخبر ہو اور ان کے اتفاق و اختلاف کے دلائل سے بھی واقفیت رکھتا ہو۔

۸۔ عربی زبان وادب کا اچھا علم اور ذوق رکھتا ہو اور اس کے اسرار ورموز سے واقفیت اجتہاد کی بنیادی شرط ہے۔

۹۔ عربی زبان کے صرف ونحو اور علم معنیٰ سے بھی اچھی طرح واقف ہو۔

۱۰۔ اصول فقہ میں گہری بصیرت رکھتا ہو۔

۱۱۔ تاریخ فقہ اور اس سے متعلقہ علوم پر خصوصی دسترس حاصل ہو۔

۱۲۔ ناسخ ومنسوخ کا علم بھی مجتہد کے لیے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

۱۳۔ جدید طرزِ زندگی سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ اسے پوری طرح علم ہو کہ کون سے معاشی، سیاسی اور عمرانی عوامل ہیں جن سے معاشرہ متاثر ہوتا ہے اور کس طرح نئے مسائل مختلف جہتوں سے گزر کر سامنے آتے ہیں۔

۱۴۔ مجتہد غیر معمولی ذہین ہو۔ ذہانت اور امانت سے متصف ہو۔ صادق القول ہو۔ صائب الرائے ہو، صاحبِ فراست ہو، مقاصدِ شریعت کا فہم رکھتا ہو اور اخلاقی جرأت بھی رکھتا ہو۔

۱۵۔ صرف انہی نصوص میں اجتہاد ہو سکے گا جو معاملات سے متعلق ہیں۔ وہ امور جو تعبدات کے دائرے میں آتے ہیں وہ اجتہاد سے خارج ہیں۔ ان میں اجتہاد کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

۱۶۔ معاملات سے متعلق امور محدود ہیں اور انہیں دنیاوی امور کے نام سے بھی پہچانا جاتا ہے۔

۱۷۔ معاملات سے بھی ایسے معاملات مراد ہیں جن کو اگر قائم رہنے دیا جائے اور ان کی سمتوں کو درست نہ کیا جائے تو اسلام کے کسی اہم اصول کو نقصان پہنچتا ہو۔

۱۸۔ یہ معاملات ایسے ہوں کہ ان کا شمار مباحات سے ہو۔

۱۹۔ ایسے امور اور معاملات میں بھی اس بات کا خصوصیت سے خیال رکھا جائے کہ قرآن وحدیث کا انداز اور مزاج اس تغیّر کے ساتھ پوری مناسبت رکھتا ہو۔

۲۰۔ قرآن وحدیث کی متعدّد تصریحات سے اس کی تائید ہوتی ہو۔

۲۱۔ اس بارے میں کتاب وسنّت اور صحابہ کرامؓ کی تصریحات پر گہری نظر ہو۔

ان شرائط کے ساتھ ساتھ ایک اضافی شرط یہ بھی ہے مجتہد کو بااختیار ہونا چاہیے کہ اجتہاد سے مستنبط شدہ حکم کو بلا کسی رو اور رعایت اور بغیر کسی فتنہ وفساد کے نافذ بھی کر سکے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ احکام شرعیّہ میں حالات وزمانہ کی رعایت مُسلّم ہے۔ اور اسلام کا کوئی اصول اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔

بین الاقوامی قوانین کی اساس فقہ اسلامی پر ہے:

نامور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا دعویٰ ہے کہ بین الاقوامی قانون ایک ایسا علم ہے جو علم اصول فقہ کی طرح امّتِ مسلمہ کا مرہونِ منّت ہے۔ مسلمانوں نے ہی اس کی بنیاد رکھی ان کا فرمانا ہے کہ دوسری صدی ہجری کے امام محمد شیبانی کی کتاب "اسیر الکبیر" جس پر پانچویں صدی کے مشہور فقیہہ امام سرخسی نے شرح لکھی اور اس کا ترجمہ یونیسکو (UNESCO) نے خود ڈاکٹر حمید اللہ سے اشاعت کی غرض سے کرایا جو بہت بلند پایہ تصنیف ہے۔ اس میں مترجم نے استنبول۔ بیروت اور پیرس سے حاصل کردہ نایاب مخطوطوں سے بھی مدد لی۔ شرح اسیر الکبیر کے بارے میں ایک حیرت انگیز انکشاف کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ چار جلدوں پر مشتمل یہ ضخیم کتاب اور اس کے ساتھ درجنوں دیگر کتابوں کی بیسیوں جلدیں چودہ سال کے عرصہ میں ایک اندھے کنویں کے اندر سے امام سرخسی نے املاء کرائیں۔ انہیں اس کنویں میں ان کے فتویٰ کی پاداش میں قید کر دیا گیا تھا کہ حکمرانوں کی عیّاشیوں اور مصرفِ بے جا کے

لیے لگائے گئے ظالمانہ ٹیکسوں کی ادائیگی سے انکار کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس غلط العام تاثر کی نفی کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیا کے سب قوانین پر رومن لاء اثر انداز ہوا۔ وہ فرماتے ہیں کہ پانچ غیر مسلم مؤلفوں نے جس میں انگریز۔ اطالوی اور فرانسیسی محقق شامل تھے نے متفقہ رائے دی کہ اسلامی قانون پر رومی قانون کا قطعاً کوئی اثر نہیں بلکہ مؤلف نے کہا کہ اسلامی قانون کی اساس (Origin) ایک سربستہ راز (Mystry) ہے۔

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ "سیّر" کی اصطلاح جو لفظ سیرت کی جمع ہے انٹرنیشنل لاء کے معنیٰ میں شروع ہی سے مسلمانوں میں رائج ہے امام سرخسی کے نزدیک اس سیرت سے مراد حکمرانوں کا وہ طرز عمل ہے جو وہ اجنبیوں سے حالت جنگ و امن میں روا رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی بین الاقوامی قانون کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ کوئی ملک کس سطح پر کھڑا ہے یا اس کا نصب العین کیا ہے بلکہ ہم اس کے ساتھ اپنے اصول وضوابط کے مطابق انسانی سلوک ہی کریں گے۔ اس کے برعکس آج کی نام نہاد مہذب دنیا میں بین الاقوامی ضابطوں کو حقوق انسانی کے تحفّظ کے بجائے ان کی شرمناک پامالی کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ کشمیر۔ فلسطین۔ افغانستان۔ عراق۔ بوسینا۔ چیچنیا۔ مقدونیا۔ بوسینا ہرگوزوینا اور اسی طرح کے کئی دیگر خطّے اس کی منہ بولتی مثالیں ہیں ہر ملک وقوم کے لیے الگ اور انوکھا معیار ہے جیسا کہ امریکہ کے ایماء پر اقوام متحدہ کا جانبدارانہ سلوک اور اسرائیل و بھارت کی انسانی حقوق کی پامالی کے باوجود چشم پوشی۔ اسی طرح انٹرنیشنل مالی اداروں۔ ورلڈ بینک اور انٹرنیشنل مونیٹری فنڈ ایشین ڈویلپمنٹ بینک وغیرہ تیسری دنیا کے ممالک کا کس طرح استحصال کرتے ہیں، عالمِ اسلام سے پوشیدہ نہیں۔ قرآنی شواہد کے مطابق اُن اقوام اور ملک کو اپنی بداعمالیوں کی سزا مل کر رہتی ہے اس کا ایک

ثبوت سویّت یونین کی تحلیل ہے۔ لہٰذا مغربی اقوام کو جان لینا چاہیے کہ اسی طرح امریکہ۔ اسرائیل اور بھارت کا یوم حساب بھی آ کر رہے گا۔

﴿ اسلام کا نظامِ عدل واحسان ﴾

اسلامی قانون مذہب اور معاشرہ :

معاشرہ میں جہاں قانون کی موجودگی ضروری ہے تا کہ ظلم واستبداد کا آغاز نہ ہو وہاں اس کی بہتات کو بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اسی لئے مارسٹن ایک جگہ کہتا ہے۔

"قانون کی کثرت یہ ظاہر کرتی ہے کہ یا تو بادشاہ بہت جابر ہے یا رعایا ہی بہت بے لگام"

جدید فلسفۂ قانون کی مشہور کتب میں قانون کی تعریف یوں درج ہے کہ انسانی اعمال کے لئے وہ قواعد جن کی پابندی لوگوں کے لئے لازم کردی گئی ہو۔ یا معاشرے کے کسی طبقے یا گروہ کے اعمال اور سمع واطاعت کے لئے ایک منظور شدہ حکمنامہ ____ اسی لئے ہالینڈ ایک جگہ لکھتا ہے کہ

"قانون آزادی کے قلعے کا دربان ہے۔ یہ ہر شخص کے حقوق متعیّن کرتا ہے اور فرد کی آزادی وحریّت کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح یہ آزادی کا ایک زبردست محافظ اور پاسبان ہے اور معاشرہ کی بہترین جائے پناہ"

قانون کا ابتدائی اور بنیادی مقصد چونکہ انصاف کی تلاش ہے اس لئے قانون کو ضرور مستحکم ہونا چاہیے۔ لیکن اس کے باوجود اس میں جمود پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے لئے استحکام اور تبدیلی کے تقاضوں میں ہم آہنگی پیدا کرنا ناگریز ہے ____ نظم ونسق کی بحالی اور معاشرہ میں اندرونی امن کے قیام کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ قانون اپنی نوعیّت کے لحاظ سے سخت

گیر اور شدّت آمیز ہو۔ اگر اُس کی بنیاد ہر ذاتی ضرورت کے لیے ردّوبدل پر رکھی جائے تو معاشرہ میں چاروں طرف عدمِ استحکام، اختلال وانتشار کا دوردورہ ہوجائے گا اور وہ اپنی ساری قوّت کھو بیٹھے گا۔ اور قانون کا مقصد فوت ہوجائے گا ___ قانون میں ایک عنصر دوامی اور ناقابلِ تغیّر قرار پاتا ہے اور باقی تغیّر پذیر۔ لیکن اس کا واضح جواب ابھی تک فکرِ جدید بھی فراہم نہ کرسکا۔ اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قومیّت (Nationalism) اور بین الاقوامیّت (Internationalism) کے مطالبے اور تقاضے بالکل الگ الگ واقع ہوں گے کیونکہ یہ بتانا مشکل ہے کہ بین الاقوامی اخلاق کے ضوابط کو کونسی طاقت کے ذریعہ نافذ کیا جاسکتا ہے۔ کیا بین الاقوامی قانون کا چلن اقوام کی آزادی اور خودمختاری (Sovereignty) کے تصوّر کے پہلو بہ پہلو بھی ممکن ہوسکتا ہے؟

اسلام کا تخیّل قانون اپنے اندر چونکہ ایک لچک رکھتا ہے اس لئے آج بیسویں صدی تو کیا ابد تک کے لیے قابلِ عمل ہے۔ دراصل ہم نے خود اس پر عمل پیرا ہونا چھوڑ دیا ہے لیکن آج جب اُس کی افادیّت کے پیشِ نظر اقوامِ غیر ان کو قبول کرکے اُن پر اپنا لیبل چسپاں کرکے ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں تو ہم بھی جدّت پسندی کے باعث اُسے قبول کرلیتے ہیں۔ گویا اس طرح ترقّی کی طرف خود کو گامزن پاتے ہیں۔ اگر غور وفکر اور تجسّس سے کام لیں تو معلوم ہوگا کہ یہ انہی کا سرمایہ حیات ہے۔ آج کا مذہب سے عاری ماحول اور دہریّت کا بڑھتا ہوا رجحان پھر ایک مرتبہ لمحۂ فکر پیش کرتا ہے۔

الکتاب اور الرسول ﷺ نے جو زندگی کا نظریہ پیش کیا وہ یہ ہے۔ یہ عظیم الشان کائنات جو تمہیں صریحاً ایک نظامِ میں جکڑے ہوئے ایک مقرّرہ قانون پر چلتی ہوئی نظر آرہی ہے دراصل وَحدہٗ لاشریک کی حکومت ہے۔ خدا ہی اُس کا خالق ہے، وہی اس کا مالک اور

وہی اس کا فرمانروا ہے۔ یہ زمین جس پر تم رہتے ہو اُس کی بے پایاں سلطنت کے لاتعداد صوبوں میں سے ایک چھوٹا سا صوبہ ہے اور یہ صوبہ بھی مرکزی اقتدار کی اس گرفت میں پوری طرح جکڑا ہوا ہے جس میں اُس جہانِ ہست و بود کا ہر حصّہ جکڑا ہوا ہے۔ تم اس صوبہ میں خدا کی پیدائشی رعیّت (Born Subject) ہو۔ تم اپنے خالق آپ نہیں بلکہ اُس کی مخلوق ہو۔ تم خدا کے قانون طبعی (Law of Nature) سے اس طرح بندھے ہوئے ہو کہ پیدائش کے وقت سے زندگی کی آخری ساعت تک فطرتی قوّتیں اور قوانین حاوی ہیں۔ تمہاری زندگی کا کچھ تھوڑا سا اختیاری حصّہ ارادے کی آزادی و پسند کے مطابق انفرادی و اجتماعی راہیں منتخب کرتا ہے۔ اسی ارادی فعل سے افرادِ ملّت ایک وحدت میں منسلک کئے جاتے ہیں اور ان کے اجتماع سے "مسلم سوسائٹی" کی تشکیل ہوتی ہے۔ اور سوسائٹی پر شریعت کی پابندی لازمی ہو جاتی ہے۔ تاکہ وہ اپنی زندگی اس سکیم کے مطابق چلائیں۔ بلاشبہ اسلامی قانون چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا دیتا ہے مگر یہ حکم ہر سوسائٹی میں جاری ہونے کے لئے نہیں دیا گیا بلکہ اُس سوسائٹی میں جاری کرنا مقصود ہوگا جس کے مالداروں سے زکوٰۃ لی جا رہی ہو جس کا بیت المال ہر حاجت مند کی امداد کے لئے کھلا ہو۔ جس کی ہر بستی کے مسافروں پر تین دن ضیافت لازم کی گئی ہو۔ جس کے نظامِ شریعت میں سب لوگوں کے لئے بالکل یکساں حقوق اور برابر کے مواقع مہیّا ہوں۔ جس کے طبقوں میں اجارہ داری کے لئے کوئی گنجائش نہ ہو اور جائز کسب و معاش کے لئے دروازے یکساں کھلے ہوں۔ اسی طرح اسلامی قانون کے تحت زنا کے ارتکاب پر سو کوڑے مارے جاتے ہیں جبکہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کر دیا جاتا ہے مگر یہ کس سوسائٹی کے لئے؟ ____ جس سوسائٹی میں عورتوں اور مردوں کی مخلوط معاشرت نہ ہو جس میں بنی سنوری عورتیں اپنے جسم کے خدوخال کی برسرِ عام نمائش نہ کرتی ہوں جو دعوت گناہ کا باعث ہو۔

ایک مسلم سوسائٹی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر دیگر خصوصیات کے علاوہ سیاسی اقتدار کی بھی گنجائش نکالے۔ کیونکہ قوانین کا نفاذ اقتدار کے بغیر مشکل ہے۔ یہ سیاسی اقتدار اس غرض کے لئے درکار ہوتا ہے کہ شریعت کے تجویز کردہ نظامِ زندگی کی حفاظت کرے۔ اُسے بگڑنے سے روکے۔ اسکی منشا کے مطابق بھلائیوں کی نشوونما اور برائیوں کے استیصال کا انتظام کرے اور اس کے اُن احکام کو نافذ کرے جن کے نفاذ کے لئے ایک نظامِ عدل کا ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ اقتدار کا ___ یہی وہ آخری حصّہ ہے جسے ہم اسلامی قانون کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کیونکہ اصلاحِ قانون میں قانون کا اطلاق اُن احکام پر ہوتا ہے جو سیاسی اقتدار کے ذریعہ نافذ کئے جائیں۔ اس لئے ہم شریعت کے صرف اس حصّہ کو "قانونِ اسلام" قرار دیتے ہیں جسے وہ نافذ کرنے کے لیے خود اپنے اصولوں اور مزاج کے مطابق ایک سیاسی اقتدار کی تشکیل دے۔

سیاسی اقتدار کی تشکیل کے لئے سب سے پہلے ایک دستوری قانون (Consitutional Law) کی ضرورت ہوتی ہے۔ دستور کی تفصیلی شکل وصورت ہم خود اپنے حالات وضروریات کے مطابق بنا سکتے ہیں۔ کیونکہ شریعت نے کوئی مفصّل دستور ہر زمانہ کے لئے بنا کر پیش نہیں کیا ___ آئین کی تشکیل اور اُس کی نفاذ کے بعد اسلامی ریاست کو چلانے کے لئے ایک تنظیمی قانون (Administrative Law) کے بنیادی اصول شریعت نے ضرور واضح کر دیئے ہیں جو کہ رسول اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد کے مطالعہ سے ہمیں حاصل ہوتے ہیں۔ باقی نظم ونسق میں ہمیں اپنے حالات کے مطابق تغیّر و تبدّل کرنے کی اجازت ہے لیکن اجتہادی راہیں شریعت کی حدود میں رہ کر ہی نکالنا ممکن ہیں۔ پھر معاشرہ میں امن وانصاف بحال کرنے کے لئے ملکی قانون (Public Law) اور شخصی

قانون (Personal Law) کی اصولی ہدایات و تفصیلی احکامات شریعت نے ہمیں فراہم کئے ہیں اُن کی مدد سے کسی دور میں معاملاتِ زندگی کو حل کرنے کے لئے شرعی حدود سے باہر جانے کی ضرورت درپیش نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ ابد تک ہر ملک اور ہر دور کی سوسائٹی میں یکساں صحت سے جاری ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح بین الاقوامی تعلقات کے لئے بھی اسلامی ریاست کا برتاؤ اور اُس کے لئے تفصیلی ہدایات ملتی ہیں اسلامی قانون کا اٹل، قطعی اور واجب الاطاعت حصہ دراصل وہ چیز ہے جو اسلامی تہذیب و تمدن کے حدود اربعہ اور اس کی مخصوص شکل و صورت متعیّن کر دیتا ہے۔ ان مستقل قوانین کا ایک معتد بہ حصہ ایسا ہے جس پر کل تک دُنیا اعتراض کر رہی تھی مگر آج وہ انہی قوانین کی خوشہ چینی پر مجبور ہے مثلاً اسلام کے قانونِ ازواج او رقانونِ میراث وغیرہ ____ اس پائیدار اور اٹل عنصر کے ساتھ ایک دوسرا عنصر ایسا ہے جو اسلامی قانون میں بے اندازہ وُسعت پیدا کرتا ہے اور اُسے زمانہ کے تمام بدلتے ہوئے حالات میں ترقی پذیر بناتا ہے یہ عنصر کئی اقسام پر مشتمل ہے جو تعبیر تاویل، قیاس، اجماع، اجتہاد اور استحسان وغیرہ کی مدد سے ہماری رفتارِ ترقی کو سیدھی راہ پر لگانے کے ساتھ ساتھ زندگی کو بے راہ روی سے بچاتا ہے۔

اسلامی معاشرّتی پس منظر :

عربوں میں چونکہ ابتداء سے ہی قضا (عدلیہ) یا حکومت کے قوانین وغیرہ کسی مدوّن مجموعہ کی صورت میں نہیں تھے اور نہ اُن کا کوئی واضح تصوّر تھا۔ تمام تر روایات اور رسوم و رواج عربوں میں نسلاً در نسلاً چلے آ رہے تھے۔ روم، ایران و دیگر ہمسایہ اقوام کے طریقے ان کے تجربات اور فرسودہ عقائد وغیرہ بھی ان میں رائج تھے۔ لیکن قضاء (عدلیہ) کسی قاعدے اور ضابطے کی پابند نہ تھی۔ طاقت ور اور بارسوخ جو چاہتا کرتا۔ مقروض کو فروخت کر دیا جاتا یا رقم

واپس نہ ملنے کی صورت میں مُرتہن تمام مال کا مالک بن جاتا ___ قتلِ عمد اور قتلِ خطا میں کوئی فرق نہ تھا۔ قتل کی سزا بعض اوقات قاتل تک محدود رہنے کی بجائے پورے قبیلہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ___ ثبوت دیوتا کی قسمیں کھا کر پیش کیا جاتا اور قسم ٹوٹنے پر سوا اونٹ تک کا جرمانہ عائد ہوتا تھا وغیرہ وغیرہ۔

مُتعہ یعنی (Lease marriage) کا بھی رواج پایا جاتا تھا ___ اکثر باپ کی وفات کے بعد سب سے بڑے فرزند کے حرم میں اس کی وہ تمام مائیں آجاتیں جو والد کے حرم میں رہ چکی تھیں ___ اسلام نے پہلے تو اس اخلاقی انحطاط، قانونی بحران اور سیاسی بدنظمی کو دور کر کے منتشر اور منقسم سوسائٹی کو ایک وحدت کی لڑی میں پرو دیا اور اس طرح اُس کی قومی طاقت کو ایک سیسہ پلائی دیوار بنا دیا۔ تمام غلط عادات و رسومات اور انصاف کی بے ضابطگیوں کو بدل ڈالا۔ چنانچہ سوسائٹی کے اخلاق و ارتقا کے ماتحت قانون کا نزول اور قانون کے ساتھ اس کے اصل روح کی عملداری ہی اسلامی قانون کی دو خوبیاں ہیں جو کہ کسی قانونی نظام میں نہیں پائی جاتیں۔ اسلام نظامِ عدل میں تمام فیصلے کتاب اللہ اور شریعت کی روشنی میں کئے جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی حکم یا نص صریح نہ ملے تو اجتہاد کے مختلف اصول و مصالح پیش نظر رکھ کر فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔ چاروں خلفائے راشدین کے دُور کے فیصلے بھی قانون کی شکل اختیار کر گئے۔ لیکن بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ بعض دفعہ انہیں اپنے فیصلے بھی واپس لینے پڑے۔ بلکہ اکثر فیصلے قرآن، سنت، یا فقہی احکامات کے ظاہری اصولوں کے خلاف صادر کئے گئے۔ جو کہ اُن کی اجتہادی بصیرت کا نتیجہ ہیں۔ لیکن نئے حالات اور بدلے ہوئے تقاضوں کے تحت جدید قوانین وضع کرنے میں شریعت کی اسپرٹ کو ہمیشہ برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی اس قسم کے اجتہادی فیصلوں کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

مثلاً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم کہ دوران جنگ میں کسی مسلمان پر حدّ نہ جاری کی جائے۔ اور قحط کے دوران کسی چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں وغیرہ۔ نومسلموں کو صدقات میں سے حصہ دینے کی ممانعت کردی تاکہ اُن کا ایمان مضبوط ہوجائے۔ اسی طرح شراب کی حد اَسّی/ ۸۰ کوڑے مقرر کی گئی۔ اور خاص طور پر زرعی اراضی کی تقسیم کا فیصلہ جس کی رُو سے مفتوحہ اراضی فوجیوں میں مالِ غنیمت تصوّر کرکے تقسیم کرنے کی بجائے اُس کو ذریعہ رزق تصوّر کرکے زمینداروں اور اُن کی نسلوں کے لئے ہی مخصوص رہنے کا حکم قابل ذکر اجتہادی کارنامے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل بیعت کے لئے مقرر حصہ خمس اس لئے بند کردیا کہ رسول کوئی ورثہ نہیں چھوڑتا۔ باغِ فدک بھی بیت المال کا ایک حصہ بنادیا گیا۔ اسی طرح بیت المال سے مؤلفتہ القلوب کی امداد بھی بند کردی گئی ____ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو طلاق بیّن قرار دیا گیا۔ بغداد کے قاضی القضاۃ قاضی ابو یوسف نے گندم واجناس کو ماپ کر فروخت کرنے کے طریقہ جو رسول مکرم ﷺ نے نافذ کیا تھا کو تول کر فروخت کرنے کے طریقہ سے بدل دیا۔ ____ پس ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ نئے تقاضوں اور بدلتے ہوئے حالات کے تحت نئے مسائل کی روشنی میں مروّجہ احکام آنے والی آئینی حکومتیں تبدیل یا ترمیم کرسکتی ہیں۔ کیونکہ جب کوئی متعلّقہ رواج بدل دیا جائے تو اس سے متعلّق قانون بھی بدل جانا چاہیے اور قانونی قواعد بدلنے میں اسلامی قانون کے ماہرین (فقیہہ) گریز نہیں کرتے۔ اسی صورت حال کے تحت ابن خلدون نے بالکل درست کہا تھا کہ

"دُنیا کے حالات اور اقوام کی عادات رسم ورواج اور لوگوں کے اعتقادات ہمیشہ تغیّرات زمانہ، ساعات، مقامات اور ممالک میں ہوتی رہتی ہیں۔ اسی طرح دُنیا کے تمام گوشوں، تمام زمانون اور تمام حکومتوں میں ہوتی ہیں۔ خدا کا یہی طریقہ اور قانون ہے جو اس کے بندوں پر ہمیشہ

جاری وساری رہے گا"

دینِ اسلام کا اصل مُدعا ومقصد دنیا میں ظلم وستم، خوف وحزن، غربت وافلاس اور تصادم سے پاک معاشرہ کا قیام ہے جس کے اہداف انسان کا معاشرہ سے رشتہ استوار کر کے اللہ سے رشتہ قائم کرنا ہے۔ اسلام ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل چاہتا ہے جس میں انسان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا خوف نہ رہے اور اللہ کے سوا اسے کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی حاجت نہ ہو اور وہ جب حصول رزق کے لئے اپنے گھر سے نکلے تو اس کی اپنی اہلیّت وقابلیّت کے سوا کوئی اور رکاوٹ اس کے راستہ میں حائل نہ ہو۔ اگر اس میں کوئی کمی منجانب اللہ ہو تو ریاست کا نظام احسان ہو جو اس کی کمی پوری کرے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعّت کریں جبکہ اسلامی ریاست کی یہ ذمّہ داری ہے کہ وہ اپنے شہریوں کے لئے اطاعّت الٰہی کو سہل بنادے۔ اگر ریاستی اقتدار واختیار ایسے لوگوں کے ہاتھوں آجائے جو برائی کی حامل قوّتیں ہوں اور ریاستی مشینری کرپشن میں ملوث ہو جائے جو مغربی جمہوری طرز حکومت کا ثمر ہے تو ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعّت مشکل اور دشوار ہو جاتی ہے بلکہ ایسے حالات اور ماحول میں اسلامی عدل واحسان کی بات محض ایک کھوکھلی نعرہ بازی کے مترادّف ہوگی۔ مسلمانوں کی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اگر اُن حکمرانوں کا اللہ کے ساتھ تعلّق برحق تھا تو ہر قسم کے سیاسی نظاموں یا اداروں بشمول ملوکیّت سے اچھے نتائج برآمد ہوئے لیکن جب مذکورہ تعلّق ماند پڑ گیا تو اللہ سے دوری کے سبب کوئی بھی ادارہ بشمول خلافت اچھے نتائج پیدا نہ ہو سکے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ خلافت راشدہ کی اساس خلفائے راشدین کے عظیم کردار پر تھی۔ مغرب میں اس وقت اسلام کے بارے میں جو غلط تصوّرات رائج ہیں ان کی ایک حد تک ذمّہ داری خود مسلمانوں پر بھی عائد ہوتی ہے۔ اسلام وہ نہیں جسے ہم اسلام سمجھتے ہیں بلکہ اسلام وہ ہے جسے اللہ

تعالیٰ اور اس کے نبی آخر الزماں ﷺ اسلام قرار دیتے ہیں۔

اسلامی نظام قضاء :

شریعتِ اسلام میں عدلیہ (Judiciary) کو "قضاء" کہتے ہیں۔ جس کے معنیٰ لوگوں کے باہمی جھگڑوں اور تنازعات کا احکامِ شریعت کی روشنی میں حق وانصاف کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔ اسلامی نظامِ حکومت میں منصبِ قضاء ایک غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ پہلے یہ منصب امیر یا خلیفہ کی ذات میں مرکوز تھا۔ لیکن جب اسلامی ثقافت کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا تو مختلف علاقوں میں جہاں دیگر عہدیداران مثلاً گورنر عامل وغیرہ مقرّر ہوئے وہاں قضاۃ بھی مقرر ہوئے۔ اس طرح قضاء کی ذمّہ داریاں بعد میں جس کے سپرد ہوئیں اُس کو انتظامیہ کے اثر سے بالکل آزاد رکھا گیا۔ حج کے موقعہ پر تمام بلادِ اسلامیہ کے گورنروں، عاملوں اور قضاۃ کو جمع ہونے کا حکم تھا اور اعلان کیا جاتا کہ اگر کسی بھی مسلمان کو ان سے شکایت ہے یا انہوں نے شریعت کی خلاف ورزی کی ہے تو اُسے خلیفہ کے نوٹس میں لایا جاتا اور الزام ثابت ہو جانے کی صورت میں اس کا ازالہ کیا جاتا۔ اکثر انہیں سزا دی جاتی یا برطرف کر دیا جاتا۔ حج کے موقعہ سے قبل بھی اگر کسی گورنر، عامل یا قاضی کے طرزِ عمل کے خلاف شکائتیں ہوتیں تو اُسے تبدیل یا برطرف کر دیا جاتا۔

قرآن انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے ایک ضابطہ زندگی پیش کرتا ہے جس کی رو سے تقریباً ستّر آیات دیوانی مقدمات کے سلسلہ میں اور چند فوجداری قسم کے جرائم معہ اُن کی سزا قرآن میں بیان کئے گئے ہیں اسکے علاوہ شہادت کے اصول بھی قرآن پیش کرتا ہے لیکن یہ مستقل اقدار اتنے قلیل ہیں کہ اس سے اسلامی قانون میں شدّت یا جمود پیدا نہیں ہوتا۔ یہ صرف اس لئے کہ اس سے معاشرہ کی بھلائی مقصود ہے جو افراد کو صراط مستقیم پر گامزن کرتا ہے

کیونکہ اللہ تعالیٰ خود قرآن میں فرماتا ہے۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَا جًا ط

"اور ہم نے تم میں سے ہر ملّت کو ایک قانون اور راہِ عمل دی۔ (مائدہ ۴۸)

اسی طرح قانون اور انصاف کو کبھی اسلامی معاشرہ میں جدا ہونے نہ دیا گیا جیسا کہ آج مغربی نظامِ عدلیہ کا شکوہ کولٹن ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"قانون اور انصاف _____ یہ دو چیزیں تھیں جنہیں خدا نے یکجا کر دیا تھا مگر انسان نے انہیں بالکل ہی جدا کر دیا"۔

اسلامی نظامِ عدل میں عدالت صرف ایک جج پر مشتمل ہوتی ہے۔ خراشی کہتے ہیں کہ ایک ہی معاملہ کو فیصل کرنے کے لئے خلیفہ بیک وقت دو جج مقرر نہیں کر سکتا کیونکہ ابن شعبان کے مطابق ایک جج آدھا جج متصوّر نہیں ہوتا _____ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شہر میں کئی قاضی مقرّر کیے جائیں جن کا اپنا علیحدہ حلقہ عمل (Jurisdiction) ہو۔ اسلامی نظام عدل میں قاضی کو مشورہ دینے کے لئے قانونی ماہرین بھی ہوتے تھے لیکن اُن کا مشورہ و نصیحت جج پر لازم نہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ مشورہ لینا بھی ضروری ہے۔

انصاف اور اسلامی نظامِ عدل کا اصل مقصد معاشرہ کی بھلائی ہے تا کہ لوگوں کو اُن کے حقوق اور جان و مال کی آزادی کی ضمانت دے سکے۔ کیونکہ یہ اللہ کا وصف اور مقصد گردانا جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ اس دُنیا میں انصاف نافذ کرنا چاہتا ہے اور قرآن بھی کہتا ہے کہ انصاف کرنا تقویٰ کے قریب تر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی نظامِ عدل نہایت مستحکم

بنیادوں پر قائم ہو چکا تھا۔ حتیٰ کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ کے دورِ خلافت میں ایک اور عہدے دار چیف آف پولیس کو " صاحب الشرط " کہا جاتا جو کہ قاضی کے فیصلوں کو نافذ (Enforce) کرتا۔ اس کے علاوہ خفیف قسم کے جرائم پر اس کو جج کی حیثیت سے سزا دینے کا بھی اختیار دیا گیا۔ مجرموں پر کڑی نگاہ رکھنا بھی اس کی ڈیوٹی میں شامل تھا۔ اسی طرح محتسب کا عہدہ بھی تھا جو اسلام کی مذہبی اور اخلاقی قدروں کی تعظیم اور تکریم و اطاعت پر نگاہ رکھتا تھا گویہ پولیس ڈیوٹی میں بھی شامل تھا۔

نظر المظالم :

دورِ خلافت تک عدلیہ کے قضاۃ کو ہر قسم کے مقدمات فیصل کرنے کا پورا اختیار حاصل تھا۔ لیکن اُن کی اتھارٹی حضرت علی کرم اللہ وجہ کے دور ہی میں کسی حد تک کم کر دی گئی تھی۔ جبکہ حضرت علیؓ نے خود غیر قانونی اقدامات کے خلاف شکایات سننا شروع کر دیں جو اس نئی صورت میں قضاۃ اور اقتدارِ اعلیٰ کے عہدے یکجا مرکوز تصوّر کر کے فیصل مقدمات پر نظر ثانی کرنے کے لئے معرضِ وجود میں آیا۔ دور بنو اُمیّہ میں نظر ثانی کی ہر قسم کی درخواستیں نظر المظالم نے نظر ثانی کے لئے قبول کرنا شروع کیں اور یہ سلسلہ عرصہ تک جاری رہا۔ آخری دور میں ایسے مقدمات پر حکم صادر کرنے کا اختیار خلیفہ نے کسی وزیر کے سپرد کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں قضاۃ اس ڈر سے کہ ان کے فیصلہ کی نظر ثانی ہوگی، زیادہ توجہ انصاف اور محنت سے فیصلے صادر کرنے لگے۔ گو ہر قسم کے مقدمات کی سماعت کا اختیار مظالم کو حاصل تھا لیکن عدلیہ کا یہ طریق کار جو مظالم سے تعلق رکھتا ہے اس کا عدلیہ کے فقہی انتظام سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ صرف مالکی فقہی سکول کے علاوہ کوئی بھی اس ادارہ کو شریعہ کا حصّہ تصوّر نہیں کرتا اس لئے اُن کے فتاویٰ کی کوئی اہمیّت حاصل نہیں۔

قاضی اور مظالم میں فرق صرف اتنا تھا کہ مؤخرالذکر کو کافی اختیار حاصل تھا۔

مفتی و وکلاء :

اسلامی نظامِ عدل میں "وکیل" کا تصوّر کسی حد تک "مفتی" کے وجود سے ملتا ہے جو کہ عدالت کے صحیح فیصلوں تک پہنچنے میں مدد دیتا تھا۔ اور ان کی تقرّری حکومت کرتی تھی اس صورت میں ان کی حیثیّت موجودہ وکلاء سے مختلف ہے۔ مفتی کی تقرّری عوام کو مفت قانونی مشورہ دینے کے لئے عمل لائی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور سے ہی اُن کی تقرّری ہونا شروع ہوئی تھی تا کہ لوگوں کے حقوق اور مقدّمات کے سلسلہ میں قانونی حیثیّت متعیّن کرنے اور فریقین مقدّمہ کو صحیح مشورہ دینے میں مدد مل سکے۔ اس طرح یہ سلسلہ تمام اسلامی ریاستوں میں اختیار کیا گیا۔ چونکہ اسلامی معاشرہ میں زبردست مذہبی، اخلاقی اور تعلیمی اثرات اور اقدار کی موجودگی میں مقدمہ بازی بہت حد تک سطحی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس لئے کسی مقدمہ کی پارٹیوں کی طرف سے بحث (Plead) کرنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ جیسا کہ وکلاء کا مقصد اپنے مؤکلوں کے مفاد کے لیے عدالت کی مدد کرنا کم اور قانونی موشگافیوں کا سہارا لیکر مقدمہ بازی کو طول دینا زیادہ مقصود ہوتا ہے اس لئے اسلامی عدل میں وکلاء کی موجودہ تنظیم Bar Association کو اپنے اندر بنیادی تبدیلیاں پیدا کرنا ہوں گی تا کہ اُن کی حیثیّت کو برقرار رکھا جا سکے۔

کورٹ فیس :

اسلامی عدلیہ میں کورٹ فیس وغیرہ ادا کرنا بھی انصاف کے تقاضوں کے منافی ہے حتیٰ کہ بغداد میں مقتدر اصحاب یہاں تک دیکھنا چاہتے تھے کہ پارٹیوں کو عدالتی کاغذ وغیرہ تک کا

خرچ بھی ادا کرنا نہ پڑے۔اس کے مقابلہ میں موجودہ دور میں انصاف جتنا مہنگا ہو چکا ہے اُس کا اندازاہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے مثال کے طور پر یورپ میں جہاں کی عدلیہ دُنیا کے تمام ممالک میں قابلِ قدر ہے اُس کی بابت کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

یعنی انصاف کے دروازے ہر فرد پر اس طرح کھلے ہیں جس طرح " رٹز ہوٹل " "Justice is open to all like Ritz Hot (فرانس کا یہ ہوٹل اتنا مہنگا ہے کہ غریب کی حیثیت تو کیا امراء وروٴسا بھی وہاں جانے سے گھبراتے ہیں) ایسی صورت میں بہت سے لوگوں پر معاشرہ میں ظلم وستم ہوتا ہے لیکن وہ مقدّمہ بازی کے خرچ سے ڈر کر دل مسوس کر رہ جاتے ہیں اگر وہ اپنا حق طلب نہیں کر پاتے تو ایسے حقوق کی گارنٹی صرف آئین میں لکھ دینے سے کیا فائدہ؟

غیر مسلم اقلیّت :

اسلامی نظامِ عدل میں غیر مسلم چونکہ اسلامی ضابطہ ہائے زندگی قبول نہ کر کے اپنے اوپر قرآنی عدل وانصاف کے دروازے بند کر لیتے ہیں اس لئے مسلمانوں کی طرح اُن کو ہر قسم کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی حقوق حاصل نہیں ہو سکتے جو کہ ایک مومن کو حاصل ہوں گے۔ کیونکہ اسلامی نظامِ حکومت جو کہ صرف مسلمانوں کے لئے معرض وجود میں آتی ہے اُس کے تحت فوج، انتظامیہ یا عدلیہ کے کسی عہدے پر غیر مسلم کی تقرری نہیں کی جاسکتی لیکن مسلمان حکومت اور مجاہدین پر غیر مسلم کے جان ومال کی حفاظت لازمی ہوتی ہے اور ان کو اپنی مذہبی آزادی اُن کی عبادت گاہوں کی حفاظت، رسومات وعبادات وغیرہ کی آزادی کی ضمانت دی جاتی ہے اور اس طرح حکومت اُن کو ایک شہری کی حیثیّت سے تمام حقوق عطا کرتی ہے۔ حکومت غیر مسلموں کے

لئے انہی میں سے ججوں کی تقرری کر کے علیٰحدہ عدالتیں قائم کرتی ہے تا کہ اُن کے پرسنل لاء (Personal Law) کے مطابق یا اُن کے رسم ورواج کی روشنی میں فیصلے صادر کرسکیں۔ ویسے اسلامی نظامِ عدلیہ کے دروازے اُن پر مطلق بند نہیں۔ بلکہ قاضی ایک مقدّمہ میں اُس وقت فیصلہ دے سکتا ہے جبکہ دونوں پارٹیاں (مدعی، مدعاعلیہ) عدالت کے فیصلہ کی پابندی کا عزم کر کے خود کو اسلامی قانون کے حوالہ کردیں۔ ورنہ قاضی عام قانون کی رُو سے جو دیگر اقوام غیر میں جاری وساری ہوں فیصلہ صادر کرسکتا ہے۔

جج یا قاضی کی تقرّری کے لیے اہلیّت :

نظامِ قضاء میں قاضی (جج) کا مقام ایک خاص اہمیّت کا حامل ہوتا ہے کیونکہ وہ انصاف، اخلاق اور روحانی قدروں کا علمبردار ہوتا ہے۔ اس منصب کے لئے سب سے اہم شرط یہ ہے کہ قاضی خود اس منصب کی خواہش کا اظہار نہ کرے نہ اس کا اُمیدوار ہو اور نہ ہی دل میں حرص ہو کیونکہ یہ منصب ذریعہ معاش متصوّر نہیں ہوتا بلکہ منشائے ایزدی کی بجا آوری خیال کیا جاتا ہے۔ قرآن کی رُو سے حق کے مطابق فیصلہ کرنا سب سے بڑا فرض اور سب سے افضل عبادت ہے۔

قضاۃ کا تقرّر خود خلیفہ، امیر یا صدرِ مملکت کرتا ہے۔ بعض حالات میں اپنے نائبین سے بھی کراتا ہے۔ الماوردی اپنی کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں قاضی کے انتخاب کے لئے سات شرائط زیرِ نظر رکھنے پر زور دیتے ہیں۔

1۔ چونکہ قاضی کو اسلامی قانون کے مطابق اپنے فرائض کی ادائیگی مقصود ہوتی ہے اس لئے اُسکا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ غیر مسلم صرف اپنے مذہبی واقلیتی فرقہ کا جج بن سکتا ہے۔

2۔ اُس کا ایک بالغ مرد ہونا ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہ کی رُو سے اگر مقدّمہ عورتوں کی شہادت سے تعلق رکھتا ہے تو ایسے نسوانی معاملات کے لئے قضائن (Lady magistrate) کا تقرّر کیا جاسکتا ہے۔

3۔ صاحبِ عقل، عجلت سے عاری اور صاحبِ علم وبصیرت ہونا چاہیے۔

4۔ اُس کا ایک آزاد فرد ہونا ضروری ہے۔

5۔ وہ عادل ہونا چاہیے یعنی پاک دامن، پرہیز گار، شبہات سے مُبرّا اور قابلِ اعتماد۔

6۔ وہ اندھا یا بہرہ نہ ہونا چاہیے۔ لیکن امام مالک کی رو سے ایک اندھا شخص جج بن سکتا ہے اور ایک گواہ کی حیثیّت سے شہادت بھی دے سکتا ہے۔

7۔ قاضی کا مجتہد ہونا لازمی ہے یعنی وہ شریعت، قرآن وسنّت، اجماع وقیاس وغیرہ کے سابقہ اجتہادی فیصلوں اور قانونی احکامات سے واقف ہونا چاہیے۔ مجتہد نہ ہونے کی صورت میں اُس کے احکام اور اجتہادی فیصلے کسی اہمیّت کے حامل نہ ہوں گے۔

امام ابوحنیفہؒ کی رُو سے ایک شخص جو مجتہد نہیں وہ قاضی بنایا جاسکتا ہے اگر مناسب یا اس منصب کے لئے اہل آدمی دستیاب نہ ہو تو ان شرائط کو نرم کر کے تقرّری عمل میں لائی جاسکتی ہے لیکن صرف اُس وقت جب تک کہ مناسب فرد نہ مل سکے۔ نیز اُس کو اپنے عہدہ کا حلف وفاداری اٹھانے اور خدمات وصحیح فرائض بجا آوری کا بھی علم ہونا چاہیے۔

جج یا قاضی کے فرائض اور خدمات :

قضاء کا اصل مقصد تو جھگڑوں کا انصاف کی روشنی میں تصفیہ کرنا ہے اس لئے قاضی فریقین کے مابین صلح وغیرہ کرنے کی کوشش کرسکتا ہے گو قانونی نقطہ نگاہ سے اُس کو مقدّمات فیصل کرنے میں نہایت سوجھ بوجھ اور سختی سے قانون اور اصول عدالت اختیار کرنے پڑتے ہیں

۔الماوردی ان فرائض کو مندرجہ ذیل طریقہ سے تقسیم کرتے ہیں ۔

1۔ مقدّمات کا فیصلہ کرنا۔

2۔ عدالتی فیصلہ کا نفاذ اور حقدار کی حق رسی۔

3۔ کمزور کے جان و مال کی حفاظت اور نابالغ یا مخبوط الحواس بچّوں کی جائداد کا تحفّظ۔

4۔ یتیموں کی جائیداد کا تحفّظ۔

5۔ وقف جائیداد کا انتظام۔

6۔ وصیّت ناموں پر عمل۔

7۔ غیر شادی شدہ عورتوں جن کا کوئی نگہبان نہ ہو کی سرپرستی۔

8۔ "حد " لگانا یعنی جرائم کے ارتکاب پر مخصوص سزا دینا۔

9۔ پبلک بلڈنگ اور سڑکوں کی نگہداشت۔

10۔ گواہوں سے نبٹنا و قاضیوں کے نائبین یا مفتی حضرات کا انتخاب وغیرہ۔ گو قاضی انہیں مقدّمات کا فیصلہ کرتا ہے جہاں فریقین مقدّمہ اس خواہش کا اظہار کریں۔ لیکن ان جرائم میں جن پر حدود لاگو ہوتی ہے اور وہ معاشرہ کے لئے مضر اثرات کا باعث ہوں تو قاضی اپنے طور پر ہی ایک مجرم پر حد لگا سکتا ہے۔

جج یا قاضی کا رویّہ :

معاشرہ میں افراد کی اخلاقی تربیّت ایسی ہونی چاہیے کہ مجرم خود اقبال جرم کر کے سزا کا طالب ہو۔ ویسے قاضی کو خود اپنے روّیہ پر بھی نگاہ رکھنی چاہیے۔ مثال کے طور پر

1۔ قاضی سنگدل مگر ترش رو نہ ہونا چاہیے یعنی سخت ہو لیکن بدمزاج نہ ہو۔ نرم ہو لیکن کمزور نہ ہو۔

2۔ عدالت میں نہ تو وہ کسی کو سلام کرے اور نہ کوئی دوسرا اُسے سلام کرے۔

3۔ فریقین میں ایک کے ساتھ بے اعتنائی اور دوسرے کے ساتھ مروّت سے پیش نہ آئے۔

4۔ عدل وانصاف میں مساوات برتے اور غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ دے۔

5۔ گواہوں کی عزت وتکریم کی جائے۔

6۔ تحفہ وتحائف سے احتراز کرے۔ اگر کوئی بھیجے تو اُسے واپس کرے یا قیمت ادا کرے ورنہ اُسے بیت المال میں جمع کرادے۔

7۔ قاضی فریقین کو اپنے سامنے بیٹھنے کا حکم دے۔

8۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اپنے عہد میں جیل کا انتظام جاری کیا اس لئے قاضی مجرم کو حبس / قید کی سزا دے سکتا ہے۔

9۔ قاضی کو چاہیے کہ وہ گواہوں پر علیٰحدہ علیٰحدہ جرح کرے۔

10۔ اگرچہ قاضی کا فیصلہ واقعات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ پھر بھی نافذ العمل ہوگا اور فریق مخالف پر پابندی لازمی ہوگی۔

اختیارِ سماعت :

1۔ سابقہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ یا ڈپٹی کمشنر کے اختیارات قاضی کے اختیارات کے مشابہ ہیں قضاء کو اپنے حلقہ عمل میں مکمل اختیار سماعت حاصل تھا۔ امیر یا خلیفہ تک کو قاضی کے اختیار سماعت میں دخل اندازی کا حق نہیں تا کہ وہ ذات بغیر کسی اثر اور دباؤ کے انصاف کے تقاضوں کے مطابق عدل وانصاف کا بول بالا رکھے۔

2۔ اگر خلیفہ کے خلاف بھی الزام عائد ہو تو اُسے جواب دہی کے لئے طلب کیا جاسکتا ہے حتیٰ کہ سزا یا جرمانہ بھی کرنے کا حق قاضی کو حاصل ہے۔

3۔ عدالتی احکامات کی خلاف ورزی یا عدالت کو راستے سے بھٹکانا اور قاضی کو غلط یقین دلا کر دھوکہ سے فیصلہ حاصل کرنا وغیرہ توہینِ عدالت کے زمرہ میں آتا ہے جس کی علیٰحدہ سزا دی جاسکتی ہے۔

4۔ فوجداری مقدّمات میں جرائم کی سزا حدّ، جیل مثلاً قطع ید، سنگسار کرنا اور کوڑے مارنا وغیرہ شامل تھے فوجداری مقدّمات میں قصاص اور تاوان کی ادائیگی کی جاتی اور دیوانی مقدّمات میں اگر حق ثابت ہو جاتا تو حق رسی کی جاتی اور معاوضہ بھی دلایا جاتا۔

5۔ چونکہ گواہوں کی وجہ سے حقوقِ عامہ زندہ ہیں اس لئے ان کو ڈرانا دھمکانا یا ان کو نقصان پہنچنے پر عدالت کڑی گرفت لے سکتی ہے۔

6۔ اخلاق سوز اور کردار تباہ کرنے والے طریقوں پر پابندی عائد کی جاتی تھی اور ایسے لوگوں کو سزا دی جاتی تھی جو قومی اخلاقی کردار تباہ کرنے کا موجب ہوں۔

7۔ غلط تعمیرات کی دیکھ بھال بھی قاضی کا فرض ہے اور مخدوش عمارتوں کو گرانے کا حکم بھی دے سکتا ہے۔

8۔ قاضی کسی شخص کو خواہ وہ خلیفہ وقت ہو گواہ کی حیثیت سے طلب کر سکتا ہے۔

9۔ رمضان اور عید وغیرہ کے متعلق خبر دینا بھی اُس کے فرائض میں شامل ہے۔

10۔ اسلامی نظامِ عدل میں مجرموں کو ضمانت پر رہا کرنے کی صراحت بھی ملتی ہے۔

11۔ منصب قضاء کے فرائض میں جعلی سکّوں کے اجراء پر نگرانی اور سکّے ڈھالنے کی ٹکسال کی سرپرستی شامل ہے

عدالتی کاروائی یا دستور العمل :

1۔ مقدمہ کی پیشی اور گواہ گزارنے کی تاریخ مقرر کرنا۔

2۔ کسی جماعت کی غیر حاضری میں یک طرفہ کاروائی۔

3۔ مدعیٰ یا مدعا علیہ کی خواہش پر کسی گواہ وہ عامل ہو یا گورنر، امیر یا خلیفہ کو طلب کیا جانا۔

4۔ مقدّمات کے فیصلے تنہائی میں کرنا۔

5۔ مقدّم کو مؤخّر اور مؤخّر کو مقدّم کرنا۔

6۔ قاضی کو مدعّی اور مدعا علیہ دونوں کے بیانات سُن کر فیصلہ کرنا۔

7۔ یہ فیصلے نائبین یا جیوری (Jury) کی مدد سے بھی ہو سکتے ہیں اور فیصلے کا دلیل کے مطابق کیا جانا قضاء کے دستور العمل (Court Procedure) میں شامل ہے۔

فیصلہ کرنے میں مندرجہ ذیل وسائل وذرائع استعمال ہوتے ہیں۔

1۔ ہر وہ ذریعہ جو امرِ حق واضح کرے۔

2۔ دعویٰ تو ثابت کرنا مدعّی پر ہے لیکن اس کو جھٹلانے کے لئے قسم مدعا علیہ پر۔

3۔ شاہد کے لئے ضروری ہے کہ اگر واقعہ سورج کی طرح روشن ہو تو وہ گواہی ضرور دے۔

4۔ حلف صرف اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کسی دیوتا، باپ، بھائی یا اپنی جان وغیرہ کی قسم کھا کر نہیں اُٹھایا جا سکتا۔

5۔ فریقین کو صلح کے لئے کہا جا سکتا ہے کیونکہ عدالتی فیصلے دلوں میں کینے کے بیج بو دیتے ہیں۔

6۔ قیافہ شناسی، فراست وغیرہ بھی قضاء کے وسائل میں سے ہیں۔

7۔ اگر کسی جرم یا قتل وغیرہ کا سُراغ نہ مل رہا ہو تو گردونواح کے لوگوں سے قسم اٹھوائی جائے کہ وہ مقتول یا مجرم کا علم نہیں رکھتے۔

8۔ گو فیصلہ کرنے میں ظاہری علامات ودلائل کو اہمیّت دی جاتی ہے لیکن اکثر معمولی چیزوں کا

فیصلہ قرعہ اندازی سے بھی کیا جاتا ہے۔

عدالتی فیصلے :

1۔ اگر قاضی کسی فوجداری مقدمہ میں غلط فیصلہ کرے اور اس طرح کوئی جان یا عضو تلف ہو جائے تو اس کا معاوضہ بیت المال سے ادا ہوگا۔

2۔ اگر فوجداری مقدمہ میں غلط فیصلہ سے کوئی جان یا عضو کا نقصان نہ ہو تو کوئی جرمانہ ادا نہ ہوگا۔ مثلاً شراب نوشی، جو فوجداری کیس ہے جس میں حد لگتی ہے لیکن اُس سے جان یا عضو کے ضائع ہونے کا احتمال نہیں ہوتا۔

3۔ دیوانی مقدمہ میں غلط فیصلہ ہو جائے تو جرمانہ اُس سے وصول کیا جائے گا جس کو اس مقدمہ سے فائدہ پہنچا ہو۔

4۔ اگر قاضی نے دیدہ دانستہ غلط فیصلہ دیا ہے تو جرمانہ خود قاضی سے وصول کیا جائے گا۔

5۔ قاضی کے فیصلوں کی اپیل قاضی القضاۃ امیر، خلیفہ یا نذر المظالم کے پاس ہوگی۔

6۔ کوئی مقدمہ ابتداء ہی میں قاضی کی بجائے خلیفہ یا امیر کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔

7۔ اگر کسی فیصلہ کی اپیل نہ کی گئی ہو یا امیر، خلیفہ اور قاضی نے خود اپنے فیصلہ کو بدل نہ دیا ہو تو اس پر ہر قیمت پر عمل درآمد ہوگا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر غلط ہی کیوں نہ معلوم ہو مگر فریق مقدمہ پر اس کی اطاعت لازمی قرار دی گئی۔

قسامت اور اصولِ شہادت :

کسی مقدمہ میں ثبوت فراہم کرنے کے دو ہی ذرائع ہوتے ہیں۔

1۔ "شہادت" 2۔ "قسامت"

1۔ شہادت کے سلسلہ میں گواہ کا عادل ہونا شرط ہے خائن وزانی یا خائنہ وزانیہ وغیرہ کی شہادت جائز نہیں۔ اور نہ ہی دُشمن کی شہادت قابلِ قبول ہے۔

2۔ جس شخص پر خیانت کی حد لگ چکی ہو اور وہ جھوٹا ثابت ہو چکا ہو اُس کی شہادت بھی قابلِ قبول نہیں۔

3۔ گھر والوں کے حق میں ان کے نوکر، غلام، لونڈیاں، اَولاد، رشتہ داروں اور دوستوں وغیرہ کی گواہی معتبر تصوّر نہیں کی جاتی۔ اس لئے آقا کے لئے ملازم کی، باپ کے حق میں بیٹے کی اور شوہر کے حق میں بیوی کی گواہی قابلِ قبول نہیں۔ بجز اُس صورت کے کہ کوئی عینی شہادت موجود نہ ہو۔

4۔ جو لوگ زنا کی تہمت لگا کر ثابت نہ کر سکتے ہوں وہ بھی غیر معتبر ہیں۔

گواہ کے لئے مندرجہ ذیل خصوصیات ہونی چاہئیں۔

1۔ عقل، سنِ بلوغت، قوّتِ حافظہ، قوتِ سماع اور طاقت بینائی وغیرہ ایک مسلمان عادل مرد کے لئے لازمی ہیں۔

2۔ بچوں کی شہادت بھی قابل قبول نہیں۔ اگر ہوشمند ہوں تو قابلِ قبول ہے۔

3۔ غلاموں اور لونڈیوں کی شہادت بھی دورِ خلافت میں قابلِ قبول نہ تھی۔

4۔ مسلمانوں کے معاملات میں غیر مسلموں کی شہادت بھی قابلِ قبول نہیں سوائے اس وقت کے جبکہ وہ ایک فریق مقدمہ ہوں۔

5۔ دیوانی مقدّمات میں مسلمانوں کی بجائے کافر اور فاسق جو اُن میں سب سے بہتر ہو اُس کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے۔

6۔ اگر مسلمان مسافرت میں ہو یا قریب المرگ ہو اور اُسے وصیّت کی شہادت کے لئے کوئی

مسلمان میسرّ نہ ہو ایسی صورت میں غیر مسلم گواہ بنایا جا سکتا ہے۔

7۔ اگر معاملہ عورتوں کا ہو جیسے حمل یا رضاعت اور جسمانی عیوب وغیرہ کے سلسلہ میں ثبوت بہم پہنچانے کے لئے عورتوں کی گواہی لازمی ہے جو کہ تعداد میں کم از کم تین ہوں۔ لیکن بچے کی ولادّت کی گواہی کے لئے صرف ایک دائی کی گواہی کافی ہے۔ اگر کسی مقدّمہ میں عینی شہادت مرد کی موجود نہ ہو۔ تو عورت کی گواہی قابلِ قبول ہوگی۔

قسامت :

1۔ مالی اور دیوانی مقدمات میں دو عورتوں کی شہادت قابلِ قبول ہوتی ہے یا مدعّی کی قسم پر بھی فیصلہ ہو سکتا ہے

2۔ ثبوت زنا کے لئے چار عینی گواہوں کو پیش کرنا لازمی ہوتا ہے لیکن گواہ چار سے کم ہوں یا کوئی عینی شہادت نہ ہو تو زنا کی تہمت زبان تک لانے کی اجازت نہیں۔ اس قسم کی شہادت میں ایک رعایت رکھی گئی ہے یعنی جبکہ صرف خاوند ہی عینی شاہد ہو تو وہ زنا کی تہمت لگا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں اُسے عدالت کے رُو برو چار بار قسم کھانا پڑے گی کہ اس نے اپنی عورت کو غیر محرم سے زنا کرتے دیکھا اور پانچویں مرتبہ قسم کھائے گا کہ اگر وہ جھوٹ کہتا ہو تو اللہ کا غضب اُس پر نازل ہو۔ صفائی میں اُس کی بیوی کے لئے دو صورتیں ہیں اگر تو الزام کو تسلیم کر لے تو وہ سنگسار کر دی جائے گی۔ بصورتِ دیگر اس کو چار بار قسم اُٹھانی ہوگی کہ اس کا خاوند جھوٹ بولتا ہے اور پانچویں بار کہے گی کہ اگر وہ جھوٹی ہو تو اُس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ اس طرح اس پر حد تو نہ لگے گی لیکن نکاح ساقط ہو جائے گا۔

3۔ اگر کسی علاقہ میں قتل ہو جائے اور مقتول کا پتہ نہ چلتا ہو تو اس علاقہ کے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے کہ انہیں واقعہ قتل کا علم نہیں اور نہ ہی وہ مقتول کو جانتے ہیں۔

قتل، دیوانی یا فوجداری مقدمات وجرائم کے سلسلہ میں نظامِ قضاء میں تحریری ثبوت کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں۔ حالانکہ اُس تحریر کو تصدیق کرنے والے دو گواہوں کی شہادت تحریری ثبوت کے مقابلہ میں زیادہ قابل قدر ہوتی ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ تمام پبلک یا پرائیویٹ تحریروں (Documents) کی تصدیق کم ازکم دو گواہوں سے ضرور ہونا چاہیے۔

☆☆☆☆☆

اسلام کا اقتصادی نظام

اسلامی اصولِ معاشیات :

قانونِ فطرت انسان کو اجتماعی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ لیکن اس حیاتِ اجتماعی کا بغیر کسی ایسے نظام کے تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا جس کے درمیان ایسا تعاوّن اور اشتراک موجود نہ ہو اور جس کی بنیاد عدل اور حق معیشت کی مساوات پر قائم ہو۔ اس قسم کا تعاوّن واشتراک تب ہی وجود میں آسکتا ہے جب اقتصادی نظام میں درج ذیل اصول کارفرما ہوں۔

۱۔ وہ نظام ہر متعلقہ فرد کی معاشی زندگی کا کفیل ہو اور اپنے دائرہ عمل میں کسی بھی فرد کو ضروری وسائل زندگی سے محروم نہ رکھے۔

۲۔ اپنے اسباب و وسائل کا قلع قمع کرنا جو معاشی دستبرد (Expliotation) کا موقع فراہم کرکے افراد انسانی کے درمیان جبر واستبداد کی راہیں کھولتے ہوں اور معاشی نظام کے فساد کا موجب بنتے ہوں۔

۳۔ دولت اور اسباب دولت کو کسی خاص فرد یا محدود جماعت کے اندر سمٹ آنے اور اس فرد یا جماعت کو نظام معیشت پر قابض ومسلط ہونے سے باز رکھتا ہو تاکہ معاشی نظام تمام

کائنات انسانی کی فلاح کی بجائے مخصوص طبقات کے اغراض کا آلہ کار بن کر نہ رہ جائے

۔

۴۔ محنت اور سرمایہ کے درمیان صحیح توازن قائم کرنا اور ایک کو دوسرے کی غاصبانہ دستبرد سے بچانا ہو۔

قرآن حکیم میں معاشیات سے متعلق جن اساسی اصولوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ فراہمی رزق اور معاش کا تعلق صرف ذات خداوندی سے وابسطہ ہے۔ وہ ہر فرد کا کفیل ہے ۔اسی نے حق معیشت کو سب کے لیے مساوی رکھا ہے اور کسی کو بھی اس حق میں دخل اندازی کا اختیار نہیں دیا گیا۔

(الف)۔ اللہ تعالیٰ ہر فرد کی معاشی زندگی کا کفیل ہے اور اس کا وعدہ ہے کہ زمین پر چلنے والے ہر جاندار کی خوراک و معیشت اس کے ذمہ ہے کیونکہ زمین پر چلنے والے ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ (سورۃ ھود ۔ ۱۔)

(ب): اور تمہارا رزق اور جس شے کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے آسمان میں ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کے ذمہ)۔ (سورۃ الذاریات۔ ۱۔)

(ج): بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی روزی دینے والا ہے وہ بڑی مضبوط قوت والا ہے ۔ (الذاریات۔۳۔)

لہٰذا ان نصوص قرانیہ کی رو سے معیشت اور اسباب معیشت خدائے تعالیٰ کے خزانہ عامرہ کی ایسی عطاو بخشش ہے جس سے فائدہ اٹھانے کا ہر جاندار کو برابر کا حق ہے۔

(روح المعانی۔ج۔ ا۔ص ۲۴۔ البحرالمحیط ج ۔ ۷۔ ص ۴۸۶)

ارشادخداوندی ہے کہ

"اوراللہ نے تم سے بعض کوبعض پر رزق میں برتری دی پھرایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جس کوزیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی میں سے اپنے زیردستوں کولوٹادیں تاکہ اس روزی میں وہ سب کے سب برابر کے ہوجائیں پھرکیایہ اللہ کی نعمتوں کے صریح منکرنہیں ہورہے ہیں" (سورۃ نحل۔ ۱۰)

اس آیت کریمہ میں حق معیشت کی مساوات کا جس قدر صاف اورصریح اعلان ہے وہ بالکل واضح ہے منشائے الٰہی کے اس عظیم مقصد کو پورا کرنے کی ذمہ داری اسلامی مملکت کے سربراہ/ خلیفہ وقت پر عائد ہوتی ہے کہ اسلامی مملکت میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ہونا چاہیے جو حق معیشت سے محروم ہواور نہ کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حق معیشت میں دراندازبن جائے اور جو حکومت اس منشاء الٰہی کو پورا نہیں کرتی وہ فاسد نظام کی حامل اور عادلانہ نظام سے منحرف ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ

"جس شخص کے پاس قوت وطاقت کے سامان اورضروریات اپنی حاجت سے زائد ہوں اس کو چاہیے کہ فاضل سامان کسی کمزور شخص کو دیدے اور جس شخص کے پاس سامان خورد ونوش ضرورت اور حاجت سے زائد ہواس کو چاہیے کہ فاضل سامان نادار اور حاجت مند کو دیدے"

ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس طرح مختلف انواع مال کا ذکر

کرتے رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کرلیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے فاضل مال پر کوئی حق نہیں ہے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ

"جس بات کا مجھے آج اندازہ ہوا ہے۔ اگر اس کا پہلے سے اندازہ ہوجاتا تو میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلاشبہ ارباب ثروت کی فاضل دولت لے کر فقراء میں بانٹ دیتا"

(محلی ابن حزم ج ٦۔ص ١٥٨)

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور تین سو صحابہؓ سے متعلق یہ روایت صحت کو پہنچ چکی ہے کہ ایک موقع پر ان کا سامان خوردونوش ختم ہونے کے قریب ہوگیا تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جس قدر بھی سامان خوردونوش موجود ہے وہ لے آؤ اور پھر سب کو یکجا جمع کر کے اُن سب میں برابر تقسیم کر کے سب کی قوّت لایموت کا سامان کردیا۔ (محلی ج٦۔ص ١٥٨)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل دولت کے احوال پر ان کے غریبوں کی معاشی حاجت کو بدرجۂ کفایت پورا کرنا فرض کردیا ہے۔ پس اگر وہ بھوکے ننگے یا معاشی مصائب میں مبتلا ہوں گے تو وہ محض اس لیے کہ اہل ثروت اپنا حق ادا نہیں کرتے اور اس لئے اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن اس کی باز پرس کرے گا اور اس کوتاہی پر اُن کو عذاب دے گا۔ (محلی ج٦۔ ص١٥٨)

مذکورہ بالا آیات واحادیث کی روشنی میں مشہور محدّث ابن حزمؒ ظاہری فرماتے ہیں کہ

"ہر ایک بستی کے اربابِ دولت کا فرض ہے کہ وہ غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل

ہوں ۔ اربابِ ثروت سے جبراً مال لے کر فقراء کی ضروریات پر صرف کیا جاسکتا ہے۔ فقراء وغرباء کی زندگی کے اسباب کے لئے کم ازکم یہ نظام ضروری ہے کہ اُن کی ضروری حاجات کے مطابق خوراک مہیا کی جائے ۔ پہننے کے لئے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم کیا جائے اور رہنے کے لئے ایک ایسا مکان دیا جائے جو اُن کو بارش ۔ گرمی ۔ دھوپ اور سردی وغیرہ جیسے امور سے محفوظ رکھ سکے" (محلی ج٦۔ ص١٥٦)

اس امر پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے کہ

(1)۔ اگر کوئی شخص بھوکا ۔ ننگا یا رہائش سے محروم ہو تو صاحب ثروت کے مال سے اُس کی کفالت کرنا فرض ہے حتیٰ کہ تمام آئمہ مجتہدین کا بھی یہی مسلک ومؤقف ہے۔

(محلی ج ٦۔ ص ١٥٨)

(2)۔ اگرچہ حقِ معیشت میں درجات کا تفاوت ایک حد تک فطری ہے۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ سب کے لئے سامان معیشت ایک ہی طرح کا ہو۔ درجات کا یہ تفاوت ایسے اعتدال پر مبنی ہو کہ کسی حالت میں بھی وہ لوگوں کے درمیان وجہ ظلم نہ بن سکے۔

(3)۔ دولت اور سرمایہ گردش میں رہنا چاہیے تاکہ سمٹ کر مخصوص حلقوں اور طبقات تک محدود نہ ہونے پائے کہ عام انسانوں کو مفلوک الحال بنادے۔ " اکتناز واحتکار" کی حرمت اور انفاق کے وجوب پر بہت سی قرآنی آیات روشنی ڈالتی ہیں۔

(4)۔ محنت اور سرمایہ کے درمیان اعتدال اور توازن برقرار رکھا جائے۔

اقوامِ عالم کا غلبہ اور اُمتِ مسلمہ کی زبوں حالی :

سوال کیا جاتا ہے کہ اگر مسلمانوں کا اقتصادی نظام ہمہ خوبیوں کا حامل تھا جب کہ ہمارا

دعویٰ ہے کہ اُس جیسا نظامِ معیشت ابھی تک کوئی مذہب یا ازم پیش نہ کر سکا تو پھر آج مسلمانوں کی یہ خستہ وزبوں حالی کیوں؟ اور اُن کے مقابلہ میں دیگر مذاہب یا ازم کے پیروکار مثلاً برطانیہ، جاپان، چین، فرانس، جرمنی اور امریکہ وغیرہ مادی اور اقتصادی اعتبار سے دنیا کی معیشت کو کس طرح کنٹرول کئے ہوئے ہیں؟ ___ آخر اُن کی کامیابی اور مسلمانوں کی ناکامی کا سبب کیا ہے؟

ان سوالات کے پیچھے ایک تاریخ ہے جس نے وہ حالات پیدا کئے کہ ایک کا بامِ عروج پر پہنچنا اور دوسرے کا اس کے رحم وکرم پر گر پڑنا ناگزیر ہوا۔ معاشی اعتبار سے مسلمانوں کا اُن کے مقابلہ میں پیچھے رہ جانے کا سبب خود مسلمانوں کے آپس میں نفاق سے کمزوری اور اُن کے ہاتھوں سے سیاست وسیادت کا چھن جانا ہے۔ اسی لئے جب ایک نظام کو چلانے کا ذریعہ ہی اُن کے پاس نہ رہا تو نظام کی افادیت کس طرح ظاہر ہوسکتی؟ دوسرا سبب یہ کہ مسلمانوں نے خلافت وحکومت رخصت ہوجانے کے بعد اپنے اعلیٰ اوصاف واقدار کو بھی بالائے طاق رکھ دیا۔ چونکہ ہر قوم میں کچھ خصوصی انسانی اخلاقی اقدار ہوتی ہیں جن کو اختیار کر کے اُس کا دُنیا میں ترقی کرنا ناگزیر ہے۔ اس لئے جب تک مسلمان اُن صفات یعنی اجتہاد، تحقیق وریسرچ اور اعلیٰ انسانی اخلاق کے حامل رہے دُنیا کی سلطنتیں اُن کے زیرِ نگیں رہیں۔ کیونکہ وہ اسلامی نظام کو اُس کے اصل جذبہ کے تحت چلاتے رہے۔ اُس وقت تک زندگی کے کسی پہلو میں ان کو ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑا۔ لیکن جونہی خارجی اثرات اپنے سر منڈھنے شروع کئے اُن میں اخلاقی اوصاف اور جہاد کی جگہ عیش وعشرت نے لے لی یعنی اپنے اسلاف کی ڈگر سے ہٹ گئے تو یورپ کی اقوام نے موقع کی نزاکت اور ان کی کمزوری سے پورا فائدہ اُٹھایا اور خود اُن بنیادی اقدار کو اپنا کر اپنی محنت، کاوش اور عمل پیہم سے تمام اقوام سے سبقت لے گئے۔ اس طرح مسلمانوں کو سیاسی، معاشی ومعاشرتی اعتبار سے پسِ پشت ڈال دیا اور ایسے منفی حربے استعمال

کرتے رہے کہ مسلمان صدیوں خوابِ غفلت سے بیدار نہ ہوسکا۔ اور آج جب وہ بیدار ہوا بھی تو اُس نے سب کچھ اپنا ہوتے ہوئے بھی خود کو تہی دست پایا اور اپنے کھوئے ہوئے مقام کو پانے یا اقوامِ مغرب کا مقابلہ کرنے کے لئے فطرت کی تمام اشیاء کو اپنے خلاف بغاوت پر آمادہ پایا۔

اہل یورپ کی کامیابی کا سب سے بڑا سبب نیچر کی دولتوں کا ان کو مل جانا ہے۔ آخر ایک ایسا وقت آیا جبکہ اُن کے قبضہ میں نہ صرف برِصغیر جیسی سونے کی چڑیا بلکہ افریقہ اور آسٹریلیا ان کے قبضہ قدرت میں آئے حتیٰ کہ کولمبس نے پوری نئی دُنیا کے دو عظیم برّ اعظم ایک چھوٹی سی قوم کی گود میں ڈال دیئے۔ امریکہ کی اس سرزمین پر جہاں آبادی تو مختصر لیکن معدنیات دوسائل کا یہ عالم کہ گویا زمین سونا اُگلے دے رہی ہو۔ (ضمنی طور پر یہاں یہ ذکر کر دینا بجا ہوگا کہ عرب تجّار کولمبس کی دریافت سے بہت قبل اس نئی دُنیا سے نہ صرف آشنا تھے بلکہ تجارّت کی غرض سے اکثر امریکہ کے ساحلوں پر آئے۔ اس وقت اہل یورپ اس خطّہ سے نابلد تھے اس لئے جب کولمبس ادھر نکل آیا تو اُن کے لئے یہ نئی دریافت تھی) _____ لیکن ۲۷ لاکھ مربّع میل کی یہ زمین اور اس کے قدرتی خزانوں کو مسلمان تو استعمال نہ کر سکے لیکن وہی جب اہل یورپ کے ہاتھ لگے تو مادی دولت، معدنی و زرعی خزائن اور قدرت کی ہمہ نعمتوں پر قبضہ پا کر دنیا کی غیر مہذّب، غیر ترقّی یافتہ اور غربت و افلاس سے ماری ہوئی اقوام کو اپنا دستِ نگر بنالینا کوئی مشکل کام نہ تھا اور جب دنیا کا تقریباً نصف علاقہ مملکتِ برطانیہ (جو کہ خود پاکستان کے ایک صوبہ کے برابر نہیں ہے) قبضہ میں عرصہ تک رہا اور جس کے قدرتی وسائل سے پورا فائدہ اُٹھانے کا اُن کو موقع ملا تو دنیا میں اس کی عظیم طاقت کی حیثیّت سے بنیاد پڑی۔ اور دنیا کی نصف سے زائد حصہ آبادی پر حکمرانی کرتے رہے۔ برطانیہ، فرانس، ہالینڈ اور پرتگال وغیرہ اپنے زیرنگیں

علاقوں و کالونیوں کی دولت سمیٹ کر اپنا گھر بھرتے رہے۔ جس کی وجہ سے مادی ترقی کے اس مقام کو پہنچے۔ ان ممالک کے مقابلہ میں چین، جاپان و جرمنی نے محنت و مشقت سے سائنسی و صنعتی میدان میں ترقی تو کی لیکن اُن کے قبضہ میں کوئی نوآبادی علاقہ نہ ہونے کی وجہ سے برطانیہ اور فرانس جیسا مقام حاصل نہ کر سکے۔ مثال کے طور پر جاپان کو جتنے وسائل حاصل تھے۔ اتنے ہی سلطنتِ برطانیہ کو جبکہ خطّہ کے لحاظ سے بھی تقریباً دونوں ممالک برابر ہیں۔ لیکن ایک طرف ہندوستان جیسی سونے کی چڑیا کے تمام وسائل برطانیہ کے قبضہ میں تھے تو دوسری طرف امریکہ پر قبضہ کے بعد اُس کے وسائل اور معدنی دولت سے استفادہ کر کے دیگر اقوام کو صرف مادی ثروت کی بنا پر پس پُشت ڈال دیا حتیٰ کہ چین اور جاپان و دیگر اقوام اہلِ یورپ و امریکہ سے زیادہ صلاحیت رکھنے کے باوجود وسائل و مال و دولت کی کمی کی وجہ سے دُنیا میں بڑی طاقت (World Power) بن کر ابھر نہ سکے۔

نظام سرمایہ داری اور سوشلزم کے درمیان نصف صدی جاری جنگ گذشتہ دس سالوں میں سرمایہ داری نظام نے جیت لی ہے۔ یہاں تک کہ روس کا معاشی نظام جرمنی اور جاپان کے طرز کے سرمایہ داری نظام میں تبدیل ہو رہا ہے۔ جبکہ چین کے معاشی و سماجی نظام میں پہلے ہی سرمایہ دارانہ رویہ قدم جما چکا ہے گردش دولت کا موجودہ نظام برق رفتاری سے جاری و ساری ہے۔ نفع کی تلاش میں دولت کا سیلاب ایک مارکیٹ سے دوسری مارکیٹ کی جانب مسلسل حرکت میں رہتا ہے۔ معاشی تگ و دو میں زیادہ سے زیادہ فائدے کا حصول پوری دنیا میں انسان کا مقصد اولین بن چکا ہے۔ یہ حرص و ہوس کروڑوں انسانوں کی ضرورت اور مجبوری بن چکا ہے۔

اٹھارویں صدی میں مشین کی ایجاد اور پھر صنعتی انقلاب نے جدید سرمایہ داری کو جنم دیا

۔اس نظام معیشت میں شخصی ملکیت کا حق ، آزادی کی کوشش اور ذاتی نفع کے حصول کی حوصلہ افزائی کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہر فرد آزاد ہے کہ وہ جس طرح کی معیشت چاہے اختیار کرے۔ اگر اس کے پاس سرمایہ ہے تو معاشرہ یا مذہب و اخلاق کی طرف سے اس پر کوئی پابندی عائد نہیں۔ ان بنیادوں پر جو نیا معاشرہ وجود میں آیا وہ ہمدردی، تعاون، ایثار اور رحم کے جذبات محروم رہا۔ جبکہ اس میں طمع اور لالچ حرص و ہوس۔ نفع کی تگ و دو، خود غرضی کی جنگ، اور خواہشات کا مقابلہ شروع ہو گیا۔

کارل مارکس (1818-1883) نے ''سائنٹیفک سوشلزم'' کی شکل میں انسانوں کے اس ردّ عمل کو نظام معیشت کی شکل دیدی اشتراکیت کے جراثیم افلاطون (327-347) ق م) اور ہیگل (1770-1831) کے افکار میں بھی موجود تھے۔ 1934 میں جرمن پناہ گزینوں نے ایک انجمن بنائی جس کا منشور تھا ''تمام انسان بھائی بھائی ہیں'' 1847 میں یہودی النسل جرمن کارل مارکس اپنے دوستوں کے ہمراہ اس میں شامل ہوا اور اس کا نام ''کمیونسٹ لیگ'' رکھ کر منشور یہ دیا کہ دنیا بھر کے مزدور متحد ہو جائیں۔ بعد میں اس نے اپنے افکار کو Communist Manifest کی شکل دیدی۔ سرمایہ داری نظام کے خلاف نفرت نے انسان کو آخری انتہا تک یوں پہنچا دیا کہ اشتراکی فلسفہ صرف روس مین نافذ کرنے کے لیے ایک محتاط اندازہ کے مطابق بیس لاکھ انسانوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔ بیس لاکھ آدمیوں کو مختلف سزائیں دی گئیں اور تقریباً پچاس لاکھ افراد کو ملک بدر کر دیا گیا۔ اخلاقی اصولوں کو پامال کرتے ہوئے لینن نے کہا کہ

''ہمارے نزدیک ہر وہ چیز جائز ہے جو پرانے نظام کو مٹانے کے لیے ضروری ہو۔ یہ ناگزیر ہے

کہ اس کام میں ہر چال، فریب غیر قانونی تدبیر حیلے بہانے اور جھوٹ سے کام لیا جائے''

انسان ان دونوں معاشی نظاموں کی انتہائیوں کو چھونے کے باوجود اعتدال کی راہ پر نہ آسکا جبکہ اسلامی نظریہ حیات کے مطابق اصل اہمیت فرد کی ہے نا کہ قوم کی۔ اجتماعیت کا نظام در اصل فرد کی سہولت اور تربیت کے لیے ہے جبکہ اسلام انسان میں جو ذہنیت پیدا کرتا ہے اس کی بنیاد خوف خدا اور جوابدہی کا احساس ہے تا کہ فرد اور اجتماعیت ایک ذمہ داری کے احساس کرنے کے ساتھ اپنی حدود سے تجاوز کرنے سے احتراز کریں۔

اسلام زندگی کی مہلت کو شعور کی دولت کو اور وسائل کی نعمت کو ایک امانت قرار دیتا ہے جن کے استعمال کا حق وہ کچھ ذمہ داریوں کی شرائط کے ساتھ قبول کرتا ہے۔ تا کہ انسان دنیا سے اپنا حق بھی حاصل کریں اور معاشرہ کی طرف سے عائد ہونے والے فرائض بھی پورا کریں۔ یہ ہے اعتدال کی راہ جو افراط و تفریط سے پاک کجی اور بے راہ روی سے محفوظ ہے جس سے فرد اور معاشرہ دونوں بیک وقت فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ اسلامی نظریہ کے تحت اپنے خالق کے سامنے ہر شخص انفرادی طور پر ذمہ دار بھی ہے اور جواب دہ بھی! زندگی کا مقصد معاشی خوشحالی نہیں بلکہ ایک ہمہ جہت فلاح و بہبود ہے۔ جس کے لیے افراد کی شخصیت کی تربیت و نشوونما ضروری ہے تا کہ صالح معاشرہ وجود میں آسکے جہاں عدل و احسان کا نظام جاری و ساری ہو۔ وہ اپنی خواہشات کی غلامی میں دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتا نہ پھرے اور اپنے فرائض سے غفلت برتنے کا مرتکب ہونا شروع نہ ہو جائے۔

کمیونزم / سوشلزم کے پیرو عظیم سوویت یونین کی تحلیل :

بیسویں صدی کے چند مفکّرین مغربی اقوام کی استعماریت کے خلاف اس نتیجہ پر پہنچے

کہ شاید کیمونزم ہی موجودہ دور میں دنیا کے مسائل کا حل پیش کرسکتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض مسلم مفکّرین نے بھی اس نظرّیہ سے متاثر ہوکر کیمونزم کے اقتصادی نظام کی افادیّت کو اسلامی نظامِ معیشت کے ہم آہنگ قرار دیا بلکہ بعض تو یہاں تک جا پہنچے کہ مارکس کی عظیم تصنیف " کیپیٹل " کے نظرّیات کو قرآنی آیات پر منطبق گردانا۔ اس طرح کی تشریح اور من گھڑت تاویلات سے اُن کا مقصد اسلامی ممالک میں کیمونزم کے لئے راہ ہموار کرنا تھا۔ تاکہ صدیوں بعد انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کرکے خود دنیا پر اسلامی نظام کی افادیّت ثابت کرنے کی بجائے اُس سے فرار اختیار کرکے کیمونزم کی گود میں جا پڑیں۔ اگر اس ذہنیّت کا بروقت مقابلہ نہ کیا جاتا اور طاغوتی طاقتیں اسی طرح برسرِ پیکار رہ کر کامیاب ہوجاتیں تو نیا انقلاب تاریخ انسانیّت میں ذلّت اور غلامی کی بدترین شکل ہوتا ____ سُرخ اقتصادی نظام جو کہ مغربی سرمایہ داری نظام کے مقابلہ میں پیش کرکے دنیا میں غربت وافلاس کا حل اُس سے ممکن دکھایا گیا اس کا اصل مقصد دنیا کے مفلس افراد کو سرمایہ داری نظام کے خلاف بغاوّت پر آمادہ کرنا تھا۔ تاکہ انقلاب برپا کرکے کیمونزم کو مسلّط کردیا جائے اسلام کا اقتصادی نظام دنیا کی غربت وافلاس کا حل کشت و خون یا Divide and Rule کی پالیسی پر عمل پیرا ہوکر نہیں پیش کرتا۔ بلکہ امن اور انصاف کے تقاضوں کی روشنی میں چند اچھوتے اصولوں پر گامزن ہوکر دنیا سے غربت وافلاس دور کرنے کا داعی ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا نظام معیشت ہے جو کہ نہ تو موجودہ سرمایہ داری اصولوں پر استوار ہے اور نہ کیمونزم کے پیش کردہ اقتصادی نظام (Economic Order) پر۔ بلکہ ایک متوازن (Balanced) نظریہ پیش کرتا ہے۔ اسلامی اقتصادی اصولوں کو سمجھنے سے بہتر ہوگا کہ پہلے کیمونزم کے نظریہ کو سمجھ لیا جائے۔

کیمونزم دو نظرّیات پر مشتمل ہے ایک تو فلسفہ کیمونزم (Philosophy of

(Communism) جوکہ دہریّت (atheism) کی بدترین شکل ہے کیونکہ اس میں خدا کے وجود م رسالت، سابقہ پیغمبران، الٰہی ضابطہ ہائے زندگی، وجودِ جنّت، فرشتیوں اور حیات بعدازمرگ وغیرہ سے انکار کر کے روحانی اقدار کے خلاف نفرت وحقارّت کے جذبات پیدا کرتا ہے ___ دوسرا نظریہ کمیونزم کا اقتصادی نظام (Economic Order) ہے جس میں تقسیم دولت پر بحث کی جاتی ہے اس نظام کے تحت تمام ذرائع آمدنی (means of production) حکومت کے تحویل میں ہوتے ہیں۔ اس طرح کسی کے پاس فاضل دولت (Surplus Wealth) جمع نہیں ہونے دی جاتی۔ بلکہ حکومت خود تمام املاک و دولت اور زمین وغیرہ ضبط کر کے سرمایہ دار کا وجود ختم کر کے اُس کو ایک عام نوکر ملازم اور غلام کسان یا مزدور کی سطح پر لے آتی ہے۔ اور سب کو لازمی طور پر محنت مزدوری کر کے شکم سیری کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس طرح اشتراکیّت انسان کو اس زمین پر ایک برتر مخلوق نہیں سمجھتی۔ کیونکہ جب کمیونزم یا اشتراکیّت کے کارناموں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ اس سے نہ تو تقسیم دولت کا کام صحیح طور پر انجام پاسکا اور نہ انسانیّت کو کوئی معراج نصیب ہوسکی بلکہ اشتراکیّت نے روٹی کی خاطر وہ چیز انسانیّت سے چھین لی جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے اُس کو اشرف المخلوقات کا لقب دیا تھا۔ کیونکہ نظریہ کمیونزم عورت و مرد کو برابر کا درجہ اس طرح دیتا ہے کہ کوئی مرد اپنی عورت کو صرف اپنی ہی زوجیّت کے لئے مجبور نہیں کرسکتا۔ اُن کے خیال میں اس سے بھی ملکیّت کی بو آتی ہے کیونکہ وہ حکومت کی ملکیّت متصوّر ہوتی ہے اس لئے ہر فرد کا اس پر حق ہے ناجائز اولاد پیدا ہونے کی صورت میں اُس پر کوئی حرف نہیں آتا بلکہ ریاست کے بیت المال کی ملکیّت ہوتا ہے۔ اسی زبوں حالی سے متاثر ہوکر کسی روسی مصنف نے اسی آئیڈیل اشتراکی سوسائٹی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

"شراب خوری اور زنا کوئی قابل شرم نہیں۔ گناہ کوئی چیز نہیں "محبت کرنا" " خوب پینا" اور عورتوں کا تعاقب کرنا خاصہ مردانگی ہے۔ ایک فطری جذبہ ہے اور جو چیز فطری ہو گناہ کیسے ہوسکتی ہے"۔ (صفحہ ۳۵ "اشتمالی سماج" مکتبہ عرفان حیدرآباد دکن)

اس طرح جو چیز قیام اشتراکیت کی جدوجہد میں مددگار ہو وہ پاکیزہ ہے اور ہر وہ چیز جو مانع ہو وہ شدید اور عظیم ترین برائی ہے اس سلسلہ میں خود لینن (Lenin) ایک جگہ اشتراکیت کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے

"ہم ہر اُس اخلاق کو روکتے ہیں جو مافوق الفطرت تخیلات وافکار جو طبقاتی تصورات سے ماورا ہو۔ ہم یہ رائے رکھتے ہیں کہ اخلاق تابع ہے طبقاتی جنگ کے مفاد کا___ ہر وہ چیز جو اخلاقاً جائز ہے جو قدیم اجتماعی نظم کو ہٹانے اور محنت کش عوام کو ایک کرنے کے لئے ضروری ہو۔ جس طبقہ کو اب تک لوٹا جارہا ہے وہ جب اپنے دشمنوں کے خلاف جدوجہد کرے گا تو ایسی جدّوجہد میں جھوٹ اور مکروفریب کے ہتھیاروں کا استعمال ناگزیر ہوگا"۔

بس جس نظام کی بنیاد ہی اخلاقیات اور روحانیت سے پہلوتہی کرنا اور مکروفریب پر مبنی ہو وہ کس طرح کامیاب ہوسکتی ہے کیا اس خطّہ میں جہاں روسی نظام پورے شدّ و مد سے نافذ تھا اور انقلاب سے لے کر طویل عرصے میں کمیونسٹ روس میں عوام کو اقتصادی مساوات حاصل ہوئی؟ چونکہ اس قسم کا مساوی نظام فطرت کے خلاف ہے اس لئے کہ ناممکن اور ناقابل عمل تھا۔ جس کی مثال خود سوویت روس پیش نہ کرسکا تو اشتراکی انقلاب سے دوسرے ملک میں اس نظریہ کو عملی جامہ پہنانا کیسے ممکن تھا نتیجہ یہ نکلا کہ فطرت سے متصادم نظام سے عظیم سوویت یونین مختلف یونٹوں میں تقسیم ہوگی حتیٰ کہ اُن مختلف ریاستوں کو آئندہ باہم عارضی تانے بانے سے زیادہ عرصہ متحد رکھنا ممکن نظر نہیں آرہا ہے۔

اسلامی اقتصادی نظام :

حضرت آدمؑ سے لیکر نبی آخرالزماں ﷺ تک اللہ تعالیٰ نے دین میں یا اسلامی معاشرہ میں اقتصادی مساوات کی صراحت نہ رکھی ورنہ جہاں پیغمبران دیگر احکام خداوندی کی تبلیغ کرتے رہے اس نظام کو بھی جاری وساری کر سکتے تھے۔

البتہ اسلامی نظام میں امراء بھی ہیں اور غربا بھی اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ذرائع فراہم کرتا ہے حتیٰ کہ قرآنی احکامِ الٰہی (Divine Guidance) کہیں بھی اقتصادی مساوات کا درس نہیں دیتے۔

"سب فضل وکرم اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے" (سورہ آل عمران آیت ۷۳)

" کہہ دیجیے بے شک فضل وکرم اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے وہ عطا کرتا ہے"۔

سورۂ بقرہ آیت ۲۱۲ میں فرمایا گیا

"اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے"۔

پھر بنی اسرائیل آیت ۳۰ میں آیا ہے۔

"بلاشبہ آپ کا ربّ ہی جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کرتا ہے اور کم کرتا ہے (جس کی چاہے)"

اسلامی ریاست اراضی کی ملکیت کو بھی کنٹرول نہیں کرتی بلکہ زمینداری کا پورا حق عوام کے زمیندار طبقہ ہی کو حاصل ہے۔ اسلامی حکومت مفتوح زمینوں تک کو اپنے قبضہ میں نہ رکھتی، نہ مجاہدین میں تقسیم کرتی بلکہ وہ زمینیں زمیندار طبقہ ہی میں رہنے دی جاتیں۔ اس طرح سوشلسٹ نظریہ کے برعکس اسلام میں ذرائع پیداوار (Means of Production) پر کسی قسم کی اجارہ داری نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ پیدا ہو اُس پر ٹیکس عائد ہوتا ہے اور یہ ٹیکس بھی صرف اسی قدر ہوتا جس سے زمینداروں کی حق تلفی نہیں ہوتی اور بیت المال سے حاجت مندوں کی خدمت بھی

ہوتی رہتی ہے۔

اُسی طرح اسلامی نظام میں دولت کے ناجائز مصرف یا ذخیرہ اندوزی کو ممنوع قرار دیا گیا۔ جس پر خود عوام کو عمل پیرا ہونا ہے حکومت کی بے جا مداخلت کی اجازت نہیں۔ پس اسلامی نظام کے لئے جس طرح ایک حکومت کا ڈھانچہ ضروری ہے اور اس کے تحت ایک عدلیہ کا نظام کارفرما ہوتا ہے۔ اُسی طرح معاشی نظام بھی جاری وساری ہوتا ہے۔ اس نظام میں ایک سرکاری بیت المال ہوتا ہے جس میں بوقتِ ضرورت ہر سال قوم کا ہر فرد جس کے پاس اتنی مال و دولت ہے (اُس کی ضروریات زندگی سے کچھ زیادہ ہے) تو اُس کو فاضل دولت کا ڈھائی فیصدی حصہ بیت المال میں ادا کرنا ہوگا۔ جو کہ غرباء ومساکین کے لئے ایک قسم کا ٹیکس ہے ___ حکومت سرمایہ داروں، صنعت کاروں اور زمینداروں کی صحیح آمدنی واخراجات کا حساب لگا کر اگر وہ ایمانداری سے زکوٰۃ ادا نہ کریں تو حکومت اُن سے جبراً زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے۔ جیسا کہ منکرین زکوٰۃ کے خلاف خلیفہ اوّل سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے لشکر کشی کر کے واجب الادا زکوٰۃ وصول کی۔ معاشرہ میں قوم کے غرباء ومساکین طبقہ کی حالت بہتر بنانے کی ذمہ داری حکومت کے سر ہوتی ہے اس کے علاوہ معذور، بے کس و بے سہارا، یتیم، بے بس و بیواؤں کے لئے وظائف ادا ہوتے ہیں۔ اس طرح جب مخیّر حضرات ایک طرف اپنے طور پر اور دوسری جانب حکومت قوم کے حاجت مندوں کی مدد کرے گی۔ تو تھوڑے ہی عرصہ میں اسلامی ریاست کا ہر فرد اس قابل ہو سکے گا کہ حقداروں کو ان کا حق پہنچتا رہے گا اور وہ معاشرہ پر بوجھ نہ بنیں گے۔ اس طرح زکوٰۃ اور حق وراثت اسلامی معیشت کے بنیادی ستون ہیں۔

اسی لئے وراثت کے قانون کو اسلام میں خاص اہمیّت حاصل ہے اس نظام میں وراثت کی بابت ایک جگہ پروفیسر میکنائن لکھتا ہے:

"اسلام کے قانونِ وراثت میں ہمیں وہ احکام ملتے ہیں جن میں اُن سب کے حقوق پوری طرح ادا ہو جاتے ہیں جنہیں فطرت نے ہمارے دلوں کے قریب کر دیا ہے اور جو ہماری محبتوں کے مراکز ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ عادلانہ، منصفانہ، اور متوازن نظام کا تصوّر بھی ذہنِ انسانی کے لئے ممکن نہیں"۔

اسلامی نقطہ نظر کے تحت سود اور ربٰو کا مفہوم :

"ربٰو" کے معنی عربی میں زیادتی اور اضافے کے ہیں۔ اصطلاحاً اہل عرب اس لفظ کو اس زاید رقم کے لیے استعمال کرتے تھے جو ایک قرض خواہ خود اپنے قرضدار سے ایک طے شدہ شرح کے مطابق اصل کے علاوہ رقم وصول کرتا تھا۔ جس کو ہمارے ہاں عام طور پر "سود" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نزول قرآن کے وقت سودی معاملات کی جو صورتیں اور شکلیں رائج تھیں اور جنہیں اہل عرب "ربٰو" کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے اور وہ حسب ذیل تھیں۔ مثلاً

۱۔ ایک شخص دوسرے شخص کے ہاتھ کوئی چیز اُدھار فروخت کرتا اور ادائے قیمت کے لیے ایک مدّت مقرّر کر دیتا۔ اگر وہ مدت گذر جاتی تو پھر وہ مزید مہلت دے دیتا لیکن قیمت میں اضافہ کر دیتا۔ یا

۲۔ ایک شخص دوسرے شخص کو قرض دیتا اور اس سے طے کر لیتا کہ اتنی مدّت میں اتنی رقم اصل زر سے زائد ادا کرنا ہوگی۔ یا

۳۔ قرض خواہ اور قرض دار کے درمیان ایک خاص مدّت کے لیے ایک شرح طے ہو جاتی تھی اور اگر اس مدّت میں اصل رقم معہ اضافہ رقم کے ادا نہ کی جاتی تو مزید مہلت پہلے سے زائد شرح پر دی جاتی۔

دورِ جہالت میں "ربٰو" (سود) کی دو بنیادی صورتیں تھیں "ربٰو النسیہ" (ادھار

پر سود) اور "ربٰو بالفضل" (زیادہ لینے کا سود)۔

" ربٰو النسیۂ " کی تشریح حضرت قتادہؓ نے اسطرح کی کہ

"دور جہالت کا سود یہ تھا کہ کوئی شخص کوئی شے فروخت کرتا اور قیمت کی ادائیگی کے لیے ایک مدّت مقرّر کر دیتا تو جب مقرّرہ مدت پوری ہو جاتی اور خریدار قیمت ادا نہ کر پاتا تو بیچنے والا قیمت میں اضافہ کر دیتا اور قرضدار کو مزید مہلت دے دیتا"

امام ابوبکر حصاصؒ " احکام القرآن میں بیان کرتے ہیں کہ

"یہ بات سب کو معلوم ہے کہ دورِ جہالت میں سود کی یہ شکل تھی کہ ایک مدّت کے لیے قرض لیا جاتا اور اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ اصل رقم سے زیادہ رقم ادا کی جائے گی ۔ یہ زیادہ رقم مقرّرہ مدّت کا بدل ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام اور باطل قرار دیا"

اسی طرح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت اُسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

" ربٰو صرف النسیہ (ادھار) میں ہے"

"ربٰو بالفضل" یہ ہے کہ کوئی شخص ایک ہی جنس کی چیز بیچے اور خرید و فروخت میں زیادہ چیز وصول کرے جیسے سونے کو سونے کے بدلے۔ گیہوں کو گیہوں کے بدلے۔ چاندی کو چاندی کے بدلے۔ کھجور کو کھجور کے بدلے فروخت کرے اور زیادہ وصول کرے۔ اس طرح کی خرید و فروخت کو سود قرار دیا گیا۔ جبکہ اس طرح کا معاملہ کرنے والوں میں سود خوروں کے سے جذبات و احساسات پائے جاتے ہیں۔

حدیث نبوی ﷺ ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"سونے کے بدلے سونا۔ چاندی کے بدلے چاندی۔ گیہوں کے بدلے گیہوں۔ جوَ کے بدلے جوَ۔ کھجور کے بدلے کھجور۔ نمک کے بدلے نمک کی خرید وفروخت برابر برابر اور دست بدست ہو۔ اگر کسی نے زیادہ دیا یا زیادہ لینا چاہا تو اس نے سودی کاروبار کیا۔ لینے اور دینے والا دونوں اس میں برابر ہیں" (بخاری مسلم)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت بلالؓ نبی اکرم ﷺ کے پاس برنی کھجور (کھجور کی ایک اعلیٰ قسم) لائے۔ نبی کریم ﷺ نے اُن سے پوچھا تمہیں یہ کھجوریں کہاں سے ملیں۔ انہوں نے بتلایا کہ ہمارے پاس گھٹیا قسم کی کھجوریں تھیں ہم نے دوصاع وہ کھجوریں دیکر ایک صاع برنی کھجوریں لے لیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اوہ! یہ تو عین سود ہے۔ یہ تو عین سود ہے۔ ایسا نہ کرو۔ اگر تم یہ کھجوریں خریدنا ہی چاہتے ہو تو پہلے اپنی کھجوریں بیچ ڈالو اور پھر ان کھجوروں کو خرید لو" (بخاری۔ مسلم)

اس طرح "ربوٰ النسیہ" کا سود ہونا تو بالکل واضح ہے کیونکہ اس میں سودی کاروبار کے تمام بنیادی عناصر پائے جاتے ہیں۔ یعنی اصل پر افزائش بوجہ مدّتِ مزید جس کے باعث زیادہ مال ادا کیا جائے گا۔ معاملہ میں نفع (سود) کا بطور شرط ہونا یعنی اس سلسلہ میں قابل ذکر یہ ہے کہ ہم جنس اشیاء میں سود کے سوا کچھ نہیں۔

جہاں تک "ربوٰ بالفضل" کا معاملہ ہے اس سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ دو ہم جنس اشیاء کے درمیان بنیادی فرق ہوتا ہے تب ہی ایک شے کے بدلے میں دوسرے شے زیادہ دی جاتی ہے۔ جنس کی مماثلت کی وجہ سے اسے بھی ربوٰ (سود) قرار دیا گیا ہے۔ جس شے کو بدلنا مقصود ہو اسے نقد رقم کے عوض فروخت کر دیا جائے اور پھر اس رقم سے ہم جنس شے کو خریدنے میں کوئی امر مانع نہ ہے۔ رسالتمآب ﷺ اس سلسلہ میں بہت حساس تھے اسی لئے

ہم جنس اشیاء کے باہم تبادلہ میں بھی زیادتی کی ممانعت فرمادی۔

دین اسلام انسانوں کے مابین باہمی محبت اور ہمدردی کے جذبات پروان چڑھاتا ہے اس لئے اسلام نے "انفاق" (خرچ کرنے) کا حکم دیا۔ سودخور کی ذہنیت بالکل اس کی ضد ہے ۔سودخور ایک حاجت منداور ضرورت مند انسان کو پھانستا ہے۔ اسلئے اس کی مدد کا جذبہ مفقود ہوتا ہے بلکہ وہ بوجہ عدم ادائے قرض اس کی بے بسی اور مجبوری کا فائدہ اُٹھا کر اپنی دولت میں اضافہ کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ خودغرضی کا یہ جذبہ اگر بے روک ٹوک بڑھتا رہے تو پھر اس حدتک پہنچ جاتا ہے کہ انسان میں ہمدردی کی رمق تک باقی نہیں رہتی اور وہ ایک بے رحم اور ظالم درّندہ بن کر رہ جاتا ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ بقرہ کی آیت 275 میں سودخور انسان کی اس حالت کو مرگی کے مرض سے تشبیہہ دی گئی ہے کہ زر پرستی کے جوش میں انسانی ہمدردی کے تمام احساسات فنا ہوجاتے ہیں اور آدمی پیسے کے پیچھے پاگل بن کر رہ جاتا ہے ۔ سودی نظام اقتصادیات میں سرمایہ داری کی راہیں کھولتا ہے اور زر پرستی کے رجحانات کو بڑھاتا ہے جبکہ اسلامی اقتصادی نظام اس کے برعکس دولت کو معاشرہ میں پھیلانا چاہتا ہے اور وہ معاشرہ کے دولت مندوں کو ناداروں کی کفالت کی جانب راغب کرتا ہے۔ اس حقیقت کو سورہ بقرہ کی آیت 276 میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

"اللہ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے"

موجودہ بنکنگ اور انشورنس میں سودی کاروبار:

اسلام میں ربٰو ایسا مسئلہ اور بُرائی ہے جس کے خلاف اللہ تعالیٰ نے اعلان جنگ فرمایا۔ موجودہ بنک کاری نظام میں قرض لینے پر شرح سود بہت زیادہ ہے جبکہ لوگوں کی جمع پونجی پر زر منافع قلیل دیا جاتا ہے۔ اس طرح بنک کو دو منہ والے سانپ سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے

۔ جہاں بنک لوگوں کے سرمایہ کو کاروبار کے لئے بطور قرض (Loan) فراہم کرتا ہے اور اس پر جو شرح منافع لیتا ہے اس کے مقابلہ میں عام سرمایہ کاروں کو بہت کم منافع ادا کرتا ہے اس طرح عام سرمایہ جمع کرانے والا ہر طرح سے گھاٹے میں رہتا ہے۔ جبکہ بنک ہر طرح سے اپنے سرمائے (Assets) کو کئی گنا بڑھاتا رہتا ہے۔ جس سے عام آدمی خسارہ میں رہتا ہے کیونکہ اس کی جمع پونجی سے جو کاروبار ہوتا ہے اس میں بنک زیادہ رقم وصول کرتا ہے۔ صنعت کار قرض سے مارکیٹ میں جو اشیاء تیار کر کے فروخت کرتا ہے اس کی قیمت میں بتدریج اضافہ ہوتا رہتا ہے جو عام آدمی خریدنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس طرح عام سرمایہ دار دونوں جانب سے زخم خوردہ کہا جاسکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ تجارت اور سامان کے خرید و فروخت میں بیلنس قائم رکھنے کا حکم دیتا ہے (۲۰: ۷ تا ۹) ۔ (۲۰:۲۱)

اس لئے اشیاء کی قیمتوں میں استحکام برقرار رکھنا اسلام کے اقتصادی نظام کا بنیادی عنصر ہے اور زر کی یکساں مالیت قائم رکھے بغیر یہ ممکن نہیں۔ اس لئے ملک میں نوٹوں کی مالیت کو سونے اور چاندی کی بازاری قیمت سے ہم آہنگ رکھا جانا ضروری ہے۔ اس طرح عام لوگوں کی رقم پر کسی بنک یا مالی ادارہ ہو کو intermediary Finance بننے کی اجازت نہ دی جاسکتی ہے۔ اس طرح کے کاروبار اور لین دین کو حرام قرار دیا جانا چاہیے۔ کیونکہ موجودہ سودی کاروبار پر عمل سے ربٰو کی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ کیونکہ منافع (Interest) بناءِ وجوہ یعنی سبب (Cause) ہے اور ربٰو اس کا پھل (Consequence) ہے۔

پاکستان میں تین مقتدر اداروں نے موجودہ بنکنگ نظام میں مقرّرہ شرح منافع پر لین دین کو ہر لحاظ سے سود (Interest) یعنی ربٰو قرار دے دیا ہے۔ جو کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی کی رپورٹ مورخہ 20 دسمبر 1991ء فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلہ مورخہ

14 نومبر 1991ء اور سپریم کورٹ آف پاکستان کی شریعت اپیلٹ بینچ کے فیصلہ مورخہ 23 دسمبر 1995ء سے مترشح ہے۔ فیڈرل شریعت کورٹ نے ربٰو کو مطلق سود (Interest) کے زمرہ میں شامل کر دیا ہے۔ اور قرار دے دیا ہے کہ جہاں اصل رقم میں اضافہ / بڑھوتری جس مدّ میں بھی زیادہ سے زیادہ ہوتی جائے اس کو ربٰو گردانتے ہوئے حرام قرار دے دیا ہے۔ اس طرح ربٰو کا صرف سود (Interest) پر اطلاق کر کے دیگر اقسام کو بیع معجّل قرار دے دیا۔ اسلامی نظریاتی کونسل اور فیڈرل شریعت کورٹ نے سود (Interest) مقرّرہ منافع اور مارک اپ (Mark up) کو ربٰو کی ہی شکل قرار دیا ہے جبکہ دیگر مالی امور جن سے زرِاصل میں بے حد اضافہ اور مسلسل بڑھوتری کا عمل جاری رہتا ہے اس پر قدغن لگانے کا سپریم کورٹ شریعت اپیلٹ بنچ کے فیصلے میں کہیں ذکر نہ تھا۔ حتٰی کہ 1197 صفحات پر مشتمل مذکورہ فیصلہ میں ربٰو کے اصل مفہوم و معنی کو سرے سے چھوا تک نہیں اس لئے اس فیصلہ کو اجتہاد یا اِجماعِ اُمّت قرار نہیں دیا جا سکتا تھا؟

فیڈرل شریعت کورٹ اور پاکستان کے شریعت اپیلٹ بنچ نے پاکستان میں رائج مالی اداروں کے منافع و سود کے ہر قسم کے نظام حتیٰ کہ قومی بچت اسکیم میں سرمایہ کاری تک کو حرام قرار دے دیا تھا (ملاحظہ ہو فیصلہ PLD2000-SC225) اس فیصلہ سے سودی کاروبار کے سلسلہ میں ہر قسم کے لین دین کی نسبت جملہ قوانین کی متعلقہ دفعات کو قرآن و شریعت سے متصادم تصوّر کر کے کالعدم قرار دیدیا گیا جس سے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ لیکن یونائیٹڈ بنک آف پاکستان کی جانب سے مذکورہ بالا کیس میں ایک نظر ثانی کی درخواست سال 2002 میں گزاری گئی جس پر سپریم کورٹ کے فل بینچ نے تمام متعلقہ مالی۔ دینی اور حکومتی نمائندوں کے استدلال کی سماعت کے بعد مذکورہ فیصلہ منسوخ قرار دے دیا اور

معاملہ دوبارہ فیڈرل شریعت کورٹ کو ارسال کر دیا کہ سود۔ منافع۔ ربٰو کے تمام عوامل پر جملہ دینی وحکومتی اور مالی اداروں کے نمائندوں کو سماعت کا موقع دیکر از سرنو فیصلہ صادر کیا جاوے تاکہ فیڈرل شریعت کورٹ کے پہلے فیصلہ سے جو ابہام پیدا ہوا ہے یا جو نئے اہم نکات سامنے آئے ہیں ان کی روشنی میں از سرنو فیصلہ کیا جاوے۔

کسی بھی اسلامی ملک میں سود کے بغیر بنکاری نظائم رائج نہیں۔ البتہ سعودی عرب اور ملائیشیا میں اُن کے قومی بنکوں نے سود کے بغیر بنکاری کاؤنٹر (Interest Free Financing Counter) قائم کئے ہیں جہاں لوگ مقررہ شرح سود پر رقم کے لین دین کے بجائے اُن کے سرمایہ کو کاروبار میں لگا کر اُس سے حاصل ہونے والے نفع یا نقصان میں حصہ دار (Sharer of Profit) ہوتے ہیں۔ اُس کے ساتھ ساتھ تمام بنکنگ نظام اور غیر ممالک سے قرض پر لین دین کا سودی کاروبار جاری رکھا گیا ہے جو موجودہ عالمی معاشی تناظر میں اُسے جاری رکھنے پر مجبور ہیں۔ جبکہ الازھر اسلامی یونیورسٹی مصر نے اپنے ایک جدید فتویٰ کی رو سے مذکورہ نظام کو ربٰو کے زمرے سے خارج قرار دے دیا ہے۔ اسی طرح ملکی معاشرتی پہلو اور مالی عوامل کے پیشِ نظر فیملی پلاننگ کو جائز قرار دے دیا ہے۔

چونکہ رسالتمآب ﷺ خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر سود کو حرام قرار دینے کے بعد تقریباً تین ماہ حیات فرمار ہے اس لئے حضور نبی اکرم ﷺ سے سود و ربٰو پر مزید توجیح اور وضاحت حاصل نہ ہوسکی۔ آپ ﷺ کے علاوہ صحابہ کرام یا تابعین میں سے بھی کسی سے واضح صراحت بھی نہیں ملتی ہے۔ اس لیے قریباً تین سو سالوں کے بعد ربٰو کی تشریح وتوجیح اتنی وزنی نہیں بلکہ وہ سنی سنائی بات (Hearsay) کے مترادف ہے۔ ایسی بات کا قانون شہادت میں وزن نہیں ہوتا جبکہ فقہا وعلماء نے ربٰو کی مختلف اقسام پر دلائل دئے ہیں اور سب کو حرام قرار دیدیا۔

حالانکہ مختلف حالات میں ربٰو کی مختلف تشریح ہے۔ جس طرح قتل (Homicide) کی مختلف اشکال ہیں قتل عَمد اور قتل خطاء وغیرہ میں مختلف حالات ومختلف صورت میں مختلف سزائیں تجویز کی گئیں حتیٰ کہ اپنے دفاع (Self Defence) میں کسی سے قتل ہوجانے پر قاتل کو سزا نہ مل سکتی ہے۔ اسی طرح موجودہ معاشرتی اور مالی امور یا ہر قسم کی سرمایہ کاری پر ربٰو کا اطلاق کر کے حرام قرار نہ دیا جاسکتا ہے۔ جس طرح واضح قرآنی نصوص اور حدیث مبارّکہ بابت چوری / سرقہ پر قطع ید کی حد دورانِ قحط معطّل ہوئی اور جیسے کسی مجبور کے بھوک سے ازالے کے لئے رزق چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح زناء کے ارتکاب پر حد سنگسا ری عائد نہیں ہوسکتی ہے تا آنکہ چار عینی شاہدوں نے وقوعہ نہ دیکھا ہو جو ناممکن ہوتا ہے۔ اگر اسلامی ضابطۂ حیات میں یہ لچک اور اجتہاد کی صراحت نہ ہوتی تو نصف سے زیادہ افرادِ ملّت لولی لنگڑی اور سنگسار ہوچکی ہوتی۔

متذکرہ بالا اجتہادی صراحت کی روشنی میں مندرجہ ذیل حالات میں کیا مالی لین دین ربٰو کے زمرہ میں آئے گا؟

۱۔ جو لوگ اپنی ضروریات زندگی خود محنت ومشقت سے پورے نہ کر سکتے ہوں یا ریاستی بیت المال زکوٰۃ فنڈ یا ملکی خزانہ سے جنکی مالی ضروریات پوری نہ کی جاسکتی ہوں اور جن کی مستقل ذریعہ آمدنی نہ ہو وہ اپنی جائیداد فروخت کر کے اس سے مستقل ذریعہ آمدنی بنانا چاہتے ہوں۔

۲۔ کوئی یتیم اپنے والدین کے ترکہ میں حاصل شدہ رقم یا کوئی بیوہ یا مطلقہ خاتون اپنے خاوند کی پنشن، گریچوئیٹی، پروویڈنٹ فنڈ یا ریٹائرمنٹ پر گولڈن ہنڈشیک سے ملنے والی رقم یا زرِ حق مہر، نان ونفقہ یا کسی قسم کا زرِ معاوضہ وزرِ گزارہ کی قلیل پونجی کے تحفّظ (معاشرہ میں چوری

ڈکیٹی کے خوف سے) کی خاطر برضا ورغبت خود مستقبل میں بال بچّوں کی کفالت کے لیے ملکی قومی بچت سکیم یا کسی مالی ادارے کے تحفظ میں دے دیتا ہے اور اس سرمایہ کاری (Investment) پر اپنے یا بچّوں کے گزراوقات کے لیے ماہانہ یا سالانہ منافع حاصل کرتا ہے۔

۳۔ یہ کہ اسلامی ملک قومی ترقّی یا دفاعی ضروریات کے لیے مثلاً ملکی سرحدوں کی حفاظت کے لیے ہوائی جہاز و بحری جہاز یا دیگر سامان حرب خریدنے کے لیے یا صنعتی ترقی یا عوام کی فلاح و بہبود کے ترقیاتی کاموں کے لیے آسودہ حال غیر ممالک یا عالمی مالیاتی اداروں سے قرض لیکر قومی مفادِ عامہ کے ترقیاتی کاموں پر جو عوام کا معیار زندگی بلند اور اقتصادی حالت بہتر اور غربت دور کرنے کے لیے صرف کرنا مقصود ہو لیکن تحریری معاہدہ کی شرائط کی رو سے اُس ملک کو مذکورہ قرض معہ سود واپس کرنے کا پابند کیا جائے۔

ان حالات کا بغور جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان معاملات میں رقم کی سرمایہ کاری یا قرض، لین دین میں استحصال (Expliotation) کا عنصر موجود نہیں یہاں لین دین ہر ایک کی مرضی پر منحصر ہے اور دین اسلام میں شرائط معاہدہ پر پابندی بھی لازمی ہے تو کیا ان مالی معاہدات (Fiscal Transactions) کو حرام قرار دیا جائیگا۔ موجودہ ترقّی یافتہ دور میں کوئی ایک ملک عالمی برادری (Community of Nations) یا اقوام متحدہ وغیرہ جیسے اداروں سے لاتعلّق ہو کر الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔ اس قسم کی لاتعلّقی سے مسلمان دنیا میں زرعی و صنعتی یا مالی و معاشرتی بہبود کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں گے، اس لیے ان مسائل کا حل اجتہاد اور اجماع کے اسلامی فقہی سنہرے اصولوں سے نکالا جانا ضروری ہے۔

انشورنس موجودہ دور کی اہم ضرورت ہے اس لئے اسلامی نظام میں انشورنس کو مطلق

نظر انداز نہیں کیا جاسکتا گو اسلامی نظام معیشت میں چند بنیادی تبدیلیاں کر کے ہی اس کی اجازت دی جاسکتی ہے چونکہ آج اگر ایک شخص کچھ پس انداز کر لیتا ہے تا کہ اس کے مرنے کے بعد اُس کے بیوی بچّے اس سے استفادہ کر سکیں اور معاشرہ یا حکومت پر بوجھ نہ بنیں اور اسلامی ریاست بھی اتنی بڑی آبادی میں کہاں تک ہر ایک شخص کی دیکھ بھال کر سکتی ہے اس لئے انشورنس سسٹم کے تحت عوامی گروپ انشورنس اسلامی معاشرہ میں بہت مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ لیکن انشورنس کی موجودہ شکل جوئے کی سی ہے اور اسلام میں جوا اور سٹہ وغیرہ کی مطلق اجازت نہیں۔ اس لئے اسلام اس پر پابندی عائد کرتا ہے اسلامی نظام میں انشورنس کی یہ شکل ہوگی کہ لوگ کسی ادارہ کو اپنی ضروریات سے بچا کر رقم ادا کرتے رہیں گے اور اس سرمایہ کاری سے یہ ادارہ تجارت کرے گا اور منافع کماتا رہے گا۔ کسی ممبر کی موت ہو جانے کی صورت میں ادارہ اس کی اولاد کی تعلیم و تربیّت کے لئے اُن کی ضروریات قطع نظر اس کے کہ مرحوم نے کتنی رقم جمع کی اُن کی حاجات برابر پوری کرتا رہے گا حتیٰ کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔ لہٰذا بنک اور انشورنس سسٹم میں Pooling of the resources اسلامی نظامِ معیشت کا اہم جزو قرار پائے گا اور اُمّتِ مسلمہ احکامات شریعہ کی روشنی میں حل نکال کر اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہو سکے گی۔

اسلامی نظام معیشت میں کسی شخص کی مجبوری سے سرمایہ دار کو ناجائز فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ ہوگی۔ سرمایہ دار صنعتیں کھول کر اور زمیندار اپنی زمینیں مزارعین کو دے کر اور کارخانہ دار وغیرہ افراد معاشرہ کو کام مہیّا کریں گے۔ جس کے لئے انہیں معقول معاوضہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو ہر قسم کی سہولت مہیّا کی جائے گی اور اگر دوران ملازمت ملازم کو نقصان پہنچتا ہے تو اُس کا معاوضہ ادا کرنا ہوگا۔ کاروباری سلسلہ میں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے کوئی

مکان یا دوکان وغیرہ منتقل کرنے کے سلسلہ میں ناجائز رقم کے لین دین پگڑی جیسی لعنت کی اجازت نہ ہوگی۔ البتہ کاروبار میں فروختگی کے سلسلہ میں اس کی مقبولیت کا معاوضہ یعنی Good Will کی علیٰحدہ فروخت کی صراحت ہوسکتی ہے۔ لیکن دلالی اور ناجائز کمیشن وغیرہ کی اجازت نہ ہوگی۔ کاروبار میں آزادانہ مقابلہ کی اجازت ہوگی۔ کسی گروہ یا طبقہ کی کسی خاص چیز پر اجارہ داری کی اسلامی نظام اجازت نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ ریل۔ بسّوں۔ صنعت یا راشن ڈپو وغیرہ پر بھی حکومت اپنی اجارہ داری قائم نہیں رکھ سکتی۔ حکومت کسی پیداوار کی خود ایک قیمت مقرر کر کے جبراً خرید کر غیر ممالک کو برآمد نہیں کرسکتی۔ اسی طرح تجارت صنعت وحرفت وغیرہ میں افراد کو ہر قسم کی کاروباری آزادی ہوگی۔ گو حکومت اُن کے منافع یا خرید وفروخت پر جائز ٹیکس عائد کرسکتی ہے لیکن نہ اپنی اجارہ داری (Monoply) قائم کرسکتی ہے اور نہ منافع وکاروبار میں اپنا حصّہ مقرر کرسکتی ہے۔ سونے (Gold) کی بنیاد پر تجارتی ادائیگی کو اسلام ممالک اپنی اقتصادیات کا محور بنائیں اور مسلم ممالک کے مابین مالیتی سروسز، روابط قائم اور ڈیٹا بیس کے تبادلے کو فروغ دیا جاوئے۔

تمام مسلمان خواہ پاکستانی ہوں یا عربی، افریقی ہوں یا انڈونیشی، ملائی ہوں یا فلپائنی ایک ہی لڑی میں پروئی ہوئی اُمّتِ مُسلمہ ہے اور صرف اسی اسلامی برادری، اُخوت اور یکجہتی کے نظریّے کے تحت دُنیا میں اسلامی بلاک قائم ہوسکتا ہے۔ اس بلاک کے قیام سے تمام ایشیاء وافریقہ، ملائیشیا وانڈونیشا کو روسی اور سامراجی طاقتوں کی دستبرد سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

﴿اسلامی ممالک کی دولتِ مشترکہ (کنفیڈریشن Confederation)﴾

کنفیڈریشن مختلف بااختیار و با اقتدار ریاستوں کی ایسی یونین کو کہتے ہیں جو کسی ایک

ہی نظریہ یا حصول مقاصد کے لئے معرض وجود میں آتی ہے۔ سب سے اہم خصوصیات اس کی یہ ہیں کہ اس یونین کی ممبر ریاستوں کے اقتدارِ اعلیٰ (sovereignty) پر حرف نہیں آتا اور وہ اپنے اپنے علاقوں میں مکمل خودمختار حیثیت برقرار رکھتی ہیں نیز یونین سے علیحدہ ہوجانے کا اختیار بھی ہوتا ہے۔ ایک کنفیڈریشن سے ہماری مراد ممبر ممالک کی ایک ایسی دولت مشترکہ ہے جو صرف ایک ہی آئیڈیالوجی کے پیروکار اپنے چند مشترکہ مقاصد و نظریات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وجود میں لائیں ____ گو اس وقت دنیا میں ایسی کنفیڈریشن کی کوئی مثال موجود نہیں ہے البتہ سابقہ ادوار میں سوئٹزرلینڈ کی (Cantones) اور امریکہ کی States نے مل کر پہلے اسی قسم کی کنفیڈریشن کی بنیاد ڈالی تھی۔ جس میں ہر صوبے یونٹ یا اسٹیٹ کو مکمل خودمختاری حاصل ہوتے ہوئے اس یونین کا ممبر بنایا گیا لیکن بعدازاں ایک کلّی خودمختار ریاست میں اُن یونین ممبروں کو نیم خودمختار حیثیّت دے کر اُس تنظیم کو ایک فیڈریشن کی شکل دے دی گئی۔ اس طرح ان یونٹوں (Component units) کی اپنی جداگانہ حیثیّت ختم کر کے صرف ایک ہی خودمختار ریاست کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔

فیڈریشن بنانے کے لئے بعض علاقوں کے لوگ مذہبی اعتبار سے متحد ہوجاتے ہیں۔ تقسیم ہند کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ہی زبان بولنے والے لوگ جن کا بود و باش اور کلچر ایک سا ہو متّحد ہو کر فیڈریشن بنا لیتے ہیں۔ تیسری شکل اس کی یہ ہے کہ وہ ایک ہی رنگ و نسل کے لوگوں کو اپنی علیٰحدہ فیڈریشن بنانے پر مجبور کر دے۔ سابقہ ادوار میں یہی وہ تین شکلیں تھیں جن کی بنا پر ایک فیڈریشن کی بنیاد پڑی تھی۔ لیکن اُنیسویں اور بیسویں صدی میں ایسی فیڈریشن بھی معرض وجود میں آئی جن کے بنانے میں رنگ و نسل زبان اور مذہبی عقائد کا سہارا نہ لیا گیا۔ جیسے آسٹریلیا، سوئیٹزرلینڈ، کینڈا اور انڈیا وغیرہ وہ ممالک ہیں

جہاں ایک سے زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں اور مختلف رنگ و نسل و مختلف مذہبی عقیدہ رکھنے والے اُس کے شہری ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ایک فیڈریشن کی ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جو جغرافیائی اعتبار سے ایک علیٰحدہ طبعی خطہ کی شکل میں موجود ہونے کے سبب قدرتی طور پر ایک فیڈریشن کی شکل میں تبدیل ہوگئی ہوں جیسے لنکا، آسٹریلیا اور برصغیر پاک و ہند۔ لیکن موجودہ دور میں ایسی خودمختار ریاستیں بھی پائی جاتی ہیں۔ جو رنگ و نسل، زبان، مذہب، کلچر اور جغرافیائی حالات کے مندرجہ بالا خصوصیات کا سہارا لئے بغیر معرض وجود میں آئی یا آسکتی ہیں۔ آخر وہ کیا چیز ہے جو نسل، زبان اور مذہب کی ہم آہنگی کے بغیر قوموں کو متحدہ کر کے ایک فیڈریشن بنانے پر اُکساتی ہے یہ ہے اُن قوموں کا ایک سیاسی اور تاریخی پس منظر یعنی سابقہ دور میں وہ ایک ہی قسم کی تاریخی و سیاسی کشمکش سے دُچار رہے ہیں یا کسی ایک آئیڈیالوجی پر متفق ہو کر اپنے دیگر تنگ نظری پر مبنی تعصّبات کو بالائے طاق رکھ کر جدوجہد میں برسرپیکار رہے ہوں اور آخر حالات کے دھارے نے ان کو ایک ہی قوم بننے پر مجبور کر دیا ہو۔

لہٰذا سابقہ سیاسی و تاریخی مہم جو مختلف ذہنوں میں یکسوئی اور ہم آہنگی پیدا کرتی ہے یا جو قومیں ایک ہی آئیڈیالوجی پر عمل پیرا ہوئی ہوں اُن کا آگے چل کر متحد ہو جانا ایک فطرتی فعل ہوتا ہے اور اس بنیاد پر جو فیڈریشن بنی یا بنے گی یا کوئی نظام استوار ہوگا وہ دیگر تمام نظاموں سے افضل اور پائیدار ہوگا۔ موجودہ دور تک تمام نظریات یا ازم وغیرہ کی ناکامی کا اصل سبب یہی ہے کہ اُن نظاموں میں مختلف اقوام متحد تو کر دی گئیں لیکن اُن کے سامنے کوئی آئیڈیالوجی یا مطمع نظر نہ ہونے کے سبب انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اور صرف رنگ، نسل، زبان یا مذہبی عقائد کی بنا پر پائیدار سلطنتیں قائم کرنے میں ناکام رہیں۔ مثلاً یوگوسلاویہ اور چیکوسلاواکیہ اور سوویت یونین، لیکن کسی ایک آئیڈیالوجی پر استوار نظام نے اسی نظریہ پر متفق قوموں کو ایک

سیسہ پلائی دیوار بنا کر پیش کیا۔ جس کے مقابلہ میں دیگر سلطنتیں ناکامی کا شکار ہوتی رہیں۔ اس ایک ہی آئیڈیالوجی پر استوار سب سے نمایاں مثال خود جنگ عظیم سے قبل تک خلافت اسلامیہ تھی۔ چونکہ اسلام محض چند رسومات نہیں بلکہ ایک آئیڈیالوجی ہے جو ایک ریاست میں مذہبی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی تمام نظریات میں یکسوئی پیدا کر کے ایک مکمل ضابطہ حیات کے تحت ایک منظم اور پائیدار سلطنت کی بنیاد ڈالتا ہے جب تک مسلمان قوم اس آئیڈیالوجی کو اپنائے رہی۔ دنیا میں اُن کا خوف و دبدبہ طاری رہا۔ لیکن جونہی اپنے نظریات و افکار سے ہٹ گئی تمام قوم کا شیرازہ بکھر گیا۔ یہ اس آئیڈیالوجی کی شکست نہیں تھی بلکہ ملّتِ اسلامیہ کی ذہنی اُپج اور اپنے جدّت پسند فکر کی شکست تھی جس کی وجہ سے پے در پے ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا اور آخر پھر اُسی آئیڈیالوجی کو اپنانے کی سعی اِس دور میں شروع کرنا پڑی۔ اور یہی وہ تڑپ ہے جس کی بنا پر مسلم اکثریّت کے علاقے یا تو آزادی حاصل کر کے اپنی علیٰحدہ مملکت قائم کر چکے ہیں اور یا اُسے حاصل کرنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگا رکھی ہے _____ جبکہ دوسری آئیڈیالوجی جس پر مختلف قومیں متحد ہو کر ایک ایسی قوّت بن چکی تھی جس نے تمام دنیا کا چین اور سکون تلپٹ کر رکھا ہے۔ وہ اشتراکی آئیڈیالوجی پر قائم عظیم سوویت یونین تھی۔ لیکن وہ متحد نہ رہ سکی اور عظیم سوشلسٹ ریاست کا شیرازہ بکھر گیا۔

اس دور میں جبکہ دنیا دو گروہوں میں بٹی ہوئی ہے اور ایک دوسرے کی جنگی دھمکیوں، مہلک ایٹمی ہتھیاروں کی ایجاد بالخصوص راکٹ و میزائل اور لیزر ٹیکنالوجی کی دوڑ نے دنیا کو ہولناک تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے کہ کسی وقت بھی ذرا سی چنگاری شعلہ بن کر تمام دنیا کی تہذیب ترقّی اور تمدّن کو حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دے گی۔ اس وقت کوئی بھی ایسی طاقت دنیا میں موجود نہیں جسے ایسی حیثیّت حاصل ہو کہ وہ دونوں بلاکوں کو سرد جنگ سے آگے بڑھنے نہ

دے اس مقصد کے حصول کے لئے دنیا میں ایک ایسے تیسرے بلاک کی ضرورت ہے جو ان کے درمیان ثالث کی حیثیت اختیار کر کے ان دونوں مخالف گروہوں کی کشمکش اور نظریات کے ٹکراؤ کو روکے رکھے۔ گو موجودہ دور میں ایک ایسے بلاک کی خلیج کو پُر کرنے کے لیے متعدد ادارے کوشاں رہے ہیں۔ لیکن انہیں بری طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اُن میں اوّل تو ادارہ اقوام متحدہ ہے جو کہ اپنی بنیادی خامیوں اور ممبر ممالک کے آپس میں خلشفار کی وجہ سے League of Nations کے حشر کو پہنچنے والا ہے ___ دوسرے نمبر پر برطانوی دولت مشترکہ "Common Wealth" ہے یا حالیہ قائم ہونے والی یورپی یونین ہے چونکہ ان کے سامنے کوئی ایک آئیڈیالوجی نہیں اس لئے ان کے لئے اصل مقصد حاصل کرنا ناممکن ہے کیونکہ یہ ایک غیر جانبدار ادارہ ہونے کی بجائے مغربی طاقت کا آلہ کار اور اُس کے حاشیہ بردار ممالک کے ہاتھوں کھلونا بن چکا ہے۔ اسلئے جبکہ خود اس کا پلّہ ایک طرف جھکا ہوا ہے تو یہ مشرق و مغرب کی ترازو کو سیدھا رکھنے میں کوئی کردار کیسے ادا کر سکتا ہے؟ ___ یہ مقام کس حد تک غیر جانبدار (Non-Alligned) ممالک حاصل کر سکتے تھے لیکن یہ ممالک بھی صحیح معنوں میں غیر جانبدار نہیں اور نہ تمام غیر جانبدار ممالک کسی مسئلہ پر ہم آہنگ و ہم خیال ہیں۔ اس پر ستم یہ بھی کہ نہ تو کوئی اس کی تنظیم ہے اور نہ ہی تاریخی و جغرافیائی اعتبار سے وہ ایک طاقت یا بلاک بن سکنے کی اہلیّت رکھتے ہیں۔

اسلام کی بنیاد پر کنفیڈریشن:

مشرق اور مغرب کی نظریاتی کشمکش کے مقابلہ میں صرف ایک آئیڈیالوجی پیش کی جاسکتی ہے جو ضرورتوں کے عین تقاضے کے مطابق اُس خلیج کو پُر کر سکتی ہے۔ جس کی عرصہ سے ضرورت ہے۔ یہ آئیڈیالوجی ہمیں صرف اسلام سے مل سکتی ہے چونکہ اسلامی ریاستیں اپنے

ایک نظریاتی لگاؤ کے سبب اسلامی آئیڈیالوجی کو پیش نظر رکھ کر ایک ایسا بلاک بنا سکتی ہیں اور ان اسلامی ممالک کی ایک ہی لڑی جو کہ دنیا کے قلب میں واقع ہے ایک ایسی سیسہ پلائی دیوار بن سکتی ہے جو ایک طرف اشتراکی ممالک اور دوسری جانب یورپ اور امریکہ کو ان کی حدود میں رکھ کر دنیا میں پائیدار امن قائم کرنے میں مدد دے سکتی ہے ورنہ دنوں طاقتوں کے بھڑ جانے کے بعد یہ بلاک غیر جانبدار رہ کر اُن کے زوال کے بعد عالمی طاقت بن سکتا ہے ____ تاریخ کے طالب علم جانتے ہیں کہ مسلم ممالک کو یکجا کرنے اور ان کی ایک کنفیڈریشن یا خلافت بنانے کی کوششیں متعدد بار ہو چکی ہیں لیکن اُس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ اور وہ اس مقصد کے حصول کے لئے مناسب وقت بھی نہ تھا۔ موجودہ دور میں جبکہ پچاس سے زائد مسلم ممالک آزاد ہو چکے ہیں اور اپنی خود مختاری کو برقرار رکھتے ہوئے وہ متحد ہو کر زیادہ طاقتور بلاک بنا سکتے ہیں اُن کے اس اتحاد سے دنیا کے دیگر خطوں میں بھی جہاں مسلمان آباد ہیں اور جنگِ آزادی لڑ رہے ہیں ان کو نہ صرف نظریاتی طور پر مدد پہنچے گی بلکہ اسلامی بلاک سامراجی طاقتوں سے مسلمان قوم کو آزاد کرانے میں بہت بڑا کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس طرح اُن کی آزادی کے بعد اسلامی دولت مشترکہ میں اُن کی شمولیت بھی اسلامی بلاک کو مزید مضبوط کر کے ایک عالمی طاقت بنانے میں مدد دے سکتی ہے۔

جس طرح انگریز امریکہ کے برّ اعظم اور دیگر علاقوں پر قبضہ کر کے مذہبی مشنری کو حرکت میں لا کر اپنی سیاسی اور انتظامی صلاحیتیں بروئے کار لا کر بڑی طاقت بن گئے تھے۔ اسی طرح آج مسلمانوں کے لئے بھی بالخصوص افریقہ کا برّ اعظم ایک ایسا میدان ہے جہاں مسلمان تبلیغِ اسلام کے بعد اس خطہ پر قبضہ کر کے یہاں کے تمام قیمتی وسائل سے پورا پورا فائدہ اُٹھا کر دنیا میں سب سے بڑی طاقت بن سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے تمام مسلمانوں کی مشترکہ جد

وجہد کی ضرورت ہوگی۔ ہمیں آج سلطان محمود غزنوی۔ سلطان ٹیپو۔ جمال الدّین افغانی۔ علاّمہ اقبال اور جنوبی افریقہ کے سکالر احمد دیتات جو اسلام کی نشاطِ ثانیہ کے علمبر دار تھے، جیسے مبلّغین اور مجاہدین کی ضرورت درپیش ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ چند اسلامی ممالک کے سربراہ اسلامی حکومت کو صرف اپنی جاگیر سمجھ کر اپنی تنگ نظری و خودغرضی کی وجہ سے عالم اسلام کی سربلندی میں حائل ہیں۔ لیکن عرصہ تک یہ صورت برقرار نہیں رہ سکتی کیونکہ یہ انقلاب کا دور (Era of Revolutions) ہے۔ حالات کا دھارا جس رُخ بہ رہا ہے اُس میں ان کا انجام کو پہنچنا ناگزیر ہے اور تمام مسلم ممالک کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اس دور میں بالخصوص یورپ۔ امریکہ اور صہیّونی سامراجی و استعماری سیلاب سے بچنے کے لئے خود کو متحدّ کر کے ایک ناقابل تسخیر طاقت بن جائیں۔ گو عرب ممالک بھی عرب لیگ کے تحت متحدّ نہیں لیکن ہمیں قومیّت، نسل یا عربی و عجمی کا سوال اُٹھائے بغیر مراکش سے انڈونیشیا تک واقع اسلامی ممالک کی کڑیوں کو ایک زنجیر میں پرو دینا ہے جو ایک سرے سے دوسرے سرے تک خطہ زمین کے عین سینے پر اسلامی ممالک کا سلسلہ ایک کہکشاں کی پٹی کی مانند ہے جس میں مراکش، الجیریا، لیبیا، متحدہ عرب جمہوریہ شام، سوڈان، سعودی عرب، اُردن، عراق، کویت، ٹرکی، ایران، پاکستان اور افغانستان جیسی سلطنتوں کو جغرافیائی اعتبار سے ملا رکھا ہے اور یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ دنیا میں دوسری طرف اسلامی ممالک کی ایک اور لڑی شروع ہوتی ہے جن میں مشرقی پاکستان، انڈونیشیا ملائشیا وغیرہ شامل ہیں۔ یہ پُرشکوہ سلطنتیں قدرتی معدنی و زراعتی وسائل سے لبریز و زرخیز زمین کے مالک ہیں اور ان ممالک میں آباد قوم روحانی اعتبار سے ایک ہی ملّت ہے جو دنیا کی سب سے بہادر و جنگجو قوم ہے۔ جو آپس میں دوست اور ایک دوسرے کے ہمدرد اور تعصّب و تنگ نظری سے بالا

ہیں۔لیکن دشمن کے مقابلہ میں فولاد ہیں۔پس قدرت کی اتنی نعمتوں کے ہوتے ہوئے موجودہ دور میں مسلمانوں کی پاسبانی کے لئے ایک ہی حرم کا نظریہ فکر اُجاگر کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ تمام اسلامی ممالک بآسانی اسلامی آئیڈیالوجی پر استوار ایک اسلامک کنفیڈریشن یعنی اسلامی دولت مشترکہ بنا سکتے ہیں اور جو ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے

ایک ہوں مُسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاکِ کاشغر (علامہ اقبالؒ)

اسلامک کنفیڈریشن کا ڈھانچہ :

اس کنفیڈریشن کا اوّلین مقصد دنیا کے تمام مسلمانوں کو متحد کر کے ایک لڑی بنا دینا ہے تا کہ قومیّت رنگ یا نسلی امتیاز وغیرہ کی کوئی رکاوٹ اس برادری میں حائل نہ ہو اور تمام دنیا کے مسلمان صرف ایک ہی "اُمتِ مسلمہ" (ملّت) کہلا سکیں ___ دوئم یہ کہ ملّتِ اسلامیہ اپنی یکجہتی، اتحاد اور ایک دوسرے کی مدد و اعانت سے اپنے اپنے خطوں (یونٹوں) کے وسائل کو یکجا کر کے تمام ملّتِ اسلامیّہ کی بہتری اور فلاح کے لئے اُن کا صحیح مصرف کرے۔ بلکہ ایک خطّے کے مسلمان دوسرے خطّے کے مسلمانوں کے خفتہ وسائل کی تلاش میں یا اقتصادی امداد میں یا جہالت دور کرنے میں یا غربت و افلاس اور بیماری دور کرنے میں معاون ہوں تا کہ ان کو کسی غیر ملک سے کسی قسم کی امداد نہ لینی پڑے اور اس طرح اپنی انا اور خودی کو ٹھیس نہ پہنچنے دیں۔

یہی جذبہ یکجہتی ،

ہم آہنگی اور اخوّت مسلمانوں میں جو جذبہ جہاد پیدا کرتی ہے وہی ان کو دنیا میں زبردست قوّت بنا کر دنیا کو امن کی ضمانت دے سکتی ہے اور اپنی سالمیّت برقرار رکھ سکتی ہے اسلامی بلاک میں مسلمانوں کی فوج ایک مشترکہ کمان کی صورت میں ہونی چاہیے۔جس میں ہر اسلامی ملک کے

مجاہدین شامل ہوں اور تمام متحدہ ہو کر ہی اس مسلم ممالک کے پھیلے ہوئے طویل علاقے کی حفاظت کریں ۔ بالخصوص اُس کے دونوں سروں پر زبردست فوجی طاقت رکھنا ہوگی ۔یعنی اسلامی دولتِ مشترکہ کے ایک طرف ترکی اور دوسری طرف افغانستان و پاکستان دفاعی دیوار بنیں اور تمام اسلامی ممالک ان کی مدد کے لئے ہر وقت تیار رہیں ۔ جدید ترین راڈار، وائرلیس ، ٹیلی کمیونی کیشن (ذرائع مواصلات) اور راکٹ اور میزائل کے اڈوں (Base) حتیٰ کہ ایٹمی ولیزر ہتھیار سے لیس ہو کر تمام خطّوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے ____ تیسرے یہ کہ اسلامی دولتِ مشترکہ تمام مسلمانوں میں ایک ہی زبان کی ترویج کرے یہ زبان بہر صورت عربی ہونی چاہیے ۔ ویسے بھی دنیا کے تمام مسلمان چونکہ اسے پڑھ سکتے ہیں اس لئے اس کو سمجھ کر پڑھنے بولنے اور سکھانے کے لئے انگریزی یا فرانسیسی زبان جیسی مصیبت مسلمانوں کو درپیش نہ ہوگی اور بہت قلیل عرصہ میں عربی دُنیا کی دوسری سب سے بڑی زبان بن سکتی ہے ۔ چونکہ یہ تمام مسلمانوں کی مادری زبان بن چکی ہوگی اور اس زبان میں بالخصوص وہ تمام خوبیاں اور صلاحیتیں موجود ہیں جن سے اُسے ایک عالمگیر زبان آسانی سے بنایا جا سکتا ہے ____ چوتھے یہ کہ ہر علاقے کے مسلمانوں کو ان کی معاشرتی اور سیاسی زندگی میں مکمل آزادی اور خود مختاری حاصل ہو ۔ اور دولتِ مشترکہ ان کی اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرے ____ ہر اسلامی ملک اپنے طور پر پوری آزادی کے ساتھ تعلیمی ، معاشی ، معاشرتی اور سیاسی زندگی میں ترقی کے منازل طے کرتا رہے اور اپنے سے کمتر (Backward) ممالک کے مسلمانوں کو جس میدان میں بھی ضرورت درپیش ہو خاطر خواہ مدد و اعانت کرتا رہے ____ پانچویں یہ کہ اسلامک کنفیڈریشن ایک ہی نظریہ اور آئیڈیالوجی کی معاون ہو ۔ اُس کے زیر اثر چند کام ہوں گے جو ایک مشترکہ پالیسی کے تحت سرانجام پائیں گے جس کا مقصد تمام علاقوں کے

مسلمانوں کو فائدہ پہنچانا ہوگا۔ اور تمام علاقوں کے اقتدارِ اعلیٰ کی حفاظت کی یہ کنفیڈریشن ضمانت دے گی۔

کنفیڈریشن کا دائرہ عمل اور اختیارات :

1۔ سیاسی :

اس دولتِ مشترکہ کو کوئی خودمختار حیثیت (Sovereign Status) حاصل نہ ہوگی اور نہ کوئی ایسا قدم اٹھایا جائے گا جس سے کسی اور اسلامی مملکت کی سالمیت وخودمختاری پر اثر پڑے۔ یہ ایک آزاد تنظیم ہوگی جو کہ تمام اسلامی ممالک کی ایک ہی آئیڈیالوجی کی آئینہ دار ہوگی اور مشترکہ پالیسی پر عمل پیرا ہوگی۔ اس کنفیڈریشن کا صدر یا خلیفہ تمام اسلامی ممالک کی قانون ساز اسمبلیوں کے ووٹ سے کسی بھی ملک کا فرد منتخب ہوسکتا ہے۔ اس کی مدت مقرر آرہ یا مستقل دونوں صورتوں میں ہوسکتی ہے اُس کو مشورہ دینے اور مشترکہ پالیسیوں کے اجراء کے لئے ہر ملک سے ایک ایک ممبر منتخب کر کے ایک کونسل کا وجود عمل میں لایا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس کنفیڈریشن کا ایک مستقل سیکرٹریٹ ہوگا۔ جس کے لئے ہر ملک مختلف پالیسیاں بنانے کے لئے اپنے سیکرٹری نامزد کرے تاکہ متحدہ طور پر متفقہ فیصلہ سے ایک پالیسی اختیار کرنے کے لئے کونسل کے سامنے سفارشات پیش کی جائیں اسلامی ممالک کا چونکہ روحانی مرکز مکہ مکرمہ ہے۔ اس لئے سیکرٹریٹ کا ہیڈ کوارٹر مکہ مکرمہ میں رکھا جائے۔ جہاں ہر سال اسلامی ممالک کے سربراہوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوا کرے۔ جو دنیاوی مسائل پر غور وفکر کر کے مسائل حاضرہ پر اپنی رائے ومشورہ کنفیڈریشن کونسل کو روانہ کرے یا کسی مدد کے سلسلہ میں اسلامی ممالک کے سربراہ اس سلسلہ میں کسی قسم کی درخواست، رائے یا مشورہ اسی سیکرٹریٹ کے حوالہ کیا جائے۔ تاکہ اُسے کنفیڈریشن کونسل کے نوٹس میں لایا جائے اور اس پر فوری عمل درآمد ہوسکے۔

تمام اسلامی ممالک کے سفراء ایک دوسرے ممالک میں موجود ہیں ہر ملک میں ان کی بھی کانفرنس وقتاً فوقتاً منعقد ہوا کرے گی تاکہ کسی سیاسی مسئلے، ہنگامی حالت (Emergency) یا عالمی صورتِ حال کی بابت قرارداد پاس کر کے اپنے نقطہ نظر سے اُس صورتِ حال کی بابت سیکرٹریٹ کو آگاہ رکھے اور اس طرح ہر ملک سے اس قسم کی قرارداد، رائے اور مشورّے جو سیکرٹریٹ کو موصول ہوں گے اُس سے سیکرٹریٹ کو ایک مشترکہ پالیسی بنانے میں ذرا دقت پیش نہ آئے گی اور ہر وقت ایسی پالیسیوں کا اعلان کنفیڈریشن کا صدر کرتا رہے گا۔

2۔ معاشی :

جس طرح اسلامی ملکوں کی سیاسی طور پر مشترکہ پالیسی ہوگی معاشی لحاظ سے بھی مسلمانوں کی غربت وافلاس دور کرنے کے لئے وسائل کا مشترکہ استعمال عمل میں لایا جائے گا۔ اسلامی کنفیڈریشن ایک معدنی وسائل کی کونسل بھی بنائے۔ جو تمام اسلامی ممالک میں تحقیق ور یسرچ سے خفتہ وسائل تلاش کرے اور اُس سے ملک کی معیشت بہتر کرنے کی کوشش کرے اور دوسرے ممالک کو قرض اور امداد کی صورت میں مدد دینے کی سفارش کرے۔

تمام اسلامی ممالک کا ایک مشترکہ بنک بھی ہوگا جس میں ہر ملک اپنی زیادہ سے زیادہ دولت کا سرمایہ لگائے گا اس طرح یہ ادارہ اس قابل ہوگا کہ ہر ضرورت مند ملک کو اقتصادی امداد بطور قرض دے سکے۔ یہ واضح رہے کہ یہ قرض بغیر سود کے دیا جائے گا۔ ان ممالک کو اپنی مصنوعات معدنی وزرعی پیداوار وغیرہ کی غیر ممالک سے تجارت کرنے کی پوری آزادی ہوگی اور زرمبادلہ کمانے کے لئے اپنی منڈیاں تلاش کرنے کی پوری اجازت ہوگی۔ عرب ممالک میں بالخصوص تیل اور گیس کی پیداوار ایک خاص اہمیّت رکھتی ہے جس سے دنیا کے بیشتر ممالک کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ یہ کونسل اس چیز پر نگاہ بھی رکھے گی اور ایسی پالیسی پر عمل پیرا

ہوگی کہ اُس سے تیل پیدا کرنے والے ممالک کے مفادات کو نقصان نہ پہنچے اور اُن کے مفادات کے ٹکراؤ سے کسی نقصان کے پہنچنے کا احتمال نہ ہو۔ اس کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک کے اقتصادی وسائل میں ٹین (Tin) اور کرومائیٹ خاص اہمیّت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ زرعی پیداوار میں گیہوں، چاول، روئی، کھجور، پھل، ربڑ، پٹ سن، ناریل، والین، تیل اور تیل کے بیج، مچھلی، چائے وغیرہ مختلف اسلامی ممالک کی ایسی پیداوار ہیں جن سے نہ صرف اسلامی ممالک کی ضروریات پوری ہوسکتی ہیں بلکہ اسے بیرونی منڈیوں میں بھی فروخت کر کے دیگر ضروریاتِ زندگی و مشینری، جدید آلاتِ حرب و آلات سائنس وغیرہ درآمد کئے جاسکتے ہیں اس کے علاوہ ان خطّوں میں قیمتی پتھر، لوہا، کوئلہ، تانبہ، جواہرات، یورینیم، سونا، چاندی مختلف دھاتیں، تیل اور قدرتی گیس وغیرہ کے اتنے ذخائر موجود ہیں کہ اگر اُن کی صحیح معنوں میں تلاش کی جائے تو زمین مسلمانوں کے کے قدموں میں بے انتہا دولت بکھیر سکتی ہے۔ جتنی جلد ان خطّوں کے خفتہ وسائل کو تلاش کرلیا جائے اتنی ہی جلد مسلمان دنیا کا عالمی اقتصادی Balance حاصل کرسکتے ہیں۔ معدنی وسائل کی تحقیق غیر ممالک کے ماہرین سے کروانے کی بجائے خود مسلمانوں کو غیر ممالک میں ٹریننگ دلوا کر اُن سے تحقیق کا کام لیا جائے۔ تبھی صحیح معنوں میں زمین دولت اُگل سکتی ہے ورنہ غیر مسلم ماہرین سے یہ توقّع رکھنا محض ایک خوش فہمی سے کم نہیں کیونکہ وہ ہمیں اقتصادی طور پر ترقّی کرتے دیکھ کر خوش نہیں ہوسکتے کہ وہ معدنی دولت زمین سے نکال کر ہمارے قدموں میں ڈال دیں اور مغربی ممالک ہم سے وہی خریدنے کے لئے محتاج رہیں۔

3۔ فوجی :

تمام اسلامی ممالک کی فوج چونکہ ایک ہی کمان میں ہوگی اور اس طرح مسلمانوں کی

تمام فوجی طاقت یکجا کر دینا مشرقی اور مغربی بلاکوں کے لئے ایک لمحۂ فکریہ پیدا کرے گا اور اس طرح دونوں بڑی طاقتیں قیامِ امن کے لئے سوچنے پر مجبور ہوں گی۔ ایسی صورت حال میں ان کے معاندانہ رویّہ میں تبدیلی پیدا ہوگی اور گڑبڑ پھیلا کر دوسرے ممالک کو ہڑپ کر جانے کی ہوس اُن کے دل سے نکل جائے گی اور اس طرح ہر ملک کی آزادی کی وقعت خواہ وہ کتنا چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اُن کے دل میں پیدا ہو جائے گی اور اُن کو ان کی حدود میں رکھے گی۔ اس طرح اسلامی بلاک دونوں بڑی طاقتوں کے اختلافات رفع کرنے کے لئے عالمی امن کی کوشش کرے گا۔ اور چھوٹے سے چھوٹے ملک کی آزادی کی حفاظت کی ضمانت دے گا۔ اور دنیا کے کسی بھی خطہ میں رہنے والے مسلمان سامراجی طاقتوں کے ہتھ کنڈوں کا نشانہ نہ بن سکیں گے اور آہستہ آہستہ مسلمان دُنیا میں آزاد فرد کی طرح حقوق حاصل کر کے اپنا کھویا ہوا مقام پا سکیں گے مثلاً فلسطین، الجزائر چیچنیا، سربیا کشمیر اور البانوی نژاد مسلمانوں کے حقوقِ آزادی سے اپنے منفی حربوں اور ہتھ کنڈوں سے نہ کھیل سکیں گے۔ اس طرح اسلامی کنفیڈریشن کے قیام سے چھوٹے سے چھوٹے اسلامی ملک کی آزادی بھی برقرار رہ سکے گی۔ مغربی سامراجی طاقتیں تو کیا خود اسلامی ممالک اُن پر ناجائز قبضہ نہ کر سکیں گے۔ اُن کو سیاسی آزادی کے علاوہ دیگر مسلم ممالک کی طرح (Full Status) نصیب ہو سکے گا۔

کنفیڈریشن سے پہلے :

اسلامی کنفیڈریشن (مسلم دولتِ مشترکہ) مندرجہ بالا تین اہم مقاصد کے لئے معرضِ وجود میں آئے گی؟ باقی ہر لحاظ سے ممبر اسلامی ممالک اپنی پالیسی خود بنائیں گے لیکن سیاسی ،فوجی اور مالیاتی (اور کسی حد تک تعلیمی) میدان میں اسلامی کنفیڈریشن کے تمام ممبر ممالک

مشترکہ عمل کریں گے۔اس مقصد کے حصول کے لئے پیہم جدّ وجہد اور کاوشیں بروئے کار لائی جائیں گی۔سب سے پہلے اسلامی ممالک کے سربراہوں کو اسلامی کاز کے آگے بڑھانے کے لئے زندہ دلی اور فراخدلی کا ثبوت دینا ہوگا۔اور قومی تعصّب وتنگ نظری سے ہٹ کر اسلام کی سربلندی کو قومیّت پر ترجیح دینا ہوگی۔اس کے لئے اسلامی ممالک کے بہت سے افراد کو اپنی بے لوث خدمات پیش کر کے رائے عامہ ہموار کرنی ہوگی۔دوسرے معاشرتی میدان میں اسلامی ممالک کے افراد کو ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کام کر کے اپنے نظریات میں ہم آہنگی پیدا کرنی ہوگی تا کہ وہ ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہوسکیں ____ تیسرے یہ کہ عربوں کی طرح غیر عرب ممالک بھی اپنے ہاں عربی کو قومی زبان قرار دے کر عربی سرمایۂ علوم سے پوری طرح استفادہ کریں۔انگریزی، فرانسیسی، لاطینی کتب کو عربی میں منتقل کریں ____ چوتھے یہ کہ اسلامی اصول اور اسلامی آئیڈیالوجی پر شدّ ومد سے عمل کرنے کا عزم کریں اور اپنی تبلیغی مشنری حرکت میں لا کر بالخصوص علمائے اسلام مسجدوں کے حجروں سے نکل کر افریقہ میں تبلیغ کا سلسلہ شروع کر کے اس براعظم کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔اور جب تمام افریقہ پر اسلام کا جھنڈا لہرائے گا اور مسلمان افریقہ کے تمام خفتہ وسائل کو استعمال میں لائیں گے۔تو مسلمانوں میں اقتصادی اعتبار سے دنیا کی بڑی سے بڑی قوت کا مقابلہ کرنے کی جرأت پیدا ہوگی۔پانچویں یہ کہ جلد جلد مختلف اوقات میں اسلامی سربراہ کانفرنس منعقد کی جائیں اور اسلامی دولتِ مشترکہ بنانے پر سنجیدگی سے غور وفکر کیا جائے۔

☆☆☆☆☆☆

﴿ بنی اسرائیل کا تاریخی و مذہبی پس منظر ﴾

ساڑھے چار ہزار سال قبل حضرت ابراہیم علیہ السّلام جو مؤسّس اعلیٰ دینِ اسلام تھے ان کے دو بیٹے تھے، جنہیں جلیل القدر پیغمبرانِ خدا ہونے کا رتبہ عطا ہوا۔ ان میں سے ایک حضرتِ اسماعیل علیہ السّلام تھے۔ اہل قریش اور دیگر قبائل عرب کا تعلّق انہی سے ہے، جبکہ دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السّلام ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دعا کے مطابق ان کی قوم کی اصلاح کے لئے انہی کے نسب اور اولادوں میں سے بعد میں مزید جلیل القدر پیغمبران پیدا ہوئے مثلاً حضرت یعقوب علیہ السّلام ان کی اولاد حضرت یوسف علیہ السّلام، ان کی نسل سے حضرت موسیٰ علیہ السّلام، ان کی نسل سے حضرت داؤد علیہ السّلام، ان کی اولاد حضرت سلیمان علیہ السّلام اور ان کی نسل سے حضرت زکریا علیہ السّلام اور ان کے فرزند حضرت یحییٰ علیہ السّلام اور حضرت یحییٰ کی خالہ حضرت مریمؑ کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السّلام، نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ سے قبل نبوّت پر سرفراز ہوتے رہے۔

خاندانِ فراعنہ اور مصر کے حکمران طبقہ سے حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے بنی اسرائیل کو نجات دلائی تو جب یہ قوم اوّلاً جزیرہ نمائے سینا میں پہنچ گئی۔ اس دوران حضرت موسیٰ علیہ السّلام اپنی قوم سے تیس دن بعد واپسی کا وعدہ کر کے اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے اور قوم کے لیے نئے احکامات لانے کے لیے کوہ طور پر تشریف لے گئے تو وہاں تیس دنوں کے بجائے دس دن زائد لگ گئے تو قوم یہ سمجھ بیٹھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام فوت ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی اس عدم حاضری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس وقت بنی اسرائیل کے سب سے بڑے جادوگر سامری نے قوم کے مالِ غنیمت سے سونے و چاندی کو پگھلا کر گائے کا بچھڑا تیار کر دیا۔ چونکہ سامری کی سرشت میں بت پرستی کا خمیر تھا اس نے لوگوں کو کہا کہ یہی تمہارا اور موسیٰ علیہ

السّلام کا خدا ہے۔ چنانچہ ساری قوم اسے پوجنے لگی۔ موسیٰ علیہ السّلام نے واپس آکر جب اپنی اُمّت کو بت پرستی میں مبتلا پایا تو آپؑ کو سخت رنج و ملال ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے سامری کو بددُعا دی تو وہ کوڑھی ہو گیا اور جو شخص اسے ہاتھ لگاتا وہ بھی کوڑھی ہو جاتا۔ آپؑ نے سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کو جلا کر اس کی راکھ کو دریا میں بہا دیا۔ موسیٰ علیہ السّلام کی قوم میں جنھوں نے گائے کی پُوجا کی تھی اُن کے لیے یہ سزا تجویز ہوئی کہ وہ آپس میں لڑ کر ایک دوسرے کو قتل کریں۔ بعض نے تو اپنے اُوپر اس سزا کو لاگو کرنا منظور کر لیا اور آپس میں لڑ کر قتل ہو گئے جو بچ رہے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ لیکن بعض اس سزا کے ڈر سے بھاگ گئے اور اطرافِ عالم میں پھیل گئے۔ جس جگہ کو انھوں نے اپنا مسکن بنایا وہاں اپنی سابقہ بت پرستی جو ان کے دلوں میں رچ بس گئی تھی اس پر قائم رہے۔ ہندوستان میں جو آریہ قوم کوہِ ہندوکش کے راستہ آکر آباد ہوئی یہ وہی موسیٰ علیہ السّلام کے زمانہ کے بھگوڑے اسرائیلی تھے جنھوں نے یہاں ہندوستان میں آباد ہو کر گئو سالہ پرستی جاری رکھی جو آج تک گئو رکھشا کی صورت میں موجود ہے اور جس طرح موسیٰ علیہ السّلام نے بچھڑے کو جلا کر اس کی راکھ کو دریا میں بہایا تھا یہ لوگ بھی اپنے مُردے آگ میں جلا کر اس کی راکھ دریا میں بہاتے جلے آتے ہیں۔ علاوہ ازیں بنی اسرائیل کی خصلتوں میں مال سونا، چاندی وغیرہ گروی رکھ کر سود پر رقم دینا جس طرح موجود ہے اسی طرح ہندوستان کے یہ باسی بھی سُودی لین دین کے رسیا ہیں۔

''اسرائیل'' کے معنی ہیں ''عبداللہ'' یا ''اللہ کا بندہ''۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السّلام کا لقب تھا' جو انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوا تھا۔ وہ حضرت اسحٰق علیہ السّلام کے فرزند اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے پوتے تھے' جن کی نسل آئندہ چل کر ''بنی اسرائیل'' کے نام سے موسوم ہوئی۔ بنی اسرائیل کی تاریخ بڑی دلچسپ ہونے کے علاوہ بہت عبرتناک بھی ہے۔

جبکہ یہودیوں نے "اسرائیل" کے لفظی معنی "خدا سے کُشتی لڑنے والا" بیان کیا ہے جو ان کی جدید ترین مقدس کتاب The Holy Scpulchre میں تحریر ہے۔ حتیٰ کہ عیسائی علماء نے بھی یہی مفہوم اپنی مشہور عالم کتاب انسائیکلوپیڈیا آف بیبلیکل لٹریچر (Biblical Literature) میں پیش کیا ہے۔

بنی اسرائیل کو یہ زعم تھا کہ وہ ان جلیل القدر انبیاء کی اولاد اور پیروکار ہیں، چونکہ ان کی نسبت مقدّس اور صالح نفوس سے ہے اس لئے یہ نسبت ان کے لئے خداوند قدوس کی بارگاہ میں عزّت وتکریم کا موجب بنے گی اور خداوندِ ذوالجلال کی عطاء وبخشش کے مستحق صرف وہی قرار دیئے جائیں گے۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی بخشش وکرم اور جود وسخا کا ایک دریا تھا، جو بنی اسرائیل کے سامنے موجیں مار رہا تھا اور ان پر طرح طرح کی عنایات کا سلسلہ جاری تھا۔ دوسری طرف اس قوم اور ان کے اسلاف نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ حتیٰ کہ نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ ذلّت وخواری اور پستی وبدحالی ان پر مسلّط کردی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے۔ یہ صلہ ان کے ان اعمال کا نتیجہ تھا جس کی رو سے وہ آیات ربّانی سے کفر کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے مبعوث کردہ پیغمبران کو قتل کرنے لگے۔ اس طرح وہ شریعت کی حدود سے باہر نکل گئے۔ انہوں نے جو مجرمانہ طرزِ عمل اپنے انبیاء کے ساتھ روا رکھا، اس کی تاریخ بڑی بھیانک ہے۔

دنیا میں مختلف نظریات وعقائد کی حامل اقوام موجود ہیں۔ اس طرح ہر عقیدہ کو ایک تقدّس حاصل ہے ان مین مذہب ایک ایسا عقیدہ ہے جس کی بنیاد وحی پر ہے اور وحی کا منبع ذات الٰہیہ ہے جو ہر عیب ونقص سے پاک ہے لہذا مذہب کا منشاء اخلاق وکردار کی پاکی اور نیکی ہے۔ اس میں کسی برائی، خواہ وہ عملی ہو یا نیّت پر مبنی، کا دخل نہیں ہوسکتا۔ مذہب کے تصوّر اور نام کے ساتھ مکمل نیکی اور پاکیزگی وابستہ ہے اور برائی سے پرہیز اور اس کے خلاف جہاد ہے۔ مذہب

کو چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس نے بندوں کی بھلائی کے لئے خود جاری کیا ہے اس لئے جب بھی کسی ایک مذہب میں تحریف و بگاڑ پیدا ہوا تو ذات باری تعالیٰ نے کسی پیغمبر کے ذریعہ اصلاح کی صورت پیدا فرمائی۔ یہ پیغمبران قطع نظر اپنے شرعی احکامات کے دراصل بنیادی خدائی مذہب ہی کی تجدید کرتے رہے اس طرح مذہب دراصل اوّل اور ابدی نظریہ وعقیدہ ہے جو ہرگز تبدیل نہیں ہوتا جبکہ نیکی اور پاکیزگی اس کا لازمی عنصر ہے۔

تاریخ کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ مذہب کی تجدید واحیاء کا مرحلہ تب ہی آتا ہے جب اس خدائی مذہب میں تحریف اور بگاڑ راہ پالیتی ہے۔ جب مذہب سے پاکیزگی اور نیکی کا تصوّر مجرّوح ہو جاتا ہے اور انسان مذہب کو اپنی دنیاوی مصلحتوں کے تابع کر دیتا ہے تو مذہب کا مدعا پاکیزگی کے بجائے دنیاوی مفادات قرار پا جاتا ہے اور انسان یا قومیں اپنے ذاتی مفادات کے تحت نیکی و پاکیزگی کے بجائے برائی و بدنیتی کو اپنا شعار بنالیتی ہیں اور انسان میں وہی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن کے روکنے کے لئے مذہب آیا ہے۔ ایسے تحریف و مسخ شدہ مذہب کی بدترین مثال یہودیت ہے۔

یہودیت اور عیسائیت' دونوں مذاہب بعد کی پیداوار ہیں۔ ''یہودیت'' کی اپنے اس نام اور اپنی مذہبی خصوصیات اور رسوم وقواعد کے ساتھ تیسری' چوتھی صدی قبل مسیح میں ابتداء ہوئی اور عیسائیت جو خاص عقائد اور مخصوص مذہبی تصوّرات کے مجموعہ کا نام ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بھی ایک مدّت مدید کے بعد وجود میں آئی۔ قران حکیم کی ابتدائی سورتوں میں اس دور کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے۔ جب خاندان فراعنہ اور مصر کے حکمران طبقہ سے حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے بنی اسرائیل کو نجات دلائی تو یہ قوم جزیرہ نمائے سینا پہنچ گئی۔ یہ لوگ بڑی تعداد میں مصر سے نکلے تھے اور دشت و بیابان میں بے خانماں پھر رہے تھے۔ وہ خود

ایک مستقل قیام گاہ کے لئے بے تاب تھے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کی ایماء سے حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے ان کو حکم دیا کہ وہ ظالم کنعانیوں کو ارض فلسطین سے نکال دیں اور اس علاقہ کو فتح کرلیں تو انہوں نے بزدلی دکھائی اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں چالیس سال تک زمین میں سرگرداں پھرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ ان کی ایک نسل ختم ہوگئی اور دوسری نسل صحراؤں کی گود میں پل کر اٹھی' تب اللہ تعالیٰ نے انہیں کنعانیوں پر غلبہ دیا۔ اس طرح تمام دنیا کی قوموں میں اس وقت ایک بنی اسرائیل ہی ایسی قوم تھی جس کے پاس اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم حق تھا۔ اور جسے اقوام عالم کا امام اور راہنما بنا دیا گیا تھا تا کہ وہ بندگیِ ربّ کے راستہ پر سب قوموں کو گامزن کرے۔ لیکن بنی اسرائیل کی بگاڑ کی وجہ کتاب الٰہیہ میں تحریف' خدائی احکامات کی نافرمانی' قتل انبیاء اور شرک سے وابستگی تھی۔ اس کے علاوہ ان کا یہ عقیدہ ''جھوٹا بھروسہ'' بھی تھا۔ جس نے انہیں دین سے غافل اور گناہوں کے چکرّ میں مبتلا کر دیا تھا۔ آخرت کے متعلّق ان کے عقیدہ میں خرابی پیدا ہو چکی تھی' وہ اس قسم کے خام خیالات میں مبتلا ہوگئے تھے کہ ہم جلیل القدر انبیاء کی اولاد ہیں۔ صلحاء وزہاد سے نسبت رکھتے ہیں' اس لئے ہماری بخشش تو انہی بزرگوں کے طفیل مین ہو جائے گی۔

توراۃ کے نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل اس کے احکامات کی پابندی کریں اور اپنی زندگی کو اس شریعت کے سانچے میں ڈھال دیں۔ جس کا تفصیلی بیان اس کتاب میں موجود ہے۔ ان تمام احکام میں اہم ترین حکم یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیّت پر یقین محکم رکھیں اور ہر معاملہ میں اس کو اپنا کارسازِ حقیقی سمجھیں۔ تورات تمام جہان کے لئے صحیفہ بنا کر نہیں اتاری گئی تھی بلکہ صرف بنی اسرائیل کے لئے ایک محدود وقت تک کے لئے اس میں سامان ہدایّت تھا۔ کیونکہ عالمگیر ہدایت کا داعی ابھی تشریف لانے والا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو پہلے ہی بتا

دیا تھا کہ ان بے پایاں عنایات کے باوجود وہ قوم آمادہ فتنہ وفساد ہوگی۔ دنیا اس کے مظالم سے چیخ اٹھے گی اور وہ قوم عقیدہ توحید سے برگشتہ ہو جائے گی۔ اس کی پاداش میں اسے دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا جو اسے تکبّر' فتنہ' فساد' سرکشی اور بغاوت پر آمادہ ہونے کی پاداش میں دیا جائے گا۔

موسیٰ علیہ السّلام کے بعد جتنے انبیاء تشریف لائے انہوں نے بڑے اثر انگیز پیرایہ میں بنی اسرائیل کو آنے والے عذاب سے ڈرایا۔ حضرت یسعیاہؑ کا صحیفہ اسی قسم کی ہدایات سے پر ہے۔ حضرت یرمیاہؑ نبی کے لہجہ میں بھی درد وسوز ہے۔ وہ اپنی قوم پر آنے والی تباہی سے جس طرح بے چین ومضطرب ہیں' وہ اس بات کی غمّازی کر رہا ہے کہ اس خوفناک ہلاکت وبربادی کا وقت آن پہنچا ہے۔ بنی اسرائیل نے شریعت موسوی سے اپنا رشتہ بالکل منقطع کر لیا تھا۔ احکام الٰہی کی پابندی' اخلاق کی بلندی' معاملات میں دیانت وصداقت' جس کی تعلیم حضرت کلیم اللہ نے انہیں دی تھی اور سب سے اہم عقیدہ توحید جو حضرت موسیٰ کی بعثت کا مقصد اوّلین تھا۔ ان تمام امور کو انہوں نے یکسر فراموش کر دیا تھا۔ ایک توحید پرّست قوم کا ایک صاحب کتاب رسول کی اُمّت کا اتنی بلندی سے اتنی پستی میں گرنے کا سبب معلوم کرنے کے لئے ان حالات کا جائزہ لینا چاہئے۔ جس سے بنی اسرائیل خروج مصر کے بعد دوچار ہوئی۔

بنی اسرائیل کے عروج وزوال کی داستان:

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی قیادت میں جب بنی اسرائیل بحر احمر عبور کر کے وادی سینا میں پہنچی تو ایک بے آب وگیاہ ریگستان تھا تو انہیں حکم خداوندی ملا کہ آگے بڑھو اور فلسطین میں جو مشرک قوم آباد ہے' ان کے ساتھ جہاد کرو' ان کو مغلوب کر کے فاتحانہ شان سے فلسطین میں داخل ہو۔ یہ علاقہ جو صدیوں سے گوناں گوں گمراہیوں کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ نور توحید

سے اسے ایک بار پھر بقعِ نور بنا دو' لیکن انہوں نے انتہائی بزدلی دکھائی اور بڑی بے باکی سے حضرت کلیم اللہ کو جواب دے دیا۔ (ملاحظہ ہو قرآن حکیم سورۃ ۵ آیت ۲۶)

اس کی پاداش میں چالیس سال تک اس لق ودق صحرا کی خاک چھاننے کے بعد جب وہ فلسطین میں داخل ہوئے تو یہ علاقہ مختلف قوموں یعنی حطی' اموری' کنعانی' فریزی' فلستی وغیرہ نے آپس میں بانٹ رکھا تھا اور اپنی الگ الگ ریاستیں قائم کر رکھی تھیں۔ یہ سب قومیں مشرک تھیں۔ اس وقت وہاں مشرکانہ اور اخلاق باختہ ماحول جاری وساری تھا۔ ان حالات میں جب بنی اسرائیل کا خاندان فروکش ہوا تو انہیں چاہئے تھا کہ حق کی جو شمع فروزاں انہیں مرحمت کی گئی تھی اس کی کرنوں سے اس ظلمت کدہ کو منوّر کرتے اور معبودان باطل کی بندگی کی زنجیروں کو کاٹ کر انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کا حلقہ بگوش بناتے۔ لیکن ان کے اپنے قدم ڈگمگائے اور وہاں کے ماحول سے اتنے متاثر ہوئے کہ مشرک اور اخلاق باختہ اقوام کی جملہ خرابیاں انہوں نے خود اپنا لیں۔

بالآخر حضرت طالوت کی سرکردگی میں ۱۰۲۰ قبل مسیح ان کی سلطنت معرض وجود میں آئی۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام ۱۰۰۰ تا ۹۶۱ قبل مسیح تخت پر متمکن رہے جنہوں نے اپنے تدبّر اور حسن انتظام سے سارے ملک میں امن وامان قائم کیا۔ ان کے بعد ان کے فرزندِ ارجمند حضرت سلیمان علیہ السلام برسر اقتدار آئے۔ آپؑ کا عہد ۹۶۱ تا ۹۲۲ قبل مسیح تھا جو بنی اسرائیل کے لئے ایک زرّیں عہد تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل کا شیرازہ بکھر گیا اور یہ قوم دن بدن راہ ہدایت سے دور ہوتی چلی گئی۔ ہر عہد کے نبی نے ان کو راہ راست پر لانے کی انتہائی کوشش کی لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت یسعیاہؑ، حضرت یرمیاہؑ اور حزقیلؑ نے انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا لیکن یہ اپنی بے راہ روی سے

باز نہ آئے۔ جب ان کی مہلت کی گھڑیاں ختم ہوئیں تو اللہ تعالیٰ کا عذاب بابل کے جابر اور سفاک بادشاہوں کے حملوں کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ۵۹۸ اور ۵۹۹ قبل مسیح میں بابلیوں نے ان پر حملہ کر کے ان کے ملک میں تباہی مچادی۔ ان کے بڑے بڑے شہروں کو پیوند خاک کر دیا۔ لیکن یہ بد بخت قوم پھر بھی بیدار نہ ہوئی۔ اگست ۵۸۷ قبل مسیح میں بخت نصر ایک لشکر جرار کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوا جس نے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ہیکل سلیمان مسمار کر دیا۔ بے شمار یہودی مرد و زن پیر و جوان' بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیئے گئے۔ ان کے شاندار محلّات کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا جو یہودی زندہ بچے' انہیں پابہ زنجیر بابل لایا گیا اور وہاں کی رعایا میں ان کو غلاموں کی حیثیّت سے اس طرح تقسیم کر دیا گیا تا کہ یہ قوم کبھی متّحد ہونے کا خواب نہ دیکھ سکے۔ اس طرح پہلے فساد اور اس کی پاداش میں ان کی مکمل بربادی کی پیشین گوئیاں جو ان کے انبیاء نے وقتاً فوقتاً کی تھیں' پوری ہوئیں۔

بخت نصر کی موت کے بعد حالات نے پھر پلٹا کھایا اور بابل کی سلطنت زوال پذیر ہوئی۔ سیرس دوئم شاہ فارس (Cyrus-II) جسے بائبل میں ''خورس'' لکھا گیا ہے' نے لیڈیا اور بابل پر ۵۴۹ ق۔م حملہ کیا' اور اس کو فتح کر لیا۔ سب سے پہلے یہودا کی سلطنت کو بحال کرنے اور یروشلم کے ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرنے کا فرمان جاری کیا۔ بے شمار یہودی جو بابل میں جلاوطنی کی ذلیل زندگی بسر کر رہے تھے۔ انہیں فلسطین واپس جانے کی اجازت دی۔ بنی اسرائیل کے قافلے جب طویل جلاوطنی کے بعد فلسطین واپس پہنچے اور انہوں نے ہیکل کی تعمیر شروع کی تو وہاں کی مقامی آبادی نے مزاحمت کی لیکن جب دارا اول (Darius-I) فارس کا بادشاہ بنا تو اس نے حجی نبیؑ اور زکریا نبیؑ کے اصرار پر فرمان صادر کیا کہ منہدم شدہ ہیکل سلیمانی کے مقام پر فوراً دوسرا ہیکل تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ ۵۱۵ ق۔م میں اس ہیکل کی تعمیر کا کام ختم ہوا۔

اس کے باوجود ۴۴۵ ق۔م تک وہاں کے حالات بنی اسرائیل کے لئے تشویشناک ہی بنے رہے، یہاں تک کہ نحمیہ کی کوششوں سے ۴۴۵ قبل مسیح میں شاہ فارس کے حکم سے ایک وفد یروشلم بھیجا گیا اور حضرت عزیر علیہ السّلام کو دین موسوی کی ترویج ونفاذ کا کام سپرد کیا۔ آپ نے یروشلم پہنچ کر اپنی مساعیِ جمیلہ سے سیاسی استحکام کے ساتھ ساتھ اصلاحِ عقائد اور تربیّتِ اخلاق کی نعمت سے ایک بار پھر بنی اسرائیل کو بہرہ ور کیا۔ اس طرح غم والم کے ایک طویل دور کا خاتمہ ہوا اور بنی اسرائیل کو چین کا سانس لینا نصیب ہوا۔ (انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا ص ۱۲۶/ ۱۲۷ ج ۱۷)

حضرت عزیر علیہ السّلام کی کوششوں سے اصلاح عقائد واخلاق کی جو نئی روح پھونکی گئی تھی وہ بھی زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوسکی۔ آپؑ کے بعد بہت جلد یہ قوم پھر دنیا پرستی، لذت کوشی اور جاہ طلبی کی لعنت میں گرفتار ہوگئی۔ ایرانی سلطنت کے زوال کے ساتھ یونانیوں کا عروج شروع ہوا چنانچہ سکندر اعظم نے شرق اوسط کے دیگر ممالک کے ساتھ فلسطین پر اپنا قبضہ جمالیا۔ یونانی عقیدہ کے لحاظ سے بدترین قسم کے شرک میں مبتلا تھے۔ انہوں نے اپنے زمانہ اقتدار میں اپنی مادر پدر آزاد تہذیب وتمدّن کو یہاں فروغ دینے کی انتہائی کوشش کی۔ فلسطین ایک الگ ریاست تھی، جس کا سردار یونانیوں کا مقرر کردہ کوئی یہودی ہوا کرتا تھا۔ لیکن انتظامی لحاظ سے اُس کا الحاق شام کے ساتھ کر دیا گیا تھا۔ جہاں کا گورنر کوئی یونانی ہوتا تھا۔ یونانی تہذیب کو مقبول بنانے کی کوششیں رنگ لائیں اور خود یہودیوں کا بااثر اور متموّل طبقہ اس کا دلدادہ بن گیا۔ ۱۶۸ قبل مسیح میں حالات کو سازگار محسوس کرتے ہوئے شام کے رومی فرمانروا اینٹی اوکس چہارم (Antiochus-IV) نے یونانی رسم ورواج کو جبراً مسلط کرنے کا عزمِ صمیم کیا اور ہیکل میں سابقہ قربان گاہ کے اوپر جہاں حضرت موسیٰ کی شریعت کے مطابق سوختنی قربانیاں دی جاتی

تھیں۔ایک قربان گاہ تعمیر کرائی جہاں مشرکانہ دستور کے مطابق یونانی دیوی دیوتاؤں کے نام قربانیاں دی جائیں' جو شخص انکار کرے اسے سزا دی جائے۔اس ظالمانہ حکم نے ایک انقلابی تحریک کو جنم دیا جو تاریخ میں مکابی تحریک (Maccabees) کے نام سے مشہور ہوئی۔ موڈین (Modin) کا قصبہ جو یروشلم کے قریب واقع تھا' وہاں کے ایک بوڑھے یہودی مذہبی راہنما میٹا تھیس (Mattahias) نے ایسے بے ہودہ احکام کو بجالانے سے انکار کر دیا۔ بلکہ اس نے مرتد یہودیوں کو بھی تہ تیغ کیا اور اپنے پانچ لڑکوں کے ساتھ وہاں سے نکل کر ایک پہاڑ میں خیمہ زن ہو گیا۔ یہودیوں کی ایک کثیر تعداد اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئی اور ان کی کوششوں سے ایک آزاد یہودی مملکت معرض وجود میں آئی۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ص ۵۴۹ ج ۱۴)

لیکن مکابی کی یہ انقلابی تحریک بھی رفتہ رفتہ سرد پڑ گئی۔ ذاتی اقتدار کے لئے قومی مفاد کو نظر انداز کرنا ان کے لئے ایک معمول بن گیا۔ چنانچہ انہی کے ایک شخص اینٹی پیٹر (Anti Pater) کی تحریک پر رومی بادشاہ پومپی (Pompey) کے نمائندہ سیکارس (M.A.Scaurus) نے یروشلم پر حملہ کر کے یہودیوں کو پھر اپنا غلام بنا لیا۔ اس قومی غدّاری کے صلہ میں اینٹی پیٹر کو رومی دربار میں بڑی اہمیّت حاصل ہو گئی۔ لیکن قوم نے اس کی غدّاری کو معاف نہ کیا اور کسی پادری نے زہر دے کر اسے ہلاک کر دیا۔ اس کا لڑکا ہیروڈ (Herod) جان بچا کر روم چلا گیا۔ اینٹونی (Antony) شاہ روم نے ۴۰ ق۔م میں اس کو یہوداہ کی سلطنّت کا بادشاہ مقرّر کر دیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ہیروڈ اینٹی پاس (Herod-Antipass) فرمانروا بنا۔ اس کا عہد حکومت ۴ ق۔م تا ۳۹ء ہے۔ اسی کے زمانہ حکومت میں حضرت مسیحؑ علیہ السّلام مبعوث ہوئے اور اپنے وعظ و ارشاد کا آغاز فرمایا۔ آپؑ کے

خطبوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل ایک بار پھر اخلاقی انحطاط کی انتہائی پستیوں میں گر گئی تھی۔ اس بگڑے ہوئے ماحول میں حضرت مسیح علیہ السّلام کی دعوت حق کو بھلا کیسے برداشت کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السّلام کے خلاف رومی گورنر پیلاطیس کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا اور ان پر کفر و الحاد کا الزام لگا کر اسے مجبور کیا کہ وہ انہیں سولی چڑھائے ورنہ وہ علم بغاوت بلند کر دیں گے اس بادشاہ کی اخلاقی پستی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ جب یہ روم گیا ہوا تھا وہاں اس کی ملاقات اپنے بھائی فلپ کی بیوی ہیروڈیاس (Herodias) سے ہوئی' وہ اس پر فریفتہ ہو گیا اور اسے اپنے گھر ڈال لیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السّلام نے اس پر شدید احتجاج کیا اور اس کو اس فعل قبیح سے باز آنے کی تلقین کی لیکن شاہی غرور و نخوت نے اجازت نہ دی کہ وہ اس مبنی برحق نصیحت کو قبول کرتا بلکہ وہ الٹا آتش زیر پا ہو گیا اور اپنی داشتہ کے اکسانے پر حضرت یحییٰ علیہ السّلام کا سر مجمع عام میں قلم کر دیا۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۱ صفحہ ۵۱۱)

اس کے بعد ہیروڈ اگرپا دوم (Herod Agrippa.li) جو اس کا لڑکا تھا' تخت نشین ہوا اس کا یہ حال تھا کہ اپنی بہن بیرینائس (Berenice) کے ساتھ اس کے ناجائز تعلّقات تھے۔ یاد رہے کہ یہ خاندان صرف سیاسی حکمران ہی نہ تھا بلکہ یہودیوں کا روحانی سردار بھی تھا اور بڑے بڑے مذہبی پیشوا مقرّر کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۱ صفحہ ۵۱۲)

اگرپا دوم ۴۴ء میں مرا اور اس کے بعد فلسطین کا علاقہ براہ راست رومیوں کے قبضہ میں آ گیا۔ جس سے بے اطمینانی کی لہر دوڑ گئی اور یہودیوں نے رومی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ ابتداء میں انہیں کچھ کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔ شام کا رومی گورنر بھی ان سے

شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ آخر ۷۰ء میں ولی عہد حکومت ٹیٹس (Tittus) کی قیادت میں ساٹھ ہزار کا رومی لشکر فلسطین پر حملہ آور ہوا۔ اسی سال گلیلی فتح ہوا اور ۷۰ء میں اس نے یروشلم پر قبضہ کیا اور ہیکل کے معبد کو تباہ و برباد کر دیا۔ دس لاکھ یہودی مارے گئے اور ایک لاکھ کو غلاموں اور لونڈیوں کی حیثیت سے فروخت کر دیا گیا۔ (اس فتح عظیم کی یادگار کے طور پر روم میں قوس ٹیٹس تعمیر کی گئی) (اگرولرانسائیکلوپیڈیا جلد ۱۹ صفحہ ۱۵۶) جو بنی اسرائیل کی دوسری فساد انگیزی کی سزا تھی۔ اس کے بعد سے یہودیوں کی بربادی کا وہ طویل دور شروع ہوا جو ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر قرآن حکیم ''ضیاء القرآن'' از سید پیر محمد کرم شاہ جج شریعت بینچ سپریم کورٹ پاکستان)

بنی اسرائیل کی بداعمالیاں:

بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کی چند مثالیں درج ذیل ہیں، جو اس قوم نے اپنے جرائم کو خود تفصیل کے ساتھ اپنی تاریخ اور الہامی کتب میں تحریف کر کے بیان کیا ہے۔ بائبل سے اخذ چند واقعات یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

1۔ حضرت سلیمانؑ جن کا ذکر قرآن حکیم میں متعدد بار آیا ہے، نہایت پاکیزہ کردار کے حامل برگزیدہ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی کی حیثیت سے آیا ہے۔ یہود و نصاریٰ ایک طرف تو حضرت سلیمانؑ کی رسالت کو تسلیم کرتے اور بحر و بر پر ان کی فرمانروائی کا ذکر بڑے فخر سے کرتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی کہتے کہ آخر عمر میں سلیمانؑ نے توحید کو چھوڑ دیا اور اپنی مشرک بیویوں کے باطل خداؤں کی پرستش کرنے لگا۔ چنانچہ بائبل میں اس کی تصریح یوں موجود ہے:

"اور سلیمانؑ بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے..... محبت

کرنے لگا..... سلیمانؑ انہی کے عشق کا دم بھرنے لگا..... اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو پھیر دیا کیونکہ جب سلیمانؑ بڈھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اس کا دل اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا..... اور سلیمانؑ نے خدا کے آگے بدی کی..... اور خداوند سلیمانؑ سے ناراض ہوا کیونکہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا تھا"۔

(باب ۱۱ آیت ۱ تا ۹ سلاطین)

بائبل میں تحریف کر کے ایک پاک باز و برگزیدہ نبی کے خلاف اس ہرزہ سرائی کے سلسلہ میں بعد میں تحقیق کر کے محققین نے اس کی تردید کی۔ مسیحی دنیا کے ان محققین وفضلاء نے انسائیکلو پیڈیا ببلیکا میں انجیل کی ان آیات کے متعلق صراحتاً لکھ دیا کہ یہ غلط ہیں اور بعد میں لوگوں نے تحریف کر کے شامل کر دی ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السّلام تہمتِ شرک سے مبرّا تھے۔ (ملاحظہ ہو کالم ۳۶۸۹ انسائیکلو پیڈیا ببلیکا) اس طرح خود محققین کے قلم کو یہ لکھنا پڑا کہ سلیمانؑ خدائے واحد کے مخلص پرستار تھے۔ اور جو قرآن حکیم آخری الہامی کتاب کی تصدیق کے عین مطابق ہے۔

2۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد جب بنی اسرائیل کی سلطنت تقسیم ہو کر دو ریاستوں (یروشلم کی دولت یہودیہ اور سامریہ کی دولت اسرائیل) میں بٹ گئی تو ان میں باہم لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ یہودیوں کی ریاست نے اپنے ہی بھائیوں کے خلاف دمشق کی ارامی سلطنت سے مدد مانگی۔ اس پر خدا کے حکم سے حنانی نبی نے یہودیہ کے فرمانروا آسا کو سخت تنبیہ کی، مگر آسا نے اس تنبیہ کو قبول کرنے کے بجائے خدا کے پیغمبروں کو جیل بھیج دیا۔ (حوالہ ۲ تواریخ باب ۱۷ آیات ۷ تا ۱۰)

3۔ بنی اسرائیل اپنے پیغمبروں سے سند کے طور پر مختلف قسم کے معجزات پیش کرنے پر اصرار کرتے تھے اس لئے بعض پیغمبروں نے آتشیں قربانی کا معجزہ پیش کیا۔ بائبل میں حضرت الیاس علیہ السّلام (ایلیاہ Elliah) کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے بعل کی پرستش پر یہودیوں کی ملامت کی اور از سرنو توحید کا صور پھونکنا شروع کیا تو سامریہ کا اسرائیلی بادشاہ اخی ناراض ہوا۔ اس پر حضرت الیاس علیہ السّلام نے بعل کے پجاریوں کو چیلنج دیا کہ مجمع عام میں ایک بیل کی قربانی میں کرتا ہوں اور ایک بیل کی قربانی تم کرو، جس کی قربانی کو آگ آ کر کھالے وہی حق پر ہے۔ چنانچہ ایک خلق کثیر کے سامنے یہ مقابلہ ہوا۔ اور غیبی آگ حضرت الیاس علیہ السّلام کی قربانی کو کھا گئی۔ اس کا جو کچھ نتیجہ نکلا وہ یہ تھا کہ اسرائیل کے بادشاہ کی بعل پرست ملکہ حضرت الیاسؑ کی دشمن ہوگئی اور زن پرست بادشاہ اپنی ملکہ کی خاطر ان کے قتل کے درپے ہوا اور ان کو مجبوراً ملک سے نکل کر جزیرہ نمائے سینا کے پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔ اس موقع پر جو دعا حضرت الیاس علیہ السّلام نے مانگی اس کے الفاظ یہ ہیں:

''بنی اسرائیل نے تیرے عہد کو ترک کر دیا..... تیرے نبیوں کو تلوار سے قتل کیا اور ایک میں ہی اکیلا بچا ہوں، سو وہ میری جان لینے کے درپے ہیں''۔ (حوالہ نمبر اسلاطین باب ۱۸۔۱۹ آیات ۱ تا ۱۰)

4۔ ایک اور نبی حضرت میکایاہ کو اسی اخی اب نے حق گوئی کے جرم میں جیل بھیجا اور حکم دیا کہ اس شخص کو مصیبت کی روٹی کھلانا اور مصیبت کا پانی پلانا۔ (حوالہ نمبر اسلاطین باب ۲۲ آیات ۲۶۔۲۷)

5۔ جب یہودیہ کی ریاست میں اعلانیہ بت پرستی اور بدکاری ہونے لگی اور زکریا نبی نے اس

کے خلاف آواز بلند کی تو شاہ یہوداہ یوآس کے حکم سے انہیں عین ہیکل سلیمانی میں ''مقدّس'' اور ''قربان گاہ'' کے درمیان سنگسار کر دیا گیا۔ (حوالہ نمبر ۲ تواریخ باب ۲۴ آیت ۲۱)

6۔ جب سامریہ کی اسرائیلی ریاست آشوریوں کے ہاتھوں ختم ہو چکی اور یروشلم کی یہودی ریاست کے سر پر تباہی کا طوفان تلا کھڑا تھا تو یرمیاہ نبی اپنی قوم کے زوال پر ماتم کرنے اٹھے اور کوچے کوچے میں جا کر انہوں نے پکارنا شروع کیا کہ سنبھل جاؤ ورنہ تمہارا انجام سامریہ سے بھی بدتر ہوگا۔ مگر قوم کی طرف سے ان پر لعنت اور پھٹکار کی بارش ہوئی وہ پیٹے گئے، قید کئے گئے، رسی سے باندھ کر کیچڑ بھرے حوض مین لٹکا دیئے گئے تا کہ بھوک اور پیاس سے وہیں سوکھ کر مر جائیں اور ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ قوم کے غدّار ہیں اور بیرونی دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں۔ (بحوالہ یرمیاہ باب ۱۵ آیت ۱۰ باب ۱۸ آیت ۳۰ تا ۳۳ باب ۲۰۹ آیت ۱ تا ۱۸ باب ۳۶ تا باب ۴۰)

7۔ ایک اور نبی حضرت عاموس علیہ السّلام کے متعلق لکھا ہے کہ جب انہوں نے سامریہ کی اسرائیلی ریاست کو اس کی گمراہیوں اور بدکاریوں پر ٹوکا اور ان کے برے انجام سے خبردار کیا تو انہیں نوٹس دیا گیا کہ ملک سے نکل جاؤ اور باہر جا کر نبوّت کرو۔ (بحوالہ عاموس باب ۷ آیت ۱۰ تا ۱۳)

8۔ حضرت یحییٰ علیہ السّلام (یوحنا) نے جب ان بد اخلاقیوں کے خلاف آواز اٹھائی جو یہودیہ کے فرمانروا ہیروڈیس کے دربار میں کھلم کھلا ہو رہی تھی، تو پہلے وہ قید کئے گئے پھر بادشاہ نے اپنی معشوقہ کی فرمائش پر قوم کے اس صالح ترین آدمی کا سر قلم کر کے ایک تھال میں رکھ کر اس کی نذر کر دیا۔ (بحوالہ مرقس باب ۶ آیات ۱۷ تا ۲۹)

9۔ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح کا واقعہ ہے کہ اس وقت بنی اسرائیل پر عمالقہ چیرہ دست ہوگئے تھے اور انہوں نے اسرائیلیوں سے فلسطین کے اکثر علاقے چھین لئے تھے۔ سموئیل نبی اس زمانے میں بنی اسرائیل کے درمیان حکومت و عدالت کرتے تھے۔ مگر وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے اس لئے سرداران بنی اسرائیل نے یہ ضرورت محسوس کی کہ کوئی شخص ان کا سربراہ کار ہو جس کی قیادت میں وہ جنگ کر سکیں۔ لیکن اس وقت بنی اسرائیل میں اس قدر جہالت آ چکی تھی کہ وہ غیر مسلم قوموں کے طور طریقوں سے اتنا متاثر ہو چکے تھے کہ ''خلافت'' اور ''پادشاہی'' کا فرق ان کے ذہنوں سے نکل گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے درخواست جو کی وہ خلیفہ کے تقرر کے نہیں بلکہ ایک بادشاہ کے تقرر کی کی تھی۔ اس سلسلہ میں بائبل کی کتاب سموئیل اول میں تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ (حوالہ باب ۱۲ آیات ۱۲ تا ۲۲)

کتاب سموئیل کی ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بادشاہت کے قیام کا مطالبہ اللہ اور اس کے نبی کو پسند نہ تھا۔ قرآن حکیم کی سورۃ بقرہ کی آیت ۲۴۵ میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کس قدر بزدل ہو گئے تھے اور ان کے اندر اخلاقی انضباط کی کتنی کمی تھی اور اتنی نفس پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ سموئیل نبی نے طالوت کو جو بنی اسرائیل کا قد آور، خوبصورت ترین لیکن غریب چرواہے کا پسر تھا لیکن ان میں بہت خوبیاں تھیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت علم عطا فرمایا تھا۔ اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ اوصاف کی بناء پر بنی اسرائیل کو جمع کر کے اُن کی بادشاہی کا اعلان کیا لیکن بنی اسرائیل نے اسے محض غریب و نادار فرد ہونے کی وجہ سے اپنا بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ طالوت جن کا نام بائبل میں ساؤل موسوم ہے گو پیشوائی کے منصب پر سرفراز ہوئے لیکن وہ نبی نہ تھے، بلکہ عارضی طور پر بادشاہ مقرر

ہوئے تھے۔لیکن بنی اسرائیل نے ان کی سرکردگی میں بھی جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔

10۔آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر بنی اسرائیل کے علماء اور سرداران قوم کا غصہ بھڑکا کیونکہ وہ انہیں ان کے گناہوں اور ان کی ریاکاریوں پر ٹوکتے تھے اور ایمان وراستی کی تلقین کرتے تھے۔اس قصور پر ان کے خلاف جھوٹا مقدّمہ تیار کیا گیا۔رومی عدالت سے ان کے قتل کا فیصلہ حاصل کیا گیا اور جب رومی حاکم پیلاطیس نے یہود سے کہا کہ آج عید کے روز میں تمہاری خاطر یسوع اور براباڈا کو دونوں میں سے کس کو رہا کردوں' تو ان کے پورے مجمع نے بالاتفاق پکار کر کہا: براباڈا کو کو چھوڑ دیا جائے اور یسوع کو پھانسی پر لٹکایا جائے۔

(بحوالہ متی باب ۲۷ آیت ۲۰ تا ۲۲)

بعث نبوی ﷺ سے قبل اور مابعد کے واقعات :

اسرائیلی تاریخ کے حساب سے حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے ۱۲۷۲ قبل مسیح میں وفات پائی۔جبکہ نبی اکرم ﷺ ۶۱۰ء میں بعد حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السّلام منصب نبوّت پر سرفراز ہوئے۔اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو گزرے تقریباً انیس (۱۹) صدّیاں گزر چکی تھیں۔ ہجرت سے قبل جب تک نبی اکرم ﷺ مکہ مکرّمہ میں دعوت اسلام دیتے رہے تو نزول وحی و کلام حکیم کے مخاطب مشرکین عرب تھے' جن کے لئے اسلام کی آواز ایک اچھوتا پیغام ہونے کی وجہ سے غیر مانوس تھی۔ہجرت مدینہ کے بعد نبی اکرم ﷺ اور مہاجرین وانصار کو یہودیوں سے سابقہ پیش آیا' جن کی بستیاں مدینہ منوّرہ سے بالکل متصّل واقع تھیں۔یہ لوگ توحید' رسالت' وحی' آخرت اور ملائیکہ کے قائل تھے۔وہ اپنے دین کو شرعی کہتے تھے جو خدا کی طرف سے ان کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر نازل ہوا تھا۔اصولاً ان کا دین بھی اسی دین اسلام جیسا تھا' جس کی تعلیم حضرت محمد ﷺ دے رہے تھے۔لیکن یہودیوں کے عقائد میں بہت سے غیر اسلامی

عناصر کی آمیزش ہوگئی تھی، جس کے لئے توراۃ میں کوئی سند موجود نہ تھی۔ ان کی عملی زندگی میں بکثرت ایسے رسوم وطریق رواج پاگئے تھے جو اصل دین میں نہ تھے، اور جن کا توراۃ میں کوئی ثبوت نہ ملتا تھا۔ خود توراۃ کو انہوں نے انسانی کلام کے اندر خلط ملط کر دیا تھا اور خدا کا کلام جس حد تک لفظاً یا معناً محفوظ تھا اس کو بھی انہوں نے من مانی تاویلوں اور تفسیروں سے مسخ کر رکھا تھا۔ دین کی حقیقی روح ان میں سے نکل چکی تھی اور ظاہری مذہب کا محض ایک بے جان ڈھانچہ باقی تھا جس کو وہ سینے سے لگائے بیٹھے تھے۔ ان کے علماء ومشائخ، ان کے سرداران قوم اور ان کے پیروکار عوام، سب کی اعتقادی، اخلاقی اور عملی حکمت عملی بگڑ چکی تھی اور اپنے اس بگاڑ سے ان کو ایسی محبت تھی کہ وہ کسی اصلاح کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے۔ صدیوں سے مسلسل ایسا ہو رہا تھا کہ جب کوئی اللہ کا بندہ انہیں دین کی سیدھی راہ بتانے آیا تو وہ اسے اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے اور ہر ممکن طریقہ سے کوشش کرتے کہ وہ کسی طرح اصلاح میں کامیاب نہ ہو سکے یہ لوگ حقیقت میں بگڑے ہوئے اولین ''مسلم'' تھے جن کے یہاں بدعتوں اور تحریفوں، موشگافیوں اور فرقہ بندیوں، خدا فراموشی اور دنیا پرستی کی بدولت انحطاط اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ وہ اپنا نام ''مسلم'' تک بھول گئے تھے۔ محض یہودی بن کر رہ گئے۔ اور اللہ کے دین کو انہوں نے محض نسل اسرائیل کی آبائی وراثت بنا کر رکھ دیا تھا۔ پس جب نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو قرآن حکیم میں یہودیوں کی تاریخ اور ان کے اخلاقی و مذہبی حالات پر جس طرح تنقید کی گئی اس سے ان کے کفر میں مزید اضافہ ہوا۔ اور وہ خفیہ طریقہ سے اسلام کی بیخ کنی میں مصروف ہو گئے۔

اہل عرب بالعموم ناخواندہ لوگ تھے اور ان کے مقابلہ میں یہودیوں کے اندر ویسے بھی تعلیم کا چرچہ زیادہ تھا، انفرادی طور پر ان میں ایسے ایسے جلیل القدر عالم پائے جاتے تھے جن کی شہرت خطہ عرب سے باہر تک پہنچی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے عربوں پر یہودیوں کا علمی رعب بہت

زیادہ تھا۔ پھر ان کے علماء و مشائخ نے اپنے مذہبی درباروں کی ظاہری شان جما کر اور اپنی جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کا کاروبار چلا کر اس رعب کو اور بھی زیادہ گہرا اور وسیع کر دیا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ اہل مدینہ ان سے بے حد مرعوب تھے۔ کیونکہ ان کے قرب و جوار میں بڑے بڑے یہودی قبائل آباد تھے۔ رات دن کا ان سے میل جول تھا اور اس تعلق کی وجہ سے وہ ان سے اسی طرح شدت سے متاثر تھے، جس طرح ان پڑھ آبادی زیادہ تعلیم یافتہ، متمدن اور زیادہ نمایاں مذہبی تشخص رکھنے والے ہمسایوں سے متاثر ہوا کرتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے اعلانِ بعثت سے پہلے یہ یہودی بے چینی کے ساتھ اس نبی کے منتظر تھے جس کی بعثت کی پیشین گوئیاں ان کے انبیاء نے کی تھیں۔ وہ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ جلدی سے وہ مبعوث ہوں تو کفار کا غلبہ مٹے اور پھر ہمارے عروج کا دور شروع ہو۔ اسی لئے وہ اپنی کتابوں اور ستاروں کے علم کے حساب سے کہ نبی آخر الزمان جہاں پیدا ہو کر غلبہ حاصل کریں گے اسی خطہ کے قرب و جوار میں آباد ہو گئے۔ خود اہل مدینہ اس بات کے شاہد تھے کہ بعثتِ محمدی ﷺ سے پہلے ہی ان کے ہمسایہ یہودی آنے والے نبی کی امید پر جیا کرتے تھے اور ان کا آئے دن کا تکیہ کلام یہی تھا کہ

> ''اچھا! اب تو جس جس کا جی چاہے ہم پر ظلم کر لے، جب وہ آئے گا تو ہم سب ظالموں کو دیکھ لیں گے''۔

مگر یہی یہودی جو آنے والے نبی کے انتظار میں گھڑیاں گن رہے تھے۔ اس کے پیدا ہونے اور اعلانِ نبوّت پر سب سے بڑھ کر اس کے مخالف بن گئے۔ ان کے مقابلہ میں مدینہ کے ان نومسلموں نے جو قریب کے زمانے ہی میں نبی عربی علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ ان لوگوں کے کانوں میں پہلے سے نبوّت، کتاب اللہ، ملائکہ، آخرت اور شریعت وغیرہ کی باتیں پڑ

چکی تھیں وہ سب انہوں نے اپنے ہمسایہ یہودیوں ہی سے سنی تھیں۔ اور یہ بھی انہوں نے یہودیوں سے ہی سنا تھا کہ دنیا میں ایک پیغمبر اور آنے والے ہیں اور یہ کہ جو لوگ ان کا ساتھ دیں گے وہ ساری دنیا پر چھا جائیں گے۔ یہی معلومات تھیں جن کی بناء پر اہل یثرب نبی اکرم ﷺ کا چرچا سن کر آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور جوق در جوق ایمان لائے۔ اب وہ متوقع تھے کہ جو لوگ پہلے ہی سے انبیاء اور کتب آسمانی کے پیرو ہیں اور جن کی دی ہوئی خبروں کی بدولت ہی ہم کو نعمت ایمان میسر ہوئی ہے وہ ضرور ہمارا ساتھ دیں گے۔ بلکہ اس راہ میں پیش پیش ہوں گے۔ چنانچہ یہی توقعات لے کر یہ پرجوش نومسلم اپنے یہودی دوستوں اور ہمسایوں کے پاس جاتے تھے اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے لیکن بنی اسرائیل حضور اکرم ﷺ کو اپنی اولاد کی طرح پہچان لینے کے باوجود ان پر ایمان نہ لائے۔ سورۃ بقرہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہودی نبی اکرم ﷺ کو پہچان گئے تھے جس کے متعدّد ثبوت اس زمانہ میں مل گئے تھے۔ سب سے زیادہ معتبر شہادت ام المومنین حضرت صفیہؓ کی ہے جو خود ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی اور ایک دوسرے عالم کی بھتیجی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی اکریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو میرا باپ اور چچا دونوں آپ ﷺ سے ملنے گئے۔ بڑی دیر تک آپ ﷺ سے گفتگو کی، پھر جب گھر واپس آئے تو میں نے اپنے کانوں سے ان دونوں کو یہ گفتگو کرتے ہوئے سنا:

چچا: کیا واقعی یہ وہی نبی (ﷺ) ہے جس کی خبریں ہماری کتابوں میں دی گئیں ہیں؟

والد: خدا کی قسم ہاں۔!

چچا: کیا تم کو اس کا یقین ہے؟

والد: ہاں!

چچا: پھر کیا ارادہ ہے؟

والد: جب تک جان میں جان ہے اس کی مخالفت کروں گا اور اس کی بات چلنے نہ دوں گا۔
(حوالہ ابن ہشام، جلد دوم، طبع جدید، صفحہ

(۱۶۵

دراصل اہل یہود سمجھتے تھے کہ آنے والا نبی ان کی قوم میں سے ہی پیدا ہوگا۔ مگر جب وہ ایک دوسری قوم میں پیدا ہوا جسے وہ اپنے مقابلہ میں ہیچ سمجھتے تھے تو وہ اس کے انکار پر آمادہ ہوگئے اور بگڑ بیٹھے۔ یہودی صرف نبی اکرم ﷺ کو اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں ہی کو برا نہ کہتے تھے بلکہ خدا کے برگزیدہ فرشتے حضرت جبرائیل امین کو بھی گالیاں دیتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ ہمارا دشمن ہے۔ وہ رحمت کا نہیں، عذاب کا فرشتہ ہے کیونکہ اسی کی وجہ سے بنی اسرائیل پر اخلاقی و مادی انحطاط کا دور آیا اور غلامی، جہالت، نکبت، افلاس، ذلت اور پستی نے ان کے اندر کوئی بلند حوصلگی اور ولوالعزمی باقی نہ چھوڑی۔

بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کی باہمی مناقشت:

ہجرت مدینہ کے بعد بالعموم اور جنگ بدر کے بعد بالخصوص جس میں اہل ایمان کو فتح نصیب ہوئی تھی لیکن یہ جنگ گویا بھڑوں کے چھتہ میں پتھر مارنے کے مترادف تھی۔ اس اولین مسلح مقابلہ نے عرب کی ان سب طاقتوں کو چونکا دیا جو اس نئی تحریک سے عداوت رکھتی تھیں۔ ہر طرف طوفان کے آثار نمایاں تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مدینہ کی یہ چھوٹی سی بستی جس نے گردوپیش کی ساری دنیا سے لڑائی مول لے لی ہے، صفحہ ہستی سے مٹا ڈالی جائے گی۔ ان حالات سے مدینہ کی معاشی حالت پر بھی نہایت برا اثر پڑا۔ ہجرت مدینہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے اطراف مدینہ کے یہودی قبائل کے ساتھ جو معاہدے کئے تھے ان لوگوں نے ان معاہدات کا ذرہ برابر پاس نہ کیا۔ جنگِ بدر کے موقع پر ان اہل کتاب کی ہمدردیاں بت پوجنے والے مشرکین کے

ساتھ تھیں۔ معرکہ بدر کے بعد یہ لوگ برملا قریش اور دوسرے قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف جوش دلا کر بدلہ لینے پر اکسانے لگے۔ خصوصاً بنی نضیر کے سردار کعب بن اشرف نے تو اس سلسلہ میں اپنی مخالفانہ کوششوں کو اندھی عداوت بلکہ کمینہ پن کی حد تک پہنچا دیا۔ اہل مدینہ کے ساتھ ان یہودیوں کی ہمسائیگی اور دوستی کے جو تعلقات صدیوں سے چلے آ رہے تھے اس کا پاس اور لحاظ بھی انہوں نے اٹھا دیا۔ آخر کار جب ان کی شرارتیں اور عہد شکنیاں حدِ برداشت سے گزر گئیں تو نبی اکرم ﷺ نے جنگ بدر کے چند مہینوں کے بعد بنی قینقاع پر جو ان یہودی قبیلوں میں سے سب سے زیادہ شریر لوگ تھے' حملہ کر دیا اور انہیں اطراف مدینہ سے باہر نکال دیا' لیکن اس سے دوسرے یہودی قبائل کی آتش عناد اور زیادہ بھڑک اٹھی۔ انہوں نے مدینہ کے منافق مسلمانوں اور حجاز کے مشرک قبیلوں کے ساتھ ساز باز کر کے اسلام کے لئے ہر طرف خطرات ہی خطرات پیدا کر دیئے حتّٰی کہ خود نبی اکرم ﷺ کی جان کے متعلق ہر وقت اندیشہ رہنے لگا کہ نہ معلوم کب آپ پر قاتلانہ حملہ ہو جائے۔ صحابہ کرام اس زمانے میں عموماً ہتھیار بند سوتے تھے۔ شبخون کے ڈر سے رات کو پہرے دیئے جاتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی کہیں آنکھوں سے اوجھل ہوتے تو صحابہ کرامؓ گھبرا کر آپ کو ڈھونڈنے نکل کھڑے ہوتے تھے۔ معرکہ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے قریش کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اس پر مزید تیل یہودیوں نے چھڑکا۔ اس کے نتیجہ میں جنگ بدر کے تقریباً ایک سال کے اندر ہی ہزاروں مسلح نفوس پر مشتمل لشکرِ کفار مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ اور جنگ احد میں منافقین کی کثیر تعداد کا مجاہدین کے لشکر سے علیحدہ ہو جانے، اور مجاہد تیر اندازوں کے دستہ کا حضور نبی اکرم ﷺ کی ہدایت کے برعکس درّہ چھوڑ کر فتح یابی کے خیال سے مال غنیمت لوٹنے لگے اس طرح جنگِ احد میں مسلمانوں کی بظاہر فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا۔

حضور رسالتمآب ﷺ جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے تھے، وہاں دو قبائل اوس اور خزرج باہم برسرپیکار تھے اور ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کا باہم نفاق دور کر کے آپس میں صلح و آشتی کی راہ پر گامزن کر دیا تھا۔ ان کے علاوہ بارہ ۱۲ غیر مسلم قبائل اور بارہ ۱۲ یہودی قبائل بھی یثرب کے علاقے میں رہائش پذیر تھے، جن کو شہریّت کے برابری کے حقوق عطا کئے۔ یہودی قبائل کی دیگر بارہ قبائل سے نہ بنتی تھی۔ مسلمانوں کا ان سے یہ معاہدہ طے پایا کہ مسلمان یہودیوں کے مخالف قبائل کی امداد نہ کریں گے۔ اسی طرح یہودیوں کو پابند کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف باغی قبائل کی امداد نہ کریں گے۔ یہ معاہدہ جات اس امر کا بیّن ثبوت ہیں کہ مسلمانوں نے کس طرح یہودیوں پر نوازشات کیں اور برابری کی شہریّت کے حقوق عطا کئے۔ لیکن اس احسانِ عظیم کے باوجود انہوں نے ہجرت کے بعد دور مدنی کے ابتدائی دو سالوں کے دوران حضور اکرم ﷺ کی دو مرتبہ جان لینے کی سازش کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہودیوں کے ناپاک عزائم سے آگاہ کر دیا اور آپ ﷺ کا بال تک بیکا نہ ہوا۔ ان یہودیوں کو نبی اکرم ﷺ کے دور نبوت میں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ خلیفہ اوّل کے دور میں وہ اپنی صفیں درست کرنے اور سازش کے خاکے مرتب کرنے میں مصروف رہے، لیکن بعدازاں اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے سلسلہ میں سب سے پہلے ابولولو فیروز نامی یہودی نے حضرت عمرؓ کو شہید کر کے اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کا آغاز کیا۔ اس کے علاوہ یمن کے یہودی عبداللہ بن سباح نے سازش کر کے اپنے یہودی ساتھیوں کی مدد سے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو شہید کروا کر خلافت راشدہ کے چراغ گل کر کے اپنی سازشوں میں کامیابی اور اپنے خفیہ عزائم میں پیش رفت حاصل کی۔

محرومیوں کے دور میں کس حسرتوں کے ساتھ

ہم پتھروں کے دل میں وفا ڈھونڈتے رہے

اہل یہود پر مسلمانوں کے انعام واکرام:

ایک طرف یہ خونیں مناظر ہیں جو اسرائیل کے ہاتھوں تاریخ کے صفحات پر رقم ہیں۔ اس کے برعکس مابعد کی عرب اور مسلم حکومتوں نے یہودیوں کے ساتھ اس وقت رواداری اور حسن سلوک کا مظاہرہ کیا' جبکہ یہ درماندہ عالم مارے مارے کرّہ ارض کے مختلف گوشوں میں سرگرداں تھے۔ ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ خدا ان سے روٹھ چکا تھا۔ اس نے اپنی تمام نعمتیں واپس لے لی تھیں۔ اپنی محبّت ونوازش سے محروم کر دیا تھا۔ آزادی جیسی سب سے بڑی نعمت چھین لی گئی۔ لیکن اس دور میں بھی مسلمانوں کی رواداری' احسان اور حسنِ اخلاق کے روشن ابواب ہیں۔ مسلمانوں کے زیر اقتدار عیسائی و یہودی دونوں قومیں رہیں لیکن ہمیشہ شہری' معاشرتی اور سیاسی حقوق حاصل رہے۔ جبکہ عیسائی حکومتوں میں یہودی گروہ غلامی اور ذلّت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور شہری وانسانی حقوق سے محروم کیے گئے تھے۔ سترہویں صدی عیسوی تک ان کو خطرناک اور قابل نفرت گروہ خیال کیا جاتا تھا۔ مغربی حکومتیں اور معاشرے ان کو باعزت مقام دینے پر تیار نہ تھے جبکہ اسلامی حکومتوں نے ان سے رواداری اور رحم دلی کا سلوک کیا۔ یہودی مسلم خلفاء اور سلاطین کے دور میں وزراء، سفراء اور مشیر رہے۔ اندلس کی تاریخ اس سلسلہ میں خاصی روشن ہے۔ خلافتِ قرطبہ کے دوران یہود خوش حالی' فارغ البالی اور رفاہیّت کی انتہائی بلندیوں کو چھو رہے تھے۔ اس قوم پر مسلمانوں کے انعام واکرام اور رواداری کی چند مثالیں درج ذیل کی جا رہی ہیں۔

1۔ عبدالرّحمٰن الناصر کے دور حکومت میں حسدای بن شبروت کو خزانہ عامرہ کا نگران اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ اس سے قبل وہ حکومت وقت کی سیاسی حکمت عملی وضع کرتا تھا۔ حسدای خلیفہ ناصر کا

طبیب خاص رہا۔ اور ناصر کی وفات کے بعد اس کے بیٹے الحکم المنتصر کی حکومت سے وابستہ ہو گیا۔

2۔ بہت سے یہودی علماء اور ادباء ناصر اور حکم کے دربار میں قرطبہ سے آتے رہے۔ ان کے عہد میں قرطبہ میں مدرسہِ تلمودیہ قائم کیا گیا جس کا بانی ایک یہودی موسیٰ بن حقوس تھا۔

3۔ غرناطہ بادیس بن حسون نے ایک یہودی یوسف بن نغرالہ نامی شخص کو اپنا وزیر بنایا اور اسے حکومت کی اہم ذمہ داریاں سونپیں۔

4۔ المقتدر بن ہود نے ایک نومسلم یہودی ابوالفضل بن حسدای کو اپنا معتمد اور وزیر بنایا تھا۔

5۔ مصر کے فاطمی دور میں یعقوب بن کلش خلیفہ المعز الدین اللہ اور اس کے بیٹے کا وزیر رہا۔

6۔ صلاح الدین ایوبی کا طبیب خاص موسیٰ بن میمون نامی ایک قرطبی یہودی تھا۔ یہی موسیٰ بن میمون جامعہ ازہر میں ریاضی، فلکیات اور طب پڑھاتا تھا۔

7۔ مسلم ہسپانیہ میں کبھی کسی یہودی کو ظلم و جور کا نشانہ نہ بنایا گیا۔ یہودی اندلس کی تاریخ کے تمام ادوار میں امن و سکون اور عیش و عشرت سے رہے۔ مشرق میں مسلم حکومتوں کے تحت یہود کو ہر قسم کا آرام اور شہری سہولتیں حاصل رہیں۔ فاطمی حکومت کی بنیاد ہی ذمّی رعایا کے مساویانہ حقوق پر مبنی تھی۔ غلامان مصر (ممالیک) کے عہد اقتدار میں بھی یہود کو ہر طرح کی آزادی حاصل رہی۔ حتیٰ کہ عثمانی دور میں بھی انہیں کبھی شکایت کا موقع نہ ملا۔

یہ اسلامی تاریخ کے وہ روشن صفحات ہیں جن سے مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق، بلند حوصلگی اور انسانی رواداری کا ثبوت ملتا ہے۔ اہل یہود عربوں اور مسلمانوں کے احسان اور فیاضی کا بدلہ نہ چکا سکے اور یہ قوم کفران نعمت اور احسان فراموشی پر اتر آئی۔

ملّتِ اسلامیہ کے ازلی و ابدی دشمن یہودی مفکّرین نے اسلامی جنگوں میں ہر طرح

کے جنگی ساز و سامان میں برتری کے باوجود یکے بعد دیگرے شکست و ہزیمت سے دوچار ہونے کے بعد میدان جنگ کی بجائے مسلمانوں کو دوسرے طریقوں سے کمزور کرنے کا تثلیثی منصوبہ بنایا۔ اول یہ کہ مسلمانوں کے ایمان' یقین اور اخلاق پر عیش و عشرت اور فحاشی کے ہتھیار سے بھرپور حملہ کر کے ان سے اتحاد' یقین محکم کا ہتھیار چھین لیا جائے۔ دوم یہ کہ مسلمانوں کو مزید کمزور کرنے کے لئے ان میں چھوٹے چھوٹے گروہ اور فرقے بنا کر ان میں باہمی اختلافات پیدا کئے جائیں اور ان کو اختلافی مذاکروں اور مناظروں میں الجھا دیا جائے۔ سوم یہ کہ مسلمان نوجوانوں میں ''عقلیّت'' کا محاذ بنا کر ان میں انفرادیّت کا پرچار کیا جائے، یعنی ہر انسان خودمختار ہے، وہ کسی ضابطہِ اخلاق کا پابند نہیں۔ عقل کی متابعت کی جائے جسے عقل نہیں مانتی اسے مسترّد کیا جائے۔ یہ نوجوانوں کے ایمان بالغیب کو ختم کرنے' ان کی اجتماعیّت کو انفرادیّت میں تبدیل کرنے اور مذہب سے گمراہ اور برگشتہ کرنے کی سازش تھی۔

اہل یہود کا کردار اور احسان فراموشی :

اس طویل المدّت تین نکاتی منصوبہ پر یہودی نہ صرف مسلمانوں کے خلاف بلکہ عیسائیّت و دیگر مذاہب کے خلاف بھی سرگرم عمل ہیں۔ مسلمانوں کی اصل قوّت ایمان' اخلاق' اتحاد' نظم اور جذبہ جہاد فی سبیل اللہ کو مرحلہ وار پروگرام کے تحت ختم کرنے کے منصوبہ کے نتائج سب کے سامنے ہیں۔ صہیونیّت کی گرفت روس' امریکہ اور برطانیہ میں بھی یکساں قوّت کے ساتھ موجود ہے۔ یہ گرفت اتنی مضبوط اور ہمہ گیر ہے کہ ان ممالک کے غیر یہودی تقریباً لاچار اور بے بس ہیں۔

1789ء میں امریکہ کے عالمی شہرت یافتہ سائنس دان اور مفکّر بنجامن فرینکلن نے امریکی قوم کو یہودی خطرے سے خبردار کرتے ہوئے پیشین گوئی کی تھی۔ ان کی تقریر کے متن کا

ترجمہ قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش ہے۔ یہودیوں کے نقل وطن پر کنونشن میں مخالفت کرتے ہوئے بنجامن فرینکلن نے کہا تھا:

''ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے لئے اندوہناک خطرہ ہے۔ یہ زبردست خطرہ یہودیوں کا ہے' اس لئے کہ ہر اس سرزمین پر جہاں یہودی مستقلاً آباد ہوگئے ہیں وہاں انہوں نے تجارتی ایمانداری کا درجہ گھٹا دیا ہے۔ اور اخلاقی معیار پست کر دیا ہے۔ وہ ان ملکوں میں جذب نہیں ہو پاتے اور تعدّی ان کا شیوہ ہے وہ پوری قوم کا اقتصادی طور پر گلا گھونٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے پرتگال اور سپین میں کیا۔ سترہ سو سال سے زائد عرصہ سے وہ اپنے غمناک نصیبہ پر گریہ وزاری کر رہے ہیں کہ وہ اپنے مادر وطن سے نکال دیئے گئے ہیں۔ لیکن حضرات! اگر مہذّب دنیا انہیں آج فلسطین واپس بھی دیدے تو وہ (یہودی) وہاں واپس نہ جانے کا کوئی عذر تراش لیں گے (یاد رہے کہ یہودیوں کے اسرائیل میں ان کی آبادی بیس لاکھ سے زائد ہے لیکن آج ان کا ہیڈ کوارٹر اسرائیل نہیں' امریکہ ہے) کیوں؟ اس لئے کہ یہودی دوسروں کا خون چوستے ہیں اور دوسروں کا خون چوسنے والوں کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتے وہ آپس میں اس طرح نہیں رہ سکتے کیونکہ وہ دیگر اقوام پر گذر بسر کرتے ہیں۔ اگر آئین کی رو سے یہودیوں کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے خارج نہ کیا گیا تو ایک سو سال کے اندر اندر وہ کم از کم اتنی تعداد میں اس ملک میں پھیل جائیں گے کہ وہ ہم پر حکومت کریں گے اور ہماری طرز حکومت تبدیل کر کے ہمیں تباہ کر دیں گے۔ جس (حکومت) کے لئے ہم امریکیوں نے اپنا

خون بہایا اور جانوں کی' جائیدادوں کی' ذاتی آزادی کے لئے قربانی دی۔ اگر یہودیوں کو خارج نہیں کیا گیا تو دوسو سال کے اندر ہمارے بچے ان کے لئے کھیتوں میں کام کرتے پھریں گے تا کہ ان یہودی مالکوں کی شکم پری کریں' جبکہ یہ یہودی مالک اپنے گھروں میں خوشی وشادمانی سے دولت شماری کرتے ہوئے اپنے ہاتھ ملتے رہیں گے۔ حضرات! میں آپ کو خبردار کرتا ہوں' اگر آپ یہودیوں کو ہمیشہ کے لئے نکال باہر نہیں کریں گے' آپ کی اولاد در اولاد آپ کی قبروں پر لعنت ملامت کرتی رہیں گی۔ یہودیوں کے وہ تصورات نہیں ہیں جو امریکیوں کے ہیں۔ اگر چہ وہ ہمارے ساتھ نسلوں سے رہتے آ رہے ہیں تب بھی تیندوا اپنے دھبے نہیں تبدیل کر سکتا۔ یہودیوں کو از روئے قانون امریکہ سے خارج کر دینا چاہئے۔''

ہٹلر کو یہودیوں کی نسل کشی کا جنون بلاوجہ نہ تھا۔ فرانس کے بادشاہ نپولین سوم نے ملکوں اور قوموں کو خبردار کرتے ہوئے کہا تھا:

''ہمیں اپنے آپ کو دھوکہ میں نہیں رکھنا چاہئے' دنیا خفیہ جماعت کے اشاروں پر گھوم رہی ہے۔''

یہ اشارہ یہودیوں کی صہیونی تحریک کی طرف تھا۔ یہودی نژاد انگریز سیاست دان بنجامن ڈزرائیلی جس نے سترہ سال کی عمر میں تبدیلی مذہب کا ڈرامہ کھیلا جس کا عنوان ''دھوکہ اور فریب'' ہی ہوسکتا ہے۔ اس نے اپنی بارآور سیاسی زندگی میں برطانیہ میں یہود نواز اور مسلم کُش پالیسی اختیار کی۔ برطانیہ کی وزارت عظمیٰ تک پہنچا اور اپنے اقتدار اور اثر کی بدولت برطانیہ میں یہودیوں کو رکن پارلیمان بننے کا حق دلوایا جبکہ انہیں پہلے یہ حق حاصل نہ تھا۔ اس کی

پوری زندگی مکر، فریب اور ریاکاری سے عبارت تھی۔ ڈزرائیلی جو تبدیلی مذہب کے باوجود اول تا آخر یہودی الاصل تھا، اس نے ۱۸۴۴ء میں کہا تھا کہ:

''دنیا کی سیاسی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں ہے، جن کے ہاتھوں میں دکھائی دیتی ہے، دنیا کی سیاسی رہنمائی کچھ اور لوگ کر رہے ہیں اور یہ لوگ ہیں (یہودی) جو خزانوں کے پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں''۔

اوڈیساروس کالیونپکر نامی ایک یہودی طبیب جو کہ صہیونیت کے ابتدائی بانیوں میں سے تھا، اپنی کتاب 'آٹوسینسی پیشن'' میں یوں رقمطراز ہے:

''یہودیوں کی ہیئت اور طرز اقوام عالم کے درمیان جن میں وہ رہتے ہیں، سب سے جداگانہ اور نمایاں عنصر ہے، جسے کوئی بھی ملک اور قوم اپنے میں مدغم نہیں کر سکتی''۔

ہمارا یہ ایمان اور ایقان اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر راسخ ہے کہ

" یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو"۔ (سورۃ التوبہ آیت ۳۲)

جارج واشنگٹن جو امریکہ کے پہلے صدر رہ چکے ہیں انہوں نے اپنے ملک میں یہودیوں کی زیر زمین تحریک اور ان کے عزائم کی نسبت خود یہ فرمایا تھا:

''ہمارے دشمنوں کی فوج سے زیادہ موثر طریقہ پر یہودی ہمارے خلاف کارفرما ہیں اور وہ ہماری آزادی کے دشمنوں کے مقابلہ میں کئی سو گنا خطرناک ہیں۔ مجھے یہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے اس کا احساس ہی نہیں

کیا۔ یہ ہمارے معاشرے کا گھن ہیں اور ہماری خوشیاں اور سکون لوٹنے والے سب سے بڑے قزاق ہیں''۔

امریکہ میں یہودیوں کی تعداد کل آبادی کا تین فیصد (۳%) ہے' یا یوں سمجھئے کہ ان کی تعداد تقریباً چھ ملین ہے لیکن اپنی آبادی کے تناسب کے اعتبار سے قانون' سائنس' ادویات اور نفسیات وغیرہ کے محکمہ جات میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے' امریکہ میں ان کے ۲۸۱ قومی ادارے ہیں اور ۲۵۱ فیڈریشن کونسل یا ایسوسی ایشن ہیں۔ جو شب و روز اسرائیلی فنڈ جمع کرتے رہتے ہیں اور اپنے شہری و سیاسی حقوق کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل رہتے ہیں اور سب سے بڑھ کر انہی بڑے یہودی اداروں کے سربراہوں کی ایک مجلس / ایسوسی ایشن ہے جو امریکہ کے صدر اور کانگریس کے اراکین کو متاثر کرتی رہتی ہے اور مشرق وسطیٰ کے معاملات میں امریکی جھکاؤ اسی لئے یہودیوں کی طرف رہتا ہے۔ علاوہ ازیں جہاں تک ابلاغ عامہ کا تعلق ہے اس پر کلیتاً یہودیوں کا کنٹرول ہے۔ ٹیلی ویژن کی تینوں کمپنیوں یعنی اے بی سی (ABC) سی بی اے (CBA) اور این بی ایس (NBS) CNN اور FOX پر انہی کا کنٹرول ہے۔ جس کے سربراہ اور انچارج یہودی ہیں۔ اس کے علاوہ امریکہ سے تقریباً ۱۷۶۰ اخبارات' جرائد اور رسائل شائع ہوتے ہیں۔ جن کی تعداد ۶۲ ملین ہے' جن کی نصف تعداد یہودیوں کی ملکیت ہے۔ ان میں عالمی شہرت یافتہ واشنگٹن پوسٹ' نیویارک ٹائمز اور نیوز ویک جیسے مشہور اخبارات و جرائد شامل ہیں۔ بقایا نصف پر بھی ان کا بالواسطہ طور پر اثر و نفوذ ہے۔ کیونکہ وہ بڑے بڑے یہودی اداروں اور بزنس کرنے والوں سے اشتہار دلاتے ہیں' لہٰذا ہر کرایہ پر گانے والی مغنیہ اس کی پسند کے راگ الاپے گی' جس نے اس کی خدمات حاصل کی ہوں گی۔ اس تمام تر امور کا اثر یہ ہے کہ امریکہ کی خارجہ پالیسی اس طرح جوڑی، مُرتب اور تشکیل دی جاتی ہے جس سے

یہودی مفاد وابستہ ہو۔ خواہ اس سے امریکی مفاد کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچے۔ امریکہ میں لاکھوں یہودی ووٹروں کو خوش کرنے کے لئے امریکی صدر پالیسی مرتّب کرتے ہیں' جو صہیونیّت نواز ہو۔ چونکہ امریکہ میں لاکھوں عرب آباد نہ ہیں جن کے ووٹوں کی انہیں ضرورت پڑے' اس لئے عالم اسلام کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ غور کرے کہ اسے دنیا کی دونوں بڑی سپر طاقتوں یعنی روس اور امریکہ جو صہیونیّت کے زیر اثر ہیں۔ ان سے عرب کا زیا اسلام کے مفاد کے لئے کوئی مدد مل سکتی ہے یا اپنے مسائل کے حل کے لئے ان دونوں میں سے کسی کے حاشیہ بردار (Camp-follower) بننے سے عالم اسلام کے کسی مسئلہ پر ایوارڈ (Award) جو صہیونیّت کے مفاد کے خلاف ہو عالم اسلام کے حق میں کیسے صادر ہو سکتا ہے۔

یہودیوں کا نفسیاتی جائزہ :

نیویارک یا لندن یونیورسٹیوں میں تاریخ اور نفسیات کے علوم کے ماہرین جن کی اکثریّت یہودی نسل ہے' نے یہودیوں کے قومی جنون اور جبلّی وحشت کا نفسیاتی جائزہ پیش کیا ہے۔

اس اہم جائزے میں ذہنی اعتبار سے یہودیوں کو تین طبقات میں منقسّم کر کے ان کا نفسیاتی تجزیہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان کی نئی نسل کا مزاج روایتی یہودیوں سے کسی حد تک مختلف ہے۔ اس کا جائزہ ایک عربی صحافی نے انہی ماہرین نفسیات کے تحریری حوالہ جات سے لیا ہے جو درج ذیل ہے:

1۔ ۱۹۳۵ء میں جیوبالجیکی نے ایک اہم کتاب لکھی جس کا نام تھا "اسرائیلی اپنے وطن کی طرف لوٹ رہے ہیں"۔ اس کے مطابق ان کی جمعیّت کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بکھر جائے گی لیکن ان کی قوّت مرکزی طور پر ان ساری ریاستوں پر حاوی ہوگی۔ وہ مختلف ممالک

میں اور انسانی معاشرہ کے مختلف طبقوں میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کی کوشش کریں گے' ان کے یہ خواب شرمندہ تعبیر تو نہ ہوں گے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ ہمیں اسی راہ پر لئے جا رہے ہیں۔

2۔ اسی طرح ایک دوسرے یہودی مصنف ڈاکٹر ہائم وائزمین نے القدس کے اصول اور تہذیب وتمدّن پر کتاب لکھتے ہوئے یہودیوں کے ارتقاء کا ایک باب بھی رقم کیا ہے اور اس نے یہ لکھا ہے کہ ہم نے لندن کے ارباب اختیار سے یہ کہہ دیا ہے کہ تم چاہو یا نہ چاہو لیکن ہمیں بہرحال فلسطین میں آباد ہونا ہے تمہارے لئے مناسب تو یہی ہوگا کہ تم سیاسی طور پر ہمارے ساتھ تعاون کرو ورنہ ہماری بڑھتی ہوئی قوّت ساری دنیا کے امن وسکون کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دے گی۔

3۔ اسکندریہ کے ایک تاجر کے بارے میں ایک مصنّف لکھتا ہے کہ اس سے گفتگو ہوئی تو اس نے بتایا کہ ہم لوگ سارے عالم میں پھیل رہے ہیں' خواہ اس سلسلہ میں ہمیں خونریزی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ یتیموں کا مال لوٹنا پڑے یا جو کچھ بھی کرنا پڑے' یہ چیز ہم لوگوں کی گھٹیوں میں پڑی ہوئی ہے اور کبھی اس میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوسکتا۔

4۔ ماہرین نفسیّات اس بات پر متفق ہیں کہ یہودیوں کے تین ذہنی عوامل بڑی اہمیت رکھتے ہیں:

۱۔ توراۃ جس کی تحریف مسلّم ہے۔

۲۔ تاریخی طور پر ان کے شیرازے کا ہمیشہ کے لئے بکھر جانا۔

۳۔ شرپسندی اور فتنہ انگیزی۔

یہ وہ عوامل ہیں جو ہر یہودی کے لئے جبلّی حیثیّت رکھتے ہیں۔

5۔ ایک امریکن لیڈی ڈاکٹر کے مطابق حقیقت یہ ہے کہ اضطراب' شک' خوف' احساس کمتری' غیر یہودیوں پر عدم اعتماد اور اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی کوششوں کا دوسرا نام یہودیت ہے اور وہ یہودی ہو نہیں سکتا جس میں یہ خصوصیتیں نہ پائی جاتی ہوں۔

6۔ شخصی اور نفسی اعتبار سے یہودیوں کی تین قسمیں ہیں ایک قسم تو وہ ہے جو سیرت و مزاج کے اعتبار سے اسرائیلی روایات کا حامل ہے لیکن وہ اسرائیل سے باہر ہے۔ یہودیوں کا دوسرا گروہ وہ ہے جو فلسطین میں پیدا نہیں ہوا۔ اور تیسرا گروہ وہ ہے جو فلسطین میں پیدا ہوا اور صابرا کے مغربی خطہ میں رہتا ہے۔ پہلا گروہ تو اپنے تک اضطراب' خوف اور احساس کمتری سے پہچانا جاتا ہے' جبکہ بقیہ دونوں گروہ اپنے ذہنی جنون اور شر انگیزی کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔

7۔ پروفیسر رابسن کا کہنا ہے کہ یہودی دوسروں پر بہتان تراشی کرتے ہیں' دوسروں پر زیادتی کا الزام عائد کرتے ہیں۔ قانونی نکات میں ڈوب کر فریب و حیلہ تراشی کا جواز تلاش کرتے ہین اور ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہتے ہین کہ اپنے شور و ہنگامہ سے دنیا کو یہ باور کرائیں کہ دوسری اقوام انہیں اپنے ظلم و ستم کا ہدف بنا رہی ہیں اور ان کی چیخ و پکار اسی ظلم و ستم کا نتیجہ ہے۔ نفرت ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ یہودیوں کا انتشار فلسطین کے فتنہ و فساد کی وجہ سے نہیں ہے' بلکہ ان کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ وہ خود روئے زمین پر پھیلنا چاہتے ہیں اور انہیں کہیں قرار نہیں ملتا۔ اب وہ بغیر کسی خوف کے ساری دنیا میں صہیونیت پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں۔

8۔ صدیوں سے یہودیوں کے ہاں مذہبی افتراق کی وجہ سے مذہب کی جو ایک خاص ظاہری شکل بن گئی تھی اور ان کے علماء کی قانونی موشگافیوں سے ایک لمبا چوڑا فقہی نظام بن گیا تھا

لیکن اُن فروعی معاملات کی چھان بین کی جائے تو ثابت ہوگا کہ ان کی اس تمام مذہبی شرّع کے نیچے بالعموم اور بالخصوص یہودیوں کے بڑے بڑے دین دار مذہبی پیشوا لوگ' تنگ دل' حریص' بخل' حق پوشی اور حق فروشی کے عیّوب چھپائے ہوئے تھے جبکہ رائے عامہ ان کو نیک سمجھتی تھی۔ اس طرح موجودہ دور کی صہیونی نسل پرستی میں وہ تمام عوامل و خواص پائے جاتے ہیں جو ان کے اسلاف اور مذہبی پیشواؤں میں موجود تھے۔

''ڈیاسپورا'' ان یہودیوں کا نام ہے جو اسرائیل سے باہر پیدا ہوئے ہیں۔ یہ ایک ایسا نام ہے جس میں معصیّت شرمندگی' تعریف، محبّت، غصہ اور خوف کے جذبات کا ایک ایسا امتزاج ہے جس کی طاقت اور طنز کی ملی جلی کیفیّت کو صرف ایک یہودی ہی محسوس کر سکتا ہے جس نے اسرائیل میں رہنے والے اور ''ڈیاسپورا'' میں جذباتی اور سیاسی کشیدگی پیدا کر دی ہے۔ اب اسرائیل کے اندرونی خلفشار نے ملک کے سابقہ اتحاد اور اجتماعیّت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اب اسرائیلی یہ سوچتے ہیں کہ ان کی حکومت کس سمت میں ان کو گھسیٹ رہی ہے۔ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ صہیونیّت کے رہنماؤں کو کیا ہو گیا اور اب وہ کس قسم کی قوم بننا چاہتے ہیں۔ ایک مغربی اخبار نویس کے تجزیہ کے مطابق اسرائیل ڈیاسپورا کے لئے سب سے اہم کام یہ ہے کہ تحقیق کر کے یہ پتہ چلایا جائے کہ ۱۹۸۳ء کا صہیونی کیا ہے؟ اسرائیل کے خلاف اندرون ملک اور بیرون ملک ڈیاسپورا یہودیوں میں زبردست غم و غصہ پایا جاتا ہے۔ یہودیوں میں اتنا پچھتاوا اور افراتفری کا عالم پہلے کبھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ دکانوں' بسوں' کافی ہاؤس' نجی مکانات' پبلک ہال' میٹنگوں اور مظاہروں میں اس موضوع پر متواتر بحث و مباحثہ ہو رہا ہے۔ غالباً اس وقت اسرائیل اپنی بدترین تاریخ سے گزر رہا ہے۔ یہ بحران جو لبنانی جنگ سے اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گیا۔ اب یہودیوں اور صہیونیّوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ بن گیا ہے کہ نئے حالات کا مقابلہ کس طرح کیا

جائے۔ یہ ۱۹۳۸ء نہیں بلکہ اکیسویں صدی ہے۔ ۱۹۳۸ء میں اسی فیصد یہودیوں کو انقطاعِ نسل کا خدشہ لاحق تھا۔ لیکن اب دنیائے یہودیّت کے حالات بدل چکے ہیں۔ پروگراموں کے پرانے فارمولے فرسودہ ہو چکے ہیں۔ اب اسرائیل کے اندر نئے خیالات اور نئے لیڈروں کے نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ بیس سال قبل یورم جو کہ ایک اسرائیلی فوجی افسر تھا' امن پر یقین رکھتا ہے' اس کا مشن صفِ اوّل میں لڑنا تھا۔ یورم کا کہنا تھا:

''اسرائیل امن پسند نہیں بن سکتا۔ یہ ایک ایسی عیاشی ہے جس کو ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر ہم یہ خیال کریں کہ جنگ ناحق لڑی جا رہی ہے تو پھر بھی ہمیں لڑنا پڑے گا۔ اگر ہمیں شکست ہوگئی تو ملک ہاتھ سے نکل جائے گا' اس وجہ سے ہمیں اپنا فرض ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور ہمارا فرض یہی ہے کہ ہم جنگ کرتے رہیں''۔

اسرائیل کا قیام عمل میں آتے ہی سیاسی فلسفی تھیوڈر ہرزل نے کہا کہ اسرائیل بطور ایک محفوظ ملک اُسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے کہ یہ خالصتاً یہودی مذہب کے حامل لوگوں سے آباد، اور اُس کی قدرتی سرحدیں دریائے اُردن، گولان کی پہاڑیوں اور نہر سویز ہوں۔ 1949ء میں اسرائیل کے قیام کے ساتھ ہی ساڑھے سات لاکھ فلسطینیوں کو ملک سے باہر دھکیل دیا گیا جو اُردن اور لبنان میں خیمہ زن ہونے پر مجبور ہو گئے۔

یورم اسرائیلی فوجی افسر کہتا تھا کہ ''ہم ''ڈیاسپورا'' یہودیوں کے محافظ ہیں۔ ہم ان کے پنشن یافتہ بزرگ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیں روپیہ بھیجتے ہیں کیونکہ ایسا کرنے سے ان کے ضمیر کو آسودگی حاصل ہوتی ہے' اگر ان کے ملک میں ان کے ساتھ کوئی دھوکا ہو جائے تو وہ یہاں آ سکتے ہیں۔ (واپسی کے قانون کے مطابق ہر یہودی اسرائیل کی شہریت کا حق دار ہے)

اسرائیلی ریاست کا قیام توراۃ سے بغاوت ہے :

معروف یہودی اسکالر ڈاکٹر ایلمر بلجز نے اپنے تحقیقی مضمون " کیا اسرائیل بائیبل کی پیشین گوئیوں کی تکمیل ہے "میں رقمطراز ہے کہ

"یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ کوئی پکّا مذہبی یہودی یہ نہیں مانتا کہ موجودہ اسرائیلی

ریاست جس طریقہ سے معرضِ وجود میں آئی ہے وہ بائیبل کے احکامات سے ذرّہ بھر بھی

مطابقت رکھتی ہے"۔

یہودی اپنے مذہبی رہنماؤں کو ربی (Rabbi) کے لقب سے پکارتے ہیں ۔ اسرائیلی پارلیمنٹ میں جن کی نمائندگی ہے جو مذہبی رجعت پسند افراد ہیں، ان کے علاوہ رہائی وائز (RHI-WEISS) کا بھی ایک قدامت پسند یہودی تحریک NETUREI KARTA سے تعلّق ہے اس کا موقف الجزیرہ ٹی وی پر سال 2002ء میں نشر ہوا جس میں اس نے تاریخی حوالہ جات دیتے ہوئے قرار دیا کہ اسرائیلی ریاست کا قیام توراۃ کی الہامی ہدایات سے متصادّم ہے ۔توراۃ کے مندرجات کے مطابق یہودیوں کی فوج کو خدا کی جانب سے اس کرّہ ارض پر سرزمین عطا کی گئی اور انہیں حکم الٰہی تھا کہ جو خدا اور اس کے فریستادہ پیغمبروں کی نافرمانی کرے اسے اس سرزمین سے نکال دیا جاوے اور اس بات کی تصدیق اللہ کے پیغمبران نے اس طرح کی کہ ہماری قوم کو نافرمانیوں کے نتیجے میں اس سرزمین سے باہر نکال دیا گیا۔اس بات کو ہر یہودی جانتا ہے اور جو اسے اپنی دعاؤں میں بھی دہراتے ہیں کہ انہوں نے خدا کی اس سزا کو قبول کرتے ہوئے یہ عہد کیا کہ وہ دوسری اقوام کے درمیان سکونت اختیار

کریں گے اور کبھی اپنا علیحدہ ملک نہ بنائیں گے۔ کیونکہ توراۃ میں اس کی سخت ممانعت کی گئی تھی ۔ یہ خیالات اس وقت تک رائج رہے جب صہیونیت (Zionism) اور اصلاحی (Reformist) تحریک نے یہودیوں کی بُری حالت دیکھی تو بجائے اس کے کہ وہ اسے خدا کی جانب سے سزا سمجھ کر توبہ کرتے جیسا کہ توراۃ میں ہدایت دی گئی تھی انہوں نے صہیونیت کی بنیاد ڈال دی ۔ مذکورہ بالا اکابرین کا مؤقف ہے اسرائیل ایک غیر الٰہی (عدم خدا ۔ Godless) ریاست ہے جس کا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں اور اس طرح وہ احکامات الٰہیہ کی حکم عدولی کے سبب دہریئے (Atheist) کہلائے۔ پہلی جنگ عظیم سے قبل یہودیوں کی اکثریت اسرائیلی ریاست کا قیام نہیں چاہتی تھی بلکہ اس کے خلاف مزاحمت کرتے تھے کیونکہ یہودیوں کی اکثریت جانتی تھی کہ صہیونیت کے علمبردار نام نہاد یہودی خدا کے احکامات سے بغاوت کرتے ہوئے اسرائیلی ریاست کے قیام کی تحریک چلا رہے ہیں۔ مذہبی راہنماؤں (Rabbis) کی اکثریت عام یہودیوں کو متنبّہ کر رہی تھی کہ اسرائیلی ریاست کا قیام یہودیت کو تباہ کر دے گا اور اسے ان کے روحانی مذہب سے ایک ریاست اور اس ریاست کو ایک سیکولر معاشرہ میں تبدیل کر دے گا۔ اس پس منظر میں رہائی وائز نے کہا کہ ہمارا مطالبہ ہے کہ اسرائیلی ریاست کو جلد از جلد پر امن طریقہ سے ختم کر دیا جائے تا کہ کُشت وخون کے بغیر یہ مرحلہ مکمل ہو سکے اور یہ ہم چاہتے ہیں کہ توراۃ کے اصولوں کے مطابق ہم (یہودی) فلسطینیوں کے زیر تسلّط رہیں اور ہم (یہودی) اعلان کرتے ہیں کہ اس سلسلہ میں اس وقت تک کوئی کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی جب تک اسرائیلی ریاست جو صہیونیت کی آماجگاہ ہے ختم نہیں ہو جاتی

۔

رہائی وائز نے یقین کے ساتھ اپنے مذکورہ ٹی۔وی انٹرویو میں واضح مؤقف دہرایا کہ

اسرائیلی ریاست ختم ہو جائے گی کیونکہ یہ خدا کی مخالفت پر مبنی ہے۔ ہم (اصل یہودی) یہ چاہتے ہیں کہ فلسطینی لوگ فلسطین کی سرزمین پر حکومت کریں اور ہم اسرائیل کے بجائے مسیحا کا انتظار کریں۔

یہود اور غیر یہود کا تعلق:

ا۔ یہ محض یہود عوام کا جاہلانہ خیال نہ تھا بلکہ ان کے ہاں کی مذہبی تعلیم بھی یہی کچھ تھی اور ان کے بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کے فقہی احکام ایسے ہی تھے۔ بائبل' قرض اور سود کے احکام میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان صاف تفریق کرتی ہے۔ [استثناء ۱۵:۱ ۔ ۳۔۲۳:۲۰] تلمود میں یہود اور غیر یہود کے مابین فرق کی نسبت درج ذیل اصول قوم کو دیئے گئے:

1۔ اگر اسرائیلی کا بیل کسی غیر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں مگر غیر اسرائیلی کا بیل اگر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کرے تو اس پر تاوان عائد ہوگا۔

2۔ اگر کسی شخص کو کسی جگہ کوئی گری پڑی چیز ملے تو اسے دیکھنا چاہئے کہ گردوپیش آبادی کن لوگوں کی ہے' اگر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے اعلان کرنا چاہئے' غیر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے بلا اعلان وہ چیز رکھ لینی چاہئے۔

3۔ ربی اشماعیل کہتا ہے کہ اگر امی اور اسرائیلی کا مقدمہ قاضی کے پاس آئے' تو قاضی اگر اسرائیلی قانون کے مطابق اپنے مذہبی بھائی کو جتوا سکتا ہو تو اس کے مطابق جتوائے اور کہے کہ یہ ہمارا قانون ہے اور اگر امیوں کے قانون کے تحت جتوا سکتا ہو تو اس کے تحت جتوائے اور کہے کہ یہ تمہارا قانون ہے۔ اور اگر دونوں ساتھ نہ دیتے ہوں تو پھر جس حیلے سے بھی وہ اسرائیلی کو کامیاب کرا سکتا ہو کرے۔

4۔ ربی شموائل کہتا ہے کہ غیر اسرائیلی کی ہر غلطی سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

(تالمودک مسیلنی پال آئزک ہرمشون لنڈن ۱۸۸۰ء ص ۳۷۔۲۱۰۔۲۲۱)

II- یہودیوں کی بنیادی کتاب موسومہ بیبی لونین تالمود (The Babylonian Talmud) میں صہیونیت کے درج ذیل بنیادی اصول متعین کئے گئے ہیں جس پر عمل کرنا اہل یہود پر لازم ہے:

1۔ اگر کوئی غیر یہود کسی دیگر غیر یہود (گوئم) کو قتل کرے یا کوئی گوئم (غیر یہود) کسی یہودی کو قتل کر دے تو اس کی سزا موت ہے۔ لیکن اگر یہودی کسی غیر یہود (گوئم) کو قتل کرے تو اسے سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔ (Sanhedrin 57.a)

2۔ کسی گوئم (غیر یہود) کو قتل کرنا کسی جنگلی جانور کو مار دینے کے مترادف ہے۔

(Sanhedrin 59.a. Deleted in the Soncino Englis Version)

3۔ غیر یہود (گوئم) کی بہترین شخصیت کو قتل کرنا چاہئے۔

(Abodah Zara 26b. Tosefoth which is official Edditic of Talmud.)

4۔ عیسائیوں کی نسل کشی قربانی کے لئے ضروری ہے۔ (Zohar, Shemoth)

5۔ عالمی سطح پر مستقبل کی دنیا میں اہل یہود کو اپنا موثر کردار ادا کرنا ہے۔ گوئم (غیر یہود) کو آخرت میں ڈومافرشتہ کے سپرد کر دیا جائے گا تا کہ انہیں دوزخ میں جھونک دیا جائے۔

(Ibid-Toldoth Noah and Lekh Lekha)

6۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اعلیٰ ترین گوئم (بہترین غیر یہود شخصیت) کو قتل کرنا ضروری ہے۔

(Ibid Vaikra Rabba

14b.)

III- ۱۹۵۲ء میں مورس این کرٹزر ربی (Rabbi Moris N.Kertzer) نے اپنے تحقیقی مقالہ ''یہودی کیا ہے؟'' میں بیبی لونین تالمود (Babylonian Talmud) کو ایسا ضابطہ قرار دیا جو یہودیوں کے مذہبی قوانین کی بنیاد ہے۔ اسی طرح ربی مائیکل راڈکنسن نے تالمود کے امریکن ایڈیشن کا دیباچہ لکھتے ہوئے قرار دیا کہ یہ ماڈرن صہیونیت کا شاہکار ہے اس میں مندرجہ ذیل چند بنیادی ضوابط جو، ان کے قانون شرعیہ کی اساس ہیں یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

1۔ جو غیر یہود تالمود کا جائزہ لے یا پڑھے پڑھائے تو اس کی سزا موت ہے۔ کیونکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ وہ ہمارا ورثہ ہے نا کہ کسی غیر یہود کا۔ (Sanhedrin 59a.)

2۔ کسی غیر یہود کو اپنے مذہب کے بنیادی اصولوں سے آگاہ کرنا جملہ یہودیوں کو قتل کر دینے کے مترادف ہے' کیونکہ اگر غیر یہود کو یہ پتہ چل جائے کہ ہم ان کی نسبت کیا تبلیغ کرتے ہیں تو وہ ہمیں سر عام قتل کر دیں گے۔ (Libbre David 37)

3۔ آدم نے ہر درندہ اور جانور سے بدفعلی کی لیکن حوا کے آغوش میں آنے تک اس کی تسلی نہ ہوئی۔ (Yebhamoth 73a.)

4۔ زنا' یا غیر فطری جنسی فعل (Homo - Sexual & Buggery) کسی مرے ہوئے عزیز سے بھی جائز ہے' خواہ وہ مرد و زن' مجرد ہو یا شادی شدہ جو فوت ہو گیا ہے۔

(Yebhomoth 55b.)

5۔ جب کوئی بڑی عمر کا شخص کسی چھوٹی بچی کے ساتھ زنا یا غیر فطری فعل کا ارتکاب کرے تو اس میں کوئی ہرج نہیں، خواہ وہ بچی تین سال سے کم اور لڑکا نو سال سے کم عمر کا ہو۔

(Kethuboth 11b.)

6۔ اگر کوئی شخص کسی فاحشہ عورت کو اپنے کتّے کے ساتھ بدفعلی کرانے کے لئے رقم دیتا ہے تو یہ فعل قانونی بدکاری کے ذمرہ میں نہ آتا ہے۔ ایک فاحشہ کو معاوضہ پر حاصل کرنا زنا یا غیر فطری فعل کرنے کے لئے جائز ہے۔ (Sotah 26b & Abodah Zara 62b)

7۔ عیسائی جو اہل یہود کے پرستار ہیں اور عالمی سطح پر ہمنوا ہیں انہیں شاید معلوم ہو کہ تالمود میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی بابت ان کی یہ رائے ہے کہ:

''حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اپنے گدھے کے ساتھ بدفعلی کی..... عیسیٰ دوزخ میں ہے جس کو منی کے کھولتے ہوئے پانی میں ابالا جا رہا ہے..... اسی طرح عیسائیوں کو ابالا جانا ہے"۔

(Sanhederin-105 a-b Gittin 57 a.)

8۔ اہل یہود دوسروں کو بے وقوف بنا سکتا ہے اور انہیں دھوکہ دے سکتا ہے۔ (Yore Deah 157- 2)

9۔ ایک یہودی کو زنا بالجبر کرنے، دغابازی کرنے اور دروغ گوئی کی عام اجازت ہے لیکن اس کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ اس کا فعل ظاہر نہ ہوتا کہ اسرائیل کو اس کا نقصان نہ پہنچے۔

(Choshen 183-1

and 266:1)

صہیونیّت اور عیسائیّت بمقابلہ اسلام:

یہودیوں کیلئے کرّہ ارض پر اپنی عالمی حکومت قائم کرنے اور خود کو دنیا کی افضل ترین قوم ثابت کرنے کے راستہ میں دو بڑے مذاہب کے پیروکاروں کی اکثریّت رکاوٹ کا باعث بن رہی ہے اور وہ دونوں بڑے عالمی مذاہب عیسائیّت اور اسلام ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کی طرح عیسائی بھی یہودیوں سے نفرت کرتے تھے۔ عیسائیوں کے یہودیوں سے نفرت کرنے کے درج ذیل اسباب تھے:

1۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو الٰہ اور ابن اللہ اس وجہ سے سمجھا تھا کہ ان کی پیدائش غیر فطری صِنفی مواصلت یعنی بغیر باپ کے ہوئی تھی۔ یہودیوں نے حضرت مریمؑ پر الزام بھی اس وجہ سے لگایا کہ سب کے سامنے یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک لڑکی غیر شادی شدہ تھی۔ اور اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ اسی لئے انہیں مسیحؑ ابن مریمؑ کہا جاتا ہے' کیونکہ وہ کسی مرد یا والد سے منسوب نہ ہو سکتے تھے لیکن یہودیوں نے اسے قدرت الٰہی کا کارنامہ کبھی تسلیم نہ کیا' اس لئے عیسائیوں اور بنی اسرائیل میں باہمی مذہبی مناقشت رہی۔

2۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اپنے وطن ناصرہ سے اپنی دعوت کا آغاز کیا تو ان کے اپنے ہی بھائی بند اور اہل شہر ان کی مخالفت کے لئے کھڑے ہو گئے' اس پر متی' مرقش اور لوقا تینوں کی متفقہ روایّت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''نبی اپنے وطن میں مقبول نہیں ہوتا''۔

اور جب یروشلم میں ان کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں اور لوگوں نے ان کو مشورہ دیا

کہ آپ کہیں اور چلے جائیں تو انہوں نے جواب دیا:

''ممکن نہیں کہ نبی یروشلم سے باہر ہلاک ہو''۔ (لوقا ۱۳: ۲۳)

آخری مرتبہ جب وہ یروشلم میں داخل ہو رہے تھے تو ان کے شاگردوں نے بلند آواز سے کہنا شروع کیا.....

''مبارک ہے وہ بادشاہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے''۔

اس پر یہودی علماء ناراض ہوئے اور انہوں نے حضرت مسیحؑ سے کہا کہ آپ اپنے شاگردوں کو چپ کرائیں' اس پر آپ نے فرمایا:

''اگر یہ چپ رہیں تو پتھر پکار اُٹھیں گے''۔ (لوقا ۱۹: ۳۸ تا ۴۰)

3۔ یہودی علماء نے اعتراض کیا کہ آپ کے شاگرد بزرگوں کی روایت کے خلاف ہاتھ دھوئے بغیر کھانا کیوں کھا لیتے ہیں؟ اس پر حضرت مسیحؑ نے فرمایا کہ تم ریاکاروں کی حالت وہی ہے جس پر یسعیاہؑ نبی کی زبان سے طعنہ دیا گیا ہے کہ.....

''یہ امت زبان سے تو میری تعظیم کرتی ہے' مگر ان کے دل دور ہیں کیونکہ یہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں''۔

پھر حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ.....

''تم لوگ خدا کے حکم کو تو باطل کرتے ہو اور اپنے گھڑے ہوئے قوانین کو برقرار رکھتے ہو۔ خدا نے توریت میں حکم دیا تھا کہ ماں باپ کی عزّت کرو اور جو کوئی ماں باپ کو برا کہے وہ جان سے مارا جائے مگر تم کہتے ہو کہ جو شخص اپنی ماں یا باپ سے کہہ دے کہ میری جو خدمات تمہارے کام آ سکتی تھیں' انہیں میں خدا کی نذر کر چکا ہوں۔ اس کے لئے بالکل جائز ہے کہ پھر ماں باپ کی

خدمت نہ کرے"۔ (متی ۱۵: ۳ تا ۹، مرقس ۷: ۵ تا ۱۳)

4۔ چونکہ بنی اسرائیل صدیوں سے مسلسل نافرمانیاں کئے جا رہے تھے۔ بار بار کی تنبیہوں اور فہمائشوں کے باوجود ان کی قومی روش بگڑتی چلی جا رہی تھی۔ پے در پے کئی انبیاء کو قتل کر چکے اور ہر اس بندہ صالح کے خون کے پیاسے ہو جاتے تھے جو نیکی اور راستی کی طرف انہیں دعوت دیتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر حجّت تمام کرنے کے لئے اور انہیں آخری موقع دینے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور حضرت یحییٰ علیہ السّلام جیسے دو جلیل القدر پیغمبروں کو بیک وقت مبعوث کیا' جن کے ساتھ مامور من اللہ ہونے کی کھلی نشانیاں تھیں جن سے انکار عبث تھا۔ مگر بنی اسرائیل نے اس آخری موقع کو بھی ہاتھ سے کھو دیا۔ اور صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ ان دونوں پیغمبروں کی دعوت رد کر دی بلکہ ان کے ایک رئیس نے علی الاعلان حضرت یحییٰ علیہ السّلام جیسے بلند پایہ نیک انسان کا سر ایک رقاصہ کی فرمائش پر قلم کر دیا اور ان کے علماء و فقہاء نے سازش کر کے حضرت عیسیٰؑ کو رومی سلطنت سے سزائے موت دلوانے کی کوشش کی۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے مزید وقت و قوت صرف کرنا فضول تھا' اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو واپس بلا لیا اور قیامت تک کے لئے بنی اسرائیل پر ذلّت کی زندگی کا فیصلہ مسلّط کر دیا۔

5۔ دو ہزار سال سے یہ امر ایک مسلمہ حقیقت رہی ہے جس کا اندراج عیسائیوں کی الہامی کتب یعنی چاروں انجیلوں میں تھا کہ حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے صلیب پر چڑھا کر قتل کیا تھا' اس لئے عیسائیت کے پیروکاروں کے ذہنوں سے یہودیوں کی نسبت نفرت و حقارت ختم کرنے اور انہیں اپنا مطیع اور آلہ کار بنانے کے لئے بڑی بڑی عالمی عیسائی طاقتوں کو زیر اثر کر لیا۔ جس کے بعد مذکورہ بالا مسلمہ حقیقت کو مسخ کرنے کے لئے عیسائیت کو کنٹرول

کرنے والی پادریوں کی اعلیٰ کلیسا کونسل میں یہودیوں نے اپنے نامزد نمائندے منتخب کرائے تا کہ اس کونسل کی اکثریّت صہیونیّت نواز افراد پر مشتمل ہو جائے' جب یہودی اس مقصد میں کامیاب ہو گئے تو نائبِ مسیحؑ پاپائے روم سے مطالبہ کیا کہ وہ حضرت مسیحؑ کو سولی پر چڑھائے جانے کے الزام سے یہودیوں کی بریّت کا اعلان کریں۔ اور اس تاریخی حقیقت کو انجیل مقدّس کے اوراق سے حذف کئے جانے کا مطالبہ کر دیا' جس پر نومبر ۱۹۶۴ء میں رومن کیتھولک کلیسا کی کونسل کی اکثریّت کے ووٹوں سے یہودیوں کے مطالبہ کو تسلیم کئے جانے کے فیصلہ کی توثیق کر دی کہ مسیحؑ کو یہودیوں نے سولی پر نہ چڑھایا تھا۔ اس کے بعد اس واقعہ کو انجیل مقدّس کے صفحات سے حذف کرا دیا' حتیٰ کہ دنیا میں اس کی تشہیر اور عیسائیوں کی آئندہ نسلوں کے ذہن کو ترمیم شدہ انجیل مقدّس کے مطابق ہموار کرنے کے لئے کروڑوں روپیہ کے یہودی سرمایہ سے بن حر (Ben-Hur) نامی مشہور زمانہ فلم تیار کی گئی۔ اس طرح عیسائیّت نے صہیونیّت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ جس کے بعد صہیونیّت نے دنیا کے سب بڑے مذہب عیسائیّت کو اپنا آلہ کار بنا لیا تا کہ مذہب اسلام کے خلاف مشترکہ محاذ بنایا جا سکے۔ اس لئے اب صہیونیّت کی عالمی حکومت بنانے کے خفیہ عزائم کی تکمیل کے راستہ میں اگر کوئی بڑی رکاوٹ حائل نظر آتی ہے تو وہ صرف مذہب اسلام ہے۔ اسی طرح کی ایک دیگر فلم Ten Comandments میں تاریخی حقائق اور الہامی کتب حتیٰ کہ نبی آخر الزماں ﷺ رنازل ہوئی۔ الہامی کتاب "القرآن" جو من و عن پندرہ سو سالوں سے اپنے نزول کی اصل صورت میں موجود ہے۔ اور جسے اسوقت سے حفاظ سینہ بسینہ اُمّتِ مسلمہ کو منتقل کرتے آئے اور جس کی حفاظت کی یقین دہانی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمّہ لے رکھی ہے۔ اس کی مندرجہ حقیقت سے انحراف کرتے ہوئے حضرت

اسماعیلعلیہ السّلام کے بجائے حضرت اسحاق علیہ السّلام کو ذبیح اللہ قرار دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اللہ کے حکم پر حضرت اسماعیل علیہ السّلام نہیں بلکہ حضرت اسحاق علیہ السّلام کی قربانی دینے کی سعی کی تھی۔

6۔ حال ہی میں صہیونی عناصر نے نام نہاد سائنسی تحقیقات کی آڑ میں اپنی مذموم سرگرمیاں تیز کر دی ہیں اور خود کو پیغمبروں کے قتل کرنے کے الزام سے بریّت کا ایک اور شوشہ چھوڑا ہے اور یہ بات ثابت کرنے کی کوشش شروع کر دی ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی قبر پاکستان کے شہر مری میں موجود ہونا بیان کیا گیا ہے۔

یہ انکشافات بھارت سے شائع ہونے والے ایک جریدے ''انڈیا ٹوڈے'' (India Today) کے ایک شمارے میں کئے گئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں تحقیقی کتاب شائع کرنے کے دعویدار اطالوی صحافی ''کارلو بلڈرینی'' کے انکشافات مسلمانوں کی طرح عیسائیوں کے عقیدے پر بھی حملہ ہیں۔ چند اسرائیلی محققین حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی سری نگر میں واقع قبروں کے بارے میں تحقیقات کرنے کی خاطر چوری چھپے مقبوضہ کشمیر پہنچے تھے۔ اور قادیانی فرقے سے اس قسم کی شہادتیں حاصل کرنے میں مصروف رہے، جن سے یہ بات ثابت کی جا سکے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو یروشلم میں مصلوب نہیں کیا گیا بلکہ ان کی موت سری نگر میں واقع ہوئی تھی۔ یہودی اغلباً قادیانیوں کے تعاون سے کشمیر میں اپنا مشن قائم کر کے پاکستان کے خلاف کوئی نئی سازش کرنا چاہتے ہیں۔ مذکورہ بالا اطالوی صحافی کا دعویٰ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام یروشلم سے ہجرت کر کے ایران اور افغانستان کے بعد پاکستان کے شہر مری کے راستے کشمیر

میں داخل ہوئے تھے' جہاں ان کا وصال ہوا۔ بقول اس کے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے یروشلم سے ہجرت کرنے کے بعد اپنا نام تبدیل کرلیا تھا اور ''یوزاسف'' رکھ لیا تھا۔ جنہوں نے رومی بادشاہوں کے ظلم وستم سے بچنے کی خاطر اپنا نام مشرقی ماحول کے مطابق تبدیل کرلیا تھا۔ کشمیر کی مستند تاریخ کے حوالہ جات کی رو سے سری نگر (کشمیر) کے محلّہ ''خانیار'' میں ایک آستانہ ہے جس مین دو قبریں موجود ہیں' ان کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک حضرت ''یوزاسف'' کی ہے' جو خود کو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا پوتا یا نواسا کہتے تھے۔ دوسری قبر فرزند امام موسیٰ کی ہے۔ یہ آستانہ روضہ حضرت بل کے قریب واقع ہے۔ جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کا موئے مبارک موجود ہے۔ کشمیری تاریخ کے ممتاز مورخ خواجہ محمد اعظم اپنی ''تاریخ اعظمی'' میں مذکور ''یوزاسف'' کے کشمیر میں آنے کے واقعہ کو ایک شہزادہ کی آمد سے تعبیر کیا تھا' لہٰذا ایک بادشاہ زادہ کو کسی طرح بھی حضرت موسیٰ علیہ السّلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام تو قرار نہ دیا جا سکتا ہے۔ ''تاریخ حسن'' کے مصنف پیرزادہ حسن شاہ نے لکھا ہے کہ بقول اہل تشیّع ''یوزاسف'' حضرت امام جعفر صادق کی اولاد میں سے تھے۔ اسی وجہ سے یہاں شیعہ حضرات کی آمد و رفت رہتی ہے۔ قدیم تاریخوں میں اس علاقے میں ایک کشمیری پیغمبر کی خبر کا تذکرہ ملتا ہے جو ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام یا موسیٰ علیہ السّلام نہیں ہو سکتے۔ مرزا غلام احمد قادیانی اپنی نبوّت کا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اس غلط العام روایت کا سہارا لے کر اپنی من گھڑت اور خود ساختہ نبوّت کے اعلان کو اس سے منسلک کر کے استفادہ کرنا چاہتے تھے اور کشمیر کو قادیانی ریاست کا درجہ دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے آزادی کشمیر کی تحریک میں علاّمہ اقبال علیہ الرحمتہ کو بھی شامل کرلیا تھا لیکن جب علامہؒ کو مرزائیوں اور قادیانیوں کے

ناپاک عزائم کا علم ہوا تو انہوں نے اس تحریک سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اس پرانے قضیہ کو اس وقت اٹھایا جانا اس امر کی غمازی کر رہا ہے کہ یہودی' قادیانیوں اور عیسائیوں کی ایماء پر کشمیر میں کوئی خفیہ مشن پاکستان کے خلاف قائم کرنا چاہتے ہیں۔

یہودی نسل پرستوں کی تقسیم و کرسچین / مسیحی مذہب کا اجراء :

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اپنے پیروؤں کا نام کبھی عیسائی یا مسیحی نہ رکھا تھا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کسی نئے مذہب کی بنیاد رکھنے نہیں آئے تھے۔ ان کی دعوت اسی دین کو تازہ کرنے کے لئے تھی' جسے حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور ان کے بعد کے انبیاء لے کر آئے تھے۔ اس لئے انہوں نے عام بنی اسرائیل یا پیروان شریعت موسوی سے الگ نہ کوئی جماعت بنائی اور نہ اس کا کوئی مستقل نام رکھا' ان کے ابتدائی پیروخورد بھی نہ اپنے آپ کو اسرائیلی ملّت سے علیحدہ سمجھتے تھے اور نہ ایک مستقل گروہ بن کر رہے اور نہ انہوں نے اپنے لئے کوئی علیحدہ امتیازی نام ونشان تجویز کیا۔ وہ عام یہودیوں کے ساتھ بیت المقدّس کے ہیکل میں عبادت کرنے جاتے تھے اور اپنے آپ کو موسوی شریعت پر عمل کرنے کا پابند سمجھتے تھے۔ (اعمال ۳:۱۔۱۰: ۱۴۔۱۵:۱۔۲۱: ۲۲) آگے چل کر جدائی کا عمل دونوں جانب سے شروع ہوا۔ ایک طرف حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے پیروؤں میں سے پولوس (سینٹ پال) نے شریعت کی پابندی ختم کر کے یہ اعلان کر دیا کہ بس مسیح پر ایمان لے آنا نجات کے لئے کافی ہے' اور دوسری طرف یہودی علماء نے پیروانِ مسیحؑ کو ایک گمراہ فرقہ قرار دے کر عامۂ بنی اسرائیل سے کاٹ دیا۔ لیکن اس جدائی کے باوجود ابتداً اس نئے فرقے کا کوئی خاص نام نہ تھا خود پیروانِ مسیحؑ اپنے لئے ''شاگرد'' کا لفظ استعمال کرتے تھے اور کبھی اپنے رفقاء کے لئے ''اخوان'' بھائیوں یا ''مومنین'' (ایمان داروں) اور ''مقدسوں'' کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ (کتاب اعمال

۲:۴۲۔۴:۳۲۔۹:۲۶۔۱۱:۲۹۔۱۳:۵۲۔۱۵:۱ رومیوں ۱۵:۲۵۔کلسیوں ۱:۲) بخلاف اس کے یہودی ان لوگوں کو کبھی گلیلی کہتے تھے اور کبھی ناصریوں کا بدعتی فرقہ کہہ کر پکارتے تھے۔ (اعمال ۲۴:۵۔لوقا ۱۳:۲)

یہ نام دھرنے کی کوشش انہوں نے ازراہ طنز اس بناء پر کی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا وطن ''ناصرہ'' تھا اور فلسطین کے ضلع گلیاں میں واقع تھا۔ لیکن یہ طنزیہ الفاظ رائج نہ ہو سکے۔ اس گروہ میں موجودہ نام مسیحی (Christian) پہلی مرتبہ ۴۳ء/۴۴ء میں انطاکیہ کے مشنری باشندوں نے رکھا تھا' کیونکہ سینٹ پال اور برنباس نے وہاں پہنچ کر اپنے مذہب کی تبلیغ عام شروع کی تھی۔ (اعمال ۲۶:۱۱)۔ یہ نام بھی دراصل طنز و تمسخر کے طور پر مخالفین کی طرف سے رکھا گیا تھا جبکہ پیروانِ مسیح خود اپنے طور پر نام رکھنے کو تیار نہ تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ نام رائج ہو گیا۔ (۱۔پطرس ۱۶:۴) بعد میں عیسائیوں کو اس امر کا احساس تک نہ ہوا کہ انہوں نے اپنے فرقہ کا جو نام رکھ لیا ہے۔ وہ دراصل ان کا تمسخر اڑانے کے مترادف تھا۔ ''قرآن مجید'' اسی لئے یسوع کے ماننے والوں کو مسیح یا عیسائی نام سے موسوم نہیں کرتا بلکہ انہیں ''نصاریٰ'' قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ ابتدائی اور بنیادی حقیقت کے اعتبار سے نصاریٰ یا انصار ہیں' لیکن عیسائی مشنریوں نے مسلمانوں کا مسیحی برادری کو صحیح نام سے جو ان کے نبی سے منسوب ہے۔ موسوم کرنے پر شکریہ ادا کرنے کے بجائے شکایت کرتے ہیں کہ قرآن میں ان کو مسیحی کہنے کے بجائے نصاریٰ کے نام سے کیوں موسوم کیا؟ قرآن کا فیصلہ اٹل یوں ہے کہ یہود اور نصاریٰ دونوں ایک ہی امّت بنی اسرائیل سے تعلّق رکھتے ہیں' اس لئے دونوں قومیں اپنی مشترک بنیاد کے سبب عالم اسلام کے خلاف صف آراء ہیں بلکہ عیسائی اب صہیونیت کے تابع رہ کر بطورِ صہیونی ایجنٹ خدمات انجام دے رہے ہیں۔

صہیونیّت اور کمیونزم وسوشلزم:

کمیونزم اور سوشلزم کی بنیاد بھی یہودیوں نے اسلام دشمنی پر رکھی ہے۔ کمیونزم کو سب سے زیادہ فروغ لینن کی ڈکٹیٹرشپ کے دوران (مدّت ۲۴۔۱۹۱۷ء) نصیب ہوا۔ کمیونزم کا بانی جرمن نژاد یہودی کارل مارکس تھا۔ اس نظریہ کو سوشلزم کا جامہ پہنانے والا لینن اور لینن کا جانشین سٹالن تھا۔ مذکورہ بالا دونوں مذہباً یہودی تھے۔ موجودہ دور میں سوشلزم اور کمیونزم ایک معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں۔ کارل مارکس نے دعویٰ کیا تھا کہ سرمایہ دارانہ نظام کی چیرہ دستیوں سے انسان کو نجات دلانے کا علاج صرف میرے پاس ہے۔ مگر اس علاج کو اختیار کرنے سے قبل چند لازمی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

(۱) خدا کو چھوڑ دو (۲) دین واخلاق کو بے معنی سمجھو۔

(۳) مذہب کو افیون قرار دینا۔ (۴) بعد الموت حساب کتاب ڈھکوسلا قرار دینا۔

کمیونزم اور سوشلزم ایسے انقلاب پر انحصار کرتا ہے جو ہر چیز کو زیروزبر کردے یا دوسرے لفظوں میں کمیونزم وسوشلزم دراصل بدّترین آمریّت یا ڈکٹیٹرشپ کا دوسرا نام ہیں۔ کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں نے اس تحریک کی بنیاد پر جو انقلاب برپا کیا اس سے جو قتل وغارت گری اور تباہی و بربادی ہوئی وہ ایک المناک حقیقت ہے ملکی املاک کی تباہی کے علاوہ معاشرے کی زبردست مزاحمت کو توڑنے کے لیے پندرہ لاکھ باون ہزار تین سو نوّے افراد کو موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔ چالیس پچاس لاکھ افراد ملک چھوڑ کر تتّر بتّر ہوگئے۔ بیس لاکھ افراد کو مختلف سزائیں دی گئیں۔ مذہبی اوقاف کی ایک کروڑ نواسی لاکھ ایکڑ زمین پر قبضہ کرلیا گیا۔ ایک ماہ کے اندر اندر تمام مساجد اور گرجا گھروں سے قیمتی اشیاء اٹھالی گئیں، کسانوں پر بدّترین

تشدّد کر کے ان سے زمینیں چھین لی گئیں۔ اس خونی عمل میں تقریباً ایک کروڑ نواسی لاکھ کسانوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ ۴ فروری ۱۹۴۵ء کو جو مالٹا کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں اسٹالن نے بڑے فخر کے ساتھ چرچل سے کہا تھا کہ:

"دوسری جنگِ عظیم میں انسانوں کی جانوں کا اتلاف کیا حیثیّت رکھتا ہے۔ ہم نے تو زراعت کو ریاست کی تحویل میں لیتے وقت اس سے دوگنا قربانی دی تھی۔"

آخری زارِ رُوس کا منصوبہ یہ تھا کہ بتدریج وسط ایشیاء کی مسلم ریاستوں کو جن میں ترکستان، بخارا، جنیوا، ازبکستان، سمرقند اور تازجکستان شامل تھیں، بالکل ختم کر کے اُنھیں روسی سلطنت میں شامل کر لیا جاوے۔ چنانچہ اسی حکمتِ عملی پر وہ سال ہا سال عمل کرتے رہے۔ جو علاقے اس کے زیرِ نگیں آتے رہے وہاں استبدادی نظام مکمّل طور پر نافذ کر دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کی مذکورہ چھ چھوٹی ریاستیں جو رُوس کی استعماری قوّت کا مقابلہ نہیں کر سکیں، وہ آہستہ آہستہ ضم ہو کر ختم کر دی گئیں۔

اسرائیلی ریاست کا قیام اور صہیونیّت کے توسیع پسندانہ عزائم کا مقابلہ:

۱۹۴۷ء تک اسلامی ممالک میں یگانگت اور یکجہتی پیدا نہ ہو سکی، حتیٰ کہ عرب نیشنل ازم کے نام پر بھی ان میں اتحاد قائم نہ رہ سکا اور اس طرح چار و ناچار عربوں کو اسرائیل کی حقیقت کو اپنی کمزوریوں کے سبب تسلیم کرنا پڑا اور یہودیوں کو تباہ و برباد کرنے کے خیال سے دست کش ہو گئے۔ اس طرح اقوام متحدہ کے ایک پرفریب ڈرامہ کے نتیجہ میں ۱۹۴۸ء میں صہیونی ریاست معرض وجود میں آ گئی۔ مشرقی وسطیٰ میں اسرائیلی ریاست کا قیام اور اس کے بعد عالمی وسائل و سیم وزر کے بیشتر حصہ پر یہودیوں کا قبضہ ہوتا چلا گیا، جس سے ان کی پالیسی کے تحت دنیا کی

تمام ترقی یافتہ حکومتوں کی معیشت پر صہیونیت کا کنٹرول قائم ہو گیا۔

اسرائیل نے اپنی پارلیمنٹ کی پیشانی پر بڑے نمایاں طور پر لکھا ہے

"دریائے نیل سے فرات تک اسرائیل کی سرحد ہے"

اس کا مطلب ہوا کہ مصر، عراق، شام، لبنان، ترکی اور سعودی عرب تک اسرائیل کی سلطنت قائم کرنا مقصود ہے۔

اسرائیل نے عربوں کے علاقوں پر قبضہ کر کے اپنے توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کا آغاز کیا۔ اور عالم اسلام کے کسی ملک کو اس قابل اور اتنا طاقت ور نہ رہنے دیا کہ وہ باہم مل بیٹھ کر اپنی طاقت مجتمع کر کے کسی طرح بھی اسرائیل کو نقصان پہنچا سکیں یا صہیونیت کے اژدھے کو اپنے ممالک کے گرد گھیرا ڈال کر ہڑپ کرنے کی خفیہ سازش کا مداوا کر سکیں۔

عالم اسلام کی ہزیمت:

یہودی مسجد اقصیٰ کو ہیکل سلیمانی (Mount Temple) سے موسوم کرتے ہیں۔ یروشلم میں واقع ایک پہاڑی کا نام "صہیون" ہے۔ جس پر حضرت داؤد علیہ السلام نے یروشلم کو فتح کرنے کے بعد جشن فتح منایا، چنانچہ یہودی صہیون کو مقدس سمجھتے ہیں اور یروشلم کو دختر صہیون کہتے ہیں۔ اسی سے صہیونیت کی تحریک چلی جسکا مقصد کھوئی ہوئی ریاست صہیون و یروشلم پر دوبارہ اقتدار حاصل کر کے وہاں ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا مقصود ہے۔

اسرائیلی ریاست بن جانے کے بعد یہودیوں کو اپنے گرد و پیش دو بڑے خطرات صاف نظر آنے لگے۔ اول اسرائیل کے قرب و جوار میں موجود مسلم عرب ممالک کا کوئی اتحاد اور دوسرے ''اخوان المسلمین'' جو جذبۂ حریت سے سرشار اور جن کے سینوں میں جذبہ جہاد موجزن تھا اور وہ اسلام کے خلاف اسرائیلی مملکت کا قیام ایک بڑی سازش کا پیش خیمہ قرار

دیتے تھے۔اس لئے مشرقی وسطیٰ میں اپنے سیاسی مستقبل کو بچانے اور اپنے خفیہ عزائم کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے صہیونیّت پرستوں نے بلا تاخیر دونوں محاذوں پر نہایت سرعت سے کام شروع کیا' اب یہ بات بالکل کھل کر سامنے آ چکی ہے کہ صہیونیّت پرستوں کے ساتھ کیتھولک چرچ کی باہمی مفاہمت اور مکمّل تعاون کے ساتھ عالم اسلام کے خلاف دنیا بھر میں مورچہ بندی کی گئی ہے اور سیاسی' اقتصادی اور عسکری جنگ مختلف محاذوں پر چھیڑی جا چکی ہے یہودی اس تاریخی حقیقت کا گہرا شعور رکھتے ہیں کہ اسلام کے مقابلے میں وہ جب بھی آئے انہیں بدّترین شکست کا سامنا کرنا پڑا' اس لئے انہوں نے زیادہ سے زیادہ غیر مسلموں' خاص طور پر عیسائیوں کو اپنے ساتھ ملانے کی ضرورت کو کبھی فراموش نہیں کیا جبکہ دنیائے عیسائیّت صلیبی جنگوں کی ذلّت آمیز شکست کا بدلہ لینے کے لئے مدّتوں سے موقع کی تلاش میں تھی۔اس طرح مشترکہ دشمنی مسلمانوں کے خلاف مشترکہ محاذ بنانے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی اور اب مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے منصوبے پر یہ دونوں عناصر یکجا ہیں۔جیسا کہ عراق پر اقتصادی اور عسکری پابندیاں اور مشترکہ طیاروں کی وقفہ وقفہ سے بمباری ان کے مشترکہ مخالفانہ عزائم کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کا مشترکہ مشن بہت واضح رہا ہے اور وہ یہ کہ عالم اسلام کبھی انتشار سے نجات حاصل نہ کر سکے۔بدّترین حالات کے باوجود شاہ فاروق نے عرب ملکوں کے اتحاد کی کوشش کی۔مصر' سوڈان' کے الحاق کا منصوبہ بنایا جسے صہیونی ایماء پر برطانیہ نے ہر طرح سے روکنے کے اقدامات کئے۔یہ ۱۹۵۱ء کا زمانہ تھا۔چنانچہ اسلام دشمن قوّتوں نے شاہ فاروق کو ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے لئے اپنے مطلب کے آدمی کی تلاش جاری رکھی۔اس وقت ان کے پس منظر دو مقاصد تھے۔ایک تو یہ کہ سوڈان اور مصر کا الحاق نہ ہونے پائے اور

دوسرے یہ کہ اخوان المسلمین کا خاتمہ کیا جائے۔ لہذا برٹش انٹیلی جنس اور سی آئی اے نے صہیونیت کے ایماء پر شاہ فاروق کا تختہ الٹوا دیا' جس سے مصر و سوڈان کا اتحاد نہ ہو سکا اور اس کے ساتھ ہی پچاس ہزار اخوان قید خانوں میں ڈال دیئے گئے۔ پھر ان میں سے بیشتر کو پھانسی دیدی گئی۔ اس طرح صہیونیت کے خلاف صف آراء جذبہ حریت اور جذبہ جہاد سے سرشار عالم عرب کی اس بڑی تحریک کو صہیونی سازش کے تحت کچل دیا گیا' جس سے صہیونیت کی راہ ہموار ہو گئی اور عربوں میں مزاحمت کی رمق تک باقی نہ رہی۔

پاکستان میں فری میسن کی سرگرمیاں :

یہودیوں کے اس تاریخی و مذہبی پس منظر کے باوصف تاریخ شاہد ہے کہ تحریک اسلامی کو ہمیشہ نقصان صرف مسلمانوں کو اپنی صفوں میں موجود ''جعفر از بنگال اور صادق از دکن'' کے مصداق غدّاروں کے ذریعہ پہنچا۔ باہر سے حملہ آور قوّتیں ہزیمت پہنچانے سے قاصر رہیں۔ اور دوسرا سبب مسلمان ممالک کی اپنے مذہب اور اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں سے روگردانی' انحراف اور اہل یہود کا یورپ اور مغربی ممالک کے توسّط سے مسلمانوں میں عیّاشی اور فحاشی کا فروغ دینا ہے جو صہیونیت کی پالیسی کا اہم حصہ ہے۔ جس نے مسلمانوں سے جذبہ جہاد اور جذبہ حریّت ختم کر کے انہیں بزدل بنا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غدّاران مذہب و ملّتِ نے امّتِ مسلمہ کو عیّاشی اور فحاشی کے جال میں پھنسا کر نیز عالم اسلام کو فرقہ بندی کا شکار کر دیا۔ جس سے وہ اپنی اجتماعی قوّت سے محروم ہو گئے۔

پاکستان جو اسلام کے نام پر بنا تھا اور عالم اسلام کی اساسی فکر و باہمی اخوّت اور اجتماعی قوّت کے نظریّہ کو جلا ملی' جس سے صہیونی عزائم کو چیلنج کا سامنا کرنا پڑا۔ لہذا عالم اسلام کو متحد کرنے اور پاکستان میں اسلامی نظریہ حیات کو نافذ کرنے کے عوامی جذبے اور اس کے عملی

اقدامات پر سزا دینے کے لئے اور اتحاد عالم اسلامی کو صہیونیت کے مقابلہ میں کمزور کرنے کے لئے ایسے لیڈروں کا انتخاب کرایا گیا جن کی تربیت یہودی تنظیموں نے کی ہو۔ ایسے لیڈروں اور قومی راہنماؤں نے نہ صرف اسلامی ممالک کی جغرافیائی سرحدوں' بلکہ نظریاتی سرحدوں کو بھی عالمی سازش کا آلہ کار بن کر تہ و بالا کر ڈالا۔ عالم اسلام کو نقصان پہنچانے والی ان چند شخصیات میں شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی جو فری میسن تنظیم کے بائیسویں گریڈ کے رکن تھے' ایران میں فری میسن تنظیم کا گرینڈ لاج قائم تھا۔ رضا شاہ پہلوی جس کے گرینڈ ماسٹر تھے۔ اسی طرح سابق وزیر اعظم ایران مسٹر عباس ہویدا جو اعلیٰ پایہ کے فری میسن تنظیم کے لیڈر تھے۔ جنہوں نے پاکستان کے سیاسی حالات پر اپنا پورا اثر و رسوخ استعمال کیا اور اپنی پسند کے لیڈر اقتدار میں لانے کے لئے وسائل بروئے کار لائے ۔ جو بالآخر پاکستان کو دولخت کرنے پر منتج ہوا۔

انقلاب ایران کے بعد ان صہیونی ایجنٹوں کے ہلاک ہونے پر صہیونی تنظیموں اور اسرائیل نے بڑے شاندار الفاظ میں اُنہیں خراج عقیدت پیش کیا اور یہ ریکارڈ پر لایا گیا کہ انہوں نے صہیونیت کے لئے بیش بہا خدمات سرانجام دیں۔ اسی طرح مصر کے انور سادات بھی یہودیوں کے دوست اور صہیونیت کے آلہ کار بنے رہے اور آخر کار اپنی ریشہ دوانیوں کا خود شکار ہوئے۔ امام خمینی نے انقلاب ایران کے بعد جس طرح صہیونی آلہ کاروں اور امریکی ایجنٹوں کا صفایا کیا، اس سے ایران میں واقع فری میسن کا گرینڈ لاج زمین بوس ہو گیا۔ جس کے بعد یہودیوں کو نہ صرف وہاں بڑی ہزیمت اٹھانا پڑی بلکہ دُنیا بھر میں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا ۔ نیز جب اس کے خفیہ ریکارڈ کی اشاعت عام ہوئی تو اس سے صہیونی عزائم کو بھی سخت دھچکا لگا۔ اسرائیل اپنے جن اعلیٰ پایہ (گریڈ) کے شیعہ صہیونی آلہ کاروں کے ذریعہ امّتِ مسلمہ کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتا تھا۔ ان اہل تشیّع افراد کی بڑی تعداد کو ان کے اپنے

اکابرین نے کیفر کردار کو پہنچا دیا۔

پاکستان میں پنجاب اسمبلی نے پہلی مرتبہ ۱۹۷۳ء میں ایک قانون پاس کر کے فری میسن تنظیم پر پابندی عائد کر کے اس کی جائیداد بحقِ سرکار ضبط کر لی تھی۔ پنجاب اسمبلی ہال چوک میں واقع واپڈا ہاؤس کے سامنے موجود آرٹس کونسل کی مقبوضہ عمارت دراصل فری میسن تنظیم کی ملکیت تھی جہاں سالوں سے پُراسرار سرگرمیاں جاری تھیں، جس کے سرکاری تحویل میں لیے جانے اور فری میسن پر پابندی عائد کیے جانے کے اقدام کو عدالتِ عالیہ لاہور میں چیلنج کیا گیا جس پر عدالتِ عالیہ نے فری میسن تنظیم پر پابندی کے قانون کو کالعدم قرار دے دیا۔ اس حکم کے خلاف حکومتِ پنجاب نے ڈویژن بنچ کے روبرو اپیل دائر کی، وہ بھی مسترد ہوئی۔ ان احکاماتِ عدالتِ عالیہ لاہور کے خلاف حکومتِ پنجاب نے سپریم کورٹ میں اپیل (Special Leave to Appeal) دائر کی جو عرصہ دراز تک زیرِ تجویز رہنے کے باوجود اس پر کوئی خاطر خواہ قومی مفاد کا فیصلہ صادر نہ ہو سکا حتیٰ کہ مؤلف کے زیرِ نظر مقالہ کی اشاعت کے بعد صدر مملکت جنرل ضیاء الحق کی ہدایت پر حکومت پاکستان نے بذریعہ مارشل لاء ریگولیشن نمبر ۵۶ سال ۱۹۸۳ء میں ازسرِ نو اس تنظیم پر پابندی عائد کر کے اس کی تمام جائیداد ضبط کر لی اور تمام سابقہ فیصلہ جات جو فری میسن کے حق میں صادر ہوئے تھے کالعدم قرار دے دیے گئے (ملاحظہ ہو متن مارشل لاء ریگولیشن نمبر 56 مضمون ہذا کے صفحہ نمبر 290 پر) علاوہ ازیں ملک میں مارشل لاء ختم ہونے کے موقع پر صدر مملکت و قومی اسمبلی نے آئین کے آٹھویں ترمیمی بل میں مارشل لاء ریگولیشن ۵۶ کو شامل کر کے اس اقدام کو آئینی تحفظ فراہم کرنے کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔

پاکستان میں فری میسن تحریک پر پابندی کی وجہ سے عام لوگ یہی سمجھتے رہے ہیں کہ

وطنِ عزیز میں اس پُراسرار تنظیم کی سرگرمیاں ختم ہوچکی ہیں لیکن حقیت یہ ہے کہ ماضی کی طرح آج بھی تحریک اپنی اسلام دشمن سرگرمیوں کے علاوہ اپنے ارکان کو مختلف سطحوں پر آگے بڑھانے کی پوری جدوجہد کررہی ہے اور حکومت پاکستان کا کوئی دفاعی، خارجی، مالی یا سیاسی راز ایسا نہیں جو صہیونیت کے ان آلہ کاروں کے ذریعے اسرائیل نہ پہنچ جاتا ہو۔ صہیونیت کے اکابرین عالمِ اسلام کے علاوہ جس طرح پاکستان میں بھی اپنے آلہ کاروں کو استعمال کرتے ہیں اس کی ایک ادنیٰ سی مثال ۱۸ جون ۱۹۸۵ء کا وہ خط ہے جو یونائیٹڈ گرینڈ لاج آف انگلینڈ کے لیٹر پیڈ پر پاکستان کے ایک فری میسنری رکن کو ارسال کیا گیا جو پاکستان سٹیٹ لائف انشورنس میں اعلیٰ منصب پر فائز تھا اور ملک میں بیمہ کی صنعت کے سیاہ وسفید کا مالک تھا جس کو درج ذیل الفاظ میں صہیونیت کے آلۂ کار کی حیثیت سے پاکستان میں اسلامائزیشن کی تحریک کو سبوتاژ کرنے کی کوششوں پر خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔

یونائٹڈ گرینڈ لاج آف انگلینڈ دستی

فری میسن ہال گریٹ کوئین سٹریٹ لندن ویسٹ

18 جون 1985ء

بحوالہ گرینڈ لاج ماسٹر بمبئی

ڈیئر مسٹر! آپ کے تفصیلی لیٹر کا بے حد شکریہ

"آپ کی گزشتہ انکوائری پر کمیٹی نے جن شکوک وشبہات کا اظہار کیا تھا ان کی تصدیق میں آپ نے جو طویل خط لکھا ہے اس کے لیے آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اسلامائزیشن کے نام پر آپ کے ہم وطنوں کے استحصال کا عمل یقیناً اس تنظیم کے مفادات کے منافی ہے۔ ان برائیوں کے خلاف آپ نے جدو

جہد کا جو آغاز کیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے، کیونکہ فری میسنری ایک ایسی تنظیم ہے جو ایک "برتر وجود" میں یقین رکھتی ہے، اور وہ تہذیب، عقائد اور سیاست کی پرواہ نہیں کرتی۔ لہٰذا مستقبل قریب میں آپ دیکھیں گے کہ استحصال کی یہ کوشش عارضی ثابت ہوگی میں اس خط کے ساتھ تنظیم کا تازہ ترین لٹریچر ارسال کر رہا ہوں جسے آپ حسبِ خواہش استعمال کر سکتے ہیں۔ متذکرہ بالا لٹریچر درجِ ذیل امور کی بابت ہے:-

۱۔ فری میسنری کیا ہے؟

۲۔ اس کے مقاصد اور خفیہ عزائم کا تانا بانا۔

۳۔ فری میسنری امیدوار کے لیے معلومات اور تربیت۔

ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے یونائیٹڈ گرینڈ لاج آف انگلینڈ کی نمائندگی کرتے ہوئے وہاں سے ممبر بنانے کا کام کیا اور انھیں "برتر وجود" کی عبادت کے لیے مدعو کیا"۔

(نوٹ۔ ملاحظہ ہو اصل لیٹر کا عکس اس مضمون کے آخر میں صفحہ نمبر 289 پر)

آپ کا

مخلص:

ایم۔ بی

۔ایس ہیگھم

کمانڈر رائل نیوی۔

گرینڈ

اس ایک غیر معمولی خط سے ثابت ہوجاتا ہے کہ پاکستان میں فری میسن تنظیم پر پابندی کے باوجود اہم مناصب پر فائز اس کے اراکین تنظیم کی ہدایات کے مطابق اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے کوشاں ہیں۔ چونکہ فری میسنری ایک عالمی تنظیم ہے جسے تمام بڑی طاقتوں کی کسی نہ کسی صورت میں سرپرستی حاصل ہے اور دنیا بھر کے ممالک سے ہر شعبہ ہائے زندگی سے وابسطہ لوگ اس کے رکن بنائے جاتے ہیں۔ اس تنظیم میں شمولیت کے لیے حلف برداری کی تقریب میں دہشت ناک مرحلہ سے گزر کر اور چند پُراسرار رسومات سرانجام دینے کے بعد فری میسن کا رکن بنتا ہے، یہ حلف برداری اتنی خفیہ اور دہشت ناک ماحول میں ہوتی ہے کہ کوئی شخص اس راز کو فاش کر کے اپنی جان خطرے میں ڈالنے کی جسارت نہیں کرتا اس لیے پاکستان میں اس تنظیم پر پابندی عائد ہونے سے اس عالمی تنظیم پر کوئی اثر نہیں پڑا اور نہ ہی صہیونیت کے پاکستانی آلہ کاروں کی رکنیت کسی طرح متاثر ہوئی، کیونکہ حکومت نے مذکورہ قانون کو صحیح معنوں میں نافذ کرنے کے لیے تاحال قواعد وضوابط بنا کر لاگو نہیں کیے گئے۔

برطانیہ کے ایک صحافی اسٹیفن نائٹ اپنی تہلکہ خیز کتاب " دی برادر ہڈ " (The Brother Hood) میں رقمطراز ہے کہ فری میسنری برادری کی جانب سے بھائی چارگی، نیکی کے فروغ اور حسنِ اخلاق کے بلند بانگ دعوے تو کیے جاتے ہیں اور مختلف رفاہی کام جو یہ تنظیم اپنے وابستگان کے علاوہ عام افراد کے لیے کرتی ہے۔ اس کا عام لوگوں میں خوب پروپیگنڈا کیا جاتا ہے لیکن دوسری جانب سے ایسے ناجائز اور ناپسندیدہ کام بھی تنظیم اپنے اثر ورسوخ بروئے کار لا کر سرانجام دیتی رہتی ہے جس کے نتیجہ میں بہت سے لوگوں کو مالی وجانی، سیاسی اور اخلاقی نقصان پہنچتا ہے حالانکہ جن اصولوں کی بظاہر یہ تحریک مُبلّغ ہے ان کی رو سے اس طرح کی حرکتیں صریحاً جُرم ہیں اور اس کے یہ اقدامات عدل وانصاف کے تقاضوں کو بُری

طرح مجروح کرتے ہیں۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہودی اور قادیانی چونکہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک سے خائف تھے اور خفیہ صہیونی سازش کے تحت یہودیوں کی عالمی حکومت کے قیام میں پاکستان کو ایک بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ اس لئے پاکستان کے خلاف عالمی سطح کی ریشہ دوانیوں کا خاکہ اسرائیل میں قائم سینٹر ''پاکستان سیل'' تیار کرتا رہا ہے، جہاں پاکستانی قادیانیوں کی آمدورفت رہتی تھی جو اسرائیلی لیڈروں سے ملاقاتیں کرتے ہیں جو اخبار ''الفضل'' اور ان کی کتاب ''ہمارے بیرونی مشن'' سے ثابت ہے۔ اس طرح قادیانیوں کی راہنمائی اور ہدایات کے مطابق صہیونیت کے زیر اثر ممالک کے ذریعہ ان پر عمل کرایا جاتا ہے۔ پاکستان میں مرزائی/ احمدی/ قادیانی دراصل صہیونیت کے ایجنٹ کے طور پر پاکستان میں تحریک اسلامی کے خلاف سرگرم عمل رہے، یہ لوگ اپنے مذہبی راہنما کو مسیح موعود مانتے ہیں، جن کی آمد کے یہودی بھی منتظر ہیں مگر یہودیوں کو اس بارے میں ہمیشہ مایوسی ہوئی لیکن مسلمانوں کے اس عقیدے کی بناء پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے تھے اور دوبارہ دنیا میں وہ واپس تشریف لائیں گے۔ اس عقیدے کا سہارا لے کر سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے جھوٹے داعیان نبوت کی طرح خودساختہ داعیان مسیح موعود بن بیٹھے۔ اس طرح مسلمانوں میں باہمی مذہبی اخوت ختم کرنے اور اختلافات کی خلیج کو وسیع کرنے کے لئے صہیونیت کی تحریک نے قادیانیوں کی سرپرستی کی اور عالم اسلام کے خلاف یہودیوں نے انہیں اپنے ایجنٹ کے طور پر استعمال کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فری میسن تنظیم پر پابندی کا مارشل لاء ریگولیشن نمبر ۵۶

جسے آٹھویں آئینی ترمیم کے ذریعہ آئینی تحفظ دے دیا گیا

(گزٹ حکومتِ پاکستان مورخہ ۱۶ جون ۱۹۸۳ء)

MARTIAL LAW REGULATION

BY

CHIEF MARTIAL LAW ADMINISTRATOR

(Gazette of Pakistan, Extraordinary, Part I, 16th June, 1983

No. 56

1. This Regulation shall come into force at once an shall have effect not with standing anything contained in a other law for the time being in force or in any judgment any court or in any deed of trust, contract, agreement o other instrument whatsoever.

2. The association commonly known a Freemassons, here in after referred to as the said associatio shall be an unlawful association and shall stand dissolved.

3. (1). As from the commencement of this Regulation, all properties, in any form whatsoeve belonging to the said association shall vest in t Government of the Province in which they are situated fr from all encumbrances.

(2). The Provincial Government concerned may tak

over the possession of the properties referred to i
sub-paragraph (1) with the use of such force as may be
necessary and put such property to such use by transfer or
otherwise as it may deem fit.

4. No compensation shall be payable to any perso
because of his being divested, under or by virtue of th
Regulation, of any property belonging to the sa
association.

5. Any suit, pettion of other legal proceedin
insituted by or on behalf of the said association that may
pending before any Court immediately before t
commencement of this Regulation shall abate forth with.

6. If any difficulty arises in giving effect to an
provision of this Regulation, the Federal Government m
make such order, not inconsistent with the provisions of th
Regulation, as may appear to it to be necessary for th
purpose of removing the difficulty.

7. Contravention of the provisions of paragraph
or any obstruction caused in giving effect to the provisio

of paragraph 3 shall be punishable with rigorou
imprisonmen
for a term which may extend to three years, or with fine, or
with both.

﴿عالم اسلام کے خلاف صہیونی خفیہ سازش﴾

عالم اسلام کے خلاف صہیونی عناصر اور روس و امریکہ کی سازش کا کوئی اہم پہلو بے نقاب ہونے سے باقی نہیں رہا۔ تمام مسلم ممالک کے خلاف ایک بڑی عالمی سازش نہایت جدّ وجہد کے ساتھ تکمیل کی جارہی ہے۔ مکمّل صہیونی خواب یہ ہے کہ مشرق میں ایران کا ایک حصہ، پورا کویت، بصرہ و بغداد سمیت تین چوتھائی عراق، پورا اردن، جنوب میں مدینہ منوّرہ سمیت سعودی عرب کا تمام تر شمالی علاقہ، مغرب میں دریائے نیل کا اہم علاقہ اور قاہرہ۔ شمال میں پورا لبنان پورا شام اور ترکی کا تمام تر جنوبی حصہ مسلمانوں سے چھین کر اسرائیلی ریاست میں شامل کیا جائے۔ امریکہ اور روس جیسی دونوں سپر پاور صہیونیت کے معاملہ میں دونوں عظیم طاقتوں کی پالیسی باہم متصادّم نہیں ہے۔ امریکہ کی یہود نوازی تو اظہر من الشّمس ہے لیکن روس پر بہت سے لوگوں کو شبہ ہے کہ وہ کمیونسٹ ملک ہے لیکن اس امر کے صدہا شواہد موجود ہیں کہ روس میں کمیونسٹ انقلاب برپا کرنے والوں کی واضح ترین اکثریّت یہودی تھی۔ کارل مارکس، لینن اور اسٹالن یہودی تھے۔ ان کی مائیں اور بیویاں بھی یہودی تھیں۔ کمیونسٹ انقلاب کا سارا منصوبہ لینن اور ٹرائسکی نے تیار کیا تھا۔ لینن اپنے ساتھ ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) یہودیوں کو لے کر جرمنی سے روس پہنچا تھا، جبکہ ٹرائسکی تین سو یہودیوں کو امریکہ سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ ان ہی لوگوں نے یورپ میں یہودیوں کو بچانے کا اہتمام کیا اور انقلاب کا خاکہ تیار کیا۔ انقلاب کے

بعد انہوں نے سب سے زیادہ یہودی مفادات کی حفاظت کی۔ جب بالشویک انقلاب میں استحکام آیا تو پانچ سو چھپن (۵۵۶) کلیدی عہدوں میں سے چار سو ستاون (۴۵۷) پر یہودی فائز تھے۔ انقلاب روس کے متعلق کتب میں یہودی مصنفین نے اس بات کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا کہ اگر انقلابِ روس رونما نہ ہوتا تو یہودیوں کا وجود ختم ہو جاتا۔

''اگر سرخ فوج نہ ہوتی تو آج یورپ میں ایک یہودی بھی نہ ہوتا' نہ فلسطین میں نہ افریقہ میں اور نہ امریکہ میں' یہ تو وقت آنے پر پتہ چلے گا کہ ہماری کل تعداد دنیا بھر میں کیا ہے؟ بہر حال یہودیوں کو روس نے بچایا' اس لئے امریکہ کے یہودی عوام کو یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہم یہودیوں پر روس کا ایک تاریخی احسان ہے''۔

(The Jewish People Face The Post War World.By Alexandar Bittleman یہودی مصنف)

یہودیوں کے ''بکھرے ہوئے قبائل'' کی تاریخ دھوکہ' فریب' جرائم پسندی' عیاری' سبوتاژ اور تباہی و بربادی کی تاریخ ہے۔ گزشتہ دو ہزار سالوں کے دوران وہ انسانیت کے خلاف ہمہ قسم کے جرائم میں مصروف رہے ہیں۔ یہودیوں کو ان کے جرائم کے سبب دنیا کے متعدد ممالک سے نکالا گیا اولاً انہیں پرتگال اور سپین سے نکالا گیا۔ اس کے بعد انگلستان سے ۱۲۹۰ء میں فرانس سے ۱۳۰۶ء ۱۳۹۴ء میں' بلجیم سے ۱۳۷۰ء میں' چیکوسلاویکیہ سے ۱۳۸۱ء میں' روس سے ۱۵۱۰ء میں' اٹلی سے ۱۵۴۰ء میں اور جرمنی سے ۱۵۵۰ء میں نکالا گیا۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ اپنی عیاری اور چالبازی سے کبھی کسی دور میں فارغ نہیں رہے ہیں جو، ان کے قومی کردار' سماجی رکھ رکھاؤ' اور بنیادی عقائد و فکر اور رویے ہیں' جو یہودی قوانین و روایات اور تفسیر

کی کتاب ''تالمود'' کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہیں۔ جس میں درج ذیل اصول وضع کئے گئے۔ جن پر عمل کرنا ہر یہودی کا جز وایمان ہے۔

1۔ غیر یہود کی دولت اور جائیداد ہتھیانا یہودی کے لئے جائز ہے۔

2۔ یہودیوں کو غیر یہودیوں کی زندگی اور جائیداد وغیرہ پر کنٹرول کرنے کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔

3۔ جس طرح انسان کو جانوروں پر فوقیت حاصل ہے بالکل اسی طرح یہودی روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں پر برتر ہیں۔

4۔ یہودیوں کو خدا نے حکم دیا ہے کہ وہ غیر یہودیوں سے سود وصول کریں اور بغیر سود کسی کو قرض نہ دیں۔

دراصل صہیونیوں کا یہ منصوبہ ہے کہ پوری دنیا پر ان کا تسلّط قائم ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے ۱۸۹۷ء سے ۱۹۰۵ء تک دنیا کے سرکردہ یہودیوں کے لاتعداد خفیہ اجلاس ہوئے' جن میں ساری دنیا میں انقلابات برپا کرنے کی پلاننگ تیار ہوئی اور یہ تبدیلیاں یہودی مفادات کے تحفّظ کے لئے ناگزیر قرار دی گئیں اور ان کی حکمت عملی کو صیغہ راز میں رکھا گیا۔ مگر کسی نہ کسی طرح یہ دستاویزات محض یہودیوں کی ملکیّت واحدہ نہ رہیں اور منظر عام پر آ گئیں۔ صہیونیّت کا یہ متفقہ لائحہ عمل یا چارٹر The Protocolof The Learned Elders of Zion کے نام سے موسوم ہے۔ اگر یہ دستاویز کسی شخص کے پاس پائی جاتی وہ سزائے موت کا مستحق قرار پاتا۔

انقلاب روس کا مکمل منصوبہ دراصل اسی چارٹر (دستاویز) پروٹوکول کا شاہکار ہے اور بعد کے رونما ہونے والے واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ مذکورہ خفیہ دستاویز سلطنت

عثمانیہ کی تباہی اور خلافتِ اسلامیہ ختم کئے جانے کی سازشوں کو بھی بے نقاب کرتی ہے۔ جس سے مسلمانوں کے عروج وزوال کا نہایت گہرا تعلق ہے۔ لیکن کرہ ارض پر یہودیوں کے تسلّط پانے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلام اور اس کے پیروکار ہیں جبکہ دونوں سپر پاورز یعنی روس اور امریکہ مکمل طور پر صہیونی شکنجے میں جکڑی ہوئی ہیں۔ حتیٰ کہ اقوام عالم کا ادارہ U.N.O بھی یہودیوں کے عزائم کی تکمیل کا خاص ذریعہ بنا ہوا ہے۔ جس کا اعتراف خود یہودی اسکالروں نے بار بار کیا ہے جو ان کی شہرت یافتہ کتب میں تحریر ہے۔

۱۸۹۷ء میں سرکردہ یہودیوں کا ایک خفیہ اجلاس ہوا تھا جس میں عالم اسلام میں انتشار پیدا کرنے کا منصوبہ تیار کیا گیا' جس کا پہلا مرحلہ روس میں انقلاب لانا تھا اور پھر نظام خلافت کو سبوتاژ کیا جانا تھا۔ کیونکہ خلافت اسلامی اتحاد کی علامت اور عالم اسلام کے استحکام کا خاص ذریعہ تھی۔ بہرنو ۱۸۹۷ء میں اس صہیونی خفیہ سازش کے تحت جن تین نکات پر عمل پیرا ہونے کا تہیہ کیا گیا وہ حسب ذیل ہیں:

1۔ یہودیوں کے لئے ایک قومی وطن کا قیام۔ 2۔ دنیا کے وسیلوں اور مالی وسائل پر قبضہ۔

3۔ اسلامی ممالک کو نیست ونابود کرنا۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے تمام دنیا میں سازش کے جال بچھائے گئے اور جب اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے تو یہودیوں کی ایک عظیم پراسرار شخصیّت نے تینتیسویں درجے کے یہودیوں کا ایک خفیہ اجلاس بلایا اور اس میٹنگ میں اس نے ایک عظیم سازشی منصوبے کی دستاویز تیار کی جس پر ان نمائندوں نے اپنے تصدیقی دستخط ثبت کئے۔ صہیونیّت کے اس سازشی چارٹر کو پروٹوکول (Protocol) کا نام دیا گیا۔ اس چارٹر کے خفیہ مسوّدہ کی

ایک نقل ایک عیسائی عورت نے یہودیوں کی خفیہ تنظیم ''فری میسن'' کی ایک اعلیٰ سطح کی راہنما خاتون کے گھر سے چوری کر کے اس راز کو طشت از بام کیا' جسے ۳-۱۹۰۲ء میں دو روسی اخباروں نے پہلی مرتبہ شائع کر دیا۔ روسی پادریوں نے اسے عیسائیّت کے خلاف ایک عظیم سازش تصوّر کیا۔ اور از راہ خدمت ۱۹۰۵ء میں اس کو ایک کتابی شکل میں شائع کیا۔ اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کا نسخہ ۱۹۰۵ء سے برٹش میوزیم لائبریری میں آج تک محفوظ ہے۔ لیکن اس کے بعد یہ کتاب جہاں جہاں چھاپی گئی یہودیوں کی تنظیموں نے اس کی تمام جلدیں خرید کر ضائع کرا دیں تا کہ اس کا نفس مضمون عام آدمیوں کی رسائی سے محفوظ رہے۔

یہودیوں کے مسیحؑ جدید تھیوڈر ہرزل کی کتاب ''یہودی ریاست'' (Jewish State) میں اس نے صہیونی تحریک کے تصوّر کو یوں پیش کیا ہے:

> ''عوام جمہوریّت کے اہل نہیں اور نہ مستقبل میں ہوں گے۔ پختہ اور اعتدال پسندانہ پالیسیاں مقبول اور پارلیمانی اداروں کی پیداوار نہیں ہیں۔ مملکّت اور عوام کے مفادات کا تحفّظ صرف وہ شخصیّات کر سکتی ہین جو تاریخی عناصر سے ابھرتی ہین اور وہی نمائندگی کا حق رکھتی ہیں' عوام نہیں بلکہ یہ شخصیّات ہیں جو حکمرانی اور جہانبانی کے لئے پیدا ہوتی ہیں اور آخر کار انہیں کے نظریّات کو غلبہ حاصل ہوتا ہے''۔

☆☆☆☆☆☆☆

﴿پروٹوکولز﴾

خفیہ صہیونی سازشی منصوبہ:

THE PROTOCOLS OFTHE LEARNED ELDERS O ZION

اوّل ''محبّان صہیون'' کا قیام عمل میں آیا۔اس کے بعد دنیا بھر کے یہودیوں کو''ارض موعود'' پر یورش کرنے کا اِذن عام دیا گیا اور انہیں راستے کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے بھی واضح ہدایات دی گئی تھیں۔اس طرح دوسری خفیہ تنظیموں میں سب سے زیادہ قابل ذکر تنظیم فری میسنز (FREE MASONS) ہے۔اس تنظیم کو دیگر مذاہب سے نمٹنے کے لئے ایک لائحہ عمل دیا گیا۔اس تنظیم کی شاخیں دنیا کے تقریباً ہر ملک کے اہم شہروں میں قائم کی گئیں۔ جہاں کی مقامی آبادی کے ممتاز لوگوں کو اس کی رکنیت کے دائرے میں لانے کے لئے تدابیر اختیار کی گئیں۔

جرمنی میں فیوہرر ہٹلر نے بھی جو پہلے یہود گزیدہ تھا نے پروٹوکول کے کئی زبانوں میں ترجمے کرائے مگر اس میں حیرت کی بات یہ تھی کہ جتنے پیمانے پر جرمنی میں یہ شائع ہوتے اتنی ہی تیزی سے نایاب ہو جاتے کیونکہ جہاں بھی کتاب چھپتی یہودی یا ان کے ایجنٹ اس کے سارے نسخے خرید کر تلف کر دیتے تا کہ دنیا ان کے عزائم سے ناواقف رہے۔

فری میسن تحریک آج کل بھی دنیا بھر میں اسی عزائم کے ساتھ خدمات سرانجام دیر رہی ہے مگر جن ممالک میں اسے غیر قانونی قرار دے دیا گیا وہاں اس کا نام بدل دیا گیا جیسے غیر سرکاری تنظیموں (NG'O'S) میں سے بیشتر فری میسنری کے مقاصد کی تکمیل کر رہی ہیں بظاہر یہ مخیّر انہ (PHILANTHROPIS) سرگرمیوں میں مصروف ہیں لیکن اصل مقصد دوسرے ہیں۔

سر ونسٹن چرچل کا بیان ایسٹرٹیڈ سنڈے ہیرالڈ میں مورخہ 8 فروری 1920ء میں

شایع ہوا اس کا ملاحظہ قارئین کیلئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔

''جو لوگ ''پروٹوکولز'' کی اشاعت کو محض الزام تراشی یا ہتک سمجھتے ہیں، ان کے پاس اس کے ازالہ کا ایک راستہ کھلا ہے۔ انہیں بس اتنا کرنا چاہئے کہ پروٹوکولز کی تصنیف سے انکار کے بجائے ان میں سے ظاہر ہونے والی پالیسی کی برملا مذمت کریں۔ لیکن جب انہیں پڑھیں تو کوئی بھی معقول شخص ان سے ظاہر ہونے والے سچ کا انکار نہیں کرسکتا''۔

اس طرح کے خیالات کا اظہار ہنری فورڈ نے نیویارک ورلڈ کے شمارے مورخہ 17 فروری 1921ء کو کیا تھا۔ اقتباس درج ذیل ہے:

''موجودہ دور کے حالات دیکھ کر مجھے ''پروٹوکولز'' کے متعلق صرف یہ کہنا ہے کہ صورتحال صہیونی منصوبوں کے بالکل مطابق ہورہی ہے۔ یہ 16 سال پیشتر شایع ہوئے تھے۔ یہ نہ صرف موجودہ حالات پر صادق اترتے رہے ہیں بلکہ آج بھی ویسے ہی اتر رہے ہیں''۔

خفیہ دستاویز پروٹوکولز کا اُردو متن:

صہیونی خفیہ سازشی عزائم کی دستاویز ''پروٹوکولز'' کی مندرجہ 24 آرٹیکلز کے متن کا انگریزی ترجمہ شائع کردہ وکٹر ای مارسٹڈن کا اردو ترجمہ زیر نظر ہے۔ ان پروٹوکولز کو پہلی مرتبہ روسی پروفیسر SERGYEI A . NILU نے روسی زبان میں 1905ء میں شائع کیا اس کا دوسرا ایڈیشن مارکیٹ میں آنے سے پہلے مارچ 1916ء کو انقلاب روس کے دوران ضائع کرادیا گیا۔ پروفیسر موصوف کو اس اقدام پر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ اس کے بعد

انہیں جلا وطن کر دیا گیا بالآخر ان کی اس جلاوطنی کے دوران مورخہ 13 جنوری 1929ء کو وفات ہوگئی۔ مارننگ پوسٹ اخبار انگلینڈ کے روس میں مقیم نمائندہ-VICTOR - E MARSDEN نے روسی خاتون سے شادی کر لی اور روسی زبان میں بھی عبور حاصل کیا۔ 1917ء میں اپنے اخبار کے لئے انقلاب روس پر بے لاگ تبصرے لکھنے پر انہیں روس میں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا اور ان کی فیملی کو انگلینڈ بھیج دیا گیا۔ دو سال بعد وہ رہا ہو کر انگلینڈ آئے وہاں آ کر پہلا کام برٹش میویم لائبریری جہاں اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن سنسر شدہ روسی حکومت موجود تھا کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ جس کا اردو ترجمہ بعنوان ''صہیونی سازش'' مصباح الاسلام فاروقی اور جدید ترجمہ کتاب بعنوان ''یہودی پروٹوکولز'' محمد یحییٰ خان نے شائع کیا۔ جسے ان کے شکریہ کے ساتھ یہاں شامل کیا جا رہا ہے۔

﴿پروٹوکول:1﴾

بنیادی نظریہ (THE BASIC DOCTRINE)

☆☆ خلاصہ ☆☆

دنیا میں طاقت اور غلبہ حاصل کرنے کے لئے تصوّرات کے تحت کام ہو رہا ہے۔ تاہم اس ضمن میں ہمارے یعنی ہم یہودیوں کے تصوّرات، غیر یہودی اقوام کے تصوّرات سے مختلف اور منفرّد ہیں۔ ہم طاقت کو حق یا غلبہ حاصل کرنے کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہمارے نزدیک حق طاقت کے اندر ہی پوشیدہ ہے۔ بنابریں ان پروٹوکولز (دستاویزات) میں ہم مروجہ تصوّرات کے عمومی معنوں سے ہٹ کر اپنے مقاصد کے تحت ان کے معنی متعیّن کریں گے اور الفاظ کے گورکھ دھندے میں نہیں الجھیں گے۔ چنانچہ اہم امور ذیل

کے تصوّرات کی نئی تعریف متعیّن کریں گے۔

اقتدار، حق اور طاقت، سیاسی آزادی، قوّت زر، مطلق العنان استبداد، عوامی رہنمائی، اخلاقی اقدار واستحقاق، عوام کی کمزوری، عیّاشی وفحاشی، فریب کاری، ذرائع اور وسائل، اور اسباب نصرت۔

☆☆ اصل متن ☆☆

اقتدار، حق اور طاقت:

یہ امر نوٹ کیا جانا چاہئے کہ دنیا میں اچھے لوگوں کی نسبت برے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اس لئے ان پر کامیاب حکمرانی جبر وتشدّد اور دہشت گردی کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہے، علمی بحث مباحثوں سے نہیں۔ ہر شخص اقتدار اور قوّت حاصل کرنے کا متمنّی ہے اور اسے حاصل کرنے کے بعد ڈکٹیٹر بن جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کی تعداد واقعی بہت کم ہے جو سب کے اجتماعی مفادات کو اپنے ذاتی مفاد پر قربان کرنے کے لئے رضامند نہ ہوں۔

ان شکاری درندوں، جنہیں عرف عام میں انسان کہا جاتا ہے، کو اپنی درندگی کا مظاہرہ کرنے سے کس نے روکا ہے؟ اب تک ان کی رہنمائی کا فریضہ کون انجام دیتا رہا ہے؟

معاشرتی ڈھانچے کی تشکیل کے آغاز میں ان انسان نما درندوں کو جبر وتشدّد سے اور اندھی بہری قوّت کے ذریعہ قابو میں لایا گیا، بعدازاں اس تشدّد کی قوّت کو قانون کا لبادہ اوڑھا کر استعمال کیا گیا۔ اس سے میں یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ قانون فطرت کے مطابق حق، قوّت کے اندر مضمر و پوشیدہ ہے۔

سیاسی آزادی:

سیاسی آزادی محض ایک تصوّر کا نام ہے، اس میں کوئی ٹھوس حقیقت نہیں ہے، ہمیں اس

تصوّر کو بوقت اشدّ ضرورت استعمال کرنے کا طریقہ معلوم ہونا چاہئے۔ ہمیں اس تصوّر کو بطور چارہ استعمال کر کے عوام کو اپنے گرد جمع کر لینا چاہئے تا کہ صاحبان اقتدار کو ان کی مدد سے گرا کر تباہ و برباد کر دیا جائے۔ اگر ہمارا حریف یعنی حکومت، سیاسی آزادیوں کے تصوّر سے سرشار ہو اور نام نہاد لبرل ازم کی حامی ہو تو اس کو گرانا اور بھی زیادہ آسان ہو جاتا ہے کیونکہ ایسی حکومت اپنے لبرل ازم کے عہد کو نبھانے کے لئے اپنے اقتدار کا کچھ حصہ قربان کرنے پر آمادہ رہتی ہے۔ بس اسی سے اس نظریہ کی کامیابی دکھائی دیتی ہے۔ حکومت کی باگوں (Reins) میں پیدا ہونے والی ڈھیل، اس کشمکش کے نتیجے میں ابھرنے والے نئے ہاتھوں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہوتی ہے اور وہ بڑھ کر انہیں تھام لیتے ہیں۔ کیونکہ قوم کی اندھی طاقت گائیڈ کے بغیر ایک لمحہ کے لئے بھی زندہ نہیں رہ سکتی اور اس خلا کو نئی اتھارٹی پر کرتی ہے جس نے پرانی اتھارٹی کو اس کے لبرل ازم کے ذریعہ کمزور کر کے پچھاڑ دیا ہوتا ہے۔

قوّتِ زر:

جو طاقت کسی زمانے میں لبرل حکمرانوں کو حاصل ہوتی تھی ہمارے دور میں آج وہ زر یا سونے کو حاصل ہے، یہ وہ زمانے ہوا کرتے تھے جب عقیدے اور ایمان کی حکمران تھی (مگر یہ اب نہیں ہے)۔ آزادی کے تصوّر کو حقیقت کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا کیونکہ کسی کو اس کے صحیح اور اعتدال پسندانہ استعمال کا طریقہ ہی معلوم نہیں ہے۔ کسی طبقے یا علاقے کے لوگوں کو کچھ عرصہ کے لئے محدود آزادی یا سیلف گورنمنٹ سونپ کر دیکھ لیجئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک غیر منظّم گروہ ابھر آئے گا۔ ایک ہی نہیں کئی گروہ نمودار ہو جائیں گے جو ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو جائیں گے۔ ہر طرف جھڑپیں، اختلاف و انتشار، بدنظمی اور خانہ جنگی کی کیفیّت دکھائی دینے لگے گی بالآخر سب کچھ مٹی کا ڈھیر بن جائے گا۔

مطلق العنان استبداد:

کوئی ریاست خواہ اپنے اندرونی خلفشار کی وجہ سے خود ختم ہو جائے یا داخلی انتشار اسے بیرونی دشمن کے لئے نوالہ تر بنا دے۔ دونوں صورتوں میں یہ ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گی۔ اس صورتحال تک اسے ہم ہی پہنچا سکتے ہیں۔ یہ سرمائے کا استبداد ہوگا جو کہ ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ اسے ہم نے ایک خاص طریقے سے استعمال کرنا ہے۔ ریاست کو ہمارے سرمائے کا سہارا لینا ہو گا جیسے ڈوبتا ہوا انسان تنکے کی طرف بھی جھپٹتا ہے۔ وہ چاہے یا نہ چاہے۔ اپنے بچاؤ کے لئے یعنی ڈوبنے سے بچنے کیلئے ہماری طرف بڑھے گا۔ جو ریاست ہمارا سہارا نہ لے گی غرق ہو جائیگی۔

اگر کوئی لبرل ذہن کا آدمی یہ سوچنے لگے کہ یہ طرز فکر غیر اخلاقی ہے تو میں اس سے یہ سوال پوچھوں گا کہ اگر ایک ریاست کے دو دشمن ہوں جن میں ایک داخلی ہو اور دوسرا خارجی۔ یہ ریاست اپنے بیرونی (خارجی) دشمن کے خلاف ہر ناجائز حربے اور طریق جنگ بشمول اس کی لاعلمی میں بڑا حملہ کرنے اور شبخون مارنے کو جائز سمجھے تو آخر کس منطق کی رو سے ایسی ریاست کیخلاف وہ کارروائی غیر اخلاقی اور ناجائز قرار پائے گی جس نے اجتماعی فلاح کے تصوّر کی جڑیں کاٹ دی ہوں اور انسانی معاشرے کو تباہ کرنے کے درپے رہتی ہو۔

عوامی رہنمائی:

کیا کوئی صحت مند اور منطقی ذہن کا حامل فرد محض اپنے معقول مشوروں اور فصیح و بلیغ دلائل کے ساتھ عوامی ہجوم کی رہنمائی کرنے میں کامیاب ہونے کی توقع کر سکتا ہے؟ جبکہ ہر معاملے میں انتہائی احمقانہ اور متضاد نوعیّت کے اعتراضات کئے جا سکتے ہیں۔ جنہیں عوّام کے سطحی اذہان بلا تاخیر قبول بھی کر لیتے ہیں۔ عوّام کی اکثریّت اور ان کے نام نہاد نمائندے ادنیٰ

قسم کے عقائد، حقیر جذبات اور بے ہودہ رسوم وروایات کے زیر اثر جماعتی اختلاف وانتشار کے شکار ہو جاتے ہیں اور پھر ان کا کسی معقول ترین فیصلے پر متفق ہونا محال ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ عوامی مجمع کی منظور شدہ قرارداد کی قسمت کا انحصار محض حسن اتفاق یا حاضر شدہ عوام کی اکثریّت پر ہوتا ہے۔ ان عوامل کی بنا پر سیاسی اسرار ورُموز سے یہ ناواقف، بے خبر اور جاہل عوام ایک ایسی نامعقول قرارداد بھی منظور کر لیتے ہیں جو انتظامیہ میں طوائف الملوکی، انتشار اور بدنظمی کے بیج بو دیتی ہے۔

اخلاقی اقدار:

سیاست اور اخلاق میں کوئی قدر مشترک نہیں ہوتی۔ اخلاقی قدروں کا علمبردار انسان کبھی ماہر سیاستدان کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کا اقتدار کبھی پائیدار و مستحکم نہیں ہو سکتا۔ مضبوط حکمرانی کرنے کے خواہش مند شخص کو مکر وفریب، چالاکی وعیّاری، ظاہر داری اور بناوٹی رویہ اختیار کرنے پر قدرت حاصل ہونی چاہئے۔ دیانت وامانت، قومی کردار اور حق گوئی وغیرہ قسم کی اخلاقی اقدار کا کارزار سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ سیاست میں یہ چیزیں خوبیاں نہیں بلکہ عیب شمار ہوتی ہیں۔ ان اقدار کو اختیار کرنے والے حکمرانوں کا زوال ایک لازمی امر ہوتا ہے وہ ایسی تباہی کو دعوت دیتے ہیں جو کسی طاقتور ترین دشمن کے ہاتھوں بھی ممکن نہیں ہوتی۔ لہذا ان اوصاف کو غیر یہودی مملکتوں میں ہی پھلنے پھولنے دیجئے ان سے ہمارا کوئی تعلق واسطہ نہیں ہونا چاہئے۔

استحقاق:

استحقاق کی حدود کیا ہیں، یہ کہاں سے شروع ہوتا ہے اور کہاں ختم ہوتا ہے؟ لفظ حق یا استحقاق ایک مجرّد خیال ہے جس کو کسی طرح ثابت و متعیّن نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حق طاقت کے اندر

مضمر ہے۔ اس کی توضیح یوں ہوسکتی ہے۔ ''مجھے وہ کچھ دیدو جو میں چاہتا ہوں تا کہ میں یہ ثابت کرسکوں کہ میں تم سے زیادہ طاقتور ہوں''۔ ہر وہ ریاست جس کا نظامِ حکمرانی کمزور اور ناقص ہو جس کے قوانین حریّت پسندوں کے بڑھتے ہوئے مطالبات اور حقوق کے سیلاب کے سامنے دم توڑ چکے ہوں وہاں ایک نیا حق معرض وجود میں آجاتا ہے اور وہ ہے طاقتور ہونے کی حیثیّت سے دھاوا بولنے کا حق، پہلے سے موجود اور مروّج قوانین اور نظم وضبط برقرار رکھنے والی قوّتوں کو درہم برہم کرنے اور تاخت وتاراج کردینے کا حق۔ تا کہ میں من مانی کرسکوں تمام اداروں کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال کر ان لوگوں کا حکمران اعلیٰ بن سکوں جو حریّت پسندی اور لبرل ازم کے جنون میں اتنا آگے چلے گئے کہ ان کے لئے اپنے حقوقِ حکمرانی سے دستبرداری کے سوا کوئی راہ باقی نہ رہی۔

عصرِ حاضر کی حکومتوں کی تمام لڑکھڑاتی صورتوں کے مقابلے میں ہماری طاقت ناقابل تسخیر ہوگی کیونکہ یہ اس وقت تک پردۂ اخفا میں رہے گی جب تک یہ اتنی مضبوط نہ ہوجائے کہ کوئی عیّار سے عیّار دشمن بھی اسے نقصان نہ پہنچا سکے۔ ہمارے پیش نظر ایک خاص منصوبہ ہے جو بڑی محنت اور کمال درجے کی حکمتِ عملی سے تیار کیا گیا ہے، لہذا اس کی متعیّنہ حدود سے منحرف ہونا صدیوں کی محنت اور عرق ریزی کو ضائع کرنے کے مترادف ہوگا۔

عوام کی کمزوری:

عوام میں چند فطری کمزوریاں ہوتی ہیں۔ ہمیں اپنے پروگراموں پر عمل کرنے کے لئے عوام کی کمزوریوں پر پوری نظر رکھنی چاہئے۔ عوام النّاس اندھے، بے شعور، کم عقل اور بے سمجھ ہوتے ہیں۔ ان کے اندر بدمعاشی، بدذاتی، پاپی پن، کسی اصول پر کاربند نہ رہنے اور ہڑبونگ

مچانے کے جذبات موجزن رہتے ہیں۔ ان رجحانات کی وجہ سے وہ ہر کسی کی انگلیوں کے اشارے پر ناچ سکتے ہیں۔ دراصل وہ کسی بھی طاقت کے غلام اور اس کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ ایک اندھا دوسرے اندھے کی رہنمائی تو نہیں کر سکتا لیکن اسے تباہی کی راہ پر ضرور ڈال سکتا ہے۔ عوام میں سے جو شخصیّت بھی ابھرے گی عقل و خرد سے خواہ کتنی ہی ذہین ہو سیاسی امور سے ناواقفیت کے باعث عوام کے قائد کی حیثیّت سے سامنے نہیں آسکتی۔ اس کا یہ کردار اختیار کرنا ساری قوم کے لئے تباہی کا باعث بنے گا۔ لہذا وہی افراد جن کو بچپن میں خود مختار حکمران بننے کی تربیّت ملی ہو ان اصطلاحوں کو سمجھ سکتے ہیں جو سیاست کی ابجد (اے بی سی) کے حروف سے مرتّب کی گئی ہوں۔ اگر کسی قوم کو من مانی کرنے کی اجازت مل جائے یعنی اس کی باگ ڈور نوآموز سیاست دانوں کے ہاتھوں میں چلی جائے تو شان و شوکت کے حصول کی دوڑ کی وجہ سے بدنظمی اور تباہی اس قوم کا مقدّر بن جاتی ہے۔

عیّاشی اور فحاشی:

ذرا اُن بدمست شرابیوں کی طرف دیکھئے جو نشے میں دھت ہیں اور انسان نہیں بلکہ جانور معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی مدہوشی سے لطف اٹھایئے۔ ان کو نظم و ضبط اور قیّود سے نفرت ہے۔ اس لئے انہیں نشیلے مشروبات پینے کا حق پہنچتا ہے۔ مگر ہمارا راستہ اور ہے اور غیر یہودی اقوام کا اور راستہ ہے۔ منشیات نے غیر یہود لوگوں کے ہوش و حواس چھین لئے ہیں۔ ان کی نوخیز نسل کو یونانی و لاطینی علم و ادب، فکر و فلسفہ اور ان کے مخصوص زاویہ نگاہ کی اندھی تقلید نے حماقت میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان کو بے وقوف بنانے میں لڑکپن کی آوارہ مزاجی اور بدقماشی کا بھی بڑا دخل ہے اور ہم نے اپنے خاص ایجنٹوں کے ذریعہ انہیں اس طرف مائل کرنے کا اہتمام

کر رکھا ہے۔ ایجنٹوں سے مراد ان کے وہ اتالیق اور اساتذہ ہیں جو ان کی تعلیم و تربیت پر مامور ہیں، ان کے خدمت گار، گھریلو خادم، نگران، ولی اور عام طور پر ان کی صحبت میں رہنے والے افراد ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے اہل دولت و ثروت افراد کے ہاں مقیم استانیاں، معلمائیں اور ہماری وہ عورتیں ہیں جو عیاشی کے اڈوں پر ان سے ملتی ہیں جہاں غیر یہودی جانا پسند کرتے ہیں۔ ان ضمن میں، میں ان نام نہاد سوسائٹی لیڈیز کا بھی ذکر کروں گا جو از خود عیاشی فحاشی اور آوارگی کی طرف میلان رکھنے والے افراد کو اپنے دام تزویر میں پھانستی ہیں۔

فریب کاری:

طاقت اور فریب کاری، سیاسی میدان میں خصوصی طور پر کارآمد چیزیں ہیں۔ ان کے ذریعہ دوسروں کو ہمنوا بنانے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں قوت و طاقت کا بھرپور استعمال کرنا چاہئے۔ سیاسی امور میں طاقت ایک کارگر حربہ ہے۔ بشرطیکہ اسے ہوشیاری سے اور دبیز پردوں میں ملفوف کر کے استعمال کیا جائے۔ ان حکمرانوں کیلئے جو اپنے تاج شاہی کو کسی نئی طاقت کے ایجنٹوں کے قدموں میں نہیں ڈالنا چاہتے دہشت و بربریت، مکر و ریا کے ذریعہ اپنی راہ پر لایا جاسکتا ہے۔ دوسروں کو دغا دینے اور بے وقوف بنانے میں بھی کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے۔ اگرچہ یہ حربے سراسر شر ہیں لیکن اصل مقصد طلب برآری ہے اور موثر طریق کار ہے۔ اگر رشوت، دغا و فریب، نیز غداری و بے وفائی کے حربوں سے کامیابی ہو سکے تو ان کے استعمال سے قطعاً گریز نہیں کرنا چاہئے۔ اگر کسی کی جائیداد چھین کر اسے اطاعت و فرمانبرداری پر مجبور کیا جاسکتا اور اقتدار اعلیٰ پر قبضہ کرنا ممکن ہو تو کسی پس و پیش کے بغیر ایسا کر گزرنا چاہئے۔

ذرائع اور وسائل:

ہم صرف ذرائع اور وسائل کی فراوانی پر ہی بھروسہ نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ نظریہ تشدد و بربریت کو بھی بروئے کار لاسکتے ہیں۔ ہم تمام حکومتوں کو اعلیٰ حکومت (سپر گورنمنٹ) کے تحت لائیں گے۔ غیر یہودیوں پر اچھی طرح واضح کر دیا جانا چاہئے کہ ہم ہر گستاخی اور بے ادبی کا سر کچلنے کو روا سمجھتے ہیں۔ اس معاملے میں ہم سخت بے رحم ثابت ہوں گے۔

اسباب نصرت:

آزادی، مساوات اور بھائی چارہ (Liberty, Equality, Fraternity) کا جو نعرہ ہم نے دیا، دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گیا ہے۔ اس کے لئے ہم اپنے اندھے ایجنٹوں کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمارے جھنڈے کو سر بلند رکھا ہے۔ یہ الفاظ ہر دور میں دیمک کی طرح غیر یہود کی فلاح و بہبود کو چاٹتے رہے۔ اور امن وسکون، آشتی اور سالمیّت کو ختم کر کے ان کی مملکتوں کی جڑیں کھوکھلی کرتے رہے۔ اور جیسا کہ آپ کو بعد میں معلوم ہوگا یہی چیز ہماری فتح و نصرت کا سبب بنی ہے۔ اس نے ہمیں دوسری چیزوں کے علاوہ یہ موقع بھی فراہم کیا ہے کہ ہم اپنے ہاتھوں میں شہ پتّوں کو لے لیں۔ یعنی مناصب کے غلط استعمال اور مناصب کی تباہی و بربادی کا اہتمام کریں، یہ الفاظ دیگر غیر یہودی ارسٹوکریسی کو فنا کر دیں۔ اور اس طبقے کو ختم کر دیں جو دوسرے ممالک اور عوام میں ہمارے خلاف دفاع کرتے ہیں۔ غیر یہودی ارسٹوکریسی کے کھنڈرات پر ہم اپنے تعلیم یافتہ طبقے کی بالادستی قائم کریں گے جس کی قیادت دولت کی ارسٹوکریسی کرے گی۔ اس ارسٹوکریسی کو ہم نے دولت سے تعبیر کیا ہے، دولت جو ہماری تابع فرمان ہے۔ علم بھی اسی ارسٹوکریسی میں پنہاں ہے جس میں ہمارے بزرگ داناؤں کی ایک مثبت قوّت پائی جاتی ہے۔

ہماری فتح اور کامرانی اس لئے بھی زیادہ آسان ہے کہ ہم نے اپنے رشتے اور باہمی تعلقات کی اساس انسانی نفسیات پر رکھی ہے۔ ہم جن افراد سے اپنے روابط رکھنا چاہتے ہیں ان کی بنیاد دولت، حسن و عشق اور انسان کی کبھی تسکین نہ پانے والی احتیاجات پر رکھی ہے۔ اگر ہم ہر ایک میں انسانی کمزوری کو مدِ نظر رکھیں تو ہمارا طریق کار ان کی صلاحیتوں کو مفلوج کرنے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ انسانی خود اعتمادی اور قوت ارادی ان افراد کے ہاتھ میں کھیلتی ہے جو اس کو ہر قسم کا عیش فراہم کرتے ہیں۔

آزادی کے مجرّد تصوّر نے ہمیں موقع فراہم کیا ہے کہ ہم ہر ملک کے لوگوں کو اس بات پر اکسائیں کہ ان کی حکومتیں ان چند افراد کے سوا کچھ نہیں جو ملک کے حاکم اور مالک بن بیٹھے ہیں۔ انہیں پھٹے پرانے دستانوں کی طرح پھینک دیا جانا چاہئے۔ عوامی نمائندوں کو ہٹانے کے لئے اسی امکان نے ہمیں مختلف ممالک کے عوام کو اپنے ہاتھ میں لینے کا موقع فراہم کیا ہے، چنانچہ ہمیں عہدوں پر تقرر کرانے کا اختیار حاصل ہو چکا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿پروٹوکول نمبر 2﴾

معاشی جنگ : (ECONOMIC WAR)

☆☆ خلاصہ ☆☆

''اقتصادی جنگیں، یہودی غلبے کی بنیاد، دکھاوے کی حکومتیں اور خفیہ مشیر، تباہ کن نظریات کی کامیابی، سیاست میں موزونیت، پریس کا کردار، سونے کی قیمت اور یہودیوں کی گراں بار قربانیاں''۔

☆☆ اصل متن ☆☆

جنگ کی حکمت عملی:

ہمارا مفاد اس امر کا متقاضی ہے کہ جہاں کہیں بھی جنگیں ہوں، ان کے نتائج علاقائی فتوحات کی صورت میں سامنے نہ آئیں۔ ایسا ہوا تو جنگوں کی نوعیّت محض اقتصادی بن جائے گی اور متحارب قوموں کو ہماری امداد کی ضرورت پڑے گی جس کی وجہ سے وہ ہمارے بین الاقوامی ایجنٹوں کے رحم وکرم پر ہوں گے۔ (ان ایجنٹوں میں یہودی اور غیر یہودی، دونوں قسم کے ادارے شامل ہوں گے) جو عالمی واقعات پر گہری نظر رکھتے ہیں ان پر کسی خطے میں بھی پابندی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے بین الاقوامی روابط اور حقوق درحقیقت مقامی قومی حقوق کا صفایا کر دیں گے۔ ان قوموں پر صحیح معنوں میں ہماری حکمرانی ہوگی۔ بالکل اسی طرح جیسے ریاستیں اپنے سول لاء کے ذریعے اپنے عوام پر حکمرانی کرتی ہیں، اور ان کے باہمی تعلقات کو مربوط کرتی ہیں۔

یہودی ماہرین اور مشیر:

کسی ملک پر حکمرانی کے لئے ہم عوام ہی میں سے چند افراد کو منتخب کریں گے۔ ان کی اہم ترین خوبی ہمارے تابع فرمان ہونا ہے۔ ان کے لئے چونکہ نظم ونسق کا تجربہ ضروری نہیں ہوگا اس لئے وہ آسانی سے ہمارے آلہ کار بنیں گے لیکن وہ ہمارے مقرر کردہ مشیروں اور ماہرین کے محتاج ہوں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ماہرین ایسے افراد ہوں گے جنہیں بچپن سے ہی انتظامی اور مملکتی امور کی تربیت دی گئی ہوگی۔ ہم نے اپنے آدمیوں کو بڑی جانفشانی سے آداب حکومت سکھائے ہیں اور یہ لوگ تاریخ سے سبق لینا بھی جانتے ہیں۔ انہیں ہمارے سیاسی منصوبوں سے بھی آگاہی حاصل ہے۔ یہ باہوش اور باخبر لوگ ہیں جو گہرا مشاہدہ رکھتے ہیں اور

کرۂ ارض کے کسی مقام پر ہونے والے واقعہ کا فوری تجزیہ کر لیتے ہیں۔ دوسری طرف غیر یہود (Goyim) تاریخ کا بے لاگ اور غیر متعصّبانہ مطالعہ کرنے سے قاصر رہتے ہیں جو نتائج اور عواقب سے بے نیاز، نظریاتی دنیا میں قیاس آرائیاں کرنے میں مشغول رہتے ہیں، اس لئے ہمیں ان کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انہیں مقرّرہ کھیل تماشوں میں مصروف رہنے دیجئے، اسلاف کی عظمتوں کے ترانے گانے دیجئے۔ انہیں وہ کردار ادا کرنے کے لئے اپنی حالت پر چھوڑ دیجئے جو ہم نے سائنس کے نام پر ان کے لئے مقرّر کر رکھا ہے۔ (یعنی صرف نظری بحث مباحثے میں الجھے رہیں) یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے پریس کے ذریعہ ان سائنسی نظریات پر ان کا یقین مضبوط کرنے کی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ غیر یہود دانشوران نظریاتی علوم پر فخر کر کے پھولے نہیں سماتے۔ یہ لکیر کے فقیر قسم کے لوگ ان سائنسی معلومات کو تحقیق و تدقیق کی کسوٹی پر پرکھے بغیر عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سائنسی معلومات کا یہ ذخیرہ ہمارے ماہرین نے بڑی ہوشیاری سے اس انداز میں ترتیب دیا ہے کہ غیر یہودی ذہنوں کو ایک خاص رخ پر لگا دے اور وہ اسی کو اصل سائنس سمجھتے رہیں۔ آپ ایک لمحہ بھر کے لئے بھی ذہن میں یہ بات نہ لائیے کہ یہ بیانات محض لفاظی ہیں بلکہ ان کامیابیوں پر نگاہ ڈالئے جو ڈارون، مارکس اور نیٹشے کے نظریات کے ذریعے ہم نے حاصل کی ہیں۔ اہل یہود کو یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ان نظریات کے اثرات کا ہی تو کرشمہ ہے کہ آج یہودیوں کے قلوب و اذہان نفاق اور انتشار سے دوچار ہیں۔

ہمارے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ اقوام عالم کے خیالات، کردار اور رجحانات کا جائزہ لیتے رہیں تاکہ ہم سے سیاسی اور انتظامی غلطیاں نہ ہونے پائیں ہمارا یہ نظام جس کی مشینری کے مختلف حصے دور دراز مقامات پر پھیلے ہوئے ہیں مناسب منصوبہ بندی نہ ہوئی تو بالکل

بے کار ہو جائے گا۔

پریس کی طاقت:

آج کے دور میں ریاستوں کے پاس ایک ایسی قوّت ہے جو لوگوں کے ذہنوں میں خیالات پیدا کرتی اور انہیں آگے بڑھاتی رہتی ہے۔ یہ پریس کی قوّت ہے۔ پریس کا اصل کردار یہ ہے کہ ناگزیر ضروریات کی نشاندہی کرتا ہے، عوام کی شکایات اور تکالیف کو سامنے لاتا ہے۔ یہ بے اطمینانی اور بے چینی کی فضا بھی پیدا کرتا ہے اور اس کی تشہیر بھی کرتا ہے۔

یہ پریس ہی تو ہے جس کے ذریعہ آزادی تقریر کا عملی اظہار ہوتا ہے۔ غیر یہودی ریاستیں چونکہ اس طاقتور حربے کے استعمال سے نا آشنا اور بے بہرہ ہیں لہٰذا یہ طاقت کلی طور پر ہمارے ہاتھ آ چکی ہے۔ پریس کی وجہ سے ہم خود پس پردہ رہ کر غیر یہود عوام پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی کے ذریعے ہم سونے جیسی قیمتی دھات پر قابض ہوئے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اسے حاصل کرنے کے لئے خون اور آنسوؤں کے سمندر میں سے گزرنا پڑا ہے اپنے بہت سے عزیزوں کی جانوں کی بھی قربانی دی ہے۔ لیکن اس سے ہمیں بے بہا فائدہ بھی پہنچا ہے۔ یاد رکھئے کہ ہمارا ہر فرد ظلم و ستم کا نشانہ بنا ہے۔ خدا کی نظروں میں ہمارا ایک فرد ہزار غیر یہودی افراد کے برابر ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿پروٹوکول نمبر 3﴾

فتح کے طریقے (METHODS OF CONQUEST)

☆☆ خلاصہ ☆☆

علامتی سانپ اوراس کی اہمیّت ، دستوری پیمانے ، دہشت گردی، طاقت اور ہوس، اقتصادی غلامی، عوامی حقوق، اجارہ دارانہ نظام اور ارسٹوکریسی، فوج یہود، گویم (غیر یہود) کا خاتمہ، بھوک اور سرمایہ کے حقوق، عوام اور دنیا کے حاکم اعلیٰ کی تاجپوشی، مستقبل کے صہیونی قومیّت کے سکول پروگرام کے بنیادی نظریہ کی روح، معاشرتی نظام کی تعمیر کی سائنس کا راز، عالمی معاشی بحران، یہودیوں کا تحفّظ، صہیونیّت کی تشہیر، صہیونیّت اورفرانس کا عظیم انقلاب، یہودیوں کا عظیم خون بہا، صہیونیّت کی ناقابل تسخیری کی وجوہات، صہیونیّت کے خفیہ ایجنٹوں کا کرداراور آزادی۔

☆☆ اصل متن ☆☆

علامتی سانپ اوراس کی اہمیت:

آج میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہماری منزل اب صرف چند قدم دور رہ گئی ہے جس راہ پر ہم چل رہے ہیں اس کا بہت ہی کم حصہ طے ہونا باقی رہ گیا ہے اور ہمارے اس علامتی سانپ کا حلقہ مکمل ہونے والا ہے جس سے ہم اپنی قوم کے افراد کو تشبیہہ دیتے ہیں۔ جس روز یہ حلقہ مکمل ہو جائے گا اس روز یورپ کی تمام مملکتیں ایک مضبوط ترین شکنجے کی لپیٹ میں آ جائیں گی۔

دستوری پیمانے:

غیر یہودی اقوام اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ انہوں نے اپنے دساتیر کو ٹھوس بنیادوں پر استوار کر لیا ہے اس لئے وہ اب بالکل محفوظ ہو گئی ہیں لیکن ان کے یہ پیمانے عنقریب

ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیں گے کیونکہ ہم نے ان کی تدوین اس انداز میں کی ہے کہ ان میں توازن کی وہ شدید خامیاں موجود ہیں جو مملکتوں کی جڑوں کو کھوکھلا کرتی رہتی ہیں۔ اور وقت آنے پر ہم ان کو اپنی مرضی کے مطابق کسی بھی محور پر گردش کرا سکتے ہیں۔ جبکہ غیر یہود ہمیشہ سے اس امید پر جیتے رہے ہیں کہ ان میزانوں میں توازن وقت گزرنے پر خود بخود پیدا ہو جائے گا۔ لیکن ان کی امید پر بہت جلد پانی پھر جائے گا۔ یہ بادشاہ اپنے درباری مسخروں کے درمیان گھرے ہوئے ہیں۔ درحقیقت ان کی طاقت محلّات میں جنم لینے والی دہشت گردی اور ظلم و تشدّد کی مرہون منّت ہوتی ہے۔ چونکہ ان کے پاس عوام میں گھلنے ملنے اور بیرونی حقائق کا خود جائزہ لینے کے ذرائع نہیں ہیں اس لئے ان کی غلط فہمیاں دور ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں ہے۔ یہ حکمران اور بادشاہ اپنے تاج و تخت کے سوا کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے اور نہ ہی عوام کی توقّعات پر پورے اتر سکتے ہیں۔ ہم نے اقتدار اعلیٰ اور عوام کی اندھی قوّت کے مابین اتنی وسیع اور گہری خلیج حائل کر دی ہے کہ دونوں اپنی اپنی جگہ اپنے معنی کھو بیٹھے ہیں۔ یاد رکھئے کہ اندھا آدمی اور اندھی لاٹھی ایک دوسرے سے جدا ہو کر بے معنی اور بے طاقت ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اقتدار کے بھوکوں میں قوّت کے غلط استعمال کے رجحان کو فروغ دینے کے لئے ہم نے تمام گروہوں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں لا کھڑا کیا ہے۔ تمام جماعتوں اور گروہوں کو مسلّح کر کے اقتدار ہی کو ان کا مطلوب و مقصود بنا دیا ہے۔ ریاست کو سینکڑوں متنازعہ مسائل کا اکھاڑہ بنانے کے نتائج بہت جلد سامنے آئیں گے۔ ہر جگہ انتشار، بدامنی اور دیوالیہ پن کا دور دورہ ہو جائے گا گویا اسمبلیاں، پارلیمنٹوں کے اجلاس اور اقتدار کے ایوان اب کبھی ختم نہ ہونے والی فضول گوئی کے مقابلوں اور مناظروں کی آماجگاہ بن چکے ہیں۔ عوام چھپی ہوئی چیزوں (Printed Things) پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کر لیتے ہیں۔ بے ایمان قسم کے پمفلٹ

باز اور بے باک صحافی ہر روز انتظامی افسروں کی دھجیاں اڑاتے ہیں اور عوام کو ریاست کے خلاف اکساتے ہیں، اس کا نتیجہ ریاستی اداروں کے تہہ و بالا ہونے کی صورت میں نکلے گا اور ہر چیز ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فضا میں بکھر جائے گی۔ آج کل لوگ غربت و افلاس کے ہاتھوں بھاری مشقّت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، اس کی گرفت دورِ غلامی بلکہ دورِ زرعی غلامی میں بھی اتنی مضبوط نہ تھی۔ ممکن ہے وہ حکمرانوں سے کسی نہ کسی طرح نجات حاصل کر لیں لیکن احتیاجات اور ضروریات زندگی سے تو چھٹکارا نہیں پا سکیں گے۔

دساتیر میں شامل عوام کے بنیادی حقوق محض فرضی ہیں، ان نام نہاد حقوق کا اصل حقوق سے کوئی تعلّق نہیں۔ یہ محض ایک خواب ہوتے ہیں جو عملی زندگی میں روبہ عمل نہیں آ سکتے۔ ایک محنت کش جس کی کمر محنت و مشقّت اور احتیاجات کے بوجھ کی وجہ سے دوہری ہو رہی ہو اسے باتونی لوگوں کو یا وہ گوئی کا حق مل جانے یا اخبارات میں خوبصورت مواد پر مبنی لغویات چھپ جانے سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ یاد رکھئے کہ کسی بھی دستور کے تحت محنت کشوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، ان سے فائدہ ایسے لوگوں کو ہوتا ہے جنہیں ہم برسر اقتدار لانا چاہتے ہیں۔

غریب آدمی کے لئے جمہوریّت اور جمہوری حقوق کی حقیقت ایک شدید طنز کے سوا کچھ نہیں کیونکہ وہ دن بھر محنت و مشقّت کی چکی میں پستا رہتا ہے، اسے ان حقوق کے استعمال کے لئے فرصت کہاں ملتی ہے۔ وہ تو ساتھیوں کی ہڑتالوں اور مالکوں کی تالہ بندیوں کے باعث ایک باقاعدہ اور یقینی اُجرت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

طبقہ شرفا کے خاتمے کے ساتھ ہی عوام سرمایہ بٹورنے والے بے رحم اور ظالم لوگوں کے شکنجے میں آ چکے ہیں جنہوں نے محنت کشوں کی گردنوں میں ظلم و استحصال کا جوا پہنا دیا ہے۔ ہم ان مظلوم طبقوں کو ان کے اصل حقوق دلانے کے لئے نجات دہندہ کے روپ میں آگے بڑھتے

ہیں اور انہیں اپنی عسکری تنظیموں مثلاً سوشلسٹوں، انارکسٹوں اور کمیونسٹوں کی صفوں میں شامل ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان تنظیموں کو ہم اپنی اجتماعی تحریک، فری میسن کے ذریعہ ہر قسم کی مدد دیتے ہیں۔ سوشلسٹ، انارکسٹ اور کمیونسٹ یہ سب ہماری فوج کے طور پر کام کرتے ہیں۔ ہمارا مقصد عوام کو معاشی مشکلات سے نجات دلانا نہیں اور نہ ہی ہمیں ان سے کوئی دلچسپی ہے، ہمیں جس چیز سے دلچسپی ہے وہ اس کے قطعی متضاد ہے، ہمیں تو ان کی تحقیر و تذلیل سے غرض ہے کیونکہ ہم غیر یہود کا صرف خاتمہ چاہتے ہیں، جس کی واحد صورت انہیں ایک دوسرے کے خلاف گتھم گتھا کرانا ہے۔ ہم عوام کو احتیاجات، ضروریات، نفرت و دشمنی کے جذبات و احساسات ابھار کر اس راہ پر گامزن کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے ہاتھوں سے ان تمام رکاوٹوں کو دور کر دیں جو ہماری فتح کی راہ میں حائل ہو رہی ہیں۔

غیر یہود نے غور و فکر اور سوچ بچار کی عادت ترک کر دی ہے۔ ان کے ذہن میں اگر کبھی کوئی تجویز ابھرتی بھی ہے تو وہ بھی ہمارے ماہرین کے اشاروں کی مرہون منّت ہوتی ہے۔ وہ اس شدید ضرورت کی اہمیّت کو محسوس ہی نہیں کرتے جسے ہم برسر اقتدار آنے کے بعد فوری طور پر پورا کر دیں گے اور وہ ہے قومی درّس گاہوں میں علم کی ایک سادہ سی حقیقت کو واضح کرنا جو سارے علم کی اساس ہے یعنی حیات انسانی کے ڈھانچے کا علم اور سماجی نظام کا علم، جس میں تقسیم کار کے اصول کا بہت دخل ہے اور جس کے نتیجہ میں انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

سماجی و معاشرتی نظام کا صحیح علم جس کے اسرار و رموز میں ہم غیر یہود کو شریک نہیں کرتے یہ ظاہر کرے گا کہ مختلف قسم کے مراتب اور فرائض مخصوص دائروں کے اندر رہنے چاہئیں، انہیں انسانی آلام و مصائب کا باعث نہیں بننا چاہئے جو اس غلط تعلیم کے نتیجے میں کے

طور پر جنم لیتے ہیں جس کی ان کے فرائض سے قطعاً کوئی مطابقت نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ انہیں زندگی میں کبھی سرانجام دینا پڑتے ہیں۔ اس علم کے گہرے مطالعے کے بعد لوگ از خود ان عہدوں پر قانع ہو جائیں گے جن پر ریاست کی طرف سے ان کا تقرّر کیا جائے گا۔

علم کی موجودہ صورتحال اور اس کی ترقی کے لئے لوگوں کو مطبوعہ مواد پر اندھا دھند یقین کرنے کی جس راہ پر ہم نے ڈال رکھا ہے اس کے زیر اثر وہ ان حالات و کیفیات سے شدید نفرت کرتے ہیں جنہیں وہ اپنی دسترس سے باہر سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کی جہالت اور وہ ترغیبات و تصریحات ہمارے لئے غنیمت ہیں جو ان کی گمراہی کا باعث بنی ہیں۔ درحقیقت وہ انسانی طبقات و حالات کا کوئی ادراک نہیں رکھتے۔

اقتصادی بحران کے اثرات، ان طبقوں کی باہمی نفرت میں مزید شدّت پیدا کریں گے۔ یہ بحران تبادلہ زر میں رکاوٹیں پیدا کرے گا اور صنعت کو جامد کر دے گا۔ اس طرح ہم اپنے تمام زیر زمین حربوں کو بروئے کار لا سکیں گے۔ زر کی مدد سے جو کہ سب کا سب ہمارے ہاتھوں میں ہے، ہم ایک عالمی معاشی بحران پیدا کر دیں گے، اس کے ساتھ ساتھ یورپ کے تمام ملکوں میں بیک وقت محنت کشوں کو سڑکوں پر لے آئیں گے۔ عوام کا یہ بے قابو ہجوم اپنی سادہ لوحی اور کم فہمی کے باعث ان لوگوں کا خون بہا دے گا جو ہمیشہ معاشی وسائل پر قابض رہے اور جنہیں عوام آغوش مادر سے ہی رشک و حسد کی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ مشتعل عوام مظاہروں اور قتل و غارت کرنے پر ہی اکتفا نہ کریں گے بلکہ ان املاک کو بھی لوٹ لیں گے جو ان کے خیال کے مطابق ان کے خون پسینے سے بنائی گئی تھیں۔ یہ لوٹ مار کرنے والے ہماری املاک کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکیں گے کیونکہ ہم ان کے متوقع حملوں سے پہلے ہی آگاہ ہوں گے اور اپنی املاک کے تحفّظ کے لئے مناسب اقدامات کر چکے ہوں گے۔

موجودہ دور میں ہم ایک بین الاقوامی قوّت وحیثیّت کے باعث ناقابل تسخیر بن چکے ہیں۔ کیونکہ اگر کوئی طاقت ہم پر حملہ آور ہونے کی جرأت کرتی ہے تو ہمیں تمام دیگر مملکتوں کی حمایّت حاصل ہو جاتی ہے۔ غیر یہود اقوام کی یہ شیطانیّت اور بدمعاشی ہے کہ وہ قوّت اور طاقت کے سامنے عجز وانکسار اختیار کر لیتی ہیں حتیٰ کہ پیٹ کے بل رینگنے لگتے ہیں۔ لیکن کمزوروں کے لئے بے رحم، سنگدل اور جابر وظالم بن جاتے ہیں۔ معمولی معمولی فروگزاشتوں کو تو معاف نہیں کرتے لیکن بڑے بڑے جرائم سے درگزر کر جاتے ہیں۔ آزاد معاشرتی نظام کے تضادات کو برداشت نہیں کرتے لیکن مطلق العنان حکمران کے جبر واستبداد کو بہ رضا ورغبت بلکہ نیکی سمجھ کر سہہ لیتے ہیں۔ ان کی یہی متضاد خصوصیّات آزادی کے حصول میں وہماری معاون بنتی ہیں۔ غیر یہودی اقوام موجودہ دور کے بڑے بڑے آمروں کے مظالم کو نہایت صبر واستقامت کے ساتھ برداشت کر رہی ہیں کہ ان سے کہیں کم مصائب پر ماضی میں انہوں نے بیسیوں تاجداروں کے سر اڑا دیئے تھے۔ اس عجیب وغریب طرز عمل کی آخر توجیہہ کیا ہے؟ ایک ہی نوعیّت کے حالات کے لئے عوام کا ردّ عمل اس قدر متضاد کیوں ہے؟

اس کی ایک وضاحت یوں کی جاتی ہے کہ یہ آمر اپنے کارندوں کے ذریعے اپنے اپنے عوام کے کانوں میں یہ بات پھونک دیتے ہیں کہ مملکتوں کو یہ مصائب وآلام ایک عظیم مقصد یعنی عوام کی فلاح وبہبود نیز عالمی برادری کے قیام اور مساوی حقوق کے لئے اٹھانا پڑ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے عوام کو یہ بتانے سے قاصر رہتے ہیں کہ ایسا اتحاد ویگانگت اور مساوات تو ہمارے ہی اقتدار اعلیٰ کے تحت وجود میں آسکتی ہے۔ یہیں سے عوام کی بے چینی اور شورشوں کی ابتدا ہوتی ہے، ہمیں ایسے حالات پر اظہار تشکّر کرنا چاہئے کہ لوگ ہر قسم کے استحکام اور مرکزیّت کو تباہ کر کے، ہر ہر قدم پر بدنظمی اور انتشار پھیلا رہے ہیں۔

لفظ ''آزادی'' ایک عجیب وغریب فریب اور دھوکہ ہے۔ یہ عوام کے ہر طبقے کو ہر قسم کی طاقت و جبر اور اتھارٹی کے خلاف برسر پیکار کرتا ہے حتیٰ کہ خدا اور قوانین فطرت کے خلاف بھی ابھارتا ہے۔ لہٰذا جب ہماری بادشاہت قائم ہو جائے گی ہم اس لفظ کو لغت زندگانی میں سے خارج کر دیں گے کیونکہ یہ عوام کو خون کے پیاسے درندے بنا دیتا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ یہ درندے خون کی پیاس بجھا لینے کے بعد ہر بار غفلت کی نیند سو جاتے ہیں۔ لہٰذا ایسے مواقع پر انہیں آسانی سے زنجیر پا کیا جا سکتا ہے لیکن خون پیئے بغیر ان پر غفلت طاری نہیں ہوتی اور جدوجہد میں لگے رہتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿پروٹوکول نمبر 4﴾

مذہب پر مادے کی فوقیت: (Materialism Replaces Religion)

☆☆ خلاصہ ☆☆

جمہوریت کی منزلیں، خفیہ ہاتھ اور تخریب کاری، آزادی اور ایمان، بین الاقوامی صنعتی مقابلہ، سٹہ بازی اور جوئے کا کردار، بے ضمیر اور بے رحم معاشرہ۔

☆☆ اصل متن ☆☆

جمہوریت اور سازشیں :

ہر جمہوری ملک کو مختلف مرحلوں میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان میں سے پہلا مرحلہ عوام میں مجنونانہ شورشوں کا ہوتا ہے جس میں عاقبت نااندیش لوگوں کا گروہ مغلوب الغضب ہو کر ادھر ادھر بھاگتا اور فتنے برپا کرتا ہے۔ دوسرا مرحلہ خطابت انتشار کو جنم دیتا ہے، اس کے نتیجے میں مطلق العنانیت اور غیر قانونیت برپا ہوتی ہے۔ یہ اشتعال انگیز قوتیں کسی غیر مرئی اور پوشیدہ قوت کے سامنے جواب دہ ہوتی ہیں اور کوئی شخص یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہتا کہ طاقتور عناصر کسی خفیہ تنظیم کے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں۔ جس کی سرگرمیاں مکروفریب اور دھوکے پر مبنی ہوتی ہیں۔ اس غیر مرئی قوت کے کارندوں میں ردّوبدل بھی ہوتا رہتا ہے لیکن یہ ردّوبدل اس نظام کو متاثر نہیں کرتا، یہ تبدیلیاں اس لئے کی جاتی ہیں کہ یہ کارندے اپنی طویل خدمات کے عوض اپنے ذرائع اور وسائل میں وسعت کے طلب گار ہوتے ہیں۔ آخر کس کی جرأت ہے کہ ہماری غیر مرئی قوت کا تختہ الٹ سکے۔ غیر یہودی میسنری کی سرگرمیاں ہمارے عزائم کی پردہ پوشی کرتی ہیں اور ہماری قوت کے منصوبے بھی لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔ مگر ان کے اسرار کو کوئی نہیں سمجھ سکتا یہ سب کچھ ان کے لئے ایک معمہ ہوتا ہے۔

یاد رکھئے کہ آزادی بے ضرر بھی ہو سکتی ہے اور عوامی فلاح و بہبود کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر ملکی معیشت میں اپنی جگہ بنا سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس کی بنیاد خدا پر ایمان اور انسانی اخوت پر رکھی گئی ہو۔ اور یہ اخوتِ اصول تخلیق کے منافی فلسفہ مساوات سے تعلق نہ رکھتی ہو کیونکہ فطرت کا اصولِ تخلیق انسانوں میں درجہ بندی اور محکومیت کے تصور پر مبنی ہے۔ اس اعتقاد کے تحت عوام کو حکمرانی کی خاطر مذہبی حلقوں اور درجہ بندیوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور اس درجہ بندی کے تحت اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر کے روحانی پیشواؤں کی رہنمائی میں قناعت اور عجز و

انکساری سے مطمئن زندگی گزار لیتے ہیں۔ اسی لئے تو ہمارے مقاصد کی تکمیل کے لئے یہ لازم ہے کہ تمام مذاہب کی اہمیّت کو ختم کر کے غیر یہودی افراد کے ذہن سے الوہیّت اور روحانیّت کے تصوّر کی بیخ کنی کر دیں اور انہیں مادی ضروریات اور حسابی اعداد و شمار کے چکّر میں الجھا کر رکھ دیا جائے۔

غیر یہودیوں کو صنعت اور تجارت کے چکروں میں ایسا پھنسا دیا جائے کہ انہیں سوچ و بچار اور غور و فکر کے لئے کوئی وقت ہی نہ مل سکے۔ اس طرح تمام اقوام طلب زر اور منفعت اندوزی کے تعاقب میں یوں سرپٹ دوڑتی رہیں گی کہ اپنے مشترکہ دشمن کی طرف توجہ ہی نہیں دے سکیں گی۔ اس لئے ان کی صنعتوں کو سٹے بازی کی بنیاد پر استوار کرنا ہوگا۔ وہ اپنی اراضی سے صنعتوں کے ذریعہ جو کچھ حاصل کریں گی وہ مختلف ہاتھوں سے نکل کر بازار سٹہ میں پہنچے گا وہ بالآخر ہماری ہی قوم کو منتقل ہو جائے گا۔ اس دوران برتر حیثیّت اور اعلیٰ مناصب کے لئے دوڑ اور معاشی زندگی کے پے در پے جھٹکوں سے ضمیر فروش، بے حس اور بے رحم فرقے جنم لیتے رہیں گے۔ اس قسم کے فرقے بااصول سیاست، مستحکم سیاسی نظام اور مذہب سے شدید طور پر نفرت کرنے لگیں گے۔ ان کا ایک ہی دیوتا، ایک ہی رہنما اور مرشد ہوگا، یعنی منافع پرستی۔ زر اور صرف زر ان کا اصل مذہب و مسلک ہوگا کیونکہ ان کی مادی حاجات، مسرّتیں اور راحتیں صرف اسی کے ذریعہ حاصل ہوں گی۔

اور پھر وہ وقت آئے گا جب نچلا طبقہ اس مراعات یافتہ اور زبردست طبقے کے خلاف اٹھ کھڑا ہوگا، کیونکہ ان کے دلوں میں دولت کی خواہش کم لیکن نفرت و عناد اور بغض زیادہ بھرا ہوگا۔ یہ لوگ ہمارے حریفوں کے خلاف صف آرا ہوں گے اور ہمارے اشاروں پر چلیں گے۔ ان میں بڑے بڑے دماغ والے لوگ، فلسفی اور دانا بھی شامل ہوں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿پروٹوکول نمبر 5﴾

آمریّت اور جدید ترقّی: (Despotism & Modern Progress)

☆☆ خلاصہ ☆☆

حکومت میں انتہائی مرکزیّت، صہیونیوں کے اقتدار پر قبضے کے طریقے، مملکتوں کے درمیان عدم اتفاق کی وجوہات، یہود کی مملکت، زر، مملکتوں کی مشینری کا محور، تنقید کی اہمیّت، دکھاوے کے ادارے، الفاظ کے گورکھ دھندے، رائے ہموار کرنے کے طریقے، شخصی آرا کا استیصال، اعلیٰ حکومت کا تصوّر۔

☆☆ اصل متن ☆☆

اندازِ حکمرانی :

ایسی اقوام کو کونسا طرز حکومت دیا جاسکتا ہے جن کی رگ و پے میں بدعنوانیاں اور خرابیاں رچ بس گئی ہوں جو مال وزر کے لئے ہر قسم کی دغابازی اور فریب کاری کر گزرتی ہوں جن کے ہاں آوارگی اور بے راہ روی عام چلن بن گیا ہو۔ کوئی شخص بھی رضا کارانہ طور پر اخلاقی اقدار کو قبول کرنے پر تیار نہ ہو۔ اعلیٰ وارفع اقدار کے نفاذ کے لئے تعزیزی ضابطوں اور بے رحم قوانین کی مدد درکار ہو۔ ایسی اقوام کے افراد کے لئے استبدادی طریقوں کے علاوہ کون سا نظام ہوسکتا ہے؟ ایسے استبدادی نظام کی وضاحت میں، بعد میں کروں گا۔

یہودی طرز حکومت:

تمام عوامی قوتوں کو ہاتھ میں رکھنے کے لئے ہم شدید مرکزیّت پیدا کریں گے اور نئے

قوانین وضوابط کے ذریعہ اپنے محکوموں کی تمام سیاسی سرگرمیوں کو میکانکی انداز میں ایک نئے موڑ پر ڈالیں گے۔ ہمارے قوانین یکے بعد دیگرے تمام آزادیوں، مراعات اور سہولتوں کو سلب کر لیں گے جو غیر یہودیوں نے فراہم کر رکھی ہیں۔ اس طرح مطلق العنانی ہماری سلطنت کا طرّۂ امتیاز ہوگی۔ یہ مطلق العنانی ہر جگہ اور ہر لمحہ اس غیر یہود قوّت کا خاتمہ کرنے پر قادر ہوگی جو ہماری راہ میں حائل ہونے کی کوشش کرے گی۔ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ ایسی مطلق العنانی اور استبدادی نظام کو دور حاضر کی رفتار اور تقاضوں کے منافی قرار دیا جائے لیکن میں ثابت کردوں گا کہ امر واقعہ وہی ہے، جو میں کہہ رہا ہوں۔

ایک دَور تھا جب لوگ تخت شاہی پر متمکّن انسان کو بادشاہ کہتے اور اسے منشائے الٰہی کا مظہر سمجھتے تھے اور بلا چوں و چرا واجب الاتّباع قرار دیتے تھے لیکن جب ہم نے ان کے دماغوں میں اپنے حقوق کا تصوّر بٹھا کر انہیں پراگندہ کیا تو انہوں نے ان تخت نشینوں کو عام انسانوں جیسی فانی مخلوق سمجھنا شروع کر دیا۔ ہماری انہی تعلیمات کا ہی نتیجہ ہے کہ عوام کی نظروں میں بادشاہوں کے سروں پر رکھے ہوئے تاج بے وقعت ہوگئے۔ یہ تصوّر ختم ہو چکا ہے کہ بادشاہ ظلّ الٰہی ہوتے ہیں اور انہیں بپتسمہ خود خدا نے دیا ہوتا ہے۔ اور جب ہم نے انہیں خدا پر ایمان کے تصوّر سے بھی محروم کر دیا تو اقتدار کی قوّت عوامی ملکیّت کے مقامات، یعنی گلی کوچوں میں پہنچ گئی جس پر اب ہم نے بہ آسانی قبضہ جما لیا ہے۔

علاوہ ازیں نظریّات و تصوّرات وضع کر کے افراد اور عوام کو ان سے سرشار کرنا ہمارے ماہرین کا کارنامہ ہے، غیر یہودی افراد میں تو ان نظریّات کا کوئی شعور ہی نہیں۔ نظریہ سازی کرنے والے، انتظامی امور کی مہارت رکھنے والے اور حالات کا مشاہدہ کر کے باریکیوں کو سمجھنے والے افراد ہمارے ہاں ہی ہوتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس تربیّت کے خصوصی انتظامات ہیں،

ان فنون میں ہمارا کوئی حریف نہیں ہے۔ اسی طرح سیاسی سرگرمیوں اور اتحاد عمل کے منصوبے بنانے میں بھی کوئی ہمارا ہمسر نہیں۔

البتہ قدیم رومن کیتھولک فرقہ جیسوئیٹس (Jesuits) واحد طبقہ ہے جو غالباً ہمارے برابر سمجھا جاسکتا تھا مگر ہم نے انہیں سوچ بچار سے عاری عوام کی نگاہوں میں گرا دیا ہے۔ اس کیخلاف کارروائی کرتے ہوئے ہم پس پردہ ہی رہے ہیں۔ دنیا کو غالباً اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان پر حکمرانی کیتھولک چرچ کا سربراہ کرے یا صہیونی خون والا کوئی مطلق العنان کرے۔ لیکن ہم خدا کی محبوب قوم ہیں ہمارے لئے اس معاملے میں کسی قسم کی لاپروائی اور بے اعتنائی کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس امر کا امکان موجود ہے کہ شاید کچھ عرصہ کے لئے غیر یہود کا مشترکہ محاذ ہمارا مقابلہ کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ لیکن ان کے درمیان اختلافات و تنازعات اتنے زیادہ اور گہرے ہیں کہ ان کا ختم ہونا ممکن نہیں ہے۔ ہم نے غیر یہودیوں کو ذاتی اور قومی مفادات کے نام پر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کر دیا ہے۔

خفیہ سرگرمیاں:

گزشتہ بیس صدیوں کے دوران ہم غیر یہودیوں کے درمیان مذہبی، گروہی اور نسلی تعصبات کو وسیع پیمانے پر فروغ دیتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج پوری دنیا میں ایک بھی ریاست ایسی نہیں کہ وہ ہمارے خلاف برسرپیکار ہو تو دوسری اس کی پشت پناہی کرے، کیونکہ یہ سب جانتے ہیں کہ ایسے کام یا معاہدے میں شریک ہونا ان کے لئے شدید نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔ ہم بے حد طاقتور ہیں، ہماری طاقت کی تاب کوئی نہیں لاسکتا۔ آج اقوام عالم میں معمولی سے معمولی نوعیت کے خفیہ معاہدے بھی اس وقت تک طے نہیں ہو سکتے جب تک ہمارا

خفیہ ہاتھ ان میں کارفرما نہ ہو۔

تورات کے الفاظ ہیں ..... ''بادشاہ میرے ہی توسط سے حکمرانی کرتے ہیں'' پیغمبروں کے ارشاد کے مطابق ہمیں کرۂ ارض پر حکمرانی کے لئے خود خدا نے منتخب کیا ہے، جس کے لئے اس نے ہمیں غیر معمولی ذہانت عطا کی ہے۔ تاکہ ہم اس عظیم فرض کو سرانجام دے سکیں۔ لیکن اگر کسی وجہ سے ذہانت و فطانت ہمارے مخالفین اور حریفوں کے مقدر میں بھی آ جائے تو انہیں ہمارے خلاف شدید جدّ وجہد کرنا ہوگی کیونکہ کسی بھی میدان میں نئے نئے اترنے والے افراد ہمارے برابر جہاندیدہ اور تجربہ کار نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا اس نئے گروہ یا فریق کے اور ہمارے درمیان جو کشمکش ہوگی انتہائی سنگدلانہ ہوگی جو اس سے پہلے دنیا نے کبھی دیکھی ہوگی اور نہ سنی ہوگی۔

یاد رکھئے کہ دیر سے حاصل ہونے والی ذہانت ان کے لئے (بوجہ تاخیر) بہت کارآمد نہیں ہوگی۔ کسی مشینری کے سب پہیے انجن ہی کی طاقت سے حرکت میں آتے ہیں۔ یہ طاقت ہمارے ہاتھ میں ہے۔ زر جو سلطنتوں کی مشینری کا انجن ہے ہمارے دست قدرت میں رہتا ہے۔ سیاسی معیشت کی سائنس کی ایجاد کا سہرا ہمارے بزرگ مفکّرین کے سر ہے۔ اسی کی بدولت عرصہ دراز سے سرمائے کو شاہانہ عظمت و شوکت حاصل رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔

سرمایہ پر اگر کوئی قدغن لگانا مطلوب نہ ہو تو اسے صنعت اور تجارت پر اجارہ داری قائم کرنے کی پوری آزادی حاصل ہونی چاہئے بلکہ دنیا کے ہر خطّے میں پہلے ہی ایک غیر مرئی ہاتھ اسی پالیسی پر عمل کرا رہا ہے۔ اس آزادی کی وجہ سے صنعت کاروں کو سیاسی قوّت حاصل ہوگی جس کے بل بوتے پر وہ عوام کو بہ آسانی کچل سکیں گے۔ آج کے دور میں عوام کو جنگ میں جھونکنے کی بہ نسبت غیر مسلح کرنا، زیادہ ضروری ہے۔ اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ ان کے

بھڑکتے ہوئے جذبات کو سرد کرنے کی بہ نسبت اپنے مفادات کے لئے استعمال میں لایا جائے۔ بلکہ سب سے زیادہ اہمیّت اس امر کو دی جانی چاہئے کہ دوسروں کے تصوّرات و نظریّات کو مسترد کرنے کی بجائے انہیں ایسے معانی پہنائے جائیں جو ہمارے اغراض و مقاصد سے مطابقت رکھتے ہوں۔

ہمارا مطمع نظر یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنی مخصوص تنقیدی پالیسی کے تحت عوام کے ذہنوں کو اتنا پست کر دیں کہ وہ سنجیدہ سوچ بچار سے بالکل محروم ہو جائیں اور کسی قسم کی مزاحمت نہ کر سکیں۔ ان کی ذہنی قوّتوں کو ایسا پراگندہ کر دیا جائے کہ وہ محض فصاحت و خطابت اور بیان بازی کی مصنوعی جنگوں میں الجھے رہیں۔

ہر دور میں دنیا کے عوام اجتماعی اور انفرادی سطح پر زبانی دعوؤں کو اصل کارناموں پر ترجیح دیتے رہے ہیں۔ عوامی اکھاڑوں میں ظاہری نمود و نمائش پر قانع ہو جاتے رہے ہیں۔ یہ سوچنے پر شاذ و نادر ہی توجہ دیتے ہیں کہ زبانی دعوؤں نے کبھی حقیقت کا روپ دھارا بھی ہے یا نہیں۔ ان رجحانات کے پیش نظر ہم بھی نمائشی ادارے قائم کریں گے جو کام کم اور دعوے زیادہ کریں گے۔ ان اداروں کے قیام سے لوگوں پر یہ ظاہر کرنا ہوگا کہ ان کی موجودگی تمہاری ترقّی کے لئے بے حد ضروری ہے۔ ہمیں تمام جماعتوں کی بلکہ ہر مکتب فکر کی ساخت اور تربیّت کی بھی ذمہ داری لینی ہے ان کے ترجمان اور مقرّرین کے طور پر ایسے لوگوں کو سامنے لانا ہے جو بہت بولیں گے اور اتنے بیانات داغا کریں گے کہ ان کے سامعین اور قارئین ان کے نعروں اور دعوؤں کو سن سن کر عاجز آ جائیں گے اور تقریر و تحریر کے فن سے نفرت کرنے لگیں گے۔ اس پالیسی کے تحت ہمارے دو اہم راز ہیں۔

پہلا راز!

رائے عامہ کو اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے ہمارے پاس ایک راز یہ ہے کہ ہمیں کشیدگی، مایوسی اور بے اطمینانی کی ایک فضاء قائم کرنا ہوگی۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ ہر سمت اور ہر گوشے سے قطعی متنازعہ، اور متضاد خیالات کو پیش کریں گے۔ اس سلسلہ کو اتنا طول دیں گے کہ غیر یہود صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں گے۔ بعد ازاں خیالات اور نظریات سے پیدا ہونے والی بھول بھلیّوں میں کھو جائیں گے اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ سیاسی امور میں کسی کو اپنا موقف یا نظریہ نہیں رکھنا چاہئے یا سیاسی میں کوئی بات حرف آخر نہیں ہوتی، عوام کی کوئی سیاست نہیں ہے یہ لیڈروں کا کام ہوتا ہے۔

دوسرا راز!

کسی قوم کی ماضی کی غلطیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جائے۔ شہری زندگی کے حالات اور مسائل کو ایسا الجھا دیا جائے کہ سب لوگ اس طرح دست و گریبان ہو جائیں کہ کسی قابل نہ رہیں بالآخر وہ ایسی منزل پر پہنچیں گے جہاں کوئی نظام نہ ہوگا۔ بدنظمی اور انتشار کا ماحول عوام کو اس قابل ہی نہ چھوڑے گا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ اس طرح ہم بتا سکیں گے کہ جماعتوں میں کتنا انتشار اور اختلاف ہے۔ اسی طریقے سے ہم ان طاقتوں کا بھی شیرازہ بکھیر دیں گے جو اس وقت ہمارے خلاف برسر پیکار ہیں۔

ہم غیر یہود اقوام کی تعلیم کے شعبے کو خاص طور پر نشانہ بنائیں گے، ان کے نصاب تعلیم کو ایسے انداز میں مرتّب کریں گے کہ ان کی نئی نسل دلجمعی اور یکسوئی سے کوئی فیصلہ نہ کر پائے، کبھی کسی قطعی نتیجے پر نہ پہنچ سکے اور ہمیشہ تناؤ اور کشیدگی سے دوچار رہے۔

ان تمام طریقوں سے ہم غیر یہود کو اتنا زچ کر دیں گے کہ وہ ہمیں بین الاقوامی اقتدار پیش کر دیں گے اور باہمی اختلافات میں ہمیں ثالث بنانے لگیں گے۔ اس طرح ایک

سپر گورنمنٹ معرض وجود میں آ جائے گی۔ آج کے حکمرانوں کی جگہ ہم ایک ایسے ادارے کی تشکیل کریں گے جو اعلیٰ نظامت کہلائے گی۔ اس ادارے کے ہاتھ چاروں سمت پہنچیں گے اور اس کا دخل دنیا کے ہر گوشے میں ہوگا۔ اس کی نظامت کے ایک ہزار پہلو ہوں گے اور یہ اقوام عالم کو زیر نگیں لانے میں کبھی ناکام نہیں ہوگی۔

﴿پروٹوکول نمبر 6﴾

حصول اقتدار کی تکنیک: (Take - Over Technique)

☆☆ خلاصہ ☆☆

اجارہ داریاں اور غیر یہود کا مستقبل، زمینداروں سے ان کی املاک ہتھیانے کا فلسفہ، صنعت و تجارت اور سٹہ بازی کی صنعت، ضروریات زندگی کی گرانی، انارکی کا رجحان، شراب نوشی، معاشی نظریات کے خفیہ معنی۔

☆☆ اصل متن ☆☆

اجارہ داری :

ہم بہت جلد بڑی بڑی اجارہ داریاں قائم کریں گے۔ جو دولت اور زر کے بڑے بڑے ذخیرے ہوں گے۔ یہ وہ مراکز ہوں گے جن پر غیر یہود کی قسمتوں کا اس حد تک انحصار ہو گا کہ سیاسی تصادم مول لینے کی صورت میں وہ اگلے ہی روز تمام ملکی قرضوں سمیت غرق ہو جائیں گے۔

حصول زر یہاں موجود حضرات میں سے جو لوگ معیشت کے ماہرین ہیں انہیں تمام عوامل کو یکجا کر کے ان کے اثرات دیکھنا ہوں گے نیز ہمیں ہر ممکن طریقے سے اپنی ''عظیم حکومت''

(Super Government) کی اہمیّت کو اس انداز سے واضح کرنا ہے کہ ہمارے دائرہ اطاعت میں آنے والی قومیں از خود اسے اپنا نگہبان، محافظ اور محسن سمجھیں۔ غیر یہود کا طبقہِ شرفاء سیاسی قوّت کی حیثیّت سے ختم ہو چکا ہے، اسے اہمیّت دینے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن بحیثیّت زمیندار یہ لوگ اب بھی ہمارے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے ذرائع آمدنی کے لحاظ سے خود کفیل ہیں۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ کہ انہیں ان کے ذرائع آمدنی یعنی اراضی سے محروم کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے زرعی املاک پر زیادہ بوجھ ڈالنے اور اراضی کو قرضوں کے بوجھ تلے دبانے کی ضرورت ہوگی۔ ان اقدامات سے اراضی پر اجارہ داری کے رجحانات کا خاتمہ ہو سکے گا اور زمینداروں کے اندر عجز و انکساری اور غیر مشروط اطاعت اور فرمانبرداری بھی پیدا ہو جائے گی۔

صنعت اور سٹے بازی:

غیر یہود شرفا اپنی اجارہ داری کے خاتمے کے بعد نہ تو اپنی خاندانی روایات کو برقرار رکھ سکیں گے اور نہ اپنی قلیل آمدنی پر گزارہ کر سکیں گے۔ اس لئے وہ جلد صفحہ ہستی سے نابود ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم صنعت اور تجارت کی بھی بھرپور سرپرستی کریں گے اور اس میں سٹہ بازی کو فروغ دینے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ سٹہ صنعت کے لئے ایک حریف ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ اس کی عدم موجودگی میں صنعت اور تجارتی سرگرمیاں بڑھتی رہتی ہیں۔ اور یہاں جمع ہونے والا زر زراعت کو ترقی دینے میں صرف ہونے لگتا ہے۔ اس طرح کاشت کی تمام اراضی قرضوں وغیرہ کی ادائیگی کے بعد نجی ہاتھوں میں منتقل ہو جائے گی جو ہم نہیں چاہتے ہمارا مقصد یہ ہے کہ سٹہ بازی کے ذریعہ سرمایہ ہمارے پاس آجائے۔ اس طرح سے غیر یہود محض بھکاری محنت کش طبقے میں تبدیل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد یہ تمام غیر یہود یقیناً ہمارے سامنے

سرنگوں ہو جائیں گے۔

غیر یہود کی صنعت کی مکمل تباہی کا سامان ہوتے ہوتے ہم سٹہ بازی کی مدد سے تعیّشات کو فروغ دیں گے۔ عیش پرستی کی ہوس ہر چیز کو نگلتی رہے گی۔ ہم مزدوروں کی شرح اُجرت کو بڑھائیں گے لیکن ساتھ ساتھ بنیادی ضروریات زندگی یعنی اشیاء کی قیمتوں میں بھی اضافہ کر دیں گے۔ اس طرح اُجرتوں کی شرح بڑھنے سے حقیقتاً انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اشیاء کی گرانی کا لوگوں کو ہم یہ سبب بتائیں گے کہ یہ سب کچھ مویشیوں کی قلّت کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ ہم اپنی چابکدستی اور مہارت سے پیداوار کے ذرائع کو کھوکھلا کرنے کے لئے کارکنوں اور مزدوروں میں شراب نوشی کو عام کر دیں گے۔ اور دیگر اقدامات بھی بروئے کار لائیگے جن سے کرۂ ارض سے غیر یہودی تعلیم یافتہ طبقے کی بیخ کنی ہو سکے، اس امر کے لئے کہ غیر یہود ان پالیسیوں کے حقیقی مفہوم اور ان کے پس پردہ منصوبے کو قبل از وقت نہ سمجھ جائیں ہم ان پر محنت کش طبقے کی بے لوث خدمت کی خواہش کا پردہ ڈالیں گے۔ علاوہ ازیں سیاسی معیشت کے ان اصولوں کو بھی صیغہ راز میں رکھیں گے جن کے فروغ کے لئے ہمارے معاشی نظریات کا بڑے شدومد کے ساتھ دنیا بھر میں پروپیگنڈہ ہو رہا ہے۔

﴿پروٹوکول نمبر 7﴾

عالمی جنگیں: (World - wide Wars)

☆☆ خلاصہ ☆☆

اسلحہ اور فوج میں اضافہ، عالمی پیمانے پر انتشار، تشدد اور اشتعال انگیزی، غیر یہود کے مقابلے کے لئے جنگوں کی ابتداء کا فلسفہ، سیاست میں راز داری، پریس اور رائے عامہ، امریکہ، چین اور جاپان کی توپیں۔

☆☆ اصل متن ☆☆

عسکری قوت :

کسی ملک میں اسلحہ کی بھرمار اور پولیس فورس میں اضافہ ہمارے منصوبوں کی تکمیل کے لئے بے حد ضروری ہیں، ہم جو کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ دنیا کی تمام مملکتوں میں ہمارے علاوہ مزدور اور محنت کش طبقہ رہ جائے چند ایک کروڑ پتی بھی ہوں جو صرف ہمارے مفاد کیلئے کام کرتے رہیں۔

ہمیں پولیس کے ذریعہ یورپ میں اور یورپ کی وساطت سے دوسرے براعظموں میں بھی فسادات، انتشار اور جنگ وجدل کی آگ بھڑکانی ہے۔ اس سے ہمیں دوہرا فائدہ ہوگا۔ اول یہ کہ ہم تمام ملکوں اور قوموں کو اپنے قابو میں رکھ سکیں گے کیونکہ انہیں یہ خوف ہوگا کہ ہمارے پاس طاقت ہے ہم جب چاہیں کسی کو بھی سزا دے سکتے ہیں اور جہاں چاہیں نظم ونسق قائم کر سکتے ہیں۔۔ اس طرح تمام ممالک ہمیں ایک ناگزیر اور مطلق العنان قوّت کے طور پر دیکھنے کے عادی ہو جائیں گے۔ دوم، ہم ان تمام ڈوروں کو جو سیاسی نظاموں، معاشی معاہدوں اور قرضہ جات کے وسیلوں سے مختلف ملکوں کی وزارتوں میں پھیلی ہوئی ہیں، الجھا کر رکھ دیں گے۔ اس مقصد کیلئے ہمیں مذاکرات اور معاہدوں کے دوران پوری ہوشیاری اور فراست سے کام لینا ہوگا لیکن جہاں تک سرکاری زبان کا تعلّق ہے ہمیں اس پالیسی کے برعکس عملی اقدام اختیار کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں ہمیں دیانتداری اور خلوص کا اظہار کرنا ہوگا تاکہ غیر یہود عوام اور حکومتیں ہمیں نسل انسانی کے محسن، نجات دہندہ اور مہر ومحبت کے پیکر سمجھتی رہیں۔ ان حکومتوں اور عوام کو ہم نے محض چیزوں کی ظاہری ہئیت پر غور کرنا سکھایا ہے، اس لئے ہم ان کے سامنے اپنا جو رخ پیش کریں گے وہ اسی رخ کو تسلیم کریں گے۔

سیاست میں کامیابی کا یہی راز ہے کہ تمام کارروائیوں اور اپنے عزائم کو خفیہ رکھا جائے۔ نیز سیاستدانوں کے قول و عمل میں مطابقت نہیں ہونی چاہئے۔ ہمیں تمام غیر یہودیوں کی حکومتوں کو اس بات پر مجبور کرنا چاہئے وہ اپنی سرگرمیوں کو ہماری منشاء اور منصوبوں کے مطابق مرتّب کریں۔ ہم اپنی عظیم قوّت اور پریس کے ذریعہ اپنے منصوبوں کی حمایت میں رائے عامہ کو ہموار کرتے رہیں گے۔ کیونکہ پریس بالعموم ہمارے قبضے میں ہے۔ چند مستثنیات کی بات الگ ہے وہ ظاہراً ہماری مخالفت بھی کریں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

یورپ میں تمام غیر یہود پر کڑی نگرانی کے نظام کو مختصراً یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ ہم اپنی قوّت کا مظاہرہ کسی خاص ملک پر تشدّد کر کے یا دہشت پھیلا کر کریں گے جس سے دوسری مملکتوں کو عبرت حاصل ہوگی۔ اگر ہم نے اپنے خلاف کسی عام بیداری اور تحریک کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا تو اس کا جواب ہم امریکہ، چین یا جاپان کی بندوقوں اور توپوں سے دیں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿پروٹوکول نمبر 8﴾

عبوری حکومت: (Provisional Government)

☆☆ خلاصہ ☆☆

الفاظ کی جادوگری، فری میسنز کے معاونین، خصوصی سکولوں کے اساتذہ اور غیر تدریسی عملہ کی تربیت، ماہرین معیشت اور کروڑ پتی لوگ، اہم سرکاری

عہدوں پر کن افراد کا تقرّ رہونا چاہئے۔

☆☆ اصل متن ☆☆

غیر معقول فیصلے اور دلکش بیانات:

ہمیں ایسے ہر ہتھیار اور ہر اسلحہ سے لیس ہونا چاہئے جو دشمن کے خلاف موثّر طور پر استعمال کیا جاسکتا ہو بعض صورتوں میں ہمیں ایسے فیصلے بھی صادر کرنا پڑیں گے جن کو لوگ غیر معقول اور غیر منصفانہ قرار دیں گے لیکن ہمیں ان کا قانونی جواز پیش کر کے لوگوں کو مطمئن کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں ہمیں زبان وطرز بیان کو حسین اور مرعوب کن بنانا ہے جس سے یہ تاثر مل سکے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اخلاقی قدروں اور قانونی ضابطوں کے مطابق ہے۔

فری میسنز کے معاونین:

ہماری انتظامیہ کو اپنے گردوپیش کی ان تمام قوّتوں کو مجتمع کرنا ہوگا جن کے درمیان رہ کر ہمیں اپنے فرائض انجام دینا ہیں۔ ہمارے ملازمین ومعاونین کے گرد ماہرین قانون بھی ہوں گے، مشتہرین بھی اور ماہر منتظمین بھی ہوں گے۔ ان میں سفارت کاری کے ماہرین کے علاوہ خصوصی سکولوں کے اساتذہ اور غیر تدریسی عملہ کے افسران بھی شامل ہوں گے۔ یہ افراد سماجی ڈھانچے کے تمام اسرار ورموز کے شناور ہوتے ہیں۔ اور ان تمام زبانوں سے بھی واقف ہوں گے جو سیاسی سوچ کے اظہار کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ ہر تفویض کردہ کام کو اچھی طرح انجام دے سکیں گے۔ ہم انہیں انسانی فطرت کے خفیہ پہلوؤں اور ان حساس تاروں سے بھی آشنا کردیں گے جنہیں چھیڑ کر وہ اپنے مقاصد حاصل کرسکیں۔ یہ تار غیر یہودیوں کی افتادطبع، ان کے رجحانات ومیلانات، ان کی کمزوریوں اور خوبیوں اور ان کے طبقاتی مزاج کی تفصیلات سے متعلق ہوں گے۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ہم اپنے کارندوں اور معاونین کا انتخاب ان

غیر یہودیوں میں سے نہیں کریں گے جو اپنے سرکاری فرائض انجام دیتے وقت اتنا سوچنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے کہ ان کے مقاصد کیا ہیں اور ان کا حصول کیوں ضروری ہے؟ مشینی انداز میں کام کرنے والے یہ لوگ کاغذات پر دستخط کرنے سے پہلے انہیں پڑھنے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتے اور رواداری میں دستخط ثبت کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں کو حصول زر کے سوا کسی چیز سے غرض نہیں، یوں سمجھئے کہ یہ بالکل ہی ہوّس کے بندے ہوتے ہیں۔

یہودی معیشت:

ہماری انتظامیہ کو ماہرین معیشت کی بہت بڑی تعداد کی خدمات میسّر ہوں گی یا یہ کہہ لیجئے کہ وہ ماہرین اقتصادیات سے گھری ہوئی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ یہودیوں کو دی جانے والی تعلیم میں اقتصادی سائنس کو ایک اہم مضمون کی حیثیت حاصل ہے، ہمارے چاروں طرف بینکاروں، صنعتکاروں، سرمایہ کاروں اور کروڑ پتیوں کا ایک بڑا مجمع ہوگا۔ ہمیں ان کی خدمات بہت سے کاموں کیلئے درکار ہوں گی کیونکہ ہم ہر مسئلے کا فیصلہ اعداد و شمار کی روشنی میں کرتے ہیں۔

وہ وقت بہت قریب ہے جب ہماری مملکتوں کے کلیدی عہدوں پر ہمارے یہودی بھائی تعیّنات ہوں گے۔ ان کی تقرریوں میں نہ کوئی رکاوٹ ہوگی اور نہ کوئی خطرہ ہوگا۔ لیکن وہ وقت آنے تک ہم معاملات کی باگ ڈور ایسے لوگوں کو دیں گے جن کا ماضی اور حال یہ ثابت کر سکے کہ ان کے اور عوام کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہے۔ ہماری ہدایات کی خلاف ورزی کرنے پر انہیں سنگین الزامات کا سامنا کرنا پڑے گا یا پھر شرم و ندامت کی وجہ سے خودکشی کئے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا۔ اس طریق کار سے دوسرے لوگوں کو نافرمانی کرنے والوں کے انجام سے سبق ملا کرے گا اور آخری وقت تک ہمارے مفاد کے لئے کام کرنے پر مجبور ہوں گے۔

﴿پروٹوکول نمبر 9﴾

دوبارہ تعلیم کی ضرورت: (Re-Education)

☆☆ خلاصہ ☆☆

اقوام کوفری میسن اصولوں کی تعلیم دینے کی ضرورت، فری میسن کے شناختی الفاظ، غیر سامی ہونے کا طلب ومفہوم، میسنری آمریّت، دہشت انگیزی، میسنری کے خادم کون ہیں، غیر یہودی ریاستوں کی صاف بنی اور اندھی قوّتوں کا مفہوم، حاکمیّت اور عوام کا تعلق، بے راہ روی، تعلیم وتربیّت پر کنٹرول، غلط نظریّات، قوانین کی تشریح وتوضیح، زیرزمین تحریکیں۔

☆☆ اصل متن ☆☆

طریقہ تعلیم:

ہمارے قواعد وضوابط کو جامہ عمل پہنانے سے قبل آپ کو ان لوگوں کے کردار کا بھی جائزہ لینا ہوگا جن میں رہ کر آپ کو کام کرنا ہے۔ عوام کو جب تک ازسرنو ہمارے نصاب کیمطابق زیور تعلیم سے آراستہ نہیں کیا جائے گا ان قواعد وضوابط کا سب پر یکساں اطلاق ممکن نہ ہوگا۔ تاہم اگر احتیاط اور صبر وتحمّل سے کام لیا جائے تو دس سال کا عرصہ بھی نہیں گزرے گا کہ ضدّی اور ہٹ دھرم قسم کے افراد کے ذہنوں میں بھی تغیّر محسوس ہونے لگے گا۔ اور ہمارے مطیع افراد کی صف طویل تر ہوتی چلی جائے گی۔

''لبرل'' کے الفاظ جو دراصل ہمارے شناختی (امتیازی) الفاظ یا ''واچ ورڈ'' ہیں انہیں آج ہم ''آزادی، مساوات اور اخوّت'' کہتے ہیں لیکن جب ہماری اپنی سلطنت قائم ہوگی ہم ان کو نئے معنی پہنائیں گے۔ پھر یہ الفاظ خفیہ اشارے نہیں رہیں گے محض ایک تصوّر رہوں گے ان کے معنی پھر یوں ہوں گے۔ ''آزادی کا حق، مساوات کا فرض اور اخوّت کا فرض''۔ ہم ان

الفاظ کی تاویل اسی انداز میں کریں گے اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کا طریق کار بھی یہی ہے۔ جیسا کہ انگریزی کے ایک محاورے میں ''بیل کو سینگوں سے پکڑنا'' کہا جاتا ہے۔

جہاں تک حقیقی حکمرانوں کا تعلق ہے ہم نے ان سب کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہے۔ آئینی حکمران اگرچہ آج بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں ان میں سے کوئی حکومت اگر ہمارے خلاف آواز بلند کرتی ہے تو یہ ہمارے ہی ایماء اور ہماری ہدایت کے تحت ایک رسمی کارروائی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کی یہی دشمنی ہمارے مابین گہری اُخوت بیدار کرنے کا سبب بنتی ہے۔ اب میں مزید تفصیل میں نہیں جاؤں گا کیونکہ یہ مسئلہ ہمارے درمیان بار بار زیر بحث آچکا ہے۔

قتل عام:

ہمارے لئے ایسی رکاوٹیں یا مشکلات نہیں جو ہمارے دائرہ عمل کو محدود کر سکیں۔ ہماری سپر گورنمنٹ غیر قانونی اساس پر ہی قائم رہ سکتی ہے جسے عام اصطلاح یا بہترین الفاظ میں ''ڈکٹیٹر شپ'' کہا جاتا ہے میں اس حیثیت میں ہوں کہ آپ پر یہ بات اچھی طرح واضح کر سکوں کہ وقت آنے پر قانون کی تشکیل کرنے والے فیصلے صادر کریں گے اور کسی کو نہیں بخشیں گے اپنی فوجوں کے سالار کی حیثیت سے قیادت ہمارے ہی ہاتھ میں ہوگی۔ چونکہ ہمارے دائرہ اختیار میں وہ عناصر بھی ہوں گے جو کبھی صاحب اقتدار اور ذی جاہ تھے لیکن بعد میں ہمارے ہاتھوں مغلوب ہوئے لہٰذا ایسے عناصر کو قابو میں رکھنے کے لئے ہمیں قوت ارادی کو بروئے کار لانا پڑے گا۔ لامحدود اُمنگیں، مشتعل جذبات اور جلتی ہوئی شعلہ فشاں حرص و آز، بے رحمی اور شقی القلبی، نفرت اور غیظ و غضب ہمارے ہتھیار ہوں گے۔

ہمارے کارندے:

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آج ہر طرف جو دہشت گردی اور بربریت پھیلی ہوئی ہے اس

کا سرچشمہ ہم ہی ہیں۔ ہمارے کارندوں میں سوشلسٹ اور کمیونسٹ بھی ہیں، بے تاج وتخت سربراہان مملکت اور خوابوں کی دنیا میں رہنے والے عناصر بھی شامل ہیں۔ یہ سب ہماری غلامی کررہے ہیں۔ ان سب کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے تیار کررکھا ہے۔ ان میں سے ہر شخص اپنے طور پر بچی کھچی حکومتوں کی جڑیں کھودنے اور نظم وضبط کی تمام مسلمہ صورتوں کو درہم برہم کرنے میں سرگرم عمل ہے۔ ان کی سرگرمیوں کے باعث تمام مملکتیں شدید اذیت سے دوچار ہیں۔ وہ امن وسکون کے لئے پند ونصائح سے بھی کام لیتی ہیں اور اس کے لئے اور بھی ہر قسم کی قربانی وایثار کے لئے آمادہ ہیں لیکن ہم ان کو اس وقت تک امن وسکون سے نہیں بیٹھنے دیں گے جب تک یہ ہماری سپر گورنمنٹ کو جذبہ اطاعت کے ساتھ تسلیم نہ کرلیں گے۔

سوشلزم کے مسئلے کو بین الاقوامی معاہدے کے ذریعہ طے کرنے پر اگرچہ بہت سے لوگوں نے زور دیا ہے لیکن مختلف پارٹیوں میں منقسم ہونے کی وجہ سے سوشلسٹ ہمارے ہاتھوں میں کھیلنے پر مجبور ہیں۔ کیونکہ کشمکش کی فضا کو برقرار رکھنے اور انتخابی مقابلوں کو جاری رکھنے کے لئے ہر شخص کو سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ سارے کا سارا ہمارے ہاتھوں میں مرکوز ہے۔

ہمارے پاس یہ بات جاننے کیلئے ٹھوس وجوہات موجود ہیں کہ غیر یہود کے عقابی نظر رکھنے والے بادشاہوں اور کے ناعاقبت اندیش عوام کے درمیان اتحاد کی گنجائش اور امکان موجود ہے لیکن ہم اس امکان کے خلاف پہلے ہی ضروری اقدامات کرچکے ہیں اور دونوں قوتوں کے مابین خوف وہراس کی دیوار کھڑی کردی ہے۔ اس طرح ہم ہمیشہ اور ہر جگہ عوام کی اندھی طاقت حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو ہم صرف انہیں قیادت مہیا کریں گے اور انہیں ان راستوں پر گامزن کریں گے جن کا رخ ہماری منزل کو جاتا ہے یعنی جو ہمارے مفاد کے مطابق ہے۔

طریق کار:

غیر یہود اداروں کو ہمیں اس وقت تک نہیں چھیڑنا چاہئے جب تک ہم اس قابل نہ ہوں کہ حسن تدبیر اور سلیقے سے ان کو مکمل طور پر تباہ کر دیں اور اس طرح ان کی زندگی کے نظام کے سرچشموں پر پوری طرح قابو نہ پالیں۔ اس نظام کو زندگی بخشنے والے چشمے بڑے منظّم اور منضبط ہوتے ہیں۔ ہم نے ان کو پہلے ہی خشک کرنے کی تدابیر اختیار کر لی ہیں۔ عدلیہ کے نظم و نسق میں ہمیں پہلے ہی دخل حاصل ہو چکا ہے۔ انتخابی عمل میں، پریس کی کارکردگی میں شخصی آزادی کی حدود کے اندر، الغرض ہر اہم شعبہ زندگی میں ہمیں دخل حاصل ہے۔ لیکن ہمارا خاص دخل تعلیم و تربیّت میں ہے جو آزاد زندگی میں بنیادی ستون کی حیثیّت رکھتی ہے ہم نے غیر یہود نوجوان نسل کو احمق، لاابالی، بدچلن اور اخلاقی طور پر دیوالیہ بنا دیا ہے اور ان کی تربیّت ایسے نظریّات اور عقائد کی روشنی میں کی ہے جو ہمارے ہی پیش کردہ ہیں اور جن کے بارے میں ہمیں بخوبی علم ہے کہ یہ قطعاً بے بنیاد اور غلط ہیں۔

علاوہ ازیں موجودہ قوانین میں کوئی خاص تبدیلی لائے بغیر متضاد قسم کی توضیحات سے انہیں توڑ مروڑ کر ہم نے ایسے نتائج اخذ کئے ہیں جو بظاہر بڑے پرشکوہ نظر آتے لیکن درحقیقت ایسا نہیں۔ ان نتائج کا ایک فائدہ یہ ہوا ہے کہ پہلے تو اصل قوانین ضمنی توضیحات و تشریحات کے پردوں میں چھپ کر رہ گئے ہیں اور دوسرا یہ کہ وہ مکمل طور پر حکومتوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ قانون سازی کے اُلجھے ہوئے جالے میں کچھ اخذ کرنا ممکن ہی نہیں۔ یہیں سے ثالثی فیصلوں کے نظریہ (Theory of Arbitration) کی ابتداء ہوتی ہے۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر غیر یہودیوں کو وقت آنے سے قبل ہماری سرگرمیوں اور منصوبوں کا اندازہ ہو جائے تو وہ مسلح ہو کر ہم پر ہلہ بول دیں گے لیکن مغربی ممالک میں ہم نے انتہائی دور بینی اور حکمت عملی کیساتھ اس امکان کے خلاف دہشت گردی کا منصوبہ تیار کرلیا ہے کہ اس کی تفصیل جاننے سے مضبوط سے مضبوط دل والے انسان بھی لرز اٹھیں گے۔ اس منصوبے کے تحت وہ بُرا وقت آنے سے پہلے ہی ہم تمام دارالحکومتوں کے زیر زمین بڑے بڑے شہر تعمیر کر لیں گے اور بارودی سرنگوں کا جال بچھا دیں گے جہاں سے ان دارالسلطنتوں کو ان کے تمام دفاتر اور اداروں سمیت بھک سے اڑا دیا جائے گا۔

﴿پروٹوکول نمبر 10﴾

اقتدار کیلئے تیاری: (Preparing for Power)

☆☆ خلاصہ ☆☆

سیاست میں ظاہر داری اور بدمعاشانہ ذہنیت، فری میسن کے فوجی انقلاب کا فائدہ حق رائے دہندگی، خودستائش اور فری میسن کے لیڈر، عبقری رہنما ادارے، سیاسی روا داری کا زہر، آئین سیاسی پارٹیاں، جمہوریت کا دور، صدور فری میسن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی، صدور کی ذمہ داری، ''پانامہ'' کا صدر اور اس کے ساتھیوں کا کام، فری میسن تحریک، قانون ساز قوت، نیا جمہوری آئین، ''شہنشاہ عالم'' کے اعلان کا وقت، فری میسن کا بیماریاں پھیلانا اور اس کی دیگر چالیں۔

☆☆ اصل متن ☆☆

سیاسی ریشہ دوانیاں:

آج میں آپ کے سامنے وہ باتیں پھر دوہراتا ہوں جو پہلے بھی کہہ چکا ہوں تا کہ آپ یہ باتیں اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ اس دور کی مملکتیں اور اس دور کے عوام سیاسی دنیا میں صرف ظاہری ہئیت پر مطمئن ہو چکے ہیں۔ آخر غیر یہودی عوام معاملات کی تہہ تک کیسے پہنچ سکتے ہیں جبکہ ان کے اپنے نمائندے ہی ان معاملات تک نہیں پہنچ پائے۔ اور عیش وعشرت میں ڈوبے رہنا پسند کرتے ہیں۔ ہماری حکمت عملی کی کامیابی کیلئے ضروری ہے کہ ہم تمام اہم امور سے باخبر رہیں اور ان پر گہری نظر رکھیں کیونکہ اختیارات کی تقسیم، تقریر وتحریر کی آزادی، پریس کے لئے آزادی، مذہب اختیار کرنے کی آزادی، انجمن سازی کی آزادی، املاک کے تحفظ کی ضمانت، قانون کی نظر میں سب کی برابری، رہائشی ٹیکس اور بعض دیگر ٹیکس (خصوصاً ٹیکس چوری کا مسئلہ) بڑے اہم مسائل ہیں۔ ان پر کھلے عام اور براہ راست بحث ومباحثہ مناسب نہیں ہوتا۔ اگر بالفرض ان پر اظہار خیال کرنا ناگزیر ہو جائے تو ان پر واضح اور دوٹوک اظہار خیال نہیں کیا جانا چاہئے۔ ان کا اجمالی ذکر اس طور پر کیا جائے جیسے کہ ہم مروّجہ عصری اصولوں کو تسلیم کرنے کا اعلان کر رہے ہوں۔ اس معاملے میں خاموشی اختیار کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان اصولوں کا نام نہ لے کر ہم اپنی آزادی عمل کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ کسی ایک چیز کو اختیار کرنے اور دوسری چیز کو ترک کرنے کی آزادی کو کسی کے نوٹس میں لائے بغیر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ تا کہ ہم اپنا مطلب بھی پورا کرلیں اور کسی کو شبہ تک نہ گزرے۔

عوام کی عام حالت یہ ہے کہ وہ اپنے دل میں سیاسی قوّت کے لئے خاص محبت اور تعظیم کو پالتے پوستے رہتے ہیں۔ سیاست کے نام پر تمام جارحانہ کارروائیوں کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ نے انہیں یہ الفاظ کہتے ہیں اکثر سنا ہوگا..... ”یہ تو بڑی شیطانیت ہے، یہ بد

معاشی تو ہے لیکن اس میں ذہانت بھی پائی جاتی ہے۔ تم اسے چالبازی کہہ لو لیکن کتنی صفائی سے کی گئی ہے، اس فریب میں کتنی خوبصورتی، کتنی دیدہ دلیری اور کیسی زبردست جسارت ہے"۔

ہم نے دنیا کے لئے جو نیا بنیادی ڈھانچہ تشکیل دیا ہے، امید ہے کہ وہ اقوام عالم کے لئے بڑا پرکشش ہوگا، ہماری ساری منصوبہ بندی، اسی ڈھانچے کے حوالے سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے لئے تمام چیزوں سے زیادہ اہمیّت خود کو مسلح کرنے کی ہے۔ یہ ہماری ایک ناگزیر ضرورّت ہے کہ ہم اپنی عمدہ صف بندی کریں اور پُرعزم و پرجوش اور ناقابل تسخیر قوّت بن جائیں۔ ہم اپنے سرگرم کارکنوں کی وجہ سے راہ میں آنے والی تمام رکاوٹیں اور مزاحمتیں دور کر سکتے ہیں۔ جب ہم نے اپنے انقلابی پروگرام کو مکمل کر لیا تو ان اقوام کو مخاطب کر کے کہیں گے کہ "ہر معاملہ خراب ہو چکا ہے، آلام و مصائب نے سب کو بدحال کر دیا ہے ہم آپ کے مصائب اور مسائل کے تمام اسباب یعنی قومیّتوں، سرحدوں اور کرنسیوں سے پیدا ہونے والے تنازعات کو ختم کر دیں گے۔ آپ کو اختیار ہے کہ ہمیں بیشک قصوروار ٹھہرائیں لیکن ہم جو کچھ آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں پہلے اسے پرکھ تو لیں۔ ایک موقع تو دیں"۔

اس کے بعد عوام ہمارے گن گانا شروع کر دیں گے۔ اور متفقہ طور پر امیدوں اور توقعّات کا جشن مناتے ہوئے ہمیں اپنے کندھوں پر اٹھالیں گے۔ اس مقصد کے لئے ہمیں ہر شخص سے طبقہ اور قابلیّتوں کے معیار سے بلند ہو کر بلاتمیز و لحاظ ووٹ حاصل کرنا ہوگا تاکہ ہمیں واضح اور قطعی اکثریّت حاصل ہو جائے۔ یہ اکثریّت تعلیم یافتہ اور بالادست طبقہ کے بل پر نہیں مل سکتی۔

جب عوام نے ہمیں اپنا نجات دہندہ سمجھنا شروع کر دیا اور ہمیں اپنی مشکلات و مصائب کا حل سمجھنے لگ گئے تو انتخابات میں ہمارے سامنے کوئی بھی نہیں ٹھہر سکے گا۔ انتخابات

ہمارا اعلیٰ ترین ہتھیار بن جائیں گے، انہی کے ذریعہ عوام ہمیں دنیا کی تاجداری بخشیں گے۔ حد یہ ہے کہ انسانی نسل کی چھوٹی اکائیاں جلسوں اور جلوسوں کے ذریعہ ہم پر اپنے اعتماد کا اظہار کریں گی۔ دراصل یہ لوگ ہمارے ہاتھوں میں کھیل رہے ہوں گے اور ہمارے مخالفین کی کسی بات پر کان نہ دھریں گے۔ اس طریقہ پر ہم ایک اندھی قوت پیدا کر دیں گے جو ہمارے ایجنٹوں اور کارندوں کی رہنمائی کے بغیر کبھی آگے نہیں بڑھ سکے گی اور ان کارندوں کو ہم عوام کا رہنما بنا کر پیش کریں گے۔

منصوبوں کی تیاری:

یہ بات ملحوظ خاطر رکھئے کہ حکومت کا ہر منصوبہ ایک اور صرف ایک ذہن کی پیداوار ہونا چاہئے کیونکہ کئی اذہان کی تیار کردہ شقیں اور اجزاء نہ صرف جامعیت سے محروم رہتے ہیں بلکہ ان کی گرفت بھی مضبوط نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے سے متعلق طریق کار سے آگاہی تو ہم حاصل کر سکتے ہیں لیکن اسے زیر بحث نہیں لا سکتے، مبادا اس میں پنہاں فریب کاریوں، اس کے مختلف حصوں کے باہمی ربط وانحصار، ہر شق کے خفیہ معانی کو نقصان پہنچ جائے۔ اس قسم کے مشکل اور محنت طلب منصوبوں کو زیر بحث لانا اور متعدد رائے شماریوں کے ذریعہ ان میں ترمیم کرنا منصوبوں کی اصل روح کو گزند پہنچانے کے مترادف ہوگا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے منصوبے مؤثر بھی ہوں اور پوری حزم اور احتیاط سے بھی تیار کئے گئے ہوں۔ اس لئے ہمیں اپنے ذہین وفطین لوگوں کے کام کو عوام یا سیلکٹ کمیٹیوں کے زہریلے دانتوں کی نذر نہیں ہونے دینا چاہئے۔

ہمارے یہ منصوبے، موجودہ اداروں کو فوری طور پر درہم برہم نہیں کریں گے بلکہ ان کی معیشت پر اثر انداز ہوں گے اور ان کی معیشت کو تبدیل کر کے رکھ دیں گے، پھر ان اداروں میں

بھی تبدیلی کا رجحان پیدا ہوگا اور وہ اسی راہ پر چل پڑیں گے جو ہمارے منصوبوں کے عین مطابق ہوگی۔

اہمیّت کار:

اس وقت دنیا کے تمام ملکوں میں مختلف ناموں کے تحت تقریباً ایک ہی قسم کا نظام موجود ہے۔ انہیں نمائندگی، وزارت، سٹیٹ کونسل، (قانون ساز) لجسلیٹو ادارے اور انتظامی کونسلیں وغیرہ کہا جاتا ہے۔ میں ان اداروں کے باہمی تعلّق وربط بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، کیونکہ ان سے ہر کوئی واقف ہے۔ آپ صرف اس حقیقت کو ذہن نشین کیجئے کہ متذکرہ اداروں میں سے ہر ایک مملکّت کے ''اہم'' کاموں کو سرانجام دیتا ہے۔ میں یہاں یہ بات پھر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے لفظ ''اہم'' سے متعلق کہا ہے ''ادارے'' کے متعلق نہیں کہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے لئے ان اداروں کی کوئی اہمیّت نہیں، ان ''کاموں'' کی اہمیّت ہے جو انجام دیئے جاتے ہیں۔ ان اداروں نے اپنے درمیان حکومت کے فرائض تقسیم کر رکھے ہیں۔ جن میں انتظامیہ، مقنّنہ اور عاملہ کے فرائض شامل ہیں۔ اس طرح یہ تمام ادارے اسی طرح مصروف کار ہیں جس طرح انسانی جسم کے اعضاء کام کرتے ہیں۔ اگر کسی مملکّت کی مشینری کے کسی ایک حصے کو نقصان پہنچ جائے تو پوری مملکّت بیمار ہو جاتی ہے جیسا کہ انسانی جسم بیمار ہو جاتا ہے پھر مر بھی جاتا ہے۔ اس طرح مشینری بھی تباہ ہو جاتی ہے۔

کٹھ پتلی صدر:

جب ہم نے مملکّتوں کے نظام میں لبرل ازم کا زہر بھرا تو ان کا تمام سیاسی رنگ تبدیل ہو گیا۔ اب مملکّتیں ایک مہلک بیماری کا شکار ہو چکی ہیں۔ ان کے خون میں زہر سرایت کر چکا ہے، اب ہمیں صرف ان کی حالتِ نزع اور موت کا انتظار ہے۔ لبرل ازم کے نتیجے میں آئینی

حکومتیں وجود میں آ چکی ہیں جنہوں نے غیر یہود کے واحد تحفظ مطلق العنانیت کی جگہ لے لی ہے۔ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ کسی بھی دستور کی حیثیت، اختلافات، غلط فہمیوں، جھگڑوں، نااتفاقیوں، بے فائدہ جماعتی شورشوں اور جماعتی اوہام کی درس گاہ کے علاوہ کچھ نہیں ہوتی، یہ دستوران تمام چیزوں کا ملغوبہ ہوتا ہے۔ جو ریاستی سرگرمیوں کی تمام خصوصیات کو مٹا کر رکھ دیتا ہے۔ باتوں کے دھنی اس پلیٹ فارم نے حکمرانوں کو مجبور اور بے بس بنانے میں پریس سے کوئی کم کردار ادا نہیں کیا۔ لہٰذا بہت سے ممالک کے حکمران جب بیکار اور فاضل ہو گئے تو انہیں اقتدار سے الگ کر دیا گیا۔ اس کے بعد جمہوریتوں کا دور شروع ہو گیا اور پھر ہم نے حقیقی حکمرانوں کی جگہ عوام ہی میں سے ایسے افراد کو گدی پر بطور صدر بٹھا دیا جو ہماری غلامی کا دم بھرتے تھے۔ یہ کٹھ پتلی مخلوق ان مملکتوں کے لئے باعثِ تضحیک تھی۔ یہ دراصل ایک بارودی سرنگ کی بنیاد تھی جو ہم نے غیر یہودی اقوام کے نیچے بچھا دی۔

مستقبل قریب میں ہم صدر کے اختیارات کا بھی تعیّن کر دیں گے، اس وقت تک ہم اس قابل ہو جائیں گے کہ جن امور کے لئے ہمارا آلہ کار نام نہاد حکمران ذمہ دار ہوگا، ہم قانون کی ظاہری صورتوں کی پروا کئے بغیر انہیں خود پایہ تکمیل کو پہنچا دیں گے۔ ہمیں اس کی ہرگز کوئی پروا نہ ہوگی کہ اقتدار کے بھوکوں کی صف میں کوئی رخنہ پڑ جائے، یا صدارتی امیدواروں کا حصول ناممکن ہو جائے، اور اس عمل میں رکاوٹ پڑنے سے بحران پیدا ہو جائے اور بالآخر وہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہم ایسے امیدواروں کو صدارتی انتخاب لڑوائیں گے جن کا ماضی سیاہ ہو، جن کے دامن داغ دار ہوں لیکن وہ ناپاک افراد پردۂ اخفا میں رہیں۔ اس صورت میں یہ لوگ ہمارے منصوبوں کی تکمیل کے لئے معتمد ایجنٹ ثابت ہو سکیں گے کیونکہ انہیں ایک طرف اپنے رازوں کے افشا ہونے کا

خطرہ دامن گیر رہے گا اور دوسری طرف اقتدار و اختیارات، مختلف مراعات اور فوائد سے محرومی پلے پڑنے کا خوف ہوگا۔ صدارتی عہدے کی شان و شوکت برقرار رکھنے کی خواہش انہیں مغلوب رکھے گی۔

ایوان نمائندگان کی حیثیت تو صدر کے لئے محض ایک آڑ کی سی ہوگی۔ یہ ایوان صدر کو منتخب کرے گا، اسے تحفظ فراہم کرے گا لیکن ہم چیمبر کو نئے قوانین بنانے یا پہلے سے موجود قوانین میں ترمیم کرنے کے حق سے محروم کر کے، حق صدر کو منتقل کر دیں گے جس کی حیثیت ہمارے نزدیک ایک کٹھ پتلی سی ہوگی۔ یہ قدرتی امر ہے کہ صدر کے اختیارات عوامی تنقید کا نشانہ بن جائیں گے لیکن ہم اسے اپنے بچاؤ کے لئے عوام کے سامنے اپیل کرنے کا حق دیں گے۔ وہی ناعاقبت اندیش عوام جو ہمارے غلام ہیں صدر کے حق میں ان کا فیصلہ اپنے نمائندوں سے بالا ہی بالا ہوگا۔ ہم صدر کو چیمبر سے مشورہ کئے بغیر اعلان جنگ کرنے کا بھی حق دے دیں گے اور اس حق کا جواز یہ پیش کریں گے کہ ملک کی تمام فوج کے سربراہ کی حیثیت سے اسے صدر کے دائرہ اختیار ہی میں رہنا چاہئے تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ نئے جمہوری دستور کے ذمہ دار نمائندے کی حیثیت سے اس کی حفاظت کر سکے۔ لہٰذا یہ سمجھنا آسان ہے کہ ان حالات میں خزانے کی چابی ہمارے ہاتھ میں ہی رہے گی۔ ہمارے علاوہ کوئی اور طاقت، قانون سازی کی قوت کو حرکت میں نہیں لا سکے گی۔

علاوہ ازیں نئے جمہوری دستور کے نفاذ کے ساتھ ہی ایوان سے سیاسی رازداری کی آڑ میں سرکاری اقدامات کی تفصیل طلب کرنے اور سوالات کرنے کا حق واپس لے لیا جائے گا۔ ارکان پارلیمنٹ کی تعداد بھی بہت کم کر دی جائے گی۔ اس سے سیاسی جوش و جذبے میں بھی کمی آجائے گی۔ اس کے باوجود بھی اگر ان کے جذبات بھڑک اٹھیں تو ہم عوام کی اکثریت کے

پاس پرزور اپیل لے کر جائیں گے اور انہیں کالعدم قرار دلوادیں گے۔ صدر ہی چیمبر اور سینٹ کے پریذیڈنٹ اور وائس پریذیڈنٹ کی نامزدگی کرے گا۔ پارلیمنٹ کے اجلاس متواتر منعقد کرنے کی بجائے صرف چند ماہ کی کارروائیوں تک محدود کر دیئے جائیں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿پروٹوکول نمبر 11﴾

کلیّت پسند ریاست: (The Totalitarian State)

☆☆ خلاصہ ☆☆

نئے آئین کا پروگرام، مجوزہ انقلاب کی بعض خصوصیات، غیر یہودی بھیڑوں کا ایک گلہ، فری میسنری، دکھاوے کی اجتماع گاہیں۔

☆☆ اصل متن ☆☆

آئین وقانون :

جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ سٹیٹ کونسل، اقتدار کا موثّر ترین ذریعہ اظہار تسلیم کی جاتی رہی ہے۔ ہمارے نظام سیاست میں یہ قانون ساز ''کور'' (مقنّنہ) کے لئے محض دکھاوے کا کام دیتی رہے گی۔ نئے آئین کے تحت قانون، حقوق اور انصاف کے اصول وضوابط کے لئے ہم درج ذیل طریقہ اختیار کریں گے۔

(i) قانون اور دیگر متعلقہ امور کیلئے تجاویز قانون ساز کور (Legislative Corps) کے روبرو پیش کی جائیں گی جنہیں یہ ''کور'' پہلے ہی نافذ کرنے کا فیصلہ کر چکی ہوگی۔ ان

تجاویز کی حیثیت محض ایک بہروپ یا دکھاوا ہوگی۔

(ii) عام قواعد کے نام پر صدر کے احکامات اور سینٹ کے احکامات کو قانون کا درجہ حاصل ہوگا۔ اسی طرح وفاقی کونسل کی قراردادوں کو وزارتی احکامات کے روپ میں جاری کیا جائے گا۔ ان کی حیثیت بھی قانون ہی کی ہوگی۔

(iii) مناسب موقع آنے پر ریاست میں انقلاب برپا کر دیا جائے گا اور نئے قوانین پاس کرا لئے جائیں گے۔

عام طریق کار متعین کرنے کے بعد ہم ان اجتماعی سرگرمیوں کی تفصیلات طے کرنے میں مصروف ہو جائیں گے جن کے ذریعہ ہمیں ریاستی مشینری میں انقلاب لانا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ان سرگرمیوں کے نتیجے میں پریس کی آزادی، انجمن سازی کا حق، ضمیر کی آزادی، ووٹ کے استعمال کا حق اور اس نوعیت کی بہت سی دیگر آزادیاں اور دیگر حقوق کا تصوّر انسانی ذہن سے حرف غلط کی طرح مٹ جانا چاہئے۔ یا ان تصوّرات میں بنیادی تبدیلی آجانی چاہئے۔ کیونکہ یہی لمحہ ہوگا جس میں ہم فی الفور اپنے احکامات کا اعلان کرنے کے قابل ہوں گے۔ بعد میں کوئی بھی تبدیلی لانا خطرناک ہو جائے گا۔ اگر یہ تبدیلی جبر و تشدّد کے ذریعہ لائی گئی تو لوگوں میں مایوسی، بددلی اور خوف و ہراس پھیلانے کا سبب بن جائیگی، اس کے برعکس اگر نئی تبدیلی کا مقصد لوگوں کو مزید سہولتیں دینا ہوگا تو کہا جائے گا کہ ہم نے اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا ہے اور یہ چیز ہمارے اقتدار کے استحکام اور منزّہ عنِ الخطا ہونے کی حیثیت کو تباہ کر کے رکھ دے گی۔ اس یہ تاثر بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ ہم نے آنے والے خطرے کو محسوس کر لیا ہے اور اب گھٹنے ٹیک رہے ہیں۔ اس اقدام پر لوگ ہمارے شکر گزار ہونے کی بجائے اسے ہماری مجبوری اور بے بسی پر محمول کریں گے۔ لہٰذا یہ دونوں قسم کا طرز عمل نئے وقار و تکریم کے لئے باعث ضرر ہوگا۔

ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ نئے آئین کے نافذ ہوتے ہی (جبکہ اقوام عالم اس انقلاب پر حیران وششدر اور حواس باختہ ہوں) وہ خوف ودہشت اور بے یقینی کے عالم ہی میں یہ حقیقت ہمیشہ کے لئے تسلیم کرلیں کہ ہم ایک نہ مٹنے والی طاقت ہیں، وہماری قوت اتنی ناقابل تسخیر ہے کہ ہمیں ان کی قطعاً کوئی پروانہیں ہے، ہمیں ان کے خواہشات کا احترام تو درکنار ان کی مزاحمت، ان کے اظہار مخالفت کو ہر وقت اور ہر جگہ کچل کر رکھ سکتے ہیں۔ انہیں یہ بھی ذہن نشین کرنا ہوگا کہ ہم نے فوری طور پر ہر اس چیز پر قبضہ کرلیا ہے جس کے ہم خواہاں تھے اور یہ بھی کہ ہم انہیں اپنے اقتدار میں شریک کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ بالآخر وہ خوف زدہ اور لرزہ براندام ہوکر ہر چیز سے آنکھیں بند کرلیں گے اور اس ناٹک کے اختتام کا انتظار شروع کردیں گے۔

غیر یہودی اقوام بھیڑ بکریوں کا ایک گلہ ہیں اور ہم ان کا شکار کرنے والے بھیڑیئے ہیں۔ آپ کو خوب معلوم ہے کہ جب بھیڑیئے گلے میں گھستے ہیں تو کیا حشر برپا ہوتا ہے؟ ان کے آنکھیں بند کرلینے کی ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ ہم ان سے مسلسل یہ وعدہ کرتے رہیں گے کہ امن دشمن عناصر کو ختم کرنے اور مختلف سیاسی جماعتوں سے تعاون کی یقین دہانی حاصل کرنے کے بعد ہم ان کی تمام آزادیاں فوراً لوٹادیں گے۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ آزادیاں واپس ملنے میں انہیں کتنا انتظار کرنا ہوگا۔

فری میسنری اور نمائشی اجتماع گاہیں:

آخر ہم نے یہ پالیسی کسی مقصد کے لئے ہی وضع کی ہے اور غیر یہود کو اس کا مفہوم سمجھنے کا موقع دیئے بغیر ہی ان کے ذہنوں پر قبضہ کیوں کرلیا ہے؟ اس کا واحد مقصد یہ ہے کہ ہم بالواسطہ طور پر وہ کچھ حاصل کرلینا چاہتے ہیں جسے ہمہ منتشر قبیلہ براہ راست حاصل نہیں کرسکتا۔ یہی چیز فری میسن کی خفیہ تحریک کی بنیاد ہے۔ جس کا حقیقی علم کسی کو نہیں ہے۔ ہمارے

ان عزائم و مقاصد پر ان غیر یہود مویشیوں کو شک تک نہیں گزر سکتا۔ ان کو ہم فری میسن کی اجتماع گاہوں میں ٹیپ ٹاپ سے مسحور کر کے اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں تا کہ یہ اپنے ہم وطنوں کی آنکھوں میں دھول جھونک سکیں۔ خدا نے ہمیں، یعنی اپنی محبوب قوم کو انتشار اور جلاوطنی کا تحفہ دے رکھا ہے۔ یہ چیز بظاہر ہماری کمزوری دکھائی دیتی ہے لیکن درحقیقت ہماری تمام قوّت کا راز اسی میں ہے۔ یہی چیز ہمیں دنیا بھر کی شہنشاہیّت کی دہلیز پر لے آئی ہے۔ ہم نے جو بنیادیں رکھ دی ہیں ان پر تعمیر کا کام اب کچھ زیادہ نہیں رہ گیا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿پروٹوکول نمبر 12﴾

پریس پر کنٹرول: (Control of The Press)

☆☆ خلاصہ ☆☆

فری میسن کے نزدیک لفظ ''آزادی'' کا مفہوم، فری میسن سلطنت میں پریس کا مستقبل، خبر رساں ایجنسیاں، ترقی کا مطلب و مفہوم، صوبوں میں عوامی مطالبات ابھارنا، منزّہ عنِ الخطا ہونا، بے داغ نئی حکومت کا قیام۔

☆☆ اصل متن ☆☆

''آزادی'' کی تعبیر:

لفظ ''آزادی'' کی بہت سی تعبیّریں ہوسکتی ہیں لیکن ہمارے نزدیک اس کی تعبیّر یا تعریف یہ ہے:

''آزادی ایسے کام کرنے کے حق کا نام ہے جن کی قانون میں اجازت ہو۔ اس لفظ کی یہ تعریف مناسب وقت پر ہمارے کام آئے گی، کیونکہ ہر قسم کی آزادی ہمارے ہاتھ میں ہوگی، لہٰذا قوانین صرف ایسی چیزوں کو ختم کریں گے یا ایسی نئی چیزوں کو متعارف کرائیں گی جو مجوزہ پروگرام سے مطابقت رکھتے ہوں گے''۔

پریس کا کردار:

آج کا پریس کیا کردار ادا کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان جذبات کو ابھارتا ہے جو ہمارے مقصد کی تکمیل کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ یا پھر یہ سیاسی پارٹیوں کے خودغرضانہ مقاصد کو پورا کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ یہ اکثر و بیشتر بے مغز، بے انصاف اور جھوٹا ہوتا ہے۔ عوام کی بھاری اکثریت کو اس امر کا کوئی پتہ نہیں ہوتا کہ پریس کن مقاصد کی تکمیل کر رہا ہے؟ لیکن ہم اس کے منہ میں کس کر لگام دیں گے اور مکمل طور پر قابو میں رکھیں گے۔ بلکہ ہر قسم کے مطبوعہ مواد کے بارے میں ہمارا طرز عمل یہی ہوگا۔ کیونکہ اگر ہم کتابوں اور پمفلٹوں کے حملوں کا نشانہ بنے رہے تو ہمیشہ خطرے میں رہیں گے۔ پبلسٹی کی تخلیقات پر سنسر کی وجہ سے بڑا خرچہ آتا ہے، اس کو ہم ریاست کے لئے ایک منفعت بخش آمدنی میں تبدیل کر دیں گے۔ ہم طباعتی اداروں کے قیام اور اخبارات کے اجراء کے لئے زرضمانت داخل کرانا لازمی قرار دے دیں گے۔ پریس کو اس امر کی بھی ضمانت دینا ہوگی کہ وہ حکومت پر تنقید کرنے سے باز رہے گا۔ اس ضمانت کی خلاف ورزی پر جذبہ ترحم کے بغیر بھاری جرمانہ کیا جائے گا۔ اس طرح سٹامپ ٹیکس، زرضمانت، جرمانوں اور اس قسم کے دیگر اقدامات سے حکومت کو بھاری آمدنی ہوگی۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ پارٹیوں کے ترجمان، پبلسٹی پر شاید زیادہ خرچ نہیں کر سکیں گے لہٰذا

دوسری بار تنقید کرنے پر ہم انہیں فوری طور پر بند کر دیں گے۔ اس لئے کوئی شخص ہم پر انگلی اٹھانے کا تصوّر بھی نہیں کر سکے گا۔ کسی چیز کی اشاعت کو روکنے کے لئے یہ عذر کافی ہوگا کہ یہ بے موقع ہے اور اس سے عوام کے ذہنوں میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔

براہ کرم اس چیز کو ذہن میں رکھیں کہ ہم پر تنقید کرنے والوں میں وہ اخبارات و رسائل بھی ہوں گے جنہیں ہم نے خود قائم کیا ہوگا۔ لیکن وہ صرف ایسے امور پر نکتہ چینی کریں گے جنہیں بدلنے کا ہم نے پہلے سے فیصلہ کر لیا ہوگا۔ ہم اس امر کا انتظام کریں گے کہ ہماری مرضی کے بغیر کوئی اعلان عوام تک نہ پہنچنے پائے۔ یہ مقصد ہم اب بھی بڑی حد تک حاصل کر رہے ہیں۔ کیونکہ تمام خبریں چند ایجنسیوں کو وصول ہوتی ہیں، جو دنیا بھر سے آتی ہیں۔ لہٰذا ہم ان تمام ایجنسیوں پر قبضہ کر لیں گے اور صرف ایسی خبریں شائع کرائیں گے جو ہماری مرضی کے مطابق ہوں۔

اگر اس وقت ہم نے غیر یہود کے ذہنوں پر اتنا قبضہ جما لیا ہے کہ وہ واقعات عالم کو انہیں رنگین عینکوں سے دیکھتے ہیں جو ہم انہیں پہناتے ہیں۔ اگر آج دنیا میں ایسی کوئی ریاست نہیں جس کی وہ تمام باتیں ہمیں معلوم نہ ہوں جنہیں یہ احمق ''سرکاری راز'' کہتے ہیں تو ہماری اس وقت کیا پوزیشن ہوگی جب اقوام عالم کے مسلّمہ حکمران ہوں گے۔

آیئے ہم ایک بار پھر پریس کے مستقبل پر نظر ڈالیں۔ جو شخص بھی پبلشر، لائبریرین یا پرنٹر بننا چاہے گا اسے ہم ایک ڈپلوما حاصل کرنے کا پابند بنا دیں گے۔ جو کسی نقص یا خلاف ورزی کی صورت میں فوری طور پر ضبط کر لیا جائے گا۔ اس اقدام کی بدولت فکر و تدبر کے آلات ہماری حکومت کے ہاتھوں میں ذریعہ تعلیم کی صورت اختیار کر لیں گے جس سے ''ترقی'' کی برکتوں کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہے گا۔

آج کون نہیں جانتا کہ ان پر فریب برکتوں (Phantom Blessings) اور احمقانہ تصورات نے ہر قسم کی مادر پدر آزادی کے تصوّر کو تو متعارف کرا دیا ہے لیکن اس کی حدود کو متعین نہیں کیا۔ یہ نام نہاد لبرل ازم اگر عملی لحاظ سے نہیں تو فکری طور پر لازماً انارکسٹ (انتشار پسند) ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک آزادی کے خیالی منصوبوں کے پیچھے پھرتا ہے اور نتیجتاً مکمل بے راہ روی کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے اس طرح احتجاج برائے احتجاج کے انتظار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اب ماہناموں اور ہفتہ وار رسائل و جرائد کی طرف آیئے۔ ہم ان پر بھی دیگر مطبوعہ مواد کی مانند ایک خاص شرح سے سٹامپ ٹیکس عائد کر دیں گے اور انہیں زرِ ضمانت بھی جمع کرانا ہوگا کاغذ کی 30 شیٹوں سے کم حجم کی کتابوں پر دوگنا ٹیکس لگایا جائے گا، ایسی کتابوں کو پمفلٹوں کا درجہ دے دیا جائے گا تا کہ ایک طرف ان رسالوں کی تعداد کم ہو جائے جو مطبّوعہ زہر کی بدترین قسم ہیں اور دوسری جانب اس اقدام سے مصنّف حضرات اتنی ضخیم تصانیف لکھنے پر مجبور ہو جائیں کہ عوام کی بہت کم تعداد ان کے مطالعہ میں دلچسپی لے، بالخصوص گراں قیمتیں ان کی اس خواہش میں رکاوٹ بن جائیں۔ اس کے برعکس ہم لوگوں کے ذہنوں کو اپنے مفاد اور عزائم کے مطابق متاثّر کرنے کے لئے ارزاں قسم کا دلچسپ لٹریچر شائع کریں گے جو بڑے شوق اور رغبت سے پڑھیں گے۔

بھاری ٹیکسوں کے باعث خشک اور بے لطف ادبی تمنّائیں حدود کے اندر ہی رہیں گی اور جرمانوں کی صورت میں سزا کا خوف ادیبوں اور مصنّفوں کو ہمارے محتاج اور دست نگر بنا دے گا لیکن اس کے باوجود بھی اگر کسی کو ہمارے خلاف قلم آزمائی کا شوق چرائے گا تو اس کی تحریروں کو چھاپنے کا خطرہ بھی کوئی بھی مول نہیں لے گا۔ کیونکہ کسی بھی مواد کو طباعت کے لئے

قبول کرنے سے پیشتر پبلشر یا پرنٹر کو متعلق حکّام سے اجازت لینا پڑے گی۔ لہٰذا ہمیں اپنے خلاف تیار ہونے والی تمام چالوں کا پہلے سے علم ہو جائے گا اور متعلقہ موضوع پر پیشگی توضیحات جاری کر کے ہم انہیں باطل ٹھہرا دیں گے۔

ادب اور صحافت، دونوں ہی اہم ترین تعلیمی قوّتیں ہیں اس لئے ہماری حکومت بیشتر جرائد کو خود اپنی ملکیّت میں رکھے گی۔ اس سے غیر سرکاری پریس کے منفی اثرات زائل ہوتے رہیں گے۔ عوامی ذہنوں پر ہمارا اثر و رسوخ اور اعتبار زیادہ ہو جائے گا۔ اگر ہم دس رسالوں کے پرنٹ جاری کریں گے تو خود تیس رسالوں کے اجراء کا اہتمام کریں گے اور مستقبل میں بھی یہی تناسب قائم رہے گا۔ ہمارے رسائل و جرائد بظاہر متضاد، رجحانات اور خیالات کے حامل ہوں گے، اس سے عوام پر ہمارا اعتماد بہتر ہو جائے گا۔ نیز ہمارے غیر شکی طبیعّت کے مخالفین ہمارے پھندے میں آ پھنسیں گے اور بالکل بے ضرر ہو کر رہ جائیں گے۔

سرکاری اخبارات و جرائد اہمیّت کے لحاظ سے سرفہرست ہوں گے۔ وہ ہمیشہ ہمارے مفاد کی نگرانی کریں گے۔ اس لئے مقابلتاً ان کا اثر و نفوذ معمولی نوعیّت کا ہوگا۔ دوسرے درجے پر نیم سرکاری ترجمان ہوں گے جن کا کام غیر جانبدار اور سرد مہر لوگوں کو بیدار کرنا ہوگا۔ تیسرے درجے پر ایسے جرائد ہوں گے جو خود ہم نے اپنی مخالفت میں جاری کئے ہوں گے۔ ان میں سے کم از کم ایک تو ایسے نقطہ نظر کو پیش کرے گا جو ہر لحاظ سے ہمارے خلاف ہوگا۔ اس سے ہمیں یہ فائدہ پہنچے گا کہ ہمارے حریف ہماری اس خود پیدا کردہ مخالفت کو اپنی تحریک سمجھتے ہوئے دل و جان سے قبول کر لیں گے اور ہمیں اپنے منصوبوں سے آگاہ کر دیں گے۔

ہمارے تمام اخبارات تمام ممکن پہلوؤں کا احاطہ کر لیں گے۔ یہ ارسٹوکریٹس (طبقہ شرفاء) ری پبلکن (پرستاران جمہوریت)، انقلابی عناصر اور انارکسٹون (انتشار پسندوں)

سب کے نقطہ ہائے نظر کی اس وقت تک ترجمانی کرتے رہیں گے جب تک کہ آئین کا وجود برقرار رہے گا۔ ہندو دیوتا ویشنو کی مانند ان کے بھی سو ہاتھ ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک رائے عامہ کی ایک ایک دکھتی رگ پر انگلی رکھے گا۔ جب بھی لوگوں میں کسی قسم کا ہیجان پیدا ہوا تو یہ ہاتھ رائے عامہ کی رہنمائی ہمارے مقصد کی تکمیل کی سمت میں کر دیں گے۔ چونکہ ہر مریض گھبراہٹ اور ہیجان کے عالم میں قوتِ فیصلہ کھو بیٹھتا ہے اور آسانی کے ساتھ دوسروں کے جھانسے میں آجاتا ہے اس لئے وہ احمق یہ سمجھیں گے کہ وہ اپنے کیمپ کے کسی اخبار کا نقطہ نظر دوہرا رہے ہیں لیکن دراصل وہ ہمارے موقف یا ہماری پسند کے نقطہ نظر کی تائید کر رہے ہوں گے اور اسی پرچم کے پیچھے چل رہے ہوں گے جو ہم نے ان کے لئے لہرا دیا ہوگا۔

اخباری ملیشیا:

اپنے اس اخباری ملیشیا (Militia) کی رہنمائی کے لئے ہمیں بڑی ہوشیاری اور احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ مرکزی پریس ڈیپارٹمنٹ کے زیر اہتمام ہم ادبی اجتماعات شروع کرا دیں گے جن میں ہمارے خفیہ ایجنٹ ضروری احکام اور فرمانِ وقت جاری کیا کریں گے۔ خود ہرگز سامنے نہیں آئیں گے۔ ہمارے نیم سرکاری اخبارات جنہیں در پردہ سرکاری اخبارات کی تائید حاصل ہوگی اصل موضوع سے بالکل ہٹ کر محض سطحی بحث مباحثے کرایا کریں گے جس سے ایک مصنوعی جنگ برپا کرنا مقصود ہوگی۔ اس کی اصل غایت یہ ہوگی کہ ہمیں کھل کر وہ بات کہنے کا موقع مہیا کیا جائے جو سرکاری اعلان جاری کرتے وقت ہم نہیں کر سکتے تھے۔ یہ طریقہ صرف اس موقع پر اختیار کیا جائے جب اس میں ہمارا فائدہ مضمر ہوگا۔

ہم پر تنقیدی حملے ایک اور مقصد بھی پورا کریں گے، وہ یہ کہ ہماری رعایا کو آزادیِ اظہار کے وجود کا یقین ہو جائے گا اور ہمارے ایجنٹوں کو یہ دعویٰ کرنے کا موقع مل جائے گا کہ ہمارے

مخالف اخبارات محض یاوہ گوئی کر رہے ہیں کیونکہ وہ ہمارے احکام پر کوئی ٹھوس اعتراض کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

تنظیمی طریقے:

اب ہم اپنے تنظیمی حربوں کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ حربے عوام اگرچہ محسوس بھی نہیں کر سکتے لیکن اثر ونفوذ کے لحاظ سے یقینی طور پر فائدہ مند ہوتے ہیں۔ یہ حربے ہماری حکومت پر عوام کی توجہ مرکوز کرنے اور اعتماد بحال کرنے کا موثّر ذریعہ ہیں۔ انہی کی بدولت ہم وقتاً فوقتاً عوامی ذہن کو سیاسی مسائل پر مشتعل بھی کر سکیں گے اور مطمئن بھی کر لیں گے۔ ہم لوگوں کو قائل کرنے اور کسی بات پر ابھارنے کے لئے کبھی سچی باتیں شائع کریں گے اور کبھی جھوٹی باتیں چھپوا دیں گے۔ حقائق بھی بیان کریں گے اور ان کی تردیدیں بھی شائع کرا دیں گے۔ لیکن بے سوچے سمجھے کوئی حرکت نہیں کریں گے۔ ہر قدم اٹھانے سے پہلے کئی بار غور وفکر کریں گے اور اس کے ردعمل کا پیشگی اندازہ کر لیں گے۔

صحافیوں کی دکھتی رگیں:

ہمارے اس قسم کے آزمائشی فائر تیسرے درجے کے اخبارات کے ذریعہ کئے جائیں گے جبکہ ہمارے نیم سرکاری ترجمان موثّر انداز سے تردید کر دیں گے۔

آج کل کے زمانے میں بھی فرانس کے پریس کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس میں ہر قسم کے اخبارات وجرائد پائے جاتے ہیں جو ظاہری طور پر خواہ ایک دوسرے کے کتنے ہی مخالف کیوں نہ ہوں فری میسن تحریک کے پروگراموں اور مقاصد کے سلسلے میں مکمل یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس کے تمام جریدے پیشہ ورانہ راز داری کے لئے خود کو مجبور پاتے ہیں۔ زمانہ قدیم کے پیش گوئی کرنے والوں کی مانند ان میں سے ہر ایک اپنے ''ذرائع اطلاع''

(Source of the News) کے بارے میں مہر بہ لب رہتا ہے۔ بجز اس کے کہ ان ''ذرائع'' کے افشا کا متفقہ طور پر فیصلہ کرلیا جائے۔ لہٰذا ہمارے صحافیوں کو بھی راز افشا کرنے کی جرات نہیں ہوگی۔ کیونکہ کسی شخص کو اس پیشے سے منسلک ہونے کی اس وقت تک اجازت نہیں دی جائے گی۔ جب تک اس کی سابق زندگی کے اوراق کسی شرمناک واقعہ، کسی رسوا کن کمزوری یا باعث ذلّت حادثے سے داغدار نہ ہوں۔ کسی راز کو افشا کرنے کی کوشش پر اس کی ذاتی سیکنڈلوں کو آشکار کردیا جائے گا۔ ہم ایسی دکھتی رگوں کو اپنی مرضی اور حکمت کے تحت خاص خاص اوقات میں چھیڑیں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿پروٹوکول نمبر 13﴾

اہم راہیں: (Distractions)

☆☆ خلاصہ ☆☆

پیٹ کے ایندھن کی ضروریات، نظام سیاست کا مسئلہ، صنعتی امور، تفریحات، عوامی طاقت ایک حقیقت ہے۔

☆☆ اصل متن ☆☆

ضروریاتِ زندگی :

غیر یہودیوں کی ضروریات زندگی انہیں خاموش رہنے اور ہمارے خادم بنے رہنے پر مجبور کردیتی ہیں۔ ہم ان میں سے کچھ کو اپنے ایجنٹ بنائیں گے اور پریس میں بھرتی کرلیں گے۔ یہ لوگ ہمارے احکامات کے تحت ہر اس چیز پر بحث کریں گے جس میں سرکاری

دستاویزات میں براہ راست آسانی سے زیر بحث نہیں لا سکتے۔ اس شور وغوغا کے دوران ہم اپنی مرضی کے اقدامات کرتے رہیں گے اور پھر انہیں مسلمہ حقائق کی صورت میں عوام کے سامنے پیش کر دیں گے۔ کسی معاملے کا ایک بار تصفیہ ہو جائے تو کوئی شخص طے شدہ بات کو منسوخ کرنے کا مطالبہ کرنے کی جرات نہیں کر سکے گا۔ علاوہ ازیں پریس فوری طور پر لوگوں کے خیالات کا رخ نئے مسائل کی طرف موڑنے میں ہماری مدد کرے گا (کیا ہم نے لوگوں کو اس بات کی تربیت نہیں دے رکھی ہے کہ وہ ہمیشہ نئی نئی چیزوں کی تلاش میں رہیں)۔ ان نئے مسائل کی بحث میں وہ احمق لوگ پڑیں گے جو اس وقت بھی یہ بات سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے کہ جس مسئلے پر وہ بحث کر رہے ہیں اس بارے میں ان کے پاس کوئی نظریہ نہیں ہے۔ سیاسی مسائل وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے مدتوں سیاسی نظام چلایا ہو یا اس کی تشکیل میں حصہ لیا ہو۔

ان حقائق کی روشنی میں آپ یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ رائے عامہ کو ہموار کر کے ہم اپنی مشینری کے کام کو آسان بنا رہے ہوں گے اور آپ یہ کہہ اٹھیں گے کہ ہم عمل کرنے کی بجائے صرف لفظوں کے ہیر پھیر سے اپنا مقصد حاصل کر رہے ہوں گے۔ ہم مسلسل اس بات کا اعلان کرتے رہیں گے کہ ہمارے تمام معاملات میں یہ امید اور آرزو ہماری رہنمائی کر رہی ہے کہ ہم عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کام کر رہے ہیں۔ جو لوگ ہمارے لئے خواہ مخواہ پریشانیاں پیدا کرنے کی کوشش کریں گے ہم ان کی توجہ سیاسی مسائل سے ہٹا کر ان امور کی طرف مبذول کرا دیں گے جنہیں ہم نئے ''سیاسی مسائل'' کے عنوان سے پیش کر رہے ہیں اور مسائل ''صنعتی امور'' ہیں۔ ان کے بارے میں غیر یہودیوں کو بے ہودہ بحث و تمحیص میں الجھے رہنے دیجئے۔

عوام فطرتاً غیر فعال یا فارغ رہنا پسند کرتے ہیں خصوصاً سیاسی سرگرمیوں سے کنارہ کش رہنا چاہتے ہیں۔ (اس چیز کی بھی ہم نے خود انہیں تربیت دی ہے تاکہ غیر یہودی حکومتوں کا

مقابلہ کرنے میں ہمارے لئے ایک ذریعے کا کام دے سکیں)۔اس مقصد کے لئے انہیں ایسی ملازمتیں فراہم کر دینا ہی کافی ہوگا جو بظاہر ان کے پسندیدہ سیاسی مقاصد سے مطابقت رکھتی ہوں گی۔اس خطرے کے پیش نظر کہ مبادا، عوام یہ اندازہ کرلیں کہ انہیں کس طرح آلہ کار بنالیا گیا ہے،ہم ان کی توجہ کھیل کود،تفریحات،ہوس پرستی،تماشہ گاہوں اور شاندار ہوٹلوں کی طرف موڑ دیں گے۔ہم پریس کی ذریعہ آرٹ،نمائشوں اور مختلف قسم کے سپورٹس مقابلوں کی تجاویز پیش کریں گے۔اس نوعیّت کی دلچسپیاں ان کی توجّہ کو ہمیشہ کے لئے اصل مسائل سے دور رکھیں گے۔جب لوگ سوچ بچار کرنے اور اپنے نظریّات قائم کرنے کی عادت سے عاری ہو جائیں گے تو وہ ہماری ہی زبان میں بات کرنا شروع کر دیں گے۔کیونکہ ہم ہی انہیں فکر کی نئی راہیں سمجھائیں گے اور یہ کام ایسے لوگوں سے لیا جائے گا جن کے متعلق ہمارے ساتھ اشتراک عمل کا شبہ تک نہ کیا جا سکے۔

ہماری حکومت کے تسلیم کئے جانے پر لبرل ازم کے پیروکاروں اور خوابوں کی دنیا میں رہنے والوں کا کام بھی ختم ہو جائے گا۔وہ وقت آنے تک یہ لوگ بدستور ہمارے لئے مفید خدمات انجام دیتے رہیں گے۔اس دوران ہم ان کے اذہان کو نئے نئے مشاغل اور عجیب و غریب نظریّات (Fantastic Theories) کی آماجگاہ بنادیں گے۔ان نظریّات کو غیر یہود بڑے ہی ترقّی پسندانہ خیالات سمجھیں گے اور ان کا اظہار کرنے میں فخر محسوس کیا کریں گے۔

کیا ہم پہلے ہی غیر یہود کے لئے بے مغز لوگوں کے سروں میں برتری کا جنون بھرنے میں کامیاب نہیں ہو گئے ہیں؟ ہمارا یہ عمل اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ان لوگوں میں ایک بھی فرد یہ سوچنے کے قابل ہو کہ مادی ایجادات کے علاوہ باقی تمام معاملات میں لفظ

''ترقّی'' حق وصداقت کے مترادف ہے۔ کیونکہ سچائی ایک ایسی حقیقت ہے جس میں اس لفظ (ترقّی) کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ یہ لفظ ایک گمراہ کن تصوّر کی طرح سچائی پر پردہ ڈال دیتا ہے تاکہ ہمارے سوا اسے کوئی نہ جان سکے۔ کیونکہ ہم خدا کے منتخب کردہ اور اس کی محبوب قوم ہیں اور حق وصداقت کے محافظ ہیں۔

جب ہم اپنی سلطنت پر مکمل اقتدار حاصل کرلیں گے تو ہمارے مقرّرین ان تمام عظیم مسائل کی تفصیلات بیان کریں گے جو عالم انسانیّت کو درہم برہم کرکے بالآخر اسے ہماری مخیّر اور پُرامن حکومت کے تحت لانے کا سبب بنے۔ کیا کوئی شخص کبھی یہ گمان کرسکتا ہے کہ اس سارے ڈرامے میں دنیا کی تمام اقوام کو ہم اپنے سیاسی منصوبے کے مطابق استعمال کرتے رہے اور کئی صدیاں گزر جانے پر بھی لوگ اس کا اندازہ نہ کرسکے؟

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿پروٹوکول نمبر 14﴾

مذاہب کے خلاف جنگ (Assault on Religion)

☆☆ خلاصہ ☆☆

مستقبل کا مذہب، مستقبل کے زرّعی مزدور، مذہبی معلومات کی راہ میں دشواریاں، فحش لٹریچر اور شائع شدہ مواد۔

☆☆ اصل متن ☆☆

مذہب کی نوعیّت :

جب ہم اپنی سلطنت میں داخل ہوں گے تو ہم اپنے ''توحیدی'' مذہب کے علاوہ کسی

مذہب کو برداشت نہیں کریں گے۔ خدا کی محبوب قوم کی حیثیت سے ہمارا مقدّر خدائے واحد کے ساتھ وابستہ ہو چکا ہے اور اسی کے واسطہ سے ہماری تقدیر دنیا کی دوسری اقوام کی تقدیر سے وابستہ ہوئی ہے۔ ہمیں ایمان اور اعتقاد کی دوسری تمام صورتوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا ہوگا۔ ممکن ہے کہ ہمارے اس طرزِ عمل کی وجہ سے کچھ لوگ الحاد اور بے دینی کی راہ اختیار کر لیں جیسا کہ آج کے دور میں بھی ہے، لیکن یہ ایک عارضی مرحلہ ہوگا۔ یہ لوگ ہمارے نظریات میں مداخلت نہیں کر سکیں گے بلکہ ان نسلوں کے لئے ایک وارننگ کا کام دیں گے جو دین موسوی سے متعلق ہمارے اس وعظ و خطبات کو سنیں گے کہ اس اٹل اور جامع نظام زندگی کی بدولت دنیا بھر کی تمام اقوام کس طرح ہماری محکوم بن چکی ہیں۔ ہم اپنے مذہب کی داخلی صداقت پر زور دیتے ہوئے یہ واضح کر دیں گے جس پر ہمارے دعوے کے مطابق اس دین کی تمام تعلیمی قوّت کا انحصار ہے۔

ہم ہر مناسب موقع پر ایسے مضامین شائع کریں گے جن میں ہمارے اپنے ''بابرکت'' دورِ حکومت کا ماضی کی حکومتوں سے موازنہ کیا جائے گا تا کہ دنیا والے ہمارے دورِ حکومت میں امن و عافیت کی برکات کا اندازہ لگائیں۔ اگرچہ یہ ''امن'' صدیوں کے تشدّد اور ہنگامہ آرائیوں کے بعد قائم ہوا تھا، ہم اس کے فوائد اور کیفیات کو بڑھا چڑھا کر بیان کریں گے۔ علاوہ ازیں غیر یہودی حکومتوں کی غلط کاریوں کی بھی واضح نشاندہی کی جائے گی تا کہ لوگوں کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہو جائیں اور وہ ہمارے دور کی غلامی کو اپنے دورِ آزادی پر قابل ترجیح سمجھیں۔ ان غیر یہودی حکومتوں کے دور میں آزادی پر لفظی طور پر فخر تو کیا جا سکتا ہوگا لیکن اس میں انسانیت کو شدید اذیّت سے دوچار کیا گیا تھا۔ انسانی زندگی کے سرچشموں کو خشک کر کے رکھ دیا گیا تھا۔ جس میں بدمعاش قسم کے طالع آزماؤں اور مہم جوؤں نے ان وسائل کا بُری طرح استحصال کیا جو انسانی وجود کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری

ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس مدہوشی کی حالت میں کیا جارہا تھا کہ ظالم لوگ خود بھی اس امر سے آگاہ نہیں تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟

ہمارے فلاسفر غیر یہودیوں کے مختلف اعتقادات کی تمام خامیوں کو زیر بحث لائیں گے لیکن کوئی شخص ہمارے یقین و اعتقاد کو اس کے صحیح نقطہ نظر اور صحیح پس منظر میں موضوع بحث نہیں بنا سکے گا کیونکہ ہمارے فلاسفروں کے سوا کوئی اور اس سے واقف نہیں ہوگا اور وہ اس کے بھیدوں کو افشاء کرنے کی جرات نہیں کر سکیں گے۔

فحش ادب کا فروغ:

ترقی پسند اور روشن خیال کہلانے والے ممالک میں ہم نے لغو، فحش اور قابل نفرت قسم کے ادب کو پہلے ہی سے خوب فروغ دے رکھا ہے۔ عنان اقتدار سنبھالنے کے کچھ عرصہ بعد تک ہم عوام کو تقریروں اور تفریحی پروگراموں کے ذریعہ مخرب اخلاق ادب کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں گے۔ ہمارے دانشور جنہیں غیر یہود کی قیادت سنبھالنے کی تربیت دی جائے گی، ایسی تقاریر اور مضامین تیار کیا کریں گے جن سے ذہن فوراً اثر قبول کریں گے تاکہ نئی نسلیں ہماری متعین کردہ راہوں پر گامزن ہو سکیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿پروٹوکول نمبر 15﴾

مستبدانہ دباؤ: (Ruthless Supression)

☆☆ خلاصہ ☆☆

تمام دنیا میں یک روزہ انقلاب، قتل و غارت گری، فری میسن کے غیر یہودیوں کا مستقبل، حاکمیت کا جاہ و جلال، فری میسن کی اجتماع گاہوں میں اضافہ، فری

میسن رہنماؤں کا مرکزی کنٹرول، خفیہ انجمنوں کے رہنما، عوامی خوشنودی کی اہمیّت، فری میسن کارکنوں کا قتل، خدا کی محبوب قوم کی حیثیّت سے ہماری پوزیشن، اختیارات کا غلط استعمال، سخت سزائیں، ججوں کی عمر کی حد، دنیا بھر کی دولت، جس کی لاٹھی اس کی بھینس، اسرائیل کا بادشاہ تمام دنیا کا باپ۔

☆☆ اصل متن ☆☆

بغاوت وانقلاب :

جب ہم ہر جگہ ایک ہی دن میں فوجی بغاوتیں کرانے کے بعد سچ مچ اپنی سلطنّت قائم کرلیں گے اور حکومت کی تمام موجودہ صورتوں کا کھوکھلا پن عمومی طور پر تسلیم کرلیا جائے گا (اور ان چیزوں کے لئے ایک لمبا عرصہ درکار ہوگا.....شاید ایک صدی) تو اپنے مخالفین کو بے رحمی کے ساتھ قتل کردیں گے، خفیہ جماعتوں کے ذریعہ ہر نئی تنظیم کو موت کی نیند سلا دیا جائے گا۔ جبکہ موجودہ خفیہ جماعتوں کو بھی جنہوں نے ہماری بڑی خدمت کی اور اب بھی کررہی ہیں، ہم ختم کردیں گے اور انہیں دور دراز علاقوں میں جلاوطن کردیں گے۔ فری میسن کے غیر یہودی ممبروں سے بھی یہی سلوک کیا جائے گا کیونکہ یہ لوگ ہمارے بارے میں ضرورت سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں۔ لیکن اگر بعض مصلحتیں ہمیں ان لوگوں سے صرف نظر پر مجبور کریں تو انہیں جلاوطنی کے خوف میں مسلسل مبتلا رکھا جائے گا۔ ایک قانون بنائیں گے جس کی رو سے خفیہ تنظیموں کے تمام سابقہ ممبروں کو یورپ سے جلاوطن ہونا پڑے گا کیونکہ یورپ ہمارا دارالسلطنّت ہوگا۔ ہماری حکومت کی قرارداد یں اور فیصلے حرف آخر ہوں گے جن کے خلاف کسی کو اپیل کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

غیر یہودی معاشروں میں ہم نے بے چینی، اضطراب، انتشار، مذہب سے بیگانگی اور

بغاوت کے بیج بو کر ان کی جڑیں مضبوط کر دی ہیں، اس لئے نظم و نسق کو بحال کرنے اور لوگوں کے دلوں پر حکومت کی قوّت کا سکّہ جمانے کے لئے ہمیں بے رحمانہ اقدامات کرنا پڑیں گے اس تشدّد کا شکار ہونے والوں پر کوئی ترس نہیں کھائے گا کیونکہ اس سختی پر ہی مستقبل کی فلاح و بہبود اور استحکام مملکت کا انحصار ہوگا خواہ اس کے لئے ہمیں کتنی ہی قربانیاں دینی پڑیں۔ ہر حکومت جو اپنا وجود تسلیم کرانا چاہتی ہو، اور اپنے حقوق و مراعات کا ہی نہیں بلکہ اپنے فرائض کا بھی خیال رکھتی ہو، اسے سخت اقدامات کرنا پڑتے ہیں اس کے استحکام کی سب سے بڑی ضمانت یہ ہے کہ اس کے گرد طاقت کا مضبوط ترین ہالہ ہو۔ اس صورتحال کو برقرار رکھنے کے لئے اسے طاقت کا عظیم الشان اور بے لچک مظاہرہ کرنا ہوتا ہے تا کہ لوگ اسے پراسرار غیبی قوّت کی مظہر جانیں، اس کے ہر حکم کو واجب التعمیل سمجھیں اور فرمان خداوندی کی طرح مقدّس جانیں۔ ماضی قریب میں روس کی اشرافیہ حکومت کا یہی طرز عمل تھا جو پاپائیت کو چھوڑ کر دنیا بھر میں ہماری سب سے اہم اور تنہا دشمن تھی۔ اٹلی کا وہ واقعہ ذہن میں لائیے کہ سارا ملک خون میں نہا رہا تھا لیکن خون کی ندیاں بہانے والا سولا (Sulla) کا کوئی بال بھی بیکا نہ کر سکا۔ وہ لوگوں کی نظروں میں جرات اور طاقت کے باعث دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ اس نے اگرچہ انتہائی سفّاکی اور بے دردی سے قتل عام کیا تھا اس کے باوجود اٹلی سے واپسی پر لوگ عزّت و احترام کے ساتھ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص بھی اپنی دلیری، شجاعت اور ذہنی قوّتوں سے لوگوں کو مسحور کر لے اس پر کوئی بھی انگلی اٹھانے کی جرات نہیں کر سکتا۔

اجتماع گاہیں:

جب تک ہم اپنی سلطنت میں داخل نہیں ہو جاتے اس وقت تک ہم اس کے برعکس رویہ اختیار کریں گے۔ ہم دنیا کے تمام ممالک میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں فری میسن کی

اجتماع گاہیں قائم کریں گے، ایسے تمام افراد کو اس تنظیم میں شامل کر لیا جائے گا جو عوام میں نمایاں حیثیت رکھتے ہوں یا آئندہ اہمیت حاصل کرنے والے ہوں۔ یہ اجتماع گاہیں (Lodges) ہمارے سب سے بڑے جاسوسی کے اڈے اور لوگوں کو متاثر کرنے کا ذریعہ ہوں گی۔ ان اجتماع گاہوں کو ایک مرکزی انتظامیہ کے تحت لایا جائے گا۔ جس کا علم ہمارے سوا کسی کو نہ ہوگا۔ ان اجتماع گاہوں میں ہمارے نمائندے شامل ہوں گے جو انتظامیہ کے لئے پردے کا کام دیں گے اور جو نعرے اور پروگرام دیں گے ان کے ذریعے ہم ایسی گرہ (Knot) دیں گے جو انقلابی اور لبرل عناصر کو آپس میں مضبوطی سے باندھ دیں گی۔ ان میں معاشرے کی ہر سطح کے لوگوں کو شامل کیا جائے گا۔ انتہائی خفیہ قسم کے منصوبے ہمارے دائرہ علم میں ہوں گے بلکہ ہمارے ہاتھوں کی گرفت ان پر اسی روز مضبوط ہو جائے گی جس دن ان کا تصوّر جنم لے گا۔

ان فری میسن لاجز کے ارکان میں قومی اور بین الاقوامی پولیس کے تقریباً تمام ایجنٹ شامل ہوں گے۔ کیونکہ ان کی خدمات اس لحاظ سے ہمارے لئے بے حد ضروری ہیں کہ پولیس حکم عدولی کرنے والے افراد کو راہ راست پر لانے کے لئے اپنے مخصوص طریقے استعمال کرتی ہے بلکہ یہ ہماری سرگرمیوں کے لئے پردے کا کام بھی دے سکتی ہے۔ اور بے چینی اور انتشار وغیرہ پیدا کرنے کے لئے مواقع بھی تلاش کر لیتی ہے۔

خفیہ تنظیمیں:

خفیہ تنظیموں میں شامل ہونے کے خواہش مند افراد عموماً چالاکیوں سے روزی کمانے والے، لاابالی، بے فکرے اور بے دھڑک قسم کے لوگ ہوتے ہیں، لہٰذا انہیں اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ اگر دنیا میں فساد برپا ہوتا ہے تو چلئے اسے اور بھی ہوا دے دی جائے تاکہ یکسانی ختم ہو اور ہلہ گلہ مدّتوں جاری رہے۔ لیکن اگر

کہیں کوئی منصوبہ بنتا ہے تو اس کی رہنمائی کرنے والا ایسا شخص ہونا چاہئے جو ہمارے سب سے زیادہ وفادار ملازموں میں سے ہو۔

قدرتی بات ہے کہ فری میسن کی سرگرمیوں کی رہنمائی صرف ہمیں ہی کرنی چاہئے کیونکہ ہمیں علم ہوتا ہے کہ ہم کس طرف رہنمائی کر رہے ہیں اور ہر طرح کی سرگرمی اور جدّ وجہد کا آخری مقصد بھی جانتے ہیں جبکہ غیر یہود کو کسی چیز کا علم نہیں ہوتا بلکہ انہیں تو کسی عمل کے فوری اثر تک کا بھی علم نہیں ہوتا۔ ان کو تو بس اس وقتی تسکین کی ضرورت ہوتی ہے جو اپنے خیالات کا اظہار کرنے سے انہیں حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ کبھی یہ سوچنا بھی گوارا نہیں کرتے کہ ان کے خیالات کے اصلی محرک ہم ہوتے ہیں۔

غیر یہود کی خود فریبی:

غیر یہودی لوگ فری میسن لاجز میں جذبہ تجسس کی وجہ سے داخل ہوتے ہیں یا اس امید میں آتے ہیں کہ شاید اس طرح وہ کوئی فائدہ اٹھا سکیں۔ ان میں کچھ لوگ اپنے بے بنیاد اور ناقابل عمل خیالات (Fantasies) کا اظہار کرنے کے شوق میں آ پھنستے ہیں۔ وہ تحسین اور تعریف سننے کے بھوکے ہوتے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ ہم زبانی تعریف کے معاملے میں بہت فیّاض واقع ہوئے ہیں اس طرح ہم انہیں خود فریبی میں مبتلا رکھتے ہیں اور غیر شعوری طور پر ہمارے خیالات کو اپنے دل و دماغ میں جذب کرتے رہتے ہیں اور بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کسی کے خیالات مستعار نہیں لیتے بلکہ اپنے اندرونی احساس کا اظہار کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے، آپ تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ اس خود فریبی میں مبتلا ذہین ترین غیر یہودیوں کو کتنی آسانی سے اُلّو بنایا جا سکتا ہے اور یہ لوگ پھر معمولی سے ناکامی پر کتنی جلدی دل برداشتہ ہو جاتے ہیں۔ خواہ یہ ناکامی صرف اسی قدر کیوں نہ ہو کہ یہ حسب

توقع کسی سے اپنی تعریف نہ سن سکیں۔ اس کامیابی کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے وہ ہمارے غلام بے دام بن جانے کو بھی تیار ہو جاتے ہیں بلکہ اپنے منصوبوں کو ترک کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی اس ذہنی کیفیت سے ہمارے لئے یہ بات آسان ہو جاتی ہے کہ ہم انہیں جس طرف چاہیں لگا سکتے ہیں۔ ان ظاہری شیروں کے اندر بھیڑوں کی روح ہوتی ہے۔ ان احمق اور گاؤدی افراد کو ہم نے اس تصوّر کے چوبی گھوڑے پر سوار کر دیا ہے کہ فرد کو جماعت کے اندر بالکل جذب ہو جانا چاہئے۔ انہوں نے کبھی یہ سوچا تک نہیں اور نہ کبھی سوچیں گے کہ یہ چوبی گھوڑا (یعنی فرد کو جماعت کے مقابلے میں بالکل ہیچ سمجھنا) قدرت کے اہم ترین قانون کی خلاف ورزی ہے جس کے مطابق ہر چیز اپنی پیدائش سے ہی دوسری چیزوں سے مختلف ہوتی ہے اور اسے ہر حال میں اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنا ہے۔ اگر ہم ایسے لوگوں کو واقعتاً احمقانہ اندھے پن کے اس گڑھے تک لے آئیں تو کیا یہ اس بات کا واضح ثبوت نہیں ہے کہ غیر یہود کا ذہن مقابلے میں بہت پست اور غیر نمو یافتہ ہے؟ ہماری کامیابی کی یہ سب سے بڑی ضمانت ہے۔

ہمارے اسلاف کی دور اندیشی:

ہمارے قدیم فاضل رہنماؤں نے اس وقت کتنی دور بینی کا مظاہرہ کیا جب انہوں نے کہا کہ ایک سنجیدہ مقصد حاصل کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہئے اور اس بات کی بھی پروا نہیں کرنی چاہئے کہ اس کے لئے کتنی جانیں قربان کرنی پڑتی ہیں۔ اگرچہ ہم نے بھی بڑی قربانیاں دی ہیں لیکن اس سلسلے میں غیر یہود مویشیوں کی جتنی جانیں کام آئی ہیں ہم نے ان کی تعداد کا احصاء کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔ اور اس کے عوض ہم نے دنیا میں اپنے شہیدوں کو وہ پوزیشن دلا دی ہے جس کا وہ تصوّر بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس کشمکش میں ہمارا

نقصان نسبتاً کم ہوا ہے لیکن اس طرح ہماری قوم مکمل تباہی سے محفوظ رہی ہے۔ موت تو ہر شخص کو آنی ہے، زندگی کا انجام یہی ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ یہ انجام لوگوں کے قریب تر کر دیا جائے جو ہمارے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

کھانے اور دکھانے کے دانت:

ہم فری میسن کی سرگرمیوں کو اس طرح منظم کرتے ہیں کہ ہمارے بھائی بندوں کے سوا کسی کو ان کا پتہ نہیں چلتا۔ یہاں تک کہ ہمارے حکم پر موت کے منہ میں جانے والوں کو بھی اس کا علم نہیں ہوسکتا۔ ہماری مرضی اور منصوبے کے تحت وہ اس طرح خاموشی سے موت کو لبیک کہتے ہیں جیسے وہ قدرتی مرض کی وجہ سے مر رہے ہوں۔ اس حقیقت کا علم رکھتے ہوئے ہماری برادری بھی احتجاج کرنے کی جرات نہیں کرسکتی۔ ان طریقوں کی بدولت ہم نے فری میسن تحریک میں اپنے ارادوں کے خلاف احتجاج کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکا ہے۔ ہم غیر یہود کو تو حریّتِ فکر (لبرل ازم) کا درس دیتے ہیں لیکن ہم اپنے لوگوں اور ایجنٹوں سے غیر مشروط اطاعت کا مطالبہ کرتے ہیں۔

ہمارے اثر ونفوذ کی وجہ سے غیر یہود کے قوانین پر بہت کم عمل درآمد ہوتا ہے۔ قانون کی جو لبرل تعبیرات ہم نے کی ہیں ان کی وجہ سے قانون کے وقار کو شدید دھچکا لگا ہے۔ جج حضرات اہم ترین اور بنیادی مسائل کے بارے میں وہی فیصلے صادر کرتے ہیں جو ہم اُنہیں سمجھاتے ہیں۔ یہ کام ہم اپنے ان لوگوں کے ذریعہ کراتے ہیں جو ہمارے آلہ کار ہیں، اگرچہ ان میں اور ہم میں بظاہر کوئی بات مشترک نہیں ہوتی۔ ہمارے آلہ کار وہ اخبارات بھی ہوتے ہیں جن کی رائے کے ذریعہ ہم ججوں سے اپنی مرضی سے فیصلے کراتے ہیں۔ قانون ساز مجالس کے ارکان اور انتظامی افسر بھی ہمارے مشورّے قبول کرتے ہیں۔ غیر یہود خالص حیوانی حالات

کا تجزیہ کرنے اور مشاہدے سے صحیح نتیجہ اخذ کرنے کی صلاحیت سے عاری ہوتا ہے اور پیشگی اندازہ کرنے کی اہلیت تو ان میں سرے سے مفقود ہوتی ہے۔

ہمارے اور غیر یہود کے درمیان قوتِ فکر کا یہی فرق ہمارے ''خدا کی محبوب قوم'' (Chosen People) ہونے اور اعلیٰ تر انسانی صلاحیت ہونے کا طرۂ امتیاز ہے جو غیر یہود کے حیوانی ذہن وفکر کے مقابلے میں بالکل نمایاں اور ممتاز ہے۔ ان کی آنکھیں کھلی ہیں لیکن وہ اپنے سامنے کچھ دیکھ نہیں سکتے۔ اس لئے ایجاد واختراع کی صلاحیت سے بالکل عاری ہیں۔ (سوائے مادی اشیاء کے) اس سے صاف ظاہر ہے کہ فطرت نے دنیا کی قیادت اور حکمرانی ہماری قسمت میں لکھ دی ہے۔

نئے قوانین:

جب ہمارا کھلے بندوں حکومت کرنے کا وقت آئے گا، یعنی ہماری حکومت کی نعمتوں اور برکتوں کے ظاہر ہونے کا وقت ہوگا تو اس موقع پر ہم نئے سرے سے قوانین بنائیں گے۔ ہمارے سب قوانین مختصر، واضح اور مستحکم ہوں گے۔ جن کی تشریح وتوضیح کی قطعاً ضرورت نہیں پڑے گی ہر شخص انہیں خود بخود سمجھ سکے گا۔ ہمارے قوانین کی اہم ترین خصوصیت وہ روح ہوگی جو اس کی ذیلی شقوں میں بھی واضح طور پر موجود ہوگی، بے چوں وچرا اطاعت ہوگی اور اس اصول کو بڑی بلند و بالا عظمت دی جائے گی۔ ہر انتظامی یونٹ اپنے سے اعلیٰ نمائندہ حکومت کے سامنے جواب دہ ہوگا۔ قوت واختیار کے غلط استعمال کی ایسی کڑی سزا مقرر ہوگی کہ کوئی شخص اختیارات کا غلط استعمال کرنے کی جرات نہیں کر سکے گا۔ ہم انتظامیہ کے ہر اس اقدام کی کڑی نگرانی کریں گے جس پر ریاست کی مشینری کی عمدہ کارکردگی کا انحصار ہوتا ہے۔ اس دائرے میں سستی کا نتیجہ بدنظمی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ لاقانونیت اور اختیارات کے غلط استعمال

کے ہر کیس پر ہم عبرتناک سزائیں دیں گے۔ جرم کا اَخفاء' انتظامیہ کے اہل کاروں کی باہمی ملی بھگت، ایک دوسرے کی پردہ پوشی اور جرم سے چشم پوشی و دیگر عمومی خرابیاں عبرت خیز سزاؤں کی ابتدائی چند مثالوں کے بعد بالکل ختم ہو جائیں گی۔ ہمارے اقتدار کے وقار کا تقاضا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے جرم کی بھی مناسب سزا، یعنی ظالمانہ سزا دی جائے۔ خواہ مجرم کی سزا، اس کی خطا سے کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ ہم ان اہلکاروں کو ایسا درس دیں گے کہ وہ سزایاب ہونے کے بعد خود کو ایسا سپاہی سمجھیں گے جو اقتدار، اصول اور قانون کی خاطر میدان جنگ میں مارا گیا ہو۔ کیونکہ یہ چیزیں (حکومت اور اس کے اصول وقوانین) اس امر کی اجازت نہیں دیتیں کہ عوام پر حکمرانی کرنے والے عوامی شاہراہ سے کٹ کر اپنے ذاتی راستوں پر چلنا شروع کر دیں۔ مثال کے طور پر جب ججّوں کے پیٹ میں ملزموں سے ہمدردی اور ان پر رحم دلی کا مروڑ اٹھے گا تو انہیں معلوم ہوگا کہ وہ اصول انصاف کی خلاف ورزی کر رہے ہیں جس کی رو سے ہر قسم کی سُستی اور کاہلی کو دور کرنے کے لئے عبرتناک سزائیں دینا ضروری ہے، نہ کہ جج کی روحانی خصوصیّات (ہمدردی وغیرہ) کا اظہار کرنا۔ اس کی خصوصیّات کا اظہار انفرادی زندگی میں ہی مناسب ہے، نہ کہ کسی ایسے عوامی مقام پر جو انسانی زندگی کے لئے ایک تعلیمی بنیاد ہو۔

ججّوں کی شرائط ملازمت:

ججّوں کو ہم 55 کی عمر کے بعد سرکاری ملازمت میں نہیں رکھیں گے۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔ اوّل یہ کہ بوڑھے آدمی لگے بندھے خیالات کے مالک ہوتے ہیں اور ان کی شدّت سے پابندی کرتے ہیں۔ انہیں نئے خیالات کو قبول کرنے پر آمادہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ دوّم انہیں جلدی فارغ کر کے ہم سٹاف میں آسانی کے ساتھ تبدیلیاں لاسکیں گے، لہٰذا سٹاف جلد ہمارے قابو میں آجائے گا جو شخص اپنی ملازمت برقرار رکھنا چاہے گا اسے آنکھ بند کر کے ہماری اطاعت

کرنا پڑے گی۔ ججوں کا انتخاب ایسے لوگوں میں سے کیا جائے گا جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا کام صرف سزائیں دینا اور قانون نافذ کرنا ہے، نہ کہ ریاست کی تعلیمی سکیم کو خطرے میں ڈال کر لبرل ازم کے خواب دیکھنا، جیسا کہ آج کل کے غیر یہود جج کر رہے ہیں۔ نئے جج حکومت کے وفادار ہوں گے اور اسی وفاداری پر ان کی ملازمت جاری رہنے اور ان کے بہتر مستقبل کا انحصار ہوگا۔ انہیں خاص نظریات کے تحت تربیت دی جائے گی تا کہ عدالتیں ریاست کے نظم و نسق میں رکاوٹ نہ ڈال سکیں۔

موجودہ غیر یہود جج جرائم کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں کیونکہ انہیں اپنے عہدے کی اہمیت کا شعور نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کل کے حکمران ججوں کا تقرر کرتے ہوئے ان میں وہ احساس فرض پیدا کرنا ضروری نہیں سمجھتے جن کا ان سے تقاضا کیا جاتا ہے۔ جس طرح ایک وحشی جانور اپنے بچوں کو شکار کی تلاش میں کھلا چھوڑ دیتا ہے بالکل اسی طرح غیر یہود اپنی رعایا کو نفع بخش آسامیاں دیتے ہیں اور ان پر یہ واضح کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے کہ یہ آسامیاں کس لئے پیدا کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی حکومتیں اپنی اندرونی قوتوں کی وجہ سے اور اپنی انتظامیہ کی غلط کاریوں کے ہاتھوں تباہی کا شکار ہو رہی ہیں۔ آیئے ہم ان غلط کاریوں کے نتائج سے اپنے لئے ایک اور سبق لیں۔

سرکاری ملازمین کی سرکوبی:

ہم اپنی ایسی تمام آسامیوں سے لبرل ازم کا خاتمہ کر دیں گے جن پر حکومت کی مشینری چلائے جانے کا انحصار ہوتا ہے۔ عملے کی تربیت کا خصوصی اہتمام کیا جائے گا۔ ممکن ہے آپ یہ اعتراض کریں کہ پرانے ملازمین کو ریٹائر کرنے سے خزانے پر بھاری بوجھ پڑے گا۔ میری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو ریٹائر ہونے والوں کو نجی ملازمتیں مہیا کی جائیں گی،

دوسرا یہ کہ تمام ڈالر اور پاؤنڈ ہمارے ہاتھوں میں سمٹتے چلے آئیں گے اس لئے ہماری حکومت کو اخراجات سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ہمارے تمام فیصلے حتمی اور قطعی ہوں گی اور یہ قطعیت ملکی زندگی کے ہر شعبے میں جاری وساری ہوگی۔ اس لئے ہمارے فیصلوں کا ہر جگہ احترام کیا جائے گا۔ اوران پر بے چوں و چرا عمل درآمد ہوگا۔ ہم اپنے ارادوں کی تکمیل کی راہ میں کوئی رکاوٹ برداشت نہیں کریں گے۔ کانا پھوسی کرنے اور بے چینی پھیلانے والوں کو سخت سزا دے کر دوسروں کے لئے نمونہ عبرت بنا ڈالیں گے۔

تنسیخ قوانین کا حق:

ہم قوانین کی تنسیخ کا حق ختم کرادیں گے، یہ حق مکمل طور پر ہماری طرف منتقل ہو جائے گا۔ یعنی قانون کی تنسیخ اور اس میں ردّو بدل حکمران کی صوابدید پر ہوگا۔ کیونکہ ہم لوگوں میں یہ تصوّر پیدا نہیں ہونے دیں گے کہ ہمارے مقرر کردہ ججوں کا کوئی فیصلہ غلط بھی ہوسکتا ہے لیکن اگر کوئی ایسا موقع آپڑے تو ہم خود اپنے فیصلوں میں مناسب ردّو بدل اور تنسیخ کرلیں گے۔ اس کے ساتھ ہی متعلقہ جج کو اس کی فرض ناشناسی اور کاہلی پر عبرتناک سزا بھی دیں گے تاکہ آئندہ غلطیوں کا اعادہ نہ ہونے پائے۔

ریاست کا اصلی کام:

میں ایک بار پھر کہوں گا کہ ہم انتظامیہ کے اقدامات پر گہری نظر رکھیں گے اور قریب سے ان کا مطالعہ کریں گے تاکہ عوام ہم سے خوش رہیں اور ایسے افسروں کو تعینات کریں گے جو عوام کو پریشان نہ کریں۔ اچھے افسروں کے تقرّر کا مطالبہ کرنا عوام کا حق ہے اور ان کا حق ہمارے لئے ایک فرض ہوگا۔ ہماری حکومت ایسا طرزِ عمل اختیار کریگی کہ وہ حکمران کے روپ میں لوگوں کے مقدّس و مہربان باپ کی حیثیت سے مقبول ہوسکے۔ ہماری قوم اور ہماری رعایا

ہمیں اب باپ پائے گی جو بچّوں کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا ہے اور ان کے ہر عمل پر نظر رکھتا ہے۔ اور جو رعایا کے باہمی تعلقات اور رعایا اور حکمران کے باہمی تعلقات کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ اس طرح ان کے قلوب و اذہان میں جب یہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے گی کہ حکومت کی حفاظت اور رہنمائی کے بغیر امن وسکون کی زندگی گزارنا محال ہے تو وہ حکمران کے اقتدار کو احساس تقدّس کے تحت تہہ دل سے قبول کرلیں گے۔ خصوصاً جب انہیں یہ معلوم ہوگا کہ ہمارے اہلکار اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کرتے بلکہ حاکم اعلیٰ کیے فرامین واحکامات کی آنکھیں بند کر کے تعمیل کرتے ہیں تو انہیں بے پناہ خوشی ہوگی۔ انہیں اس بات سے بھی مسرّت ہوگی کہ ہم نے ان کی زندگیوں میں ہر چیز کو اس طرح مربوط و منظّم کر دیا ہے جس طرح سمجھ دار اور فرش شناس والدین کرتے ہیں۔

جذبہ اطاعت:

فرائض پر جبراً عملدرآمد کرانا ہر اس حکومت کا حق اور فرض منصبی ہے جو اپنے آپ کو رعایا کے باپ کی حیثیّت سے منوانا چاہتی ہو اسے طاقت کا یہ حق بھی حاصل ہے کہ انسانیّت کو فطرت کا حکم ماننے پر مجبور کرے جو خود فطرت نے دیا ہے، یعنی اطاعت اور فرماں برداری..... دنیا کی ہر چیز اطاعت گزاری کی حالت میں ہے۔ اگر کوئی چیز انسان کی اطاعت نہیں کرتی تو یہ اپنے ماحول یا اپنے داخلی کردار کی بنا پر ایسا کر رہی ہے۔ غرض ہر چیز اپنے سے قوی تر چیز کے سامنے سر نیاز خم کرنے پر مجبور ہے اس لئے ریاست میں قوی تر چیز ہم ہوں گے، اِنسانی فلاح و بہبود کی خاطر ہر کسی کو ہمارے سامنے جھکنا اور سر تسلیم خم کرنا ہوگا۔ ہم قانون شکنی کرنے والوں کو بلا تامّل اور سخت سے سخت سزا دیں گے۔ کیونکہ برائی کی کڑی سزا لوگوں کے لئے سامان عبرت و موعظت ہوگی۔

عالمی بادشاہت کا خواب:

جب اسرائیل کا بادشاہ اپنے مقدّس سر پر یورپ کا تاج رکھے گا تو وہ دنیا کا قابل احترام باپ اور حکمران بن جائے گا۔ اس منزل تک پہنچنے کے لئے اسے بہ امر مجبوری جتنے لوگوں کو شکار بنانا پڑے گا ان کی تعداد بہر حال زیادہ نہیں ہوگی جتنی غیر یہودی حکومتوں کے صدیوں کے جذبہ رشک ورقابت اور شان وشوکت کے اظہار کے جنون کا شکار ہونے والوں کی تھی۔ ہمارا بادشاہ بہر حال اقوام عالم سے مسلسل رابطہ رکھے گا۔ وہ اپنے تخت پر بیٹھ کر تقریریں کرے گا جو پلک جھپکنے میں دنیا کے کونے کونے میں پہنچ جائیں گی۔

﴿پروٹوکول نمبر 16﴾

بَرین واشنگ: (Brain Washing)

☆☆ خلاصہ ☆☆

یونیورسٹیوں کی کمزوری، کلاسیک کا نعم البدل، تعلیم وتربیّت، سکولوں میں حکمران کے اختیارات کی تشہیر، تعلیمی آزادی کا خاتمہ، نئے نظریات، آزادی فکر، مشاہداتی اور عملی طریقہ تعلیم۔

☆☆ اصل متن ☆☆

تعلیمی اداروں کی تنظیمِ نو:

ہم تمام اجتماعی قوّتوں کو (ماسوائے خود کے) ختم کر دیں گے، اس پروگرام کی پہلی سیڑھی یونیورسٹیاں ہیں، اس مقصد کے لئے ہم ان کی از سر نو تنظیم کریں گے۔ جس کے لئے اساتذہ اور پروفیسروں کو ایک خفیہ پروگرام کے مطابق تیار کیا جائے گا۔ وہ اس پروگرام سے سرمو انحراف نہیں کر سکیں گے۔ ان کے تقرر میں خصوصی احتیاط سے کام لیا جائے گا اور ان کی

حالت ایسی بنادی جائے گی کہ وہ حکومت کے رحم وکرم پر ہوں گے۔

نصابِ تعلیم :

نصاب تعلیم سے ریاستی قوانین اور تمام سیاسی معاملات کو خارج کر دیں گے۔ یہ مضامین چند درجن باصلاحیّت مبتدیوں کو پڑھائے جائیں گے۔ یونیورسٹیوں کے وسیع وعریض کمروں سے ایسے بودے اور نکمّے افراد پیدا نہیں کئے جائیں گے جن کے ذہن آئین سے متعلق الل ٹپ منصوبوں کو آماجگاہ بنے ہوئے ہوں اور ہر وقت ان مسائل کو الجھانے میں مصروف رہتے ہوں، جن کے بارے میں ان کے آباؤ اجداد نے بھی کبھی سوچنے کی جرات نہ کی ہو۔ ہر کس وناکس کو سیاسی امور سے متعلق بے جا قسم کی تعلیم دینے کا نتیجہ تصوّراتی فلاحی ریاست کا خواب دیکھنے والی گھٹیا قسم کی رعایا کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ آپ خود بھی غیر یہود کی تعلیم عامہ کی پالیسی کے نتائج سے اندازہ کر سکتے ہیں۔ ہمیں غیر یہود کے نظام تعلیم میں ایسے اصولوں کو شامل رکھنا چاہئے جو اس نظام کے نظم ونسق کو تہہ وبالا کرنے کے موجب بنے ہوئے ہیں لیکن جب زمام اقتدار ہمارے ہاتھ آئے گی تو ہم نصاب میں سے ہر ایسے مضمون کو خارج کر دیں گے جو کسی قسم کی بے چینی واضطراب کا موجب بن سکے۔

ہم تمام نوجوانوں کو اپنی حکومت کے ایسے اطاعت شعار اور فرمانبردار قسم کے پیرو بنا دیں گے کہ وہ ہمارے حکمران کو اپنا محسن، ہمدرد ومحافظ اور اپنی امیدوں کا واحد مرکز سمجھ کر اپنی محبّت وعقیدت کا محور بنالیں گے۔

تعلیمی پروگرام:

آپ اس امر سے آگاہ ہیں کہ کلاسیکی ادب ازمنہ قدیم کی تاریخ، قابل اعتماد اور معقول حقائق کی بجائے بیکار اور گھٹیا قسم کی مثالوں سے پر ہے۔ لہٰذا ان مضامین کا مطالعہ قطعی طور پر ختم

کر دیا جائے گا، ان کی جگہ مستقبل کے پروگرام کے مطالعہ شامل نصاب کر کے لوگوں کے ذہنوں سے گزشتہ صدیوں کے ناپسندیدہ اور غیر مفید نقوش مٹا دیئے جائیں گے۔ اور صرف ان حقائق کی یاد کو تازہ رہنے دیں گے جو غیر یہودی حکومتوں کی غلطیوں اور نقائص کو نمایاں کر رہے ہوں۔

ہمارے تعلیمی پروگرام میں سب سے زیادہ اہمیّت عملی زندگی، نظم و نسق کی ذمّہ داریوں اور لوگوں کی باہمی تعلقات سے متعلق مضامین کو دی جائے گی تعلیمی پروگرام میں ہر پیشے اور زندگی کی ہر ضرورّت کے لئے علیحدہ علیحدہ کورسز شامل ہوں گے۔ طریق تعلیم کو بھی کسی صورت میں یکساں اور مشترک بنیادوں پر استوار نہیں کیا جائے گا۔ مسئلے کا یہ پہلو بڑی اہمیّت رکھتا ہے۔ زندگی کے ہر پہلو پر لوگوں کی تعلیم ان محدود خطوط پر ہونی چاہئے جو زندگی میں ان کے مقام اور کاروبار سے مطابقت رکھتے ہیں۔ ذہین و فطین افراد ہمیشہ زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر بھی حاوی ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ لیکن یہ زبردست حماقت ہے کہ مٹھی بھر عبقری قسم کے افراد کی خاطر نااہل لوگوں کو ایسے مراتب و مناصب پر قبضہ جمانے کا موقع دے دیا جائے جو ان سے غیر متعلّقہ ہوں اور جن کے لئے پیدائشی طور پر اہل افراد بھی موجود ہوں۔ آپ کو خوب معلوم ہے کہ غیر یہود کو اس کھلی حماقت کے کیا نتائج بھگتنا پڑے ہیں۔

کسی حکمران کو لوگوں کے اذہان و قلوب میں قطعی اور مستقل مقام دلانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے دورِ حکومت میں درسگاہوں، بازاروں اور گلی کوچوں میں اس کے کارناموں، بلند مقاصد اور اس کے فلاحی اقدامات کا اکثر ذکر کیا جائے۔ ہم تعلیم و تدریس کے شعبے میں ہر قسم کی آزادی کا خاتمہ کر دیں گے۔ ہر عمر کے طالب علموں اور ان کے والدین کو اداروں میں اجتماع کرنے کا حق حاصل ہوگا، اسی طرح جیسے وہ کسی کلب میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ عام تعطیل کے روز ان اجتماعات سے اساتذہ خطاب کریں گے ان کے موضوعات میں

انسانی تعلّقات، قوانین امثلہ، غیر شعوری تعلقات سے جنم لینے والی حدود اور ان نئے نظریات کا فلسفہ شامل ہوگا جو ابھی دنیا کے سامنے برملا پیش نہیں کیا گیا۔ ان نظریات کو ہم مذہبی عقیدے (Dogma) کے مقام پر لے آئیں گے لیکن یہ مرحلہ ہمارے مذہب کی جانب ایک عبوری دور ہوگا۔ زمانہ حال اور زمانہ مستقبل سے متعلق اپنے لائحہ عمل کو مکمل طور پر بیان کرنے کے بعد اب میں آپ کو ان نظریات کے بنیادی اصولوں سے آگاہ کرتا ہوں۔

لوگ نظریات سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور انہیں ہمیشہ حرز جاں بنائے رکھتے ہیں۔ وہ ان نظریات کو تعلیم ہی کے ذریعہ اپناتے ہیں جو ہر عمر کے افراد کو مختلف طریقوں سے مہیا کی جاتی رہی ہوتی ہے۔ لیکن ہم اپنے مفادات کے پیش نظر فکر و خیال کی ہر آزادی کو ختم کر دیں گے جس کا رخ ہم عرصہ دراز سے ان موضوعات اور تصوّرات کی طرف موڑتے رہے ہیں جو ہمارے مقاصد کے لئے مفید تھے۔ فکر و تصوّر کو مقیّد کرنے کا عمل تو پہلے ہی نام نہاد مشاہداتی طریقہ تعلیم کی صورت میں جاری و ساری ہے جس کا مقصد غیر یہود کو قوّتِ فکر سے عاری، اطاعت شعار حیوان بنانا ہے، یہ حیوان اس امر کے منتظر رہے ہیں کہ کسی چیز کا تصوّر قائم کرنے کے لئے اسے ان کے سامنے لایا جائے۔ فرانس میں ہمارے بہترین ایجنٹ بورژوا طبقے نے خارجی اسباق (Objective Lessons) کے ذریعہ تعلیم کے ایک پروگرام کو اسی طریقے سے مقبول کیا ہوا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿پروٹوکول نمبر 17﴾

اتھارٹی کا غلط استعمال: (Abuse of Authority)

☆☆ خلاصہ ☆☆

پیشہ وکالت، غیر یہودی مذہبی رہنماؤں کے اثرات، آزادی ضمیر، مذہبی عدالتیں، یہودیوں کا بادشاہ بحیثیت مقدّس پوپ، موجودہ چرچ کا کیسے مقابلہ ہونا چاہئے؟ معاصر پریس کا کردار، پولیس کی تنظیم، رضا کار پولیس، جاسوسی نظام، اقتدار کا غلط استعمال۔

☆☆ اصل متن ☆☆

وکالت کا دائرہ کار :

وکالت کا پیشہ آدمی کو سرد مہر، ظالم، ضدی اور بے اصولا شخص بنا دیتا ہے۔ وکیل ایک غیر جذباتی اور قانونی موقف اختیار کرتے ہیں اور ہر چیز کو اپنے موکل کی صفائی اور حمایت کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں اور قانون کے فلاح عامہ کے پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اپنے موکل کی بریّت ثابت کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور ہر قیمت پر اسے رہا کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے وہ قانون میں سے کیڑے نکالتے ہیں اور عدل و انصاف کی اہمیّت اور وقعت کو کم کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ہم اس پیشے کی حدود متعیّن کر دیں گے جس سے یہ سرکاری انتظامیہ کی ملازمت کے دائرے میں آجائے گا۔ ججّوں کی طرح وکیلوں کو بھی مقدّمے کے فریقین سے براہ راست گفتگو سے محروم کر دیا جائے گا۔ وکیلوں کو کاروبار عدالت کی طرف سے ملے گا اور وہ ہر مقدّمے کا مطالعہ سرکاری رپورٹ اور متعلقہ دستاویزات کی روشنی میں کریں گے اور اپنے موکلوں کے دفاع کی اجازت دی جائے گی جبکہ متعلقہ حقائق و واقعات کے بارے میں ان موکلوں سے پوچھ گچھ کی جا چکی ہوگی۔

وکلاء کو فیس ان کے کام کی نوعیّت کا لحاظ رکھے بغیر حکومت کی طرف سے ادا کی جائے گی۔ اس طرح قانونی معاملات میں ان کی حیثیّت محض رپورٹروں کی سی ہو جائے گی اور وہ استغاثہ کے وکیل کیخلاف ایک توازن کا کام دیں گے۔ اس طریقے سے عدالتوں کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا اور اس طرح غیر متعصّبانہ صفائی اور دفاع کی ایسی روایت پیدا ہو جائے گی جس کی بنیاد ذاتی مصالح کی بجائے حقائق و واقعات پر ہو گی۔ ضمناً اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ وکلاء کے درمیان سودے بازی کی وہ گندی عادت بھی ختم ہو جائے گی جس سے وہ صرف اس پارٹی کو جتاتے ہیں جو زیادہ پیسے دے۔

غیر یہود مذہبی محاذ:

ہم نے غیر یہودی مذہبی رہنماؤں کا وقار کم کرنے اور ان کے مذہب کے مشن کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ ان رہنماؤں کی عزّت اور مذہب سے عوام کی وابستگی ہماری راہ میں بڑی رکاوٹ بن سکتی ہے۔ دنیا بھر کے عوام پر ان کا اثر روز بروز کم ہوتا جا رہا ہے۔ آزادی ضمیر کا نعرہ بلند کر دیا گیا ہے اور اب عیسائیّت چند سال کے اندر مکمل تباہی سے ہمکنار ہو جائے گی۔

تاہم اس سلسلے میں کچھ کہنا ابھی قبل از وقت ہوگا۔ ہم پادریوں اور پاپائیت کو اتنی تنگ حدود میں مقیّد کر دیں گے کہ یہ مذاہب ماضی کی بہ نسبت تیزی سے پسپا ہونا شروع ہو جائیں گی۔

جب پوپ کی عدالت کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا وقت آئے گا اس وقت ایک غیر مرئی ہاتھ اپنی انگلی سے تمام قوموں کو اس عدالت کی طرف متوجہ کرے گا۔ لیکن جب لوگ اس عدالت پر ٹوٹ پڑیں گے تو ہم ظاہراً اس کے دفاع کرنے والوں کے روپ میں سامنے آجائیں

گے۔ ہمارا مقصد بظاہر غیر ضروری خون خرابے کو روکنا ہوگا۔ اس طرح ہم اس کی انتڑیوں میں اتر جائیں گے اور اپنے دانتوں سے بھنبھوڑ بھنبھوڑ کر اس کی رگ رگ سے خون پی لیں گے اور اس کی تمام قوّت کا مکمل خاتمہ کئے بغیر باہر نہیں آئیں گے۔

یہودیوں کا بادشاہ تمام دنیا کا حقیقی پوپ ہوگا، یعنی ایک بین الاقوامی چرچ کا مقدّس رہنما ہوگا۔ لیکن اس دوران جبکہ ہم نوجوان نسل کو روایات پر مبنی نئے مذاہب کی دوبارہ تعلیم دے رہے ہیں اور بعد ازاں اپنے مذہب سے بھی روشناس کرائیں گے۔ ہم کھلم کھلا موجودہ گرجاؤں پر انگشت نمائی نہیں کریں گے بلکہ ان کے خلاف اس قسم کی تنقید کریں گے جس سے انتشار اور بد اعتمادی کی فضا پیدا ہوگی۔ اس مقصد کے لئے ہمارا پریس سیاسی معاملات، مذاہب اور غیر یہود کی نااہلیّت پر عمومی تنقید جاری رکھے گا۔ اس لئے انتہائی سخت الفاظ اور اصطلاحات استعمال کی جائیں گی۔ مقصد ہر ممکن طریقے سے ان کے وقار و احترام کو ختم کرنا اور خاک میں ملانا ہے اس منصوبے کو ہمارے ذہین قبیلے (یہودی قوم) کے باصلاحیّت افراد ہی پایہ تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں۔

ہماری سلطنّت وشنو دیوتا کی مانند ہوگی جو سینکڑوں ہاتھ رکھتا تھا اور یہ ہاتھ سماجی زندگی کے تمام چشموں پر قابض ہو جائیں گے۔ اس سلطنّت کی عظمت و قوّت کے سامنے وشنو دیوتا کی الوہیّت بھی ہیچ ہوگی۔ ہم سرکاری پولیس کی مدد کے بغیر بھی ہر چیز کو دیکھ سکیں گے جس کے اختیارات کو ہم ہی نے غیر یہودیوں کے خلاف استعمال کرنے کے لئے وسعت دی ہے۔ اور اب وہ اپنی حکومتوں کی راہ میں اس طرح حائل ہو جاتی ہے کہ وہ اصل حقائق تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہے۔ ہمارے پروگرام کے مطابق ہماری رعایا کا ایک تہائی حصہ احساس فرض اور رضا کارانہ خدمت کے جذبے سے بقیہ دو تہائی حصے کی کڑی نگرانی کرے گا۔ اس طرح ایک

جاسوس یا مخبر ہونا ذلت کی بات نہیں ہوگی بلکہ قابل فخر خدمت ہوگی۔ لیکن بے بنیاد الزامات کے لئے کڑی سزائیں دی جائیں گی تا کہ اس حق کا غلط استعمال نہ ہو سکے۔

ہم اپنے ایجنٹ معاشرے کے اونچے طبقے سے بھی لیں گے اور نچلے طبقے سے بھی۔ ان میں انتظامیہ کے عیش پرست افسر۔، ایڈیٹرز، پبلشرز، پرنٹرز، کتب فروش، کلرک، سیلز مین، مزدور، اساتذہ اور اردلی وغیرہ شامل ہوں گے۔ یہ جماعت بااختیار نہیں ہوگی اور نہ از خود اسے کوئی کارروائی کرنے کا اختیار ہوگا۔ دراصل یہ ایک قسم کی بے اختیار و بے اقتدار پولیس ہوگی جو صرف مشاہدہ کریگی اور رپورٹ کردیگی۔ ان کی مہیّا کردہ اطلاعات کی چھان بین اور گرفتاریوں کا انحصار انتظامی کنٹرول رکھنے والے ایک ذمہ دار گروپ پر ہوگا۔ جبکہ گرفتاری کا اصل کام مسلّح پولیس اور میونسپل پولیس مل کر کریں گی۔ جو لوگ عوام کے بارے میں دیکھی یا سنی باتوں کی اطلاع نہیں دیں گے ان پر حقائق مخفی رکھنے کا الزام لگایا جائے گا اور اس کے ثابت ہو جانے پر مناسب سزا دی جائے گی۔

جس طرح آج کل ہمارے قومی بھائیوں پر فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ اپنے خاندان کے ''مرتد'' افراد کی اطلاع مقامی حکومت کو دیں اور ان لوگوں کی مخبری کریں جو حکومت کے خلاف کسی سرگرمی میں حصہ لیتے ہوئے پائے جائیں اسی طرح دنیا بھر میں ہماری رعایا کا بھی فرض ہوگا کہ وہ اس سلسلے میں ریاست کی طرف سے عائد کی گئی ذمہ داری کو پوری کریں۔ اس قسم کی تنظیم کی بدولت رشوت خوری، اختیار کا غلط استعمال اور دیگر متعدّد سماجی برائیاں مکمل طور پر ختم ہو جائیں گی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿پروٹوکول نمبر 18﴾

مخالفین کی گرفتاریاں: (Arrest of Opponents)

☆☆ خلاصہ ☆☆

خفیہ دفاع کے لئے اقدامات، سازشوں کی داخلی نگرانی، اقتدار کی تباہی، شاہ یہود کی حفاظت، اقتدار کا الوہی وقار، گرفتاریوں کا منصوبہ۔

☆☆ اصل متن ☆☆

خفیہ دفاع :

جب ہمارے لئے خفیہ دفاع کو مضبوط بنانے کے لئے سخت اقدامات کی ضرورت پڑ جائے (جو کہ اقتدار کے وقار کے لئے زہر قاتل ہے) تو ہم دکھاوے کے فسادت کرائیں گے اور بے چینی پھیلائیں گے۔ اس موقع پر ہمیں شعلہ بیان مقرّرین کی خدمات کی ضرورت پڑے گی کیونکہ وہ اپنے زور خطابت سے لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیتے ہیں۔ اس سے افراتفری کا جو ماحول پیدا ہوگا اس سے ہمیں لوگوں کی خانہ تلاشی کے لئے جواز ہاتھ آ جائے گا۔ تلاشی اور نگرانی کا کام ہم اپنی کاسہ لیس غیر یہودی پولیس کے ذریعہ انجام دیں گے۔

سازشی لوگ اکثر مسخرہ پن کا بھی مظاہرہ کرتے ہیں، ان کے شور و شغب اور ہنگامہ پسندی کی ہم بظاہر پروا نہیں کریں گے۔ جب تک کوئی شخص واضح طور پر خطرناک سرگرمیوں میں ملوّث نہ پایا جائے ہم اس پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔ البتہ ان کی نگرانی شروع کر دی جائے

گی۔ یہ بات یاد رکھی جانی چاہئے کہ جو حکومت آئے دن اپنے خلاف ''سازشیں'' پکڑتی رہے، اس کا وقار کم ہو جاتا ہے اور اس سے انتظامیہ کی کمزوری کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ ناانصافی کا تو فوراً الزام لگ جاتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم نے غیر یہودی بادشاہوں کے وقار کو خاک میں ملانے کے لئے اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ ان پر بار بار حملے کرائے۔ یہ ایجنٹ ہمارے گلے کی اندھی بہری بھیڑیں ہیں۔ جنہیں آزادی اور لبرل ازم کے چند نعرے دے کر ان سے ہر جرم کرایا جاسکتا ہے۔

ہم نے حکمرانوں کو اپنے تحفّظ سے متعلق اقدامات کی تشہیر کرنے اور نتیجتاً انہیں اپنی کمزوری تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے اس طریق کار سے ہم نے ان کے اقتدار کو تباہی سے ہمکنار کر دیا ہے۔

ہمارے حکمران کی حفاظت خفیہ طور پر ایک غیر معروف ایجنسی سے کرائی جائے گی۔ یہ محافظ بظاہر غیر معروف اور معمولی قسم کے ہوں گے کیونکہ ہم اس تصور کو قبول ہی نہیں کرتے کہ اس کیخلاف کوئی ایسی بغاوت بھی ہوسکتی ہے جس پر وہ قابو نہ پاسکے اور اس سے چھپنے پر مجبور ہو جائے۔ اگر ہم اس تصوّر کو قبول کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنے حکمران کی اگر نہیں تو جلد یا بدیر اس کے خاندان کی موت کے حکم نامے پر دستخط کر رہے ہیں۔

ظاہری طور پر نافذ شدہ قوانین کے تحت ہمارا حکمران اپنی قوّت کو قوم کی بھلائی کے لئے استعمال کریگا اور کسی صورت میں اپنے یا اپنے خاندان کے مفادات کو قوم پر ترجیح نہیں دے گا۔ اس لئے خود رعایا اس کے اقتدار کی حفاظت کرے گی۔ عوام اعتراف کریں گے کہ ریاست کے ہر شہری کی فلاح و بہبود حکمران کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ عوامی زندگی کے تمام نظم و ضبط کا انحصار اسی پر ہوگا۔ یہ بات ہمارے بادشاہ کو عظمت اور تقدیس کا درجہ عطا کرے گی۔ اعلانیہ

حفاظتی اقدامات بادشاہ کی تنظیمی قوت کی کمزوری کا اظہار کرتے ہیں۔ البتہ جب وہ عوام میں گھرا ہوا ہوگا تو اس کے اردگرد عورتوں اور مردوں کا ایسا ہجوم ہوگا جو دور سے دیکھنے والے مشتاقانِ دید پر مشتمل ہوگا اور یہ تاثر دے رہا ہوگا کہ یہ لوگ اتفاقیہ طور پر یہاں جمع ہو گئے ہیں۔ (حالانکہ وہ ہماری طرف سے متعیّن شدہ افراد ہوں گے) اس عمل سے دوسرے لوگ بادشاہ کی طرف احتراماً آگے نہیں بڑھیں گے جیسا کہ یہ اعلیٰ نظم وضبط کے لئے بھی ضروری دکھائی دیتا ہے۔ اس سے دوسروں کے لئے بھی ضبطِ نفس کی مثال قائم ہوگی۔ اگر کوئی ضرورت مند شخص بھیڑ کو چیر کر بادشاہ کو کوئی درخواست پیش کرتا ہوا دکھائی دے گا تو اگلی صفوں کے لوگ یہ درخواست لے کر سائل کی موجودگی میں ہی حکمران کے حوالے کر دیں گے۔ تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ مذکورہ درخواست منزلِ مقصود پر پہنچ گئی ہے۔ اس سے لوگوں پر واضح ہو جائے گا کہ تمام امورِ مملکت پر بادشاہ کا اپنا ہی کنٹرول ہے۔ تاج سلطانی کے قیام و بقا کے لئے ضروری ہے کہ عوام یہ کہتے ہوئے سنائی دیں کہ ''اگر بادشاہ کو یہ معلوم ہوتا'' ''بادشاہ تک یہ بات پہنچ کر رہے گی''۔

جیسے کہ پہلے میں کہہ چکا ہوں کہ حکمران کی حفاظت کے لئے سرکاری انتظامات کی وجہ سے اقتدار کا نازک و پُراسرار وقار ختم ہو کر رہ جاتا ہے لیکن اگر اس تکلّف کو نظر انداز کر دیا جائے تو ہر شخص دلیری اور بے باکی پر اتر آتا ہے اور باغیوں میں اپنی قوّت کا احساس پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس لمحہ کے منتظر رہتے ہیں کہ موقع ملتے ہی اقتدار پر حملہ کر دیا جائے۔ لیکن غیر یہود کو ہم اس کے برعکس تعلیم دیتے ہیں تاہم ان کے تجرّبہ سے تو ہم نے سبق حاصل کیا ہے کہ اعلانیہ تحفّظ کے اقدامات نے ان کا کیا حشر کر رکھا ہے۔

کوئی ایسی بات رونما ہو جائے تو شک کی معقول وجہ ملتے ہی ہم مجرموں کو گرفتار کر لیں گے۔ کسی امکانی غلطی کے خوف سے ہم اس امر کی اجازت نہیں دے سکتے کہ سیاسی غلطیوں اور

جرائم کے مرتکب افراد کو بچ نکلنے کا موقع دیا جائے کیونکہ ایسے معاملے میں ہم قطعاً بے رحم ہوں گے۔ اگر بفرض محال سیاسی جرائم کی تہہ میں معمولی جرائم بطور محرک کے کام کر رہے ہوں تب بھی ہم ان لوگوں کو معاف نہیں کریں گے جنہوں نے ایسے امور میں دخل دیا، جنہیں حکومت کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا اور حقیقت تو یہ ہے کہ صحیح پالیسی کو سمجھنا بھی ہر حکومت کے بس میں نہیں ہوتا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿پروٹوکول نمبر 19﴾

حاکم اور محکوم: (Rulers and Peoples)

☆☆ خلاصہ ☆☆

اپیل کا حق اور باغیانہ پروپیگنڈہ، سیاسی جرائم پر مقدمات، سیاسی جرائم کی تشہیر۔

☆☆ اصل متن ☆☆

اپیل و عرضداشت:

اگر ہم عوام کو سیاسی امور میں مداخلت کرنے کی اجازت نہ دیں تب بھی ہم انہیں حکومت کے سامنے درخواستوں اور عرض داشتوں کے ذریعہ تجاویز پیش کرنے کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں گے۔ اس طریق کار سے ایک طرف تو انتظامیہ میں موجود خامیاں ہمارے علم میں آتی رہیں گی اور دوسری جانب ہم رعایا کے خیالی منصوبوں سے آگاہ رہیں گے اور ضرورت ہوئی

تو ان تجاویز کو عملی جامہ پہنا دیں گے ورنہ نہایت دانشمندی سے انہیں غلط ثابت کرتے ہوئے مسترد کر دیں گے تا کہ غلط پیش کرنے والے پر اس کی کوتاہ اندیشی واضح ہو جائے۔

باغیانہ تقریریں کرنے والے کی حیثیت ہاتھی پر بھونکنے والے پالتو پلّے سے زیادہ نہیں ہوتی، ایک منظّم حکومت جس کے ہاتھ پولیس کے بل بوتے پر نہیں بلکہ عوامی قوّت سے مرصّع ہوں، اس کے نزدیک ان امور کی حیثیت ایسے ہی ہے جیسے کوئی پالتو پلّا اپنی طاقت اور مقام سے بے خبر ہاتھی پر بھونکنے کی کوشش کرے۔ دونوں کی اہمیّت کا تناسب واضح کرنے کے لئے مناسب انتباہ کافی ہوگا اور یہ کتّے بھونکنا بند کر دیں گے بلکہ ہاتھی کو دیکھتے ہی سہم جائیں گے اور خالی خولی نظروں سے دیکھتے دیکھتے دم ہلانا شروع کر دیں گے۔

سیاسی جرائم:

ہم سیاسی جرائم کو بھی قتل چوری اور دیگر گھناؤنے جرائم کی فہرست میں شامل کر کے اخلاقی جرائم کی مانند عدالتی کارروائی کا آغاز کر دیں گے تا کہ ان کا ارتکاب کرنے والوں کو بہادر، جانباز اولوالعزم تصوّر نہ کر لیا جائے بلکہ ان کا وقار مٹی میں مل کر رہ جائے۔ اس طرح سیاسی جرائم اور دیگر جرائم سے متعلّق نقطہ نظر خلط ملط ہو جائے گا اور اول الذّکر کو بھی باعث ننگ و شرم سمجھا جانے لگے گا نیز عوام انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے۔ ہم نے اس ضمن میں کافی حد تک کامیاب کوشش کی ہے کہ غیر یہود قومیں باغیانہ تقریروں اور اشتعال انگیز اقدامات سے مقابلہ کرنے کے یہ طریقے نہ جان سکیں یہی وجہ ہے کہ ہم نے پریس، بالواسطہ کرائی گئی تقریروں اور ہوشیاری سے مرتّب کردہ تاریخ کی نصابی کتب کے ذریعہ سے اس شہادت عظمیٰ کے تصوّر کو ابھارا ہے جسے باغیوں نے عوام کی مجموعی فلاح و بہبود کی خاطر قبول کیا۔ اس سے غیر یہودی قوم کے اندر لبرل ذہن کے افراد پر مشتمل ہماری ایک فوج پیدا ہوگی جو ہمارے لئے

قربانی کے بکروں کا کام دے گی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿پروٹوکول نمبر20﴾

مالیاتی پروگرام: (Financial Programme)

☆☆ خلاصہ ☆☆

مالیاتی پروگرام، ترقیاتی ٹیکس، سٹیمپ ڈیوٹی، سودی دستاویزات، کاؤنٹنگ کا طریقہ، فضول رسموں کا خاتمہ، سرمائے کا انجماد، کرنسی نوٹوں کا اجراء، زر کا معیار، افرادی قوّت کا معیار، سرکاری قرضے، صنعتی حصّص، غیر یہودی حکمران، درباری مخلوق پر نوازشات، فری میسن کے ایجنٹ۔

☆☆ اصل متن ☆☆

فنانشل کنٹرول :

آج ہم مالیاتی پروگرام پر گفتگو کریں گے جسے انتہائی مشکل اور پیچیدہ ترین ہونے کی وجہ سے میں نے اپنی رپورٹ کے آخری حصے تک ملتوی کر رکھا ہے۔ یہ ہمارے منصوبوں کا فیصلہ

کن اہم ترین پہلو ہے۔ اس سلسلے میں بحث و تمحیص سے پیشتر میں آپ کو یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اس کا ذکر میں پہلے بھی اشارۃً کر چکا ہوں جب میں نے یہ کہا تھا کہ تمام سرگرمیاں اعداد و شمار کی روشنی میں متعیّن ہوں گی۔

اقتدار اعلیٰ کی باگ ڈور سنبھالنے پر ہماری مطلق العنان حکومت ذاتی تحفّظ و بقا کے اصول کے تحت عوام پر بھاری ٹیکسوں کا بوجھ لادنے کی احمقانہ پالیسی سے احتراز کرے گی۔ وہ اس اصول کو ملحوظ رکھے گی کہ اس کا کردار ایک باپ اور محافظ کا سا ہونا چاہئے لیکن چونکہ ریاست کی تنظیم اور اس کا نظم و نسق چلانے پر بھاری اخراجات اٹھتے ہیں، اور اس مقصد کے لئے سرمائے کا حصول بہرحال لازمی ہے لہٰذا ہماری حکومت اس معاملے میں متعلق اصول توازن کی تفصیلات طے کرتے وقت خصوصی احتیاط سے کام لے گی۔

ہماری حکومت میں بادشاہ کو اس قانونی مفروضے کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی کہ ریاست کی ہر شے حکمران کی ملکیّت ہوتی ہے۔ اس لئے وہ گردشِ زر میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے ہر قسم کی رقوم بحق سرکار ضبط کر سکے گا۔ اس سے خود بخود یہ بات بھی نکلتی ہے کہ جائیداد پر ترقیاتی ٹیکس لگانا ہی کافی ہوگا۔ کسی جائیداد پر ''فیصد ٹیکس'' عائد کر کے لوگوں کی معاشی حالت کو زیر بار کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ دولت مندوں کو اس امر سے آگاہ ہونا چاہئے کہ یہ ان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی فاضل دولت مملکت کے حوالے کر دیں کیونکہ انہیں اپنی جائیداد کے تحفّظ اور ''جائز'' کمانے کے حق کی ضمانت مملکت کی جانب سے ہی ملتا ہے۔ میں نے "جائز" کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ جائیداد پر ریاستی کنٹرول قانونی ڈکیتی کے امکانات کو ختم کر دے گا۔

یہ سماجی اصلاح اوپر سے آنی چاہئے، اب اس کا وقت آ گیا ہے کہ اصلاح کا آغاز بالائی طبقے سے ہو، اس سے امن عامہ کی بھی ضمانت ملے گی جو ایک ناگزیر امر ہے۔ غریبوں پر ٹیکس لگانا ان کے اندر انقلاب کے بیج بونے کے مترادف ہے۔ بڑے بڑے سرمایہ داروں کو نظر انداز کر کے پسے ہوئے عوام کو شکار بنانے سے مملکت پر تباہ کن اثرات مرتّت ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس سرمایہ داروں پر ٹیکس عائد کرنے کی پالیسی، دولت کے غیر سرکاری ہاتھوں میں ارتکاز کو روکتی ہے جن میں آج کل ہم نے اسے مرتکز کر رکھا ہے۔ تاکہ غیر یہودی طاقت کے مقابلے میں توازن کا کام دے، یعنی اسے کمزور کر دے..... حکومتی طاقت سے مراد، ان کے مالی وسائل ہیں۔

ٹیکسوں کی اہمیت:

موجودہ انفرادی یا پراپرٹی ٹیکس کے مقابلے میں بڑھتے ہوئے سرمائے پر فیصد تناسب سے ٹیکس لگانے سے بہت زیادہ آمدنی حاصل ہوتی ہے موجودہ پراپرٹی ٹیکس ہمارے لئے اس لحاظ سے مفید ہے کہ اس سے غیر یہود میں بے چینی اور اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے بادشاہ کی قوّت کا انحصار معاشی توازن اور امن عامہ کی ضمانت پر ہوگا لہٰذا اس مقصد کے حصول اور ریاست کے نظم ونسق کی بہتری کے لئے لازم ہوگا کہ سرمایہ دار اپنی آمدنی کا ایک حصہ ریاست کے حوالے کر دیں۔ تاکہ ملکی ضروریات انہی لوگوں کی جیب سے پوری کی جائیں جو اس کے متحمّل ہو سکیں اور کسی قسم کا بوجھ بھی محسوس نہ کریں۔ اس اقدام سے دولت مند طبقے کے خلاف غریبوں کی نفرت بھی ختم ہو جائے گی اور وہ اسے ملکی امن وسلامتی اور عوامی فلاح و بہبود کا ضامن سمجھیں گے کیونکہ وہ اس امر کے خود شاہد ہوں گے کہ ریاست کے ان اعلیٰ وارفع مقاصد کے لئے ضروری وسائل یہی طبقہ فراہم کر رہا ہے۔

تاج وتخت کے مصارف اور انتظامی اداروں پر اٹھنے والے خرچ کے سوا، دیگر تمام اخراجات کا مکمّل حساب کتاب تعلیم یافتہ طبقے کی رسائی میں ہوگا تا کہ وہ ٹیکسوں سے پریشان اور بددل نہ ہوں۔

حکمران طبقے کی جائیداد:

ہمارے حکمران کی کوئی ذاتی جائیداد نہیں ہوگی کیونکہ ساری ریاست اس کی وراثت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کا ذاتی جائیداد کا بنانا اس اصول سے متصادم ہوگا، بادشاہ کا ذاتی آمدنی کا مالک ہونا ملکیّت عامہ میں اس کے حقوق کو ختم کردے گا۔ بادشاہ اور اس کے تمام رشتہ داروں کو ریاستی ملازمین کی صفوں میں شامل ہونا پڑے گا۔ یا حق جائیداد حاصل کرنے کے لئے انہیں کوئی اور کام کرنا ہوگا۔ شاہی خون کا یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ سرکاری خزانے پر الّلے تلّلے کرتے رہیں۔

ترقیاتی ٹیکس:

جائیداد کی خریداری، روپے کی وصولی یا وراثت پر سٹامپ ٹیکس لگایا جائے گا۔ جائیداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ جس شخص کے نام پر رجسٹر ہوگی اگر اس نے ٹیکس کی ادائیگی کے مکمّل ثبوت کے بغیر کسی اور کو منتقل کردی تو اسے جائیداد کی تاریخ منتقلی سے لے کر اس کا سراغ لگنے کی تاریخ تک اس ٹیکس پر سود بھی ادا کرنا پڑے گا۔ انتقال کے کاغذات ہر ہفتہ مقامی دفتر خزانہ میں پیش کرنا لازمی ہوں گے جن میں اس جائیداد کے سابق اور نئے مالک کے نام، القاب اور مستقل رہائش کا پتہ درج ہو۔

ناموں کی رجسٹریشن کے ساتھ اس قسم کے انتقال کے لئے رقم کی ایک حد مقرّر کی جائے گی جو روزمرّہ کی ضروریات زندگی پر اٹھنے والے اخراجات سے زائد ہوگی۔ ٹیکس کی زد

میں آنے والی رقوم کی ادائیگی اسی صورت میں ممکن ہوگی جب ان پر مقررّہ فی صد کے حساب سے سٹامپ پیپروں کی شکل میں ٹیکس ادا کر دیا جائے۔ آپ ذرا اندازہ تو کیجئے کہ اس قسم کے ٹیکسوں سے ہمیں غیر یہود ریاستوں کے مقابلے میں کتنے گنا زائد آمدنی ہوگی۔

گردش زرّ:

سرکاری خزانے کو محفوظ رقوم کی ایک خاص مقدار رکھنا ہوگی۔ اس حد سے زائد جتنی رقم وصول ہوگی اسے گردش میں ڈال دیا جائے گا۔ تعمیر عامہ کے کام اسی رقم سے شروع کئے جائیں گے۔ یہ تعمیرات مزدور طبقہ کو حکومت اور حکمرانوں کے مفادات سے قریب تر کر دیں گی اس رقم کا ایک حصہ مختلف ایجادات کے موجدوں اور پیداوار بڑھانے والوں کو انعامات دینے کے لئے مخصوص کر دیا جائے گا۔ ایک خاص حد، جو غور وفکر کے بعد مقرّر کی جائے گی، سے زائد روپیہ کسی صورت میں سرکاری خزانوں میں نہیں رکھا جائے گا، کیونکہ روپیہ ہوتا ہی گردش کے لئے ہے۔ کیونکہ گردش میں رکاوٹ سرکاری مشینری کے کام کو بری طرح متاثر کرتی ہے جس کے لئے یہ تیل (Lubricant) کا کام دیتا ہے۔ تیل میں کمی یا رکاوٹ کی وجہ سے مشین کے کل پرزے باقاعدگی سے کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔

تبادلے کے ٹوکن (یعنی سکے اور کرنسی نوٹ) کی بجائے سودی تمسکات (Interest-Bearing Paper) کے رواج نے یہی صورتحال پیدا کر رکھی ہے جس کے نتائج سب کے سامنے ہیں۔

ہم ایک کورٹ آف اکاؤنٹس بھی قائم کریں گے جو مملکت کی آمدنی اور اخراجات کی مکمل جانچ پڑتال کرے گی۔ اس کے ذریعہ حکمران مالی معاملات سے ہر وقت باخبر رہے گا

لیکن ان معاملات میں ماہ رواں کا حساب کتاب جو تیاری کے مرحلے میں ہوگا اور گزشتہ ماہ کا حساب جو ابھی وصول نہیں ہوا ہوگا، اس کورٹ کے پاس موجود نہیں ہوگا۔

واحد شخص جسے ریاست کی لوٹ کھسوٹ سے کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی وہ ریاست کا مالک یا حکمران ہی ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے اس کا ذاتی کنٹرول ریاستی مالیات میں کسی قسم کی بدعنوانی یا فضول خرچی کے ہر امکان کو ختم کردے گا۔

استقبالیہ تقریبات:

حکمران کا استقبالیہ کاموں میں بہت سا وقت ضائع ہوجاتا ہے، اس لئے ان تقریبات میں شرکت سے روک دیا جائے گا تاکہ اسے نظم ونسق کو کنٹرول کرنے اور انتظامی معاملات پر غور وفکر کے لئے کافی وقت مل سکے۔ اس طرح اس کی قوّت ابن الوقت قسم کے مداحوں اور خوشامدیوں میں اٹھنے بیٹھنے پر خرچ ہونے سے بچ جائے گی، ان درباری مزاج کے لوگوں کو ریاستی مفادات سے کوئی غرض نہیں ہوتی صرف اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کی وجہ سے حکمران کے گرد منڈلاتے رہتے ہیں۔

غیر یہود کیلئے اقتصادی بحران:

ہم نے سرمائے کو گردش سے نکال کر غیر یہود کیلئے متعدّد معاشی بحران پیدا کئے ہیں۔ ریاستوں سے زرّ کی واپسی کے باعث سرمایہ کے بڑے بڑے ذخیرے جامد ہوکر رہ گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے ریاستوں کو قرضوں کا سہارا لینا پڑا ہے۔ ان قرضوں نے حکومت کی مالیّات کو سود کو بوجھ تلے دبا دیا ہے۔ نتیجتاً حکومتیں ان سرمایوں کی محض غلام بن کر رہ گئی ہیں۔ صنعت چھوٹے سرمایہ کاروں کی بجائے بڑے بڑے سرمایہ داروں کے ہاتھ میں مرتکّز ہوگئی ہے۔ اسطرح عوام اور حکومت دونوں کا سرمایہ سمٹ کر ان سرمایہ داروں کی تجوریوں میں پہنچ چکا ہے۔

زرّ کا موجودہ اجراء بالعموم فی کس ضروریات کے مطابق نہیں۔ اس لئے مزدوروں کی تمام ضروریات کماحقہ، پوری نہیں ہو رہیں۔ حالانکہ زر کا اجراء آبادی میں اضافے کے تناسب سے ہونا چاہئے۔ اس لئے بچوں کو بھی ان کے یوم پیدائش سے ہی صارفین زر میں شمار کیا جانا چاہئے۔ اجرائے زر کا مسئلہ ساری دنیا میں بڑی اہمیّت رکھتا ہے۔

طلبِ زرّ:

آپ کو یقیناً معلوم ہوگا کہ سونے کو بطور معیارِ زرّ اختیار کرنے والی تمام ریاستیں تباہی سے ہمکنار ہو چکی ہیں۔ کیونکہ یہ سونا، طلب زر پوری کرنے سے قاصر رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے حتی الامکان سونے کی کافی مقدار گردش سے نکال لی ہے۔

ہم اپنی مملکت میں ''ورکنگ مین پاور'' کے مصارف کو معیار بنائیں گے خواہ اسے کاغذ یا لکڑی کی صورت میں رائج کیا جائے یا اشیائے ضروّرات کی صورت میں متعیّن کیا جائے۔ ہر بچّے کی پیدائش پر زرّ کی مقدار میں اضافہ کر دیا جائے اور ہر موت پر اس میں کمی کر دی جائے گی۔ ہر محکمہ (فرانسیسی ڈویژن) اور ہر سرکل اپنے باقاعدہ اکاؤنٹس رکھنے کا ذمہ دار ہوگا۔ سرکاری ضروریات کے لئے واجبات کی ادائیگیوں میں تاخیر سے بچنے کے لئے متعلقہ رقوم اور شرائط کا تعین بادشاہ کی صوابدید پر ہوگا۔ اس طریق کار سے کوئی وزارت ایک ادارے کے تحفّظ کی خاطر دوسرے ارادے کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔

ہم غیر یہود کے مالیاتی اداروں اور ان کی کارکردگی میں ایسے انداز میں، اصلاحات نافذ کریں گے کہ سنسنی نہیں پھیل سکے گی۔ ان قوموں نے بے قاعدگیوں اور بے اصولیوں کے باعث اپنی معیشت کو جس صورتحال سے دوچار کر رکھا ہے اس کی اصلاح بے حد ضروری ہو گئی ہے۔ ہم ان پر یہ بات واضح کر دیں گے کہ ان کی پہلی غلطی سال بھر کے لئے ایک ہی بجٹ بنانا

ہے۔ جو سال بہ سال مندرجہ وجوہ کی بنا پر بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔

"یہ بجٹ نصف سال ہی میں ختم ہو جاتا ہے، پھر ضروریات پوری کرنے کیلئے ایک اور بجٹ بنانا پڑ جاتا ہے جو تین ماہ ہی میں خرچ ہو جاتا ہے۔ بعد ازاں ضمنی بجٹ لانا پڑتا ہے۔ اس کارروائی کا نتیجہ ایک دیوالیہ (Liquidation) بجٹ کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ لیکن اگلے سال کا بجٹ چونکہ پچھلے سال کے بڑھے ہوئے اخراجات کو سامنے رکھ کر بنایا جاتا ہے اس لئے اس میں ابتداء میں 50 فیصد اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح دو سال کے عرصہ میں یہ تین گنا ہو جاتا ہے۔ غیر یہودی ریاستوں کے خزانے انہی بے احتیاطیوں اور غلطیوں کے باعث خالی ہوئے ہیں۔ قرضوں کی مدت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہ چیز بچتوں کو نگل جاتی ہے لہٰذا یہ ریاستیں کنگال ہو چکی ہیں"۔

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ہم اس قسم کی اقتصادی غلطیاں نہیں کریں گے۔ غیر یہود کو یہ طریقے تو ہم نے خود سکھائے اور سمجھائے ہیں (تا کہ وہ اقتصادی طور پر کبھی آزاد نہ ہو سکیں)

اندرونی و بیرونی قرضے:

کسی بھی قسم کا قرضہ لینا حکومت کی کمزوری کا ثبوت ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ریاست کے حقوق کو صحیح طور پر سمجھا نہیں گیا۔ قرضے ایک ننگی تلوار کی طرح حکمرانوں کے سروں پر لٹکتے رہتے ہیں جو کہ اپنی رعایا سے ایک عارضی ٹیکس لگا کر رقم حاصل کرنے کی بجائے ہمارے بنک کاروں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگنے آ جاتے ہیں۔ غیر ملکی قرضے ایسی جونکیں ہیں جن کو ریاست کے جسم سے الگ کرنا ممکن نہیں۔ ماسوائے اس کے کہ یہ خود ہی الگ ہو جائیں یا متعلقہ ریاست انہیں اتار پھینکے۔ لیکن غیر یہودی ریاستیں انہیں کسی طرح بھی پھینکنے

کو تیار نہیں ہوتیں بلکہ اپنے اوپر مزید قرضوں کا بوجھ بڑھاتی رہتی ہیں تا کہ اپنے جسم کا سارا خون نچڑ جانے سے وہ مکمل طور پر تباہ ہو جائیں۔

قرضہ اور بالخصوص غیر ملکی قرضہ، دراصل کسی حکومت کی طرف سے جاری شدہ ایک ہنڈی

(Bill of Exchange) ہوتی ہے۔ جس میں قرضے کی رقم مع سود ادا کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی جاتی ہے۔ اگر شرح سود 5 فیصد ہو تو مقروض حکومت 20 سال کے عرصہ میں اصل زر کے برابر صرف سود ہی ادا کر دیتی ہے۔ 40 سال میں یہ رقم دوگنا اور اور 60 سال میں تین گنا ہو جاتی ہے اس کے باوجود بھی اصل قرضہ سر پر ہی رہتا ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ متعلقہ حکومت اپنے غریب عوام پر ٹیکس اس لئے لگاتی ہے کہ وہ ان غیر ملکی دولت مندوں سے اپنا حساب کتاب طے کر سکے جن سے اس نے قرضے لئے ہوتے ہیں۔ ان قرضوں کے لئے اپنی رعایا پر فی کس ٹیکس لگا کر ان سے آخری سکّہ بھی نکلوا لیتی ہے۔ حالانکہ اپنی ضروریات پوری کرنے کیلئے یہی سکّے اکٹھے کر کے سود سے بچا جا سکتا تھا۔

جب تک قرضے مقامی نوعیّت کی، بہ الفاظ دیگر ملکی رہے اس وقت تک غیر یہود نے ان قرضوں کے ذریعہ صرف یہ کیا کہ روپیہ غریبوں سے لے کر امیروں کی جیب میں ڈال دیا لیکن جب ہم نے اپنے ایجنٹوں اور کرائے کے ٹٹوؤں کے ذریعہ غیر ملکی قرضوں کو رواج دیا تو ریاستوں کی تمام دولت سمٹ کر ہماری تجوریوں میں آنا شروع ہو گئی اور تمام غیر یہود ہمیں رعایا کی طرح خراج (سود) دینے لگے۔

یہ ٹھیک ہے کہ غیر یہود حکومتیں، اپنے سطح بین بادشاہوں، نااہل وزیروں اور کم فہم سرکاری عہدیداروں کی وجہ سے، ہماری مقروض بن گئیں اور یہ قرضے اب ادا کرنا، ان کے بس

میں نہیں رہا، لیکن یہ سب کچھ یونہی نہیں ہوگیا، اس مقصد کے لئے ہمیں آگ اور خون کے دریاؤں میں سے گزرنا پڑا اور ہم نے روپیہ پانی کی طرح بہا کر یہ حالات پیدا کئے ہیں۔

جہاں تک ہمارا اپنا تعلق ہے ہم سرمائے کے انجماد کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس لئے ہماری حکومت میں کوئی سرکاری قرضے یا تمسکات نہیں ہوں گے سوائے ایک فیصد سریز کے (یعنی ہم ایسے چھوٹے چھوٹے قرضوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے جن پر صرف ایک فیصد سالانہ سود دینا پڑے گا) اس سے ان جونکوں کو بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا جو ریاست کی ساری طاقت چوس لیتی ہیں۔ سودی تمسکات کے اجراء کا حق صرف صنعتی کمپنیوں کو دیا جائے گا جن کیلئے منافع کی رقم میں سے سود ادا کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ حکومت تو ان کمپنیوں کی مانند قرضوں پر منافع نہیں کماتی۔ وہ ملکی اخراجات پورے کرنے کے لئے قرض اٹھاتی ہے۔ کاروباری منصوبوں میں لگانے کے لئے نہیں اٹھاتی۔ اس وقت حکومتوں کو مختلف قرضوں پر سود کی صورت میں خراج ادا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ہماری حکومت خود صنعتی کمپنیوں کے جاری کردہ تمسکات خریدیگی۔ اس طرح اس کی حیثیت قرض دہندہ میں تبدیل ہو جائے گی۔ اس اقدام سے سرمائے کے انجماد، مفت کی نفع خوری اور سستی و کاہلی کا قلع قمع ہو جائے گا۔ ان عیوب کا وجود غیر یہودی ریاستوں کی آزادی کے دوران تو ہمارے لئے مفید ثابت ہوتا ہے لیکن ہمارے دور اقتدار میں یہ ناپسندیدہ قرار پائیں گے۔

غیر یہود کے خالص حیوانی ذہنوں اور غیر ترقی یافتہ فکر کا اظہار اس امر سے ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ہی قرضے اتارنے کے لئے ہم ہی سے سودی قرض لے رہے ہیں لیکن انہوں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ ہمارا حساب کتاب چکانے کے لئے انہیں اپنے وسائل سے مطلوبہ روپیہ پیدا کرنا چاہئے۔ اس سے زیادہ سہل و آسان امر کیا ہوسکتا ہے کہ انہیں اپنی ضروریات پوری کرنے کے

لئے یہ رقم اپنے ہی عوام سے لینی چاہئے۔ لیکن یہ ہمارے عبقری اور ذہین رہنماؤں کا کمال ہے کہ انہوں نے قرضوں کے معاملے کو ان کے سامنے اس طرح پیش کیا ہے کہ انہیں اس میں اپنا ہی فائدہ نظر آتا ہے۔

وقت آنے پر ہم اپنا حساب کتاب ان تجربات کی روشنی میں کریں گے جو ہم نے صدیوں ان غیر یہود پر کئے ہیں۔ ہمارے اکاؤنٹس بالکل غیر مبہم اور واضح ہوں گے ہر شخص انہیں دیکھ کر ایک ہی نظر میں اس سلسلے میں ہماری اصلاحات اور ہمارے اختراعی ذہن کی برتری کا دلی طور پر قائل ہو جائے گا۔ یہ حساب کتاب ان خرابیوں کا بھی قلع قمع کر دے گا جن کے باعث غیر یہود کو ہمارے زیر بار ہونا پڑا ہے ہماری ریاست ایسی خرابیوں کو اپنے ہاں برداشت نہیں کریگی۔

ہمارا حساب کتاب کا نظام ایسی بنیادوں پر استوار ہوگا کہ حکومت کے ایک ادنیٰ ترین ملازم سے لے کر حکمران اعلیٰ تک کوئی شخص چھوٹی سے چھوٹی رقم بھی غبن نہ کر سکے گا اور نہ فنڈز کو طے شدہ مد سے ادھر ادھر خرچ کر سکے گا۔ اگر ایسی حرکت کریگا تو اس کی حرکت فوراً نوٹس میں آ جائے گی۔

واضح مقاصد کو پیش نظر رکھے بغیر کوئی حکومت نہیں چلائی جا سکتی۔ غیر معیّنہ وسائل کے ساتھ غیر معیّنہ راستہ اختیار کرنے والے اگر دیوتاؤں کی سی قوّت رکھتے ہوں تب بھی تباہ ہو جاتے ہیں۔ غیر یہود حکمران جو ہمارے مشوّروں کے محتاج ہوا کرتے تھے ہمارے مشوّروں سے رنگ رلیوں میں مصروف ہوئے۔ امور سلطنت سے ان کی توجہ ہٹی اور رسمی تکلفات، آداب مجلس کے گورکھ دھندوں اور تفریحی پروگراموں پر چل کھڑے ہوئے۔ انہیں ان کاموں میں منہمک پا کر وہاں در پردہ حکمرانی ہم ہی کرتے رہے ہیں۔ امورِ سلطنت میں ان کی نمائندگی

کرنے والے منظور نظر درباریوں کے لئے اکاؤنٹس وغیرہ ہمارے ایجنٹ ہی تیار کرتے ہیں اور ان کو تاہ اندیش ذہنوں کو اس بات پر مطمئن کر دیتے ہیں کہ مستقبل میں کافی بچتیں (Savings) ہونے والی ہیں، آخر یہ بچتیں کہاں سے ہوں گی؟ کیا نئے ٹیکس لگانے پڑیں گے؟ یہ سوالات تو پوچھے جاسکتے ہیں لیکن ہمارے تیار کردہ اکاؤنٹس اور منصوبوں کا ''مطالعہ'' کرنے والوں نے یہ پوچھنے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اور آپ یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ یہ لوگ اپنی اپنی عاقبت نااندیشیوں اور لاپروائیوں کی وجہ سے کیسی مالیاتی تباہیوں سے دوچار ہوئے اور اپنے عوام کی محنت اور بے پناہ صنعتی صلاحیت کو ضائع کر بیٹھے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿پروٹوکول نمبر 21﴾

قرضے اور سرمایہ: (Loans and Credit)

☆☆ خلاصہ ☆☆

ملکی قرضے، واجبات اور ٹیکس، مبادلہ، دیوالیہ، سیونگز بنکس اور سرکاری سود، زرّ کی منڈیوں کا خاتمہ اور مصنوعات کی قیمتوں کا تعیّن۔

☆☆ اصل متن ☆☆

ملکی و غیر ملکی قرضہ جات :

گزشتہ اجلاس کے دوران، میں نے کچھ معروضات آپ کے سامنے پیش کی تھیں، اب

میں اندرونی (ملکی) قرضوں کی تفصیلی طور پر وضاحت کروں گا۔ بیرونی قرضوں کے بارے میں مجھے زیادہ کچھ نہیں کہنا ہے۔ کیونکہ ہمیں غیر یہود کے روپیہ سے انہی قرضوں نے مالا مال کیا ہے لیکن ہماری ریاست کے لئے کوئی چیز غیر ملکی نہیں ہوگی بلکہ ہم ہر لحاظ سے خود کفیل ہوں گے۔

ہم نے غیر یہود حکومتوں کو قرضے دے کر (جن کی حقیقتاً انہیں ضرورت نہ تھی) کئی گنا نفع کمایا اور ان کی انتظامیہ کے افسروں کی رشوت خوری اور حکمرانوں کی ضمیر فروشی اور نااہلی سے فائدہ اٹھایا۔ کیا ہم کسی اور کو اپنے ساتھ ایسا کھیل کھیلنے کی اجازت دے سکتے ہیں؟ لہٰذا میں صرف ملکی قرضوں کو ہی زیر بحث لاؤں گا۔

مختلف ریاستیں جب اپنے کسی قرضے کا اعلان کرتی ہیں تو اپنی ہنڈیاں (Bills of Exchange) یعنی سودی تمسکات کو فروخت کے لئے پیش کرتی ہیں۔ قیمتوں کے تعین کے لئے ان کو 100 سے لے کر 1000 حصوں تک تقسیم کیا جاتا ہے اور اولین خریداروں کو کچھ ڈسکاؤنٹ دیا جاتا ہے۔ اس کے اگلے روز مصنوعی طریقوں سے ان کی قیمت میں اضافہ کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ظاہر کی جاتی ہے کہ ہر شخص انہیں خریدنے کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے۔ چند ہی روز میں خزانے کی تجوریاں بھر جاتی ہیں اور ان کے پاس ضرورت سے زیادہ رقم جمع ہو جاتی ہے۔ (آخر یہ رقم وصول کیوں کی جاتی ہے) مطلوبہ قرض کی کل رقم سے زائد روپے کی وصولی ہی میں اس سارے ناٹک کا راز مضمر ہے۔ کیونکہ اس طرح متعلقہ حکومتیں شیخی بگھار سکتی ہیں، دیکھئے! سرکاری تمسکات پر لوگوں کو کتنا اعتماد ہے۔

اس ڈرامے کا یہ مضحکہ خیز مرحلہ گزر جانے کے بعد یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ایک ایسا قرضہ لے لیا گیا ہے جس کی ادائیگی انتہائی تکلیف دہ ہے کیونکہ پھر اس کا صرف سود ادا کرنے کے لئے نئے قرضے لینا پڑتے ہیں جس سے اصل قرضے میں کمی کی بجائے اضافہ ہو جاتا ہے۔

جب یہ نیا قرضہ بھی ختم ہو جاتا ہے تو اس قرضے کی نہیں بلکہ اس کے سود کی ادائیگی کے لئے نئے نئے ٹیکس لگانا پڑ جاتے ہیں۔ یہ ٹیکس بذات خود ایک قرضے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بعد ازاں ان قرضوں کو دوسرے قرضوں میں تبدیل کرنے کی نوبت آ جاتی ہے۔ لیکن اس طرح اصل زرّ کی وصولی تو نہیں ہوتی البتہ سود کی شرح میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اس قسم کے تبادلے قرض خواہوں کی منظوری کے بغیر ہو بھی نہیں سکتے۔ اسی لئے تبادلے کے اعلان کے ساتھ ہی ان لوگوں کو روپیہ واپس کرنے کی پیشکش کی جاتی ہے جو نئے تمسّکات (Bills of Exchange) خریدنے سے انکاری ہو جائیں اور اپنے روپے کی واپسی پر اصرار کر رہے ہوں۔ اس پر حکومت اپنے ہی بچھائے ہوئے جال میں پھنس سکتی ہے۔ خوش قسمتی سے غیر یہود حکومتوں کے عوام نے جو مالی امور سے واقفیت رکھتے ہیں ہمیشہ نئی سرمایہ کاری پر مبادلے کے نقصانات اور سود میں کمی قبول کرنے کو ترجیح دی ہے اور اس طرح حکومتں کو بارہا اپنے کندھوں سے لاکھوں روپے کے قرضوں کا بوجھ اتارنے کے قابل بنا دیا ہے۔

آج کل غیر ملکی قرضوں کے ساتھ غیر یہود، ایسی چالیں نہیں چل سکتے کیونکہ انہیں خوب معلوم ہے کہ اس صورت میں ہم اپنے تمام روپے کی واپسی کا مطالبہ کر دیں گے۔ اسی طرح مسلّمہ دیوالیہ پن سے مختلف ممالک پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ وہاں کے فرماں رواؤں اور عوامی مفادات کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں۔

اہم نکتہ:

میں اب آپ سے اس نکتہ پر غور کرنے کی درخواست کرتا ہوں اور ذیل کے حقائق پر خصوصی توجہ دینے کی استدعا کرتا ہوں۔

"آج کل تمام اندرونی قرضوں کو نام نہاد التوائی قرضوں (Flying

Loans) میں مجتمع (Consolidate) کرلیا جاتا ہے۔ یعنی ایسے قرضے جن کی میعاد ادائیگی کم وبیش یکساں ہوتی ہے، سیونگز بنکوں میں ادا شدہ رقموں اور محفوظ سرمائے سے بنتے ہیں۔ اگر یہ عرصے تک حکومت کے پاس پڑے رہیں تو یہ غیر ملکی قرضوں کا سود ادا کرنے کے کام آتے ہیں اور انہیں پورا کرنے کے لئے متوازی رقوم مہیّا کرنا پڑتی ہیں۔ اور یہی وہ آخری رقوم ہیں جو غیر یہود کے سرکاری خزانوں کی درزوں کے لئے پیوندکاری کا کردار ادا کرتی ہیں"۔

ہم جب دنیا کی حکومت پر متمکّن ہوں گے تو ہم اس قسم کے تمام مالیاتی وغیر مالیاتی جھگڑوں کو ختم کردیں گے کیونکہ یہ ہمارے مفاد میں نہیں ہوں گے۔ ہم زرّ کی منڈیوں کا بھی خاتمہ کردیں گے کیونکہ قیمتوں کا اتار چڑھاؤ حکومت کے وقار کو کم کردیتا ہے۔ ہم اشیاء کی قیمتیں قانوناً مقرر کردیں گے تاکہ ان میں آئے دن کمی بیشی نہ ہوتی رہے۔ (قیمتیں بڑھانے سے بھی انہیں گھٹانے کا بہانہ مل جاتا ہے یہی رویہ ہم نے غیر یہود کی قیمتوں کے بارے میں ابتداء میں اختیار کیا تھا)۔

ہم زرّ کی منڈیوں کی جگہ قرض کے لین دین کے لئے شاندار سرکاری ادارے قائم کریں گے جن کا مقصد حکومت کے نظریات کی روشنی میں صنعتی اشیاء کی قیمتیں مقرر کرنا ہوگا۔ یہ ادارے ایک ہی دن کے اندر پانچ سو ملین کے صنعتی تمسکات کو ایک ہی دن خرید لینے یا فروخت کرسکنے کی پوزیشن میں ہوں گے۔ اس طرح تمام سرگرمیوں کا انحصار ہم پر ہوگا، آپ خود تصوّر کریں کہ اس طرح ہم کتنی عظیم طاقت کے مالک بن جائیں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿پروٹوکول نمبر22﴾

قوّاتِ زرّ: (Power of Gold)

☆☆ خلاصہ ☆☆

مستقبل کا راز، بہت سے ممالک کی موجودہ برائیاں آئندہ کی بہبود کی بنیاد ہیں، طاقت کا دائرہ اور اس کی متصوّفانہ پرستش۔

☆☆ اصل متن ☆☆

سونا بطورِ ہتھیار :

اب تک ہم نے آپ کو جو کچھ بتایا ہے، اس میں ماضی، حال اور مستقبل کے متعدد اسرار ورموز اور واقعات کی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مستقبل قریب میں پیش آنے والے واقعات بھی بتائے گئے ہیں، نیز غیر یہود سے ہمارے تعلّقات اور مالی معاملات سے بھی آپ کو آگاہ کر دیا گیا ہے، اس موضوع پر مجھے کچھ اور بھی کہنا ہے۔

آج ہمارے ہاتھ میں وقت کی اہم ترین قوّت، سونا ہے۔ دو دن کے اندر ہم جتنا سونا چاہیں اپنے گوداموں سے باہر لا سکتے ہیں۔

اس بات کے لئے مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے کہ خدا نے حکومت ہمارے لئے مقدّر کر دی ہے۔ اتنی عظیم دولت وثروت کیساتھ ہم یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ اب تک ہم جو لڑائیاں کرتے رہیں ہیں ان کا آخری نتیجہ ایک حقیقی فلاح ہے یعنی یہ کہ ہر چیز کو ایک نظم وضبط کے تحت لایا جائے۔ اگرچہ اس کے لئے ہمیں کچھ تشدّد کرنا پڑے گا لیکن حکومت بہر حال قائم ہو کر رہے گی۔ ہم یہ ثابت کر دکھائیں گے کہ ہم ہی انسانیّت کے سچّے خیر خواہ ہیں جنہوں نے انتشار وافتراق سے پارہ پارہ کرۂ ارض کو حقیقی فلاح سے آشنا کیا ہے۔ زخموں سے چور چور اور

پسی ہوئی نوع انسانی کو شخصی آزادی کا تحفہ دیا ہے۔ ہم اس کا بھی اہتمام کریں گے کہ انسان اپنے مراتب و مناصب اور وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے شخصی آزادی کی نعمت سے لطف اندوز ہو سکیں گے۔ لیکن ان کے لئے ہمارے مرتب کردہ قوانین کی پابندی لازم ہوگی۔ کیونکہ آزادی کا مفہوم نہ تو انتشار و افتراق ہے اور نہ بے راہ روی اور بے لگامی ہے۔ اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ کوئی شخص لوگوں کے سامنے نفرت انگیز تقریریں کر کے لوگوں کو مشتعل اور بے لگام کر دے۔ بے قابو ہجوم آمادۂ فساد و سرکش ہو جائے۔ حقیقی آزادی سے مراد ہر شخص کی عزّت و ناموس کا تحفّظ، روزمرہ کے قوانین کی پابندی واحترام، دوسروں کے حقوق پورے کرنا اور اپنے فرائض ادا کرنا ہے۔

ہماری حکومت ہمہ مقتدر ہونے کے باعث انتہائی جاہ و جلال کی مالک ہوگی جو فرمانروائی بھی کرے گی اور رہنمائی بھی۔ ہم ان لیڈروں اور مقرّروں کی طرح پراگندہ خیالی کا شکار نہیں ہوں گے جو چیخ چیخ کر بے معنی الفاظ دہراتے رہتے ہیں۔ ہمارا دور اقتدار نظم و ضبط کی معراج ہوگا کیونکہ اسی میں انسانوں کی تمام مسرّتیں پوشیدہ ہیں ہماری حکومت کا ہالہ نور لوگوں کے ضمیر کو منور کر دے گا جس سے ان کے باطن کے اندر جذبہ اطاعت پیدا ہوگا اور تمام قومیں احساس خوف کے ساتھ اس کی عزّت و تکرّیم کریں گی۔ حقیقی قوت کسی قسم کے حقوق کے ساتھ مصالحت یا سمجھوتہ کرنے پر رضامند نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ خدا کے ساتھ بھی نہیں۔ کوئی بھی اس کے قریب آنے کی جرات نہیں کرتا بلکہ خوف و احترام کی وجہ سے اس سے دُور دُور ہی رہتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اطاعت پر آمادگی: (Instilling Obedience)

☆☆ خلاصہ ☆☆

اشیائے تعیّش کی پیداوار میں کمی، چھوٹے پیمانے کی کثیر المقدار پیداوار، بے روزگاری، شراب نوشی کی ممانعت، پرانے سماج کا خاتمہ اور تعمیر نو، خدا کا محبوب کون؟

☆☆ اصل متن ☆☆

اشیاء تعیّش:

اقوام عالم کو اطاعت اور فرمانبرداری کی عادت بنانے کے لئے ان میں عاجزی اور فروتنی کا جذبہ پیدا کرنا بے حد ضروری ہے، اس کے لئے ہمیں اشیائے تعیّش کی پیداوار کم کرنا پڑے گی۔ اس طرح ہم ایسے اخلاق کو ترویج و ترقّی دیں گے جو تعیّشات کے دائرے میں مقابلے اور مسابقت کی وجہ سے پست ہو چکے ہیں۔ ہم چھوٹے پیمانے کی خود کفیل پیداوار کی حوصلہ افزائی کریں گے جو بڑے بڑے صنعتکاروں کے نجّی سرمائے تلے سرنگ بچھانے کے مترادف ہوگا۔ یہ اقدام اس لئے بھی ناگزیر ہے کہ بڑے بڑے صنعت کار شعوری یا غیر شعوری طور پر عوام کی سوچ کے دھارے کو بالعموم حکومت کے خلاف موڑنے میں بہت بڑا کردار ادا کرتے ہیں۔ خود کفیل گھریلو دست کاروں کو چونکہ بے روزگاری کا خطرہ نہیں ہوتا اس لئے وہ وقت کے معاشرتی نظام سے مطمئن رہتے ہیں۔ نتیجتاً حکومت کے ہاتھ مضبوط ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس بے روزگاری حکومت کے لئے سب سے زیادہ تباہ کن چیز ہے۔ موجودہ حکومتیں بڑھتی ہوئی بے روزگاری کی وجہ سے کمزور ہو جائیں گی اور اقتدار ہمارے ہاتھ آنے تک بے روزگاری اپنا کام مکمل کر چکی ہوگی۔

ہم شراب نوشی کی سختی سے ممانعت کر دیں گے، کیونکہ اس کے زیر اثر انسان درندہ بن جاتا ہے۔ اور ہر گھناؤنا جرم نشے کے باعث سرزد ہو جاتا ہے۔ میں ایک بار پھر کہوں گا کہ عوام صرف طاقتور حکومت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ عوام کے سر ایسی حکومت کے سامنے ہی جھک سکتے ہیں جس کی قوّت کا انحصار ان (عوام) پر نہ ہو۔ اور جو مکمل طور پر آزاد و خود مختار ہو۔ وہ ایسی ہی حکومت کو بیرونی حملہ آوروں سے دفاع اور سماجی شورشوں سے تحفّظ کی ضمانت سمجھ سکتے ہیں۔ انہیں بادشاہ کی ملکوتی صفات سے کیا غرض؟ وہ تو اسے طاقت و قوّت کا مجسّمہ دیکھنا چاہتے ہیں۔

موجودہ خدا شناس اور شرّ پسند معاشروں کے حکمرانوں (جنہیں ہم پست ہمّت بنا چکے ہوں گے) کی جگہ لینے کے لئے جو شخص ہمارا بادشاہ بنے گا، اس کا سب سے پہلا قدم یہ ہوگا کہ وہ اس خدا ناشناسی کے ماحول اور شرّ پسندی کی آگ کو ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کر دے، اس لئے اسے موجودہ سوسائٹی کو مکمل طور پر تباہ کرنا ہوگا خواہ اس کے لئے اسے کتنی ہی خون ریزی کرنی پڑے۔ اس صورت میں اسے سوسائٹی کو از سر نو تعمیر کرنا ہوگا جس کے بعد وہ ہماری سوسائٹی کے خلاف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو کاٹ دے گا۔

خدا کا یہ محبوب (یعنی بادشاہ) اس لئے چنا گیا ہے کہ وہ تمام اندھی بہری اور بہیمانہ قوّتوں کو ختم کر دے جن کا عقل و منطق سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ قوّتیں اس وقت جبر و تشدّد، ڈاکہ زنی اور قتل و غارت کی وارداتیں کر کے فخر محسوس کرتی ہیں۔ انہوں نے معاشرتی اور سماجی نظام کی تمام صورتوں کو زیر و زبر کر دیا ہے تا کہ ان کے کھنڈرات پر یہودیوں کے بادشاہ کا تخت سلطانی تعمیر ہو سکے۔ لیکن اس کے اقتدار سنبھالتے ہی ان کا کردار ختم ہو جائے گا۔ انہیں اس کے راستے سے ہٹانا لازمی ہو جائے گا۔ اس راہ میں کسی بھی قسم کی کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہنی

چاہئے۔

اس وقت ہم اقوام عالم کو یہ کہہ سکیں گے کہ خدا کا شکر ادا کرو اور اس کے سامنے جھک جاؤ جس کے قبضہ اقتدار میں انسانی تقدیر کی مہر ہے۔ جس کی طرف خود خدا نے ہمارے بادشاہ کی رہنمائی کی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ان تمام قوّتوں اور برائیوں سے نجات دی جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿پروٹوکول نمبر 24﴾

حکمران کی اہلیّت : (Qualities of the Ruler)

☆☆ خلاصہ ☆☆

شاہ داؤد کی حکومت کا استحکام، بادشاہ کی تربیّت، براہ راست ورثا کا تعیّن، بادشاہ اور اس کے تین نائب، بادشاہ بالکل آزاد ہوگا اور ہر قسم کی خارجی اور اخلاقی قدروں سے بے نیاز ہوگا۔

☆☆ اصل متن ☆☆

شہنشاہیّتِ داؤدی :

اب میں دنیا بھر میں شاہ داؤد کے خاندان کی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے کا طریق کار بیان کروں گا۔

سب سے پہلے ہمیں اس مقصد کی طرف رجوع کرنا ہوگا جسے دنیا میں قدامت پرستی (Conservatism) کی روایات کو قائم کرنے کے لئے ہمارے فاضل رہنماؤں نے

اپنایا۔ وہ اصول یہ ہے کہ انسانی فکر کی راہیں متعیّن کی جائیں۔

داؤد کی نسل کے کچھ افراد مل کر بادشاہوں اور ان کے وارثوں کا انتخاب کریں گے۔ مگر اس انتخاب کا معیار آبائی وراثت کا حق نہیں ہوگا۔ ان بادشاہوں کو سیاست اور نظم مملکت کے تمام راز بتائے جائیں گے لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ کوئی اور شخص ان رازوں سے آگاہ نہ ہو سکے۔ اس طرز عمل کا مقصد یہ ہے کہ سب لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ حکومت کا کاروبار ان کے سپرد نہیں کیا جا سکتا جنہیں اس فن کے خفیہ مقامات کی سیر نہیں کرائی گئی۔

مذکورہ منصوبوں پر عمل درآمد کے عملی طریقے خاص خاص لوگوں کو بتائے جائیں گے، یہ طریقے صدیوں کے تجربات کا نچوڑ ہیں۔ ان لوگوں کو سیاسی اور معاشی تحریکوں اور سماجی علوم کے تمام مشاہدات سے آگاہ کیا جائے گا۔ غرض فطرت کے ان تمام غیر مبدّل قوانین کی پوری روح ان میں پھونک دی جائے گی جنہیں انسانی تعلّقات متعیّن کرنے کے لئے خود فطرت نے مقرر کیا ہے۔

براہ راست ورثا نے اگر اپنی تربیّت کے دوران کسی قسم کی غیر ذمہ داری، رحم دلی اور اس قبیل کی دوسری خصوصیات کا ثبوت دیا تو انہیں حکمرانی کے حق سے محروم کر دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ اخلاقی اقدار اقتدار کیلئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی وجہ سے بادشاہ حکمرانی کے اہل نہیں رہتے بلکہ یہ چیزیں شاہی رعب و دبدبہ کے لئے بے حد خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔

ہمارے فاضل رہنما صرف ایسے افراد کو حکومت کا کام سونپیں گے جو ظلم و تشدّد کے احکامات براہ راست جاری کرنے کے اہل ہوں اور اس معاملے میں کسی قسم کی رورعایّت نہ کریں۔ اگر بادشاہ ارادے کی کمزوری کی وجہ سے بیمار ہو جائیں یا کسی اور وجہ سے حکمرانی کے اہل نہ رہیں تو انہیں حکومت نئے اور اہل افراد کو سونپ دینی ہوگی۔

حالیہ معاملات میں بادشاہ کا طرزِ عمل (Actions of Current Moment)
اور مستقبل سے متعلق تجاویز سب لوگوں سے پوشیدہ رہیں گی یہاں تک کہ اس کے قریب ترین مشیروں کو بھی مکمل طور پر اندھیرے میں رکھا جائے گا۔ صرف بادشاہ اور اس کے تین نائبین کو معلوم ہوگا کہ کیا پیش آنے والا ہے۔

بادشاہ کی بااثر شخصیت (جو اپنے مضبوط ارادوں کی بنا پر تمام انسانیت کا حاکم ہوگا) کے سامنے سب لوگوں کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ جیسے یہ شخصیت مقدّر اور اس کے پراسرار مظاہر کی نمائندہ ہو۔ جب کسی کو یہ معلوم ہی نہ ہوگا کہ بادشاہ اپنے منصوبوں سے کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے تو کوئی بھی اس کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش نہیں کرے گا۔

بادشاہ میں حکمرانی کرنے کے لئے مطلوبہ قابلیّت اور ذہنی وسعت موجود ہونا لازم ہوگا اس مقصد کے لئے مذکورہ فاضل رہنما تخت نشینی سے پہلے اس کی ذہانت کا امتحان لیں گے۔

بادشاہ کے لئے لازم ہوگا کہ وہ رعایا کے دل میں اپنی محبّت پیدا کرنے اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے لوگوں میں گھل مل کر باتیں کرے، ان کی شکایات سنے اور ان کی مشکلات سے آگاہی پائے۔ اس طرح دو قوّتیں (حکومت اور عوام) ایک دوسرے کے قرب تر آجائیں گی جنہیں ہم نے خوف اور دہشت کی بنا پر ایک دوسرے سے دور رکھا ہے۔ یہ خوف اور دہشت پیدا کرنا اس وقت تک ہمارے لئے ضروری تھا جب تک یہ دونوں قوّتیں علیحدہ علیحدہ ہمارے قبضے میں نہ آجاتیں۔

یہودیوں کے بادشاہ کو اپنے جذبات کا غلام نہیں ہونا چاہئے، خصوصی شہوانی جذبات کا اسے کسی بھی حالت میں بہیمانہ جذبات کو اپنے ذہن و شعور پر غالب نہیں آنے دینا چاہئے کیونکہ جنسی تلذّذ کی خواہش اور شہوانیّت پرستی، ذہنی صلاحیتوں اور قوّتِ فیصلہ میں انتشار پیدا کر دیتی

ہے جس سے انسانی فکر و عمل میں ایک زبردست حیوانیت اور بربریت جنم لے لیتی ہے۔

داؤد کی مقدس نسل کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے دنیا کے رہنما (یعنی یہودی بادشاہ) کو اپنے ذاتی رجحانات و جذبات کی قربانی دینا پڑے گی۔ ہمارے بادشاہ کا کردار مثالی اور بے داغ ہونا چاہئے۔

33ویں درجہ کے صہیونی اکابرین کے دستخط

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مسئلۂ مہدی

پر استفسار

جناب مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم سابق وزیر تعلیم انڈیا

کا ایک تاریخی غیر مطبوعہ خط

مسئلہ مہدی

مسئلہ مہدی کے اقرار وانکار کے سلسلہ میں بہت تضاد پایا جاتا ہے۔ راقم نے جناب مولانا ابوالکلام آزاد سے اس مسئلہ پر جب استفسار کرتے ہوئے جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی رائے کا بھی حوالہ دیا تو اس کے جواب میں مولانا آزاد مرحوم نے مختصر جواب دیا لیکن اس سے یہ اخذ نہیں کرنا چاہئیے کہ آپ اس مسئلہ سے انکاری تھے کیونکہ اس مسئلہ پر تفصیلی جواب آپ پہلے ہی دے چکے تھے بالخصوص یہاں اس استفسار کے جواب میں ضمنی طور پر آپ نے جو الفاظ جناب سیّد ابوالاعلےٰ مودودی مرحوم کی نسبت ارشاد فرمائے تھے وہ ہمارے لئے خاص اہمیت کا حامل اس لیے ہے کہ ایک بلند پایہ عالمی شہرت کے حامل مفکّر اسلام نے اپنے ہم عصر داعی احیائے دین کی دینی خدمات کا اعتراف خوش آئند نوید اور مشعلِ راہ ہے۔

کاش ہمارے عصرِ حاضر کے مختلف مکاتب فکر کے علما بھی ایک دوسرے کو ہدفِ ملامت بنانے اور فرقہ پرستی۔ مذہبی منافرّت کی بناء پر باہمی قتل وغارت سے اجتناب کر کے رواداری سے کام لیتے ہوئے جسقدر بھی کوئی دینی خدمات سرانجام دے رہا ہے اس کا نیک نیتی سے اعتراف کریں اور احترام کریں اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑیں۔ مل جُل کر صہیونی عزائم خاک میں ملا دیں اور دُنیا میں اسلام کی بلندی کا مشن پورا کریں۔

مؤلف

عکس اصل خط مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم

(متن مراسلہ)

گنگ ایڈورڈ روڈ دھلی ۱۱، ۴، ۵۷ عزیزم وعلیکم السلام

گلہ عدم توجہگی وشکایت بے التفائی بجا مگر کسے کہوں اور کیا! کس نمی فہمد زباں را بعزیزاں چہ بیان کنم

منصب افتا کی ذمہ دارویوں سے دامن ہمیشہ الگ رکھا استفتا کے لیے کسی صاحب منصب کی طرف راجع ہونا چاہیے تھا میری رائے میں مسلہ مہدی کا اقرار وانکار برابر اور امور ایمانیہ سے خارج ہے۔ مزید توضیح کے لیے "تذکرہ" دیکھیں۔

مولانا ابوالاعلی کی خدمات جلیلہ سے امت مسلمہ کبھی صرف نظر نہیں کر سکتی کہ ایسے کارھائے نمایاں تاریخ تجدید اسلام کے ہر باب وفعل کے لیے سرمایہ افتخار و بہ درجہ عنوان ہیں۔ مولانا گلشن حق کے ان لالۂ سنبل میں سے ہیں جن کی خوشبو سدا بہار ہمیشہ تعفن باطل کو مغلوب کر کے طالبانِ حق کے دل ودماغ کو معطر کرتی رہتی ہے اور جسے فنا نہیں۔

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما۔

ابوالکلام

﴿امام مہدیؒ۔ مسیح موعود اور ختم نبوت ﷺ﴾

خلافت امام مہدی ونزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام

''مہدی'' کا لغوی مفہوم ہدایت یافتہ شخص کے زمرہ میں آتا ہے۔ لہذا امام مہدیؒ سے مراد ایسا ہدایت یافتہ حاکم جو کتاب وسنّت کے مطابق خلافت راشدہ کا نظام بحال کرے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارکہ ہے

"مہدی کا نام میرے نام پر ہوگا۔ انکے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر ہوگا یعنی محمدؐ بن عبداللہ۔

جو حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کی نسل سے تعلق رکھنے والے ہونگے'' (ابو داؤد)

آپؒ کے ظہور سے قبل جنگوں کا سلسلہ شروع ہو چکا ہوگا ہر طرف قتل وغارت اور ظلم کا دور، دورہ ہوگا۔ مسلمان حکمران اپنے باہمی انتشار و دنیاوی مفادات اور بزدلی کی وجہ سے تنزل اور انحطاط کا شکار ہونگے۔ مالی اور عددی برتری کے باوجود کفار کے سامنے ان کی حیثیت حقیر اور

بے وقعت غلاموں کی سی ہوگی جبکہ مسلم امّہ ہر جگہ اپنے حکمرانوں کی ان کمزوریوں کی وجہ سے سخت اضطراب اور بے چینی کا شکار ہوگی اور ہر گھڑی کسی نجات دہندہ کی آمد کی منتظر ہوگی۔

جزیرۃ العرب میں اس وقت خلافت کا نظام بحال ہو چکا ہوگا جس کا دارالخلافہ دمشق یا بیت المقدّس ہوگا اس دور کے خلیفہِ وقت کی وفات پر نئے خلیفہ کے انتخاب میں شدید اختلافات پیدا ہوجائیں گے۔ ابھی یہ اختلافات طے نہیں پا جائیں گے کہ لوگ حرم شریف میں امام مہدیؒ کو انکی بعض علامات کے ذریعہ پہچان کر بیعّت کا سلسلہ شروع کر دینگے۔ حکومت وقت اس بیعّت کو بغاوت قرار دیکر فرو کرنے کے لیے ملک شام سے لشکر کشی کرے گی وہ لشکر مدینہ منوّرہ سے آگے مقام ''بیداء'' پر پہنچے گا تو ماسوائے ایک شخص کے باقی تمام لشکر زمین میں دھنس جائے گا۔ وہی ایک آدمی واپس جا کر حکومت کو اس حادثہ کی مِن وعَن اطلاع فراہم کرے گا۔ بیداء کے مقام پر اس حادثہ عظیم کی خبر فوراً عالم اسلام میں پھیل جائے گی اور تمام علماء وفضلاء کو امام مہدیؒ کا پیشن گوئیوں کی روشنی میں مکمل یقین ہوجائیگا کہ حرم شریف میں جس شخص کی بیعّت لی گئی وہ واقعی امام مہدیؒ ہیں چنانچہ جزیرۃ العرب کے تمام علماء فضلاء جوق در جوق انکی خدمت میں حاضر ہوکر امام موصوف کی بیعّت کر لینگے اس طرح امام مہدیؒ کی خلافت قائم ہوجائیگی۔

امام مہدیؒ کی خلافت کے سات سالوں کے دوران ہر طرف عدل وانصاف اور امن و سلامتی کا دور، دورہ ہوگا دولت کی اسقدر فراوانی ہوگی کہ دینے والے بہت ہونگے لیکن لینے والا کوئی نہ ملے گا۔ سقوط روم کا عظیم معرکہ امام مہدیؒ کی سرکردگی میں سر ہوگا۔ اس معرکہ آرائی کے دوران دجّال کا خروج ہوگا۔

امام مہدیؒ کی خلافت دراصل حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی پوری طرح اتباع کرے گی اسی لئے حضرت امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کے ختم ہونے سے پہلے اُمّتِ مسلمہ

پر خلافت کی حکمرانی ہوگی جو اُن کی (رسالتمآب ﷺ) کی سنّت کی پیروی کرے گی
۔حضرت حذیفہؓ بن ایمن سے روایت ہے کہ حضرت محمدؐ ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا تھا
کہ

"ہماری رسالت اس وقت تک موجود رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا اور جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا وہاں ان کی رسالت قائم کرے گا۔اس کے بعد رسالت کی اتباع میں خلافت قائم ہوگی اور تم میں اس وقت تک قائم رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر وہ خلافت جہاں چاہے گا قائم کرے گا۔اس کے بعد ایک ظلم وتشدد اور عدم انصاف کا دور آئے گا۔ان کا اقتدار اس وقت تک قائم رہے گا جب تک اللہ چاہے گا اس کے بعد بربریّت اور جبر واستبداد کا دور ہوگا جو اس وقت قائم رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا اور اس کو جہاں چاہے گا قائم کرے گا۔اس کے بعد اتباع رسالت کرنے والی خلافت قائم ہوگی"

اس کے بعد حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ رسالتمآب ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔
(ملاحظہ ہو سلسلہ الصحیحہ جلد اوّل

۔۵۔)

متذکرہ بالا حدیث مبارکہ کا ذکر یہاں اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ یہ امر واضح ہوجائے کہ امام مہدیؑ دنیا کے اختتامی مدت کے دورِ خلافت میں مقیم ہوں گے جو نبی آخرالزماں ﷺ کی سنّت کی پوری طرح اتباع کرے گی جیسا کہ حضرت محمدؐ ﷺ نے متذکرہ بالا حدیث میں ارشاد فرمایا تھا۔اس حدیث مبارکہ کی رو سے امام الانبیا ﷺ نے اُمّتِ مسلمہ کے اقتدار کو پانچ مختلف ادوار میں تقسیم فرمایا:

۱۔ دورِ رسالت حضرت محمدؐ یہ مدّت بعثت نبویؐ کے بعد 23 سالوں پر محیط ہے

۔

۲۔ دورِ خلافت جب سنّتِ نبویؐ کے مطابق حکمرانی کے فرائض سرانجام دیئے گئے۔ یہ دور چاروں عظیم المرتبت خلفائے راشدین کا دور ہے۔ کچھ مؤرّخ مختصر دور حضرت حسنؓ ابن علیؓ نواسۂ رسولؐ کو بھی شامل کرتے ہیں اس طرح یہ کل مدّت تیس سالوں پر محیط ہے۔ جس کی تصدیق خود رسول مقبولؐ کے اس قول سے ہوتی ہے

"خلافت میری اُمّت میں میرے بعد تیس سال قائم رہے گی۔ اس کے بعد ملوکیّت قائم ہوگی"

(ملاحظہ ہو احمد ترمذی وغیرہ صحیح الجامی الصیغر 3341)

۳۔ عدل وانصاف سے عاری ظلم واستبداد کا دور جو مختلف بادشاہوں پر محیط ہے جس میں بنوامیّہ بنوعباس اور مملوک جو بیسویں صدی سلطنت عثمانیہ کے زوال و خاتمہ تک جاری رہا۔ ان صدیوں میں دنیا کی غیر مسلم ریاستیں اور حکومتیں بھی اُمّتِ مسلمہ پر حکمرانی کرتی رہیں ۔البتہ اس دور سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مدت حکمرانی شامل نہ ہے کیونکہ وہ اہل قریش میں سے تھے جنہوں نے منصف خلیفہ کی حیثیّت سے اُمت مسلمہ پر حکمرانی فرمائی۔

۴۔ بربریّت اور جبر واستبداد کا دور سلطنت عثمانیہ کے زوال سے شروع ہوکر جاری ہے۔ اس دو رمیں وہ تمام حکومتیں اور ریاستیں شامل ہیں جو اُمّت مسلمہ پر حکمرانی کرتی رہیں خواہ وملوکیّت وشہنشائیت ہوں یا غیر مسلموں کے زیر اثر جمہوری حکومتیں جن سے ہمیں موجودہ دور میں سابقہ ہے یا آئندہ جبر واستبداد و بربریّت کا دور آنے والا ہے۔

۵۔حتٰی کہ آخر میں خلافت کی واپسی وقیام کا دور ہوگا جو امام الانبیا ﷺ کی سنّت کی اتباع کے لئے قائم ہوگا۔ یہ دور اس وقت شروع ہوگا جب سب لوگ مذہب سے بیگانہ ہو جائیں گے جیسا کہ بعثت نبوی ﷺ سے پہلے کا دور تھا جب آقا وغلام، طاقتور وکمزور اور خواتین وبچوں کے لئے کوئی منضبط معاشرہ نہ تھا۔ اس آخری آنے والے دور کی نسبت نبی آخر الزماں ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس دور میں خدا خوفی رکھنے والے، نیکی کی راہ دکھانے اور بُرائی سے روکنے والے جرأت، ہمت اور استقامت سے تبلیغ دین کے فرائض سرانجام دیں گے انہی کے لئے حضور رسالتمآب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"میری سنّت اور میری صحیح اتباع کرنے والے خلفاء کی سنّت پر سختی سے قائم رہو گویا اپنے منہ کے سامنے والے دانتوں کے نیچے سختی سے دبائے رہو اور بدعت سے اجتناب کرنا کیونکہ سنّت سے ماوراء کوئی اقدام بدعت ہے اور یہ بدعت دین سے انحراف ہے اور انحراف کے لئے جہنم کی آگ ہے" (صحیحہ الجامی الصغیر 4549)

ارتداد فتنہ دجّال ونزول عیسٰی علیہ السلام

حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا ظہور قیامت کی علامات میں سے ایک بڑی علامت ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السّلام جو اپنے وقت میں نبی تھے ان کا نزول ہوگا۔ دجّال کا مقابلہ کرنے کیلئے اللہ تعالی کسی مثیل مسیح نہیں بلکہ اصل مسیح علیہ السلام کو نازل فرمائیں گے جسے یہودیوں نے نبی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور جسے وہ اپنی دانست میں مصلوب کر چکے ہیں۔

حضور رسالتمآب ﷺ نے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا حلیہ مبارک کچھ اس طرح بیان فرمایا کہ

"شب معراج جب میری ملاقات حضرت عیسٰی علیہ السّلام سے ہوئی تو میں نے ان کو

میانہ قد۔

سرخ وسپید پایا۔ بدن ایسا صاف شفّاف تھا کہ معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی حمام سے نہا کر آئے ہوں۔

آپ کے کاکل کاندھوں تک لٹکے ہوئے تھے"

دجّال نسلاً یہودی اور یک چشم ہوگا کرشمہ قدرت سے اس کی پیشانی پر (ک اف ر) کافر لکھا ہوگا۔ حضور نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق

" آدم علیہ السّلام سے لیکر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں دجّال سے بڑا فتنہ کوئی نہیں" (مسلم) لوگوں کے دین وایمان کی آزمائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے بے پناہ قوّت اور قدرت دے رکھی ہوگی۔ اس کے حکم سے بارش برسے گی۔ زمین سے نباتات اُگے گی۔ جانور موٹے تازہ اور فربہ ہو جائینگے۔ ان کا دودھ بڑھ جائے گا۔ زمین کو حکم دے گا تو وہ سارے خزانے اپنے اندر سے نکال کر باہر رکھ دے گی۔ قحط کا حکم دے گا تو قحط پڑ جائیگا۔ آدمی کو قتل کرنے کے بعد اسے زندہ ہونے کا حکم دے گا تو وہ زندہ ہو جائے گا۔ اس طرح غیر معمولی شعبدہ بازی دکھانے کے بعد وہ لوگوں سے مطالبہ کرے گا کہ میں تمہارا ربّ ہوں مجھے اپنا ربّ مانو! ضعیف وکمزور ایمان والے بے شمار مسلمان اس کے شعبدوں سے متاثر ہو کر اپنا ایمان کھو بیٹھیں گے اور اسے اپنا ربّ مان لیں گے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اس کے ساتھ جنّت اور جہنّم بھی ہوگی اپنے ماننے والوں کو وہ جنّت میں بھیجے گا حالانکہ وہ جہنّم ہوگی اور نہ ماننے والوں کو جہنّم میں ڈال دیا جائے گا حالانکہ وہ جنّت ہوگی۔ خبردار! اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالنا۔ ایک دوسری حدیث مبارکہ ہے کہ

"دجّال کی آگ ٹھنڈی اور پانی شریں ہوگا لہذا جو اس صورت حال سے دوچار ہوا

سے چاہیے کہ

وہ اس کی آگ میں کود جائے" (مسلم)

دجّال بڑی تیزی کے ساتھ چالیس روز کی مدّت میں ساری دنیا کا چکر لگائے گا لیکن مکہّ مکرّمہ و مدینہ منوّرہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ اللہ ان دونوں محترم و مقدّس شہروں کے راستوں پر فرشتے مقرر فرما دے گا جو حرمین شریفین کی حفاظت کریں گے۔ دجّال کی قیادت میں یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کے متعدّد خونریز معرکے ہونگے۔ دجّال جب دنیا کا چکر کاٹ کر دمشق پہنچے گا تو امام مہدیؒ پہلے سے دمشق میں موجود ہونگے اور دجّال کے ساتھ آخری معرکہ کی تیاری کر رہے ہونگے۔ اس دوران دو فرشتوں کی مدد سے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی سفید مینار پر صبح دم نازل ہونگے جب مسلمان نماز کے لیے صف آراء ہونگے۔ امامت کے لیے مصلّے پر امام مہدیؒ پہنچ چکے ہونگے۔ کہ اچانک ایک آواز سب کو اپنی جانب متوجّہ کر لے گی۔ مسلمان نظریں اٹھا کر اوپر دیکھیں گے تو سپید بادل چھایا ہوا نظر آئے گا اور یہ مشاہدہ میں آئے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام دو خوبصورت زرد چادروں میں لپٹے ہوئے فرشتوں کا سہارا لیے ملاء اعلیٰ سے اتر رہے ہیں۔ فرشتے ان کو مسجد کے منارہ شرقی پر اتار کر واپس چلے جائیں گے۔ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق دوبارہ کائنات ارضی سے وابستہ ہو جائے گا اور وہ عام قانون فطرت کے مطابق صحن مسجد میں اترنے کے لئے سیڑھی طلب فرمائینگے جس کی فوری تعمیل کی جائیگی اور مسلمانوں کے ساتھ نماز کی صفوں میں کھڑے ہو جائینگے۔ مسلمانوں کے امام مہدیؒ از راہ تعظیم پیچھے ہٹ کر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو نماز کی امامت کرانے کو کہیں گے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السّلام فرمائیں گے کہ یہ اقامت تمہارے لیے کہی گئی ہے۔ اس لیے تم اس نماز کی امامت کرو۔

نماز سے فراغت کے بعد دجّال سے جنگ ہوگی۔ محاذ جنگ دمشق ہوگا جہاں دجّال اپنا ستر ہزار یہودیوں کا لشکر لیکر شام میں جا گھسے گا اور دمشق جا پہنچے گا جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور امام مہدیؒ کے مقابلہ میں پسپا ہو کر "افیق" کی گھاٹی سے اسرائیل کی طرف پلٹے گا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اس کا تعاقب کرینگے۔ آخر کار ''لُد'' کے مقام پر پہنچ کر دجّال انکے ہاتھوں مارا جائے گا اس کے بعد یہودی چُن چُن کر قتل کر دیئے جائیں گے۔ اسرائیل و ملّت یہود کا خاتمہ ہو جائیگا اور عیسائیت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی طرف سے حقیقت ظاہر ہونے کے بعد ختم ہو جائے گی اور تمام امتیں ایک امّتِ واحدہ میں ضم ہو جائیں گی۔

یاجوج ماجوج کی فتنہ انگیزی اور قیامت کے آثار

القرآن:- "انہوں نے (ذولقرنین سے) عرض کیا کہ قوم میں یاجوج ماجوج (جو اس گھاٹی کے

اس طرف رہتے ہیں) ہماری اس سرزمین میں (اکثر) فساد مچاتے ہیں۔ سو کیا ہم لوگ

آپ کے لیے چندہ جمع کریں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی روک

(اوٹ) بنادیں (کہ وہ پھر آنے نہ پائیں)"۔ (۱۸:۹۳۔۹۴)

قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے دور خلافت میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی طرف القاء فرمائینگے۔ کہ اب میں ایک ایسی مخلوق ظاہر کرنے والا ہوں جس کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں۔ لہذا میرے خاص بندوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جاؤ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اپنے خاص ساتھیوں کو لیکر کوہ طور پر چلے جائینگے اور باقی اہل ایمان اِدھر اُدھر

قلعوں میں اپنے آپ کو محفوظ کرلیں گے۔تب اللہ تعالیٰ سدِّ ذولقرنین میں مقیّد یاجوج ماجوج کو نکال کر باہر کرے گا۔ان کی تعداد اتنی زیادہ ہوگی کہ ان کی پہلی جماعت بحیرہ طبریہ (طبریہ جھیل شام کی سرحد پر واقع ہے جہاں سے دریائے اردن نکلتا ہے) پر پہنچے گی تو سارا پانی پی کر خشک کردے گی۔یاجوج ماجوج ساری دنیا میں اس قدر خون ریزی کرینگے کہ اپنی دانست میں وہ تمام اہل زمین کو ختم کرڈالیں گے۔تب وہ آپس میں کہیں گے کہ اب ہم اہل آسمان کو بھی قتل کرینگے چنانچہ وہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے۔اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے انکے تیر خون آلود ہوکر نیچے واپس آکر گریں گے۔یہ دیکھ کر دعویٰ کرینگے کہ اب تو ہم نے اہل آسمان کو بھی ختم کردیا ہے۔اس عرصہ میں غلہ کی شدید قلّت پیدا ہوا جائے گی۔حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا فرمائینگے کہ اِلٰـہُ الـعٰـلَمِیْن یاجوج ماجوج کو ہلاک کردے۔اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی گردنوں پر ایسی بیماری پیدا ہوگی۔جس سے وہ سب ایک ہی رات میں ہلاک ہوجائینگے ان کی ہلاکت کے بعد سارے شہر اور بستیاں بدبو سے متعفّن ہوجائیں گی۔حضرت عیسیٰ علیہ السّلام دوبارہ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ یا اللہ اب اس عذاب سے بھی ہمیں نجات دے۔اللہ تعالیٰ اونٹوں کی طرح لمبی گردنوں والے پرندے بھیج دے گا جو یاجوج ماجوج کی لاشیں اٹھا کر لے جائیں گے۔تعفّن ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ بارش برسادے گا۔جس سے فضا بالکل صاف ہوجائے گی۔یاجوج ماجوج کے خاتمہ کے بعد ایک دفعہ پھر دنیا میں خیر و برکت کا دور دورہ ہوگا۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اس وقت ایک انار سے لوگوں کی پوری جماعت اپنا پیٹ بھر لے گی اور ایک گائے کا دودھ پورے قبیلے کے لیے کافی ہوگا۔حسد، بغض اور کینہ وغیرہ بالکل ختم ہوجائے گا۔اسی خیر و برکت کے زمانے میں چالیس برس تک دعوت تبلیغ کے

بعد حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا وصال ہو جائے گا۔ مسلمان ان کی نماز جنازہ ادا کریں گے۔ اور نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے ساتھ خالی جگہ میں انکی تدفین کی جائیگی۔ قبیلہ قحطان میں سے جہجاہ نامی ایک شخص عیسیٰ علیہ السّلام کا جاں نشیں بنے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی وفات کے بعد آہستہ آہستہ پھر تنزّل اور انحطاط کا دور شروع ہو جائیگا۔ قیامت کی بڑی بڑی علامتیں ظاہر ہونے لگیں گی۔ پہلے دو بڑے خسف (علاقوں کا زمین میں دھنسنا) ہونگے۔ ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں۔ خسف کے بعد آسمان سے ایک دھواں ظاہر ہوگا۔ جو ساری زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ سارے لوگ اس سے متاثر ہونگے۔ ایماندار لوگ کم اور کافر زیادہ۔ آہستہ آہستہ آسمان صاف ہو جائے گا اور لوگوں کو اس عذاب سے نجات مل جائے گی۔ اگلی نشانی اللہ تعالیٰ کے حکم سے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہوگا۔ مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع شمس کے بعد دوسری بڑی نشانی دابتہ الارض کا ظہور ہوگا۔ یہ ایک عجیب الخلقت جانور ہوگا۔ کتاب وسنّت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جانور زمین سے نکلے گا۔ لوگوں سے ان کی زبان میں گفتگو کرے گا۔ متذکرہ بالا تینوں اہم نشانیوں کے بعد کسی کافر کا ایمان لانا اسکے لیے مفید نہ ہوگا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ایسی پاکیزہ اور فرحت بخش ہوا چلائے گا کہ جس سے اہل ایمان کی بغلوں میں درد پیدا ہو جائے گا اور ہر وہ شخص جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ فوت ہو جائے گا صرف وہ لوگ زندہ رہ جائینگے جن کے دلوں میں ذرہ برابر بھی ایمان اور بھلائی نہیں ہوگی۔ اور وہ لوگ زمانہ جاہلیّت کی طرز پر کفر اور شرک کی طرف پلٹ جائیں گے۔ ساری دنیا میں کفر وشرک غالب ہو جائے گا۔ قرآن مجید کے حروف کاغذوں سے اڑ جائیں گے۔ نماز روزہ اور عمرہ ادا کرنے والا کوئی شخص باقی نہیں رہے گا۔ بیت اللہ شریف کو ایک حبشی منہدم کر کے آگ لگا دے گا۔ مدینہ منورہ غیر آباد اور

ویران ہو جائے گا۔ دنیا میں وحشی جانوروں اور درندوں کا بسیرا ہو جائے گا۔ شرم وحیا نام کی کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔ مرد اور عورتیں سر عام راستوں پر گدھوں اور کتوں کی طرح زنا کریں گے۔ روئے زمین پر ایک فرد بھی اللہ کہنے والا نہ رہے گا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی مشیّت ہوگی تو یمن سے ایک آگ نمودار ہوگی جو لوگوں کو ہانک کر حشر کے میدان کی طرف لے جائے گی۔ جہاں لوگ تھک ہار کر رک جائینگے۔ وہ آگ بھی وہیں رک جائیگی۔ جب لوگ تازہ دم ہو جائینگے۔ تو آگ پھر ان کا تعاقب کرنے لگے گی۔ حتیٰ کہ لوگ میدان حشر (شام) پہنچ جائیں گے۔ تو آگ غائب ہو جائیگی۔ قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ سب سے آخری نشانی ہوگی اس کے بعد صور پھونکا جائے گا اور قیامت بپا ہو جائیگی۔ کلام حکیم کا فرمان ہے کہ

"اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ ہر شے ہلاک ہونے والی ہے"۔ (سورہ قصص آیت 88)

حضرت حذیفہ بن اسد غفاری سے روایت ہے کہ ہم لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لے آئے اور دریافت فرمایا "تم لوگ کیا باتیں کر رہے تھے"۔ ہم لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہم لوگ قیامت کا تذکرہ کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم یہ دس نشانیاں نہ دیکھ لو" پھر آپؐ نے ان نشانیوں کے متعلق بتلایا۔

"1۔ دھواں 2۔ دجال 3۔ دابۃ الارض (انسانی زبان میں باتیں کرنے والا جانور) 4۔ مغرب سے سورج کا طلوع ہونا 5۔ نزول عیسیٰ بن مریم 6۔ یاجوج ماجوج کا خروج 7۔ مشرق میں خسف 8۔ مغرب میں خسف 9۔ جزیرۃ العرب میں خسف اور سب سے آخر میں 10۔ یمن سے آگ کا نکلنا جو لوگوں کو میدان حشر کی طرف

ہانک کر لے جائیگی"۔(مسلم)

حق باری تعالیٰ نے کلام حکیم میں قیامت کے بارے میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ

"یہ لوگ قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا۔آپ فرمادیجئے کہ اسکا علم

صرف میرے رب ہی کے پاس ہے۔اس وقت اسکو ماسوائے اللہ تعالیٰ کوئی دیگر ظاہر نہ کرے

گا۔وہ آسمان اور زمین پر بڑا بھاری حادثہ ہوگا (اسلئے کہ) وہ تم پر اچانک آپڑے گی۔وہ آپ

سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں۔آپ فرما دیجئے کہ اسکا علم

خاص اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔آپ کہہ دیجیے کہ میں خود اپنی ذات

خاص کے لیے کسی نفع کام اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی جتنا خدا تعالیٰ نے چاہا اور اگر میں

غیب کی باتیں جانتا تو میں بہت سا منافع حاصل کر لیتا اور کوئی مضرت بھی مجھ پر واقع نہ ہوتی" (الاعراف 7:197۔198)

ان نصوص قرآنیہ سے واضح ہے کہ یقین اور تفصیل کے ساتھ قیامت کی اطلاع رسول مقبول ﷺ سے بھی مخفی تھی آپ ﷺ سے قربِ قیامت کی پچاس نشانیاں اور آثار منسوب

ہیں۔ظہورِ قیامت کی نسبت ملاحظہ ہو مزید نصوص قرآنیہ بحوالہ ۳۱:۳۴ اور ۳۳:۶۶۔

یہودیوں کے فتح دُنیا کے خواب کی تعبیر؟

آزمودہ رنگ ہیں کچھ اور بھی گردوں کے پاس
سامنے تقدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ

اب اگر کوئی شخص مشرقی وسطیٰ کے حالات پر ایک نگاہ ڈالے اور نبی اکرم ﷺ کی پیشین گوئیوں اور احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں ان کو دیکھے تو وہ فوراً یہ محسوس کرلے گا کہ اس دجال اکبر کے ظہور کے لئے اسٹیج بالکل تیار ہو چکا ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کی دی ہوئی خبروں کے مطابق یہودیوں کا مسیح موعود بن کر اٹھے گا۔ فلسطین کے بڑے حصہ سے مسلمان بے دخل کئے جا چکے ہیں اور وہاں اسرائیل کے نام سے ایک یہودی ریاست قائم کر دی گئی ہے اور اس ریاست میں دنیا بھر کے یہودی کشاں کشاں چلے آ رہے ہیں اور عربوں کے غاصبانہ طور پر قبضہ میں لئے ہوئے علاقوں میں نئی یہودی بستیاں تعمیر کی جا رہی ہیں امریکہ، برطانیہ، روس اور فرانس کی برملا حمایت نے اس کو ایک زبردست سیاسی و جنگی طاقت بنا دیا ہے۔ یہودی سرمایہ کی بے پایاں امداد سے یہودی سائنس دان اور ماہرین فنون اس کو روز افزوں ترقی دیتے چلے آ رہے ہیں اور اس کی یہ طاقت گردوپیش کے مسلم ممالک کے لئے ایک خطرۂ عظیم بن گئی ہے۔ اس ریاست کے لیڈروں نے اپنی اس تمنا کو چھپا کر نہیں رکھا کہ وہ اپنی میراث کا ملک حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے صاف محسوس ہوتا ہے کہ وہ آئندہ کسی عالمگیر جنگ کے ہڑبونگ سے فائدہ اٹھا کر ان علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے اور ٹھیک اس موقعہ پر وہ دجال اکبر خود مسیح موعود کا لبادہ اوڑھ کر اٹھے گا، جس کے ظہور کی خبر دینے پر ہی نبی اکرم ﷺ نے اکتفا نہیں فرمایا بلکہ یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس زمانے میں مسلمانوں پر مصائب کے ایسے پہاڑ ٹوٹیں

گے کہ ایک دن ایک سال کے برابر محسوس ہوگا۔

یہ درست ہے کہ اس وقت بظاہر یہودیوں کا پلڑا بھاری نظر آتا ہے۔ عالمی حکومتیں ان کی بالواسطہ طور پر تابع ہیں۔ لیکن اگر مسلمان متحد ہو جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہودی بھیڑیا جس نے شیر کی کھال پہن رکھی ہے اس کی اصلی حقیقت ظاہر نہ ہو جائے۔ یہودیوں نے اپنی حکومت اور حصول عالمی اقتدار کی بنیاد بے ایمانی، عصمت فروشی، جھوٹ، دھوکہ دہی، قتل و غارت، دہشت گردی، بہتان طرازی، کمینگی اور رذالت پر رکھی ہے۔ یہ تمام ان کی سفلی اور باطل خصلتیں ہیں۔ تاریخ انسانی میں ایسے کردار کے حامل اشخاص کبھی کامیاب نہیں ہوئے۔ اگر ہوئے ہیں تو نہایت قلیل عرصہ کے لئے اور پھر وہی ذلت و رسوائی جس میں وہ دوسروں کو مبتلا کرتے تھے، وہ خود ان کا مقدر بن گئی۔ دنیا کا کوئی مذہب، کوئی فرقہ، کوئی ازم یا تحریک ان صفاتِ رذیلہ کو اچھا نہیں گردانتی۔ یہودی چونکہ ان عوامل پر انحصار کرتے ہین اس لئے انہیں اپنے انجام کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ یہودی ہر وقت ایک عالم خوف، ڈر، شک اور بے اعتباری میں رہتا ہے جو ان کے آپس میں بھی موجود ہے۔ حتی کہ عالمی سطح کے لیڈران ایک دوسرے کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ (''برزنسکی کی یادداشتیں''، تلخیص و ترجمہ راشد چودھری)۔

ان حالات کے بنظر غائر مطالعہ کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اسلام یا کسی دوسرے مذہب کے اصولوں سے قطع نظر یہودیوں کا ''فتح دنیا'' کا خواب شرمندہ تعبیر ہوگا یا نہیں؟ اس کے لئے چند معاشی، معاشرتی، جغرافیائی اور سیاسی عوامل کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، جن کا مختصر جائزہ پیش ہے:

1۔ تمام تر پروپیگنڈے کے باوجود کہ اسرائیل یہودیوں کی جنّت ارضی ہے، یہودی یہ جانتے ہیں کہ اسرائیل کے ریگستانوں میں سخت محنت و مشقّت کرنا پڑے گی۔ نئی بستیاں بنانا، بسانا

اور چلانا بہت مشکل کام ہے جبکہ پیرس، لندن، نیویارک، شکاگو، کیلیفورنیا، ماسکو وغیرہ میں رہنا آسان ہے۔ امریکی یہودی رسالہ ٹائم اور نیوز ویک کے مطابق بہت سے یہودی جو اسرائیلی پروپیگنڈے اور لالچ سے متاثر ہو کر اسرائیل آتے ہیں یہاں کی بری زندگی اور مشقتوں سے اُکتا کر واپس چلے جاتے ہیں، اس لئے کہ وہ امریکہ، روس، چلی، پیراگوئے، فرانس، جرمنی اور یورپ کے دیگر ممالک میں تن آسانی کی زندگی اطمینان وسکون سے بسر کرتے ہیں۔ اس لئے اسرائیل کو افرادی قوت (Man power) کی ہمیشہ کمی رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔

2۔ عمر رسیدہ یہودی نسل فی الحال مذہب کے نام پر اسرائیل کو آباد کرنے کی خاطر نامساعد حالات برداشت کر رہی ہے۔ لیکن نئی نسل جو مذہب سے اتنا لگاؤ نہیں رکھتی وہ موقع ملتے ہی باہر چلی جاتی ہے۔

3۔ وہ تمام برائیاں جو اسرائیل ایک پالیسی کے تحت دیگر ممالک میں پھیلانا چاہتا ہے مثلاً بے حیائی، بے ایمانی، باہمی شکوک وشبہات، قتل وغارت، دہشت گردی وغیرہ۔ اس میں یہودی پہلے خود گرفتار ہوتے ہیں۔

4۔ اسرائیل نے غلط پروپیگنڈے کے ذریعے اپنی افواج کو ناقابل تسخیر ہونے کا دنیا میں تاثر قائم کیا ہے۔

جبکہ اصلیت میں اسرائیل دوسرے ممالک کو مذاکرات میں الجھائے رکھتا ہے اور نرم رویہ دکھاتا ہے اور دوسری طرف عیاری اور مکاری سے اس ملک کے خلاف فوجی کارروائی شروع کرا دیتا ہے یا خود آغاز کر دیتا ہے۔ جیسا اس نے افریقہ میں اپنے یرغمال ہوائی جہاز کو چھڑانے کے لئے کیا۔ اسی طرح اس نے لبنان میں فوج کشی کی۔ حتیٰ کہ ۱۹۶۷ سے

۱۹۸۷ تمام جنگوں میں یہی حربہ استعمال کیا۔ یہی وطیرہ فلسطینیوں ۔عراق اور شام کے خلاف روا رکھا گیا ہے۔

5۔ لبنان میں فلسطینی مہاجر کیمپوں صابرہ اور شتیلا اور غزّہ و فلسطین انتظامیہ کے زیر کنٹرول علاقوں پر بمباری اور ٹینکوں سے گھیراؤ کر کے فلسطینیوں کا قتل عام کیا جو دغابازی سے شبخون مارنے کے مترادف ہے۔ اس بربریّت پر انکوائری کے دوران اسرائیلی وزیر جنگ جنرل شیرون کا بیان تھا کہ وہ فلسطینیوں کو غاصب سمجھتا ہے۔ شام کی فوجوں کو کوئی قابل مزاحمت طاقت نہیں سمجھتا۔ کیونکہ شام جولان کی پہاڑیاں تک ہم سے نہ لے سکا۔ شامی فوجی بزدل ہیں۔ اردن کی فوج میں جنگ کرنے اور لڑنے مرنے کی صلاحیّت نہیں ہے۔ سعودی عرب کی فوج ہمارے ہم پلّہ نہیں۔ ہاں اگر مصری فوج سے ہمیں مقابلہ کرنا پڑے تو ہم اپنے منصوبوں پر نظر ثانی کریں گے تا کہ ہم سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے، جس کا مفاد مصری فوج اٹھالے۔

6۔ ۱۹۷۳ء میں مصری افواج نے جس ہمّت اور دلیری سے اسرائیل مضبوط دفاعی حصار ''بارلیو لائن'' کو توڑ کر فتح کیا، اس نے ثابت کر دیا کہ اسرائیلی افواج کے ناقابل تسخیر ہونے کا تصور فرضی ہے۔

7۔ یہودی رسالہ ٹائم اور نیوز ویک کے مطابق تمام دنیا کے ماہرین جنگ اس بات پر حیران ہیں کہ افغان مجاہدین نے نامساعد حالات میں روس جیسی سپر پاور کو نا کوں چنے چبوائے۔ بغیر کھائے پیئے، پتھروں کو بستر بنائے اتنے عرصہ لڑتے رہے۔ آخر بات یہیں پر آ کر رکی کی یہ جذبہ حرّیت اور جفاکشی سے مقابلہ آرائی ان کے اپنے دین و مذہب سے لگاؤ کی وجہ سے ہے۔ یہی عوامل امریکہ، روس اور اسرائیل کو اس خطہ کے لوگوں سے خائف رکھے

ہوئے تھے کہ انھوں نے صہیونی خفیہ سازش کی تکمیل میں 11 ستمبر ۲۰۰۱ء کے حادثہ کو عالمی دہشت گردی کا نام دیکر وہاں موجود طالبان " القائدہ" کے اراکین واکابرین کا جذبہ حریّت دبانے اوران کے ذریعہ پھیلنے والے عالمی اثرات سے بچانے کے لیے افغانستان کواسی طرح سزادی جس طرح عراق کوتختۂ مشق بنایا تھااورایسی دیگر جگہوں پر یہی حربہ دُہرایا جاسکتا ہے کیونکہ یہ فدائی تحریک اور مسلمانوں کا جذبہ جہاد صہیونی عزائم کی تکمیل میں رکاوٹ کا باعث ہے۔اس لئے اس کی بیخ کنی دراصل صہیونی مشن کی ایک کڑی ہے۔

8۔ اسرائیل میں پارلیمانی نظام قائم ہے جس میں اقتدار عوام کے ووٹوں کی گنتی سے حاصل ہوتا ہے' جبکہ اسلام میں انتخاب کی بنیاد اصلاح' درستی' راست بازی' پختگی کردار' ایفائے عہد' امانت اور دیانت جیسی خصوصیّات پر ہے' ان خصوصیّات کے حامل افراد کے انتخاب سے معاشرہ کی بہتر ترقّی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔ یہ معیار اسرائیلی ملک میں رائج نہ ہے۔چونکہ ان خصوصیّات سے منہ موڑ کر یورپ کا ہر ملک سخت اخلاقی پستی' معاشی بدحالی' افراتفری' خوف اور شک کے عالم میں گرفتار ہے اس لئے اسرائیل کا بھی اسی انجام کو پہنچنا لازمی ہے۔لہذا اسرائیل میں یہودیوں کو متّحد رکھنا اور ان سے مطلوبہ نتائج کی توقّع رکھنا عبث ہے۔

اگر مسلمان متحد ہو جائیں اوراپنے وسائل کو یکجا کریں اوراپنے مالی' افرادی اور معاشی وسائل کو مشترکہ مفاد کی خاطر متحدہ طور پر استعمال کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ خطۂ عرب کے اس ناسور کو اکھاڑ پھینکنے میں کامیاب نہ ہوں اور یہ دنیا پھر اسلام کے ذریعہ امن وآشتی کا گہوارہ بن جائے۔

تبدیلی امامت وتحویل قبلہ :

ساڑھے چار ہزار سال قبل حضرت ابراہیم علیہ السّلام جو موسّس اعلیٰ دین اسلام ہیں، کے بعد جب داؤد علیہ السّلام اور سلیمان علیہ السّلام جیسے جلیل القدر پیغمبران منصبِ نبوّت پر سرفراز ہوئے تو انہوں نے بنی اسرائیل کی عبادت کے لیے قبلہ کا رخ بیت المقدّس قرار دیا۔ بعثتِ مبارک ﷺ کے بعد دین ابراہیمی کے پیروکار حتیٰ کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے دستِ نبوت پر بیعت کرنے والے بھی مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر کے بعد سولہ ماہ تک بیت المقدّس کو ہی اپنا قبلہ تسلیم کرتے ہوئے اسی جانب رخ کر کے عبادت کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے کلام حکیم میں فرمایا کہ

"امامت کا حق صرف ابراہیم کی اولاد ہونے کے ناطے سے بنی اسرائیل کو حاصل نہ ہے بلکہ یہ اس کی سچّی اطاعت اور فرمانبرداری کا پھل ہے۔ اس لئے اس کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو ابراہیمی طریقت پر خود بھی چلیں اور دنیا کو بھی اس طریقہ پر چلانے کی خدمت سرانجام دیں"

چونکہ بنی اسرائیل اس طریقت کو چھوڑ گئے تھے اور اس خدمت کی اہلیّت بھی پوری طرح کھو چکے تھے لہذا انہیں اس کرّۂ ارض پر قوموں کی امامت کے منصب سے معزول کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے سنّتِ ابراہیمی کو جاری و ساری رکھنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دوسری اولاد کی شاخ یعنی بنی اسماعیل میں وہ نبی آخر الزمان ﷺ پیدا کیے جس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت اسماعیل علیہ السّلام نے کعبۃ اللہ کی دیواریں اٹھاتے ہوئے دعا فرمائی تھی۔ لہذا قوموں کی امامت کے مستحق صرف وہ لوگ قرار پائے جو اس

نبی آخرالزمان ﷺ کی پیروی کریں گے۔ نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ کے تمام نبیوں کے امام اور سرتاج ہونے کے شرف سے تاجِ نبوّت کو بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل میں منتقل کر دیا گیا۔

خدائے ذوالجلال نے اپنے حبیب نبی آخرالزماں ﷺ کی خواہش کی تکمیل میں بیت المقدّس (یروشلم) کے بجائے حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے تعمیر کردہ کعبۃ اللہ کو مسلمانوں کے لیے قبلہ گاہ بنادیا۔ تحویل قبلہ کے اسی واقعہ کی جانب حوالہ قرآن حکیم میں اس طرح آیا ہے۔

(ترجمہ) ہم آپ کے منہ کا۔ (یہ) بار بار آسمان کی طرف اُٹھتا دیکھ رہے ہیں۔ اس لیے ہم آپ کو اس طرح قبلہ کی طرف پھیر دینگے جس کے لیے آپ کی مرضی ہے۔ (تو) پھر اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کرلیا جاوے۔ (سورۃ بقرہ ۲ : ۱۴۳)

حضور نبی اکرم ﷺ 15 شعبان ۲ھ کو نزولِ وحی کے وقت مسجد قبلتین میں دیگر صحابہ کرام کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کروا رہے تھے اور دو رکعت نماز ادا فرما چکے تھے کہ حکم الٰہی نازل ہوا اور دوران نماز ہی نبی اکرم ﷺ نے امامت فرماتے ہوئے بر پشت پھر کر بالکل مخالف سمت جا کر کعبۃ اللہ کی جانب رخ کر کے اپنی اقامت میں نماز مکمل کروائی۔ اس تحویل قبلہ کے واقعہ نے ہمیشہ کے لیے سرداری و سرفرازی بنواسرائیل سے بنواسماعیل میں منتقل فرمانے پر حتمی مہر ثبت فرمادی حتّٰی کہ نبی آخرالزماں ﷺ پر تکمیل دین کی سند بھی حجۃ الوداع کے موقع پر اِن آیات کریمہ کی رو سے نازل کردی۔

يَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً ط(۵ : ۳)۔

(ترجمہ): آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا۔ میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے پسند کر لیا۔

جب بنی اسرائیل اس منصب امامت سے حسب ضابطہ معزول کر دیئے گئے تو بیت المقدّس کی مرکزیّت بھی خود بخود ختم ہوگئی۔ لہذا اعلان کر دیا گیا کہ تاجِ نبوّت کی بنی اسماعیل میں منتقلی کے بعد وہ مقام دینِ الٰہی کا مرکز ہوگا جہاں سے اس رسول ﷺ کی دعوت کا اظہار ہوا۔ کیونکہ ابتداء میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دعوت کا مرکز یہی مقام تھا۔ اس لئے قبلہ کا زیادہ حق کعبۃ اللہ کو ہی پہنچتا تھا۔

دُنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا۔ (علاّمہ اقبالؒ)

تحویلِ قبلہ دراصل بیت المقدّس سے کعبہ کی سمت صرف منہ پھیرنا نہیں بلکہ بنی اسرائیل کو دنیا کی پیشوائی کے منصب سے باضابطہ طور پر معزول کر کے امّتِ محمدیہ ﷺ کو اس کی جگہ فائز کر دیئے جانے کے اقدام پر مہر تصدیق ثبت کرنا تھی۔ نیز باری تعالیٰ نے امّتِ مسلمہ کو ''امّتِ وسط'' بھی قرار دے دیا گیا۔ جس سے مراد ایک ایسا اعلیٰ و اشرف گروہ جو عدل و انصاف قائم کرے اور دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیّت کا حامل ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے کعبۃ اللہ کی تعمیر کرنے کے بعد اہل عرب جو اپنے وطن اور نسل پر فخر کرتے تھے' ان کے اس نسلی عقائد کے بت کو پاش پاش کرنے کے لئے اس کے تیرہ سو سال بعد حضرت سلیمان علیہ السّلام کے تعمیر کردہ بیت المقدّس کو قبلہ قرار دیا تھا۔ پھر دوبارہ اس قبلہ کو چھوڑ کر کعبۃ اللہ کو قبلہ گاہ بنایا جانا' دراصل اسرائیلیوں کی امامت اور قوموں کی

برادری میں ان کی سرفرازی کو ختم کرنا تھا اور فی الحقیقت بنی اسرائیل کی نسل پرستی کے غرور اور گھمنڈ کو خاک میں ملانا تھا۔ لہذا اس تحویل قبلہ کے واقعہ کے بعد قوموں کی امامت کے مستحق صرف وہ لوگ قرار پائے جو نبی آخرالزمان ﷺ کی پیروی کریں۔

اس لئے صہیونیت کی عالمی حکمرانی کے راستہ میں اب صرف عالم اسلام کا اتحاد، یکجہتی اور یگانگت ہی آہنی دیوار ثابت ہوسکتی ہے۔ اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے پاکستان سے بڑھ کر کوئی سرزمین ایسی نہیں جو صہیونیت کے خفیہ ناپاک عزائم کا ہر سطح پر اور ہر لحاظ سے مقابلہ کر سکے۔ اس لئے عالم اسلام کو اب اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہئے کہ تحریک پاکستان کے دوران یہ خطہ ارض برصغیر ہند کے مسلمانوں کی ضرورت تھا' اور اب عالم اسلام کو پاکستان کی ضرورت ہے۔ جو ایک ایٹمی قوت ہونے کے باوصف، چین کے اشتراک سے فوجی "طیارہ تھنڈر"، راکٹ، میزائیل، بحری جہاز اور فرانس کے تعاون سے سب میرین تیار کرنے والا واحد اسلامی مُلک کے علاوہ ایک اسلامی نظریاتی مملکت ہے۔ جس کا خواب علامہ اقبالؒ نے دیکھا تھا۔ علامہ اقبالؒ نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اگر ان کی زندگی میں پاکستان معرضِ وجود میں نہ آسکے تو ان کی وفات پر انہیں حجازِ مقدس میں دفن کیا جائے۔ علامہ اقبالؒ کی گو حجازِ مقدس میں دفن ہونے کی تمنا تو پوری نہ ہوئی لیکن علامہ اقبالؒ کو یہ مرتبہ حاصل ہوا کہ پاکستان کے عروس البلاد لاہور کی تاریخی بادشاہی مسجد کے دامن میں ان کا مرقد بنا۔ جہاں تا قیامت اس پر بارانِ رحمت برستی رہے گی۔ علامہؒ کی اس خواہش پر ایک ایرانی سکالر نے ان کے کلام کی شرح لکھتے ہوئے یہ تبصرہ فرمایا تھا:

"گو علامہ کی حجازِ مقدس میں دفن ہونے کی خواہش پوری نہ ہوئی لیکن پاکستان کی سرزمین میں

تدفین بھی ان کی خواہش کی تکمیل کے مترادف ہے"

کیونکہ مصنف نے پاکستان کو "حجاز اصغرا" قرار دیا

دنیا نے یہ مشاہدہ کرلیا کہ کرّہ ارض پر صہیونیت کی بالادستی اور روس، امریکہ، برطانیہ اور فرانس جیسی بڑی طاقتوں کی مادی امداد اور مالی وسائل پر قبضہ کے باوجود اسرائیلیوں کیلئے آزاد اور خودمختار وطن اس وقت تک نہ بن سکا جب تک اس کے توڑ کیلئے مدینہ طیبہ کے بعد دوسری اسلامی نظریاتی مملکت پاکستان ۱۴ اگست جمعۃ الوداع ۲۷ رمضان المبارک ۱۹۴۷ء میں معرض وجود میں نہیں آ گئی۔ دنیا میں مسلمان مفلوک الحال، اسلحہ اور طاقت سے محروم تھے۔ برصغیر میں عددی اکثریت بھی نہ تھی کہ ووٹوں کے ذریعہ علیحدہ اسلامی ملک تشکیل پا جاتا۔ لیکن یہ مشیت ایزدی اور اس برّصغیر کے ولیوں اور بزرگان دین کی دعاؤں کا ثمر تھا کہ ایک مردمومن حضرت قائداعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں مفکرِ اسلام علاّمہ اقبال کی نظریاتی مملکت کے تصوّر کو اللہ تعالیٰ نے حقیقت کی شکل دیدی اور برصغیر کے مسلمانوں نے سنّتِ نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہو کر اس خطہ کو دوسری اسلامی نظریاتی مملکت بنوا دیا۔ جبکہ اسرائیل کرّہ ارض کی تیسری نظریاتی صہیونی ریاست ۱۹۴۸ء میں معرض وجود میں آئی۔ یہی پاکستان کی تخلیق کا مقصد ہے کہ یہودی جب دنیا میں عالمی صہیونی مملکت قائم کرنا چاہے گی تو پاکستان بشمولِ اُمّتِ مسلمہ اس کے ناپاک عزائم خاک میں ملا دے گا اور دنیا پر عالمی حکمرانی کا اسرائیلی خواب شائد کبھی شرمندہِ تعبیر نہ ہو۔

﴿مسلمانوں کے عالمی قوّت بننے کے آثار﴾

کھول کر آنکھیں میرے آئینہ گفتار میں

آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

اس وقت دنیا میں بڑے مذاہب کے پیروکاروں کی عددی قوّت اس طرح ہے کہ رومن کیتھولک عیسائیوں کی تعداد 1.06 ارب ہے جبکہ مسلمانوں کی تعداد 1.50 ارب ہے۔ ہندومت کے ماننے والوں کی تعداد 764 ملین ہے۔ پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی تعداد 391 ملین ہے بدھ مت کے پیروکار 339 ملین ہیں اور سب سے کم تعداد یہودیوں کی ہے جو 13.5 ملین ہیں اس عددی قوّت کے تقابل سے یہ ثابت ہے کہ فکری اور نظریاتی اعتبار سے مسلمان دنیا کی بڑی عالمی طاقت بننے والے ہیں اور یقیناً پاکستان جو عالم اسلام میں پہلی ایٹمی طاقت بن چکا ہے آئیندہ لیزر شعاعوں۔ بیلاسٹک میزائل اور جدید انفارمیشن ٹیکنالوجی میں عبور حاصل کر کے اُسے عالم اسلام کی راہنمائی کا شرف حاصل ہوسکتا ہے۔

موجودہ امریکی صدر کے والد سابق صدر جارج بش کے مقابلہ میں امریکی صدارت کے سابق امیدوار پاٹ بیوکانن (PAT BUCHANAN) نے اپنی تازہ تصنیف موسومہ ''مغرب کی موت'' (THE DEATH OF THE WEST) جو گیارہ ستمبر 2001ء کے واقعہ کے بعد شائع کی جا چکی ہے۔ اس میں دلائل اور ثبوت کے ساتھ پیشن گوئی کی گئی ہے کہ امریکہ 2050ء تک تیسری دنیا کا ملک بن جائے گا۔ یورپ میں اسلامی، عرب اور افریقی ممالک لشکر کشی کریں گے اور دنیا کی بیشتر اقوام بشمول جاپان آہستہ آہستہ دنیا کے نقشہ سے مٹ جائیں گے۔ امریکی ذرائع ابلاغ رجڈر پورٹ اور این بی سی ٹیلی ویژن نیٹ ورک نے کتاب مذکور پر تبصرہ کرتے ہوئے بقول مصنّف مذکور قرار دیا کہ 2050ء تک یورپی نسل کے افراد کی تعداد دنیا میں صرف دس فیصد رہ جائے گی۔

فی الوقت اور 2050ء کے درمیان ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کی آبادی تین سے چار ارب تک بڑھ جائے گی۔ 2050ء تک دو کروڑ تیس لاکھ جرمن ایک کروڑ ساٹھ لاکھ اطالوی تین کروڑ روسیوں میں مدغم ہو جائیں گے۔ روس کے ہاتھوں سے سائبیریا نکل جائے گا اور چین، مشرق بعید اور وسطی ایشیا پر اس کے اثرات معدوم ہو جائیں گے۔ جہاں اسلامی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے جبکہ روس مر رہا ہے۔ مصنف پاٹ بیوکانن یہ بھی رقمطراز ہے کہ 42 لاکھ فلسطینی اسرائیل کے مقابلہ میں مغربی کنارے اور غزہ میں رہائش پذیر ہیں جو 2050ء تک 90 لاکھ ہو جائیں گے وہ اسرائیل کے لئے مزید خطرہ بنیں گے۔ خلیج فارس میں امریکہ کی دوغلی پالیسی قائم نہیں رہ سکے گی۔ 25 سال سے کم عرصہ میں عراق کی آبادی چار کروڑ بیس لاکھ۔ ایران کی آبادی نو کروڑ چالیس لاکھ ہو جائے گی جو روس کے سوا کسی بھی یورپی ملک سے زیادہ ہوگی۔ مصنف مذکور کا کہنا ہے کہ اسلام نے کیتھولک ازم کو جو دنیا کا بڑا مذہب ہے دبا دیا ہے۔ عیسائی اقوام میں کیتھولک، پروٹسٹنٹ اور آرتھوڈوکس کی موت کا آغاز ہو گیا ہے۔ موصوف نے قرار دیا کہ امریکہ مختلف اقوام کی نیشن کہا جاتا ہے اس کے نتائج خود امریکہ کے حق میں بہتر نہیں نکل رہے ہیں۔ آج تین کروڑ غیر ملکی بچے امریکہ میں پیدا ہو رہے ہیں۔ 2040ء تک امریکہ کی ریاست کیلیفورنیا جو سب سے زیادہ آبادی والی ریاست ہے، وہاں مغربی نسل کے باشندے اقلیت ہو جائیں گے۔ مصنف مذکورہ نے 25 جنوری 2002ء کی شام کو امریکی ٹیلی ویژن نشریات میں اپنے انٹرویو کے دوران اس خدشہ کا برملا اظہار کیا کہ روس سے ایٹمی مواد سے بھرا بکس / سوٹ کیس سابقہ عظیم روسی ریاست کے تحلیل ہونے پر سرقہ ہو چکا ہے اور جس کے مغربی ممالک میں پہنچنے کا قوی اندیشہ ہے جہاں موجودہ کسٹم و امیگریشن انتظامات جس طرح کے ہیں اس کے پیش نظر وہ خطرناک مواد وہاں پہنچنے کا احتمال ہے۔ لہٰذا ایسی صورت حال میں

اس کے کیا عالمی اثرات مرتب ہوں گے اسکے سدِّ باب کے لیے غور وفکر جاری ہے۔

11 ستمبر 2001ء کو نیویارک میں دہشت گردی کے اسباب ومضمرّات:

دنیا میں اسلام کی سربلندی اور غیر مسلم سُپر طاقتوں کی حزیمت کا آغاز گیارہ ستمبر 2001ء کو نیویارک (امریکہ) کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے عظیم Twin Towers اور واشنگٹن کے عالمی سازشوں کے گڑھ پینٹا گون کی ناقابل تسخیر عمارت کی تباہی سے ہو چکا ہے جس کی آگہی پانچ سو سال قبل (سولھویں صدی عیسوی) پیدا ہونے والے ایک عیسائی گھرانے کے چشم وچراغ کو حاصل ہوگئی تھی جس نے اپنے اشعاری قطعات کے ذریعہ قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے اہم ترین عالمی واقعات کی پیشین گوئیاں بیان کردی تھیں۔ مؤرخین کے مطابق ان میں سے پچاس فیصد درست ثابت ہو چکی ہیں۔ یہ فرانسیسی ماہر فلکیات (Astrologist) مائیکل دی ناسٹریڈیمس (Michel-de-Nostradamus) ہے جس کو بچپن سے ایسی خداداد صلاحیت حاصل تھی کہ اس کی نگاہ بصیرت اور علم سے آئندہ صدیوں میں پیش ہونے والے عالمی واقعات کی نسبت خود آگہی حاصل ہوگئی جس پر اہل مغرب نے اس کے بچپن سے آخیر عمر تک محیط حالات زندگی پر فلم بھی بنائی جس میں اس کی سچ ثابت ہونے والی پیشین گوئیوں کی منظر کشی کی گئی ہے۔ گیارہ ستمبر کے واقعات کی نسبت بھی اس کی تحریروں سے آگہی یوں ثابت ہے جیسا کہ اس نے لکھا کہ "نویں مہینہ کی گیارہ تاریخ..... جدید شہر (City of God) میں دو دھات کے پرندے Statues سے ٹکرا کر تباہی پھیلائیں گے جس کے بعد جلد ہی دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (دھاتی پرندے دو امریکی فضائی طیارے اور Statues سے مراد ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی دونوں عظیم 110 منزلہ عمارات ہیں جبکہ جدید شہر سے مراد نیویارک ہے۔ (دنیا سے اس کی مراد کولمبس کی دریافت کردہ نئی دنیا امریکہ ہی ہوسکتی ہے) اسی طرح

اسلام سے تعصب کی بناء پر ناسٹر ڈیمس کی اُس حتمی پیشین گوئی کی زیادہ تشہیر نہ کی گئی جس میں اس نے بیان کیا تھا کہ دنیا ختم ہونے سے پہلے (گویا قیامت سے پہلے) خطہ عرب کے ایک عظیم ملک سے محمد ﷺ کا ایک طاقتور پیروکار پیدا ہوگا وہ نیلی پگڑی والا یورپ میں داخل ہوگا جس سے انسانیت اس طرح دہشت زدہ ہوگی کہ اس سے پہلے کبھی اتنی نہ ہوئی ہوگی گویا منگول بادشاہ زندہ ہوگیا۔ یہ شہنشاہ دہشت آسمان سے آگ کا گولہ بن کر عظیم شہر نو کی جانب آئے گا اور آگ کے شعلوں سے ان کا شہر تباہ کردے گا وہ نرم خو مگر سنگدل خوب خون بہائے گا اور کسی پر رحم نہ کرے گا۔ (عظیم شہر نو سے مراد نیویارک / امریکہ جب کہ آگ و شعلوں سے مراد حالیہ دور کی ایجادات ایٹم۔ ہائیڈروجن بم کیمیاوی ہتھیار۔ بیلاسٹیک میزائل۔ راکٹ یا لیزر بم وغیرہ ہوسکتے ہیں)۔

تاریخ کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ خود امریکہ میں عرصہ چھبیس سال قبل KING KONG نامی فلم بنائی گئی جسے دنیا بھر کے فلم بینوں میں بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس فلم میں ایک عظیم الجثہ ۔ دیوہیکل بن مانس کو نیویارک کی بلند ترین عظیم عمارت جو دنیا بھر کے سیاحوں کی تفریح گاہ ہے یعنی ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ کو منہدم کرتے فلمایا گیا اسکے بعد جسے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی دونوں عظیم عمارتوں کے انہدام کی کوشش میں ماردیا جاتا ہے۔ اس فلم کے اسٹوڈیو میں نصب سیٹ اور وہ عظیم الجثہ بن مانس دنیا بھر کے سیاحوں کے لئے کافی عرصہ تفریح کا ذریعہ بنا رہا ہے۔ ہالی ووڈ نے نیویارک میں دہشت گردی کے ذریعہ تباہی و بربادی کے مناظر پر مبنی متعدد فلمیں گذشتہ ادوار میں بنائیں ہیں۔ لیکن اس فرضی کہانی پر مبنی فلموں نے گیارہ ستمبر 2001ء کو حقیقت کا روپ دھار لیا جب فدائی حملہ مشن پر مامور اشخاص نے دو مسافر جیٹ طیاروں کو پرواز کے دوران اغواء کر کے پائلٹ پر قابو پا کر انہیں نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی

دونوں عظیم اور بلند عمارتوں سے ٹکرا کر ان کو زمین بوس کر دیا۔ یہ حقیقت تو آنے والے عرصہ میں ثابت ہوگی کہ یہ حیران کن حادثہ آیا صہیونی سازش کی ایک کڑی تھا یا آزادی کے پروانوں کی جراتِ رندانہ یا مجاہدینِ اسلام کی سرفروشی تھی یا پھر بقول امریکہ اور اس کے عالمی اتحادی کے یہ ایک عالمی دہشت گردی تھی۔ بہرنو، اس عظیم حادثہ کا راستہ ان کی عالمی شہرت یافتہ کنگ کانگ نامی جیسی فلموں نے ہی دکھایا تھا۔

ممتاز امریکی تجزیہ نگار محقق اور امریکن یورپ یونیٹی اینڈ رائٹس آرگنائیزیشن کے صدر ڈیوڈ ڈک نے انکشاف کیا ہے کہ گیارہ ستمبر 2001ء کو نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور واشنگٹن کے دفاعی مرکز پر حملہ میں اسامہ بن لادن یا القاعدہ ملوّث نہیں بلکہ اسرائیلی ایجنسی موساد کا خفیہ ہاتھ ہے۔ ڈیوڈ ڈک نے اپنے تحقیقی مضمون میں تحریر کیا کہ امریکی کانگریس اور انتظامیہ کے ساتھ ساتھ یہودیوں نے امریکی الیکٹرانگ اور پرنٹ میڈیا پر قبضہ کر رکھا ہے۔ جبکہ مالیاتی شعبوں پر اسرائیل نواز یہودیوں کا پورا کنٹرول ہے۔ ڈیوڈ ڈک کے دعوں کی تائید امریکی سینٹ کی خارجہ تعلقات کمیٹی کے سابق سربراہ ولیم فلبرائیٹ نے ایک قومی ٹیلیویژن نیٹ ورک پروگرام میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اسرائیل امریکہ انتظامیہ اور اداروں کو کنٹرول کرتا ہے تا کہ اپنے قومی مفادات حاصل کر سکے۔ سینٹر ولیم فلبرائیٹ امریکہ میں ایک بڑی سیاسی شخصیت ہیں جو امریکہ سے متعدد تعلیمی اداروں کے ہونہار طلباء و طالبات کو فلبرائیٹ سکالرشپ دیتے ہیں حتیٰ کہ غیر ممالک کے طلباء و طالبات کو بھی حصول علم کیلئے وظائف ملتے ہیں۔ انکے علاوہ امریکہ کے بہت بااثر اور اعلیٰ فوجی منصب پر فائز رہنے والے جوائنٹ چیف آف اسٹاف کے سابق چیئرمین جنرل جارج براؤن اور دوسری کئی اہم شخصیات بھی اس بات کا اعتراف کر چکی ہیں کہ امریکہ اور اسکے اداروں پر اسرائیل حاوی ہے جنہیں وہ کنٹرول کرتا ہے۔ جنرل جارج

براؤن کہتے ہیں کہ:-

"اگر ہم یہ کہیں کہ فلاں کام کے سلسلہ میں ہمیں کانگریس کی حمایت درکار ہوگی تو اسرائیل

کا جواب ہوگا کہ کانگریس کے بارے میں فکر نہ کریں ہم کانگریس سے نمٹ لیں گے"

جنرل براؤن کے مطابق یہ حقیقت ہے کہ اسرائیلی / یہودی امریکی کانگریس سے اپنے مفاد کا ہر کام کروا سکتے ہیں کیونکہ امریکہ میں اسرائیلی یہودیوں کے زیر اثر بنک اور اخبارات / جرائد موجود ہیں انکے مالک رشوت اور خبروں کے ذریعہ امریکی کانگریس کو اپنا ہمنوا بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ آپ صرف یہ دیکھیں کہ امریکہ میں یہودیوں کی دولت کہاں کہاں ہے؟

ڈیوڈ ڈک کے مطابق جنرل براؤن یقیناً امریکی ذرائع ابلاغ پر یہودیوں کے کنٹرول سے بخوبی آگاہ ہیں۔ یہ امر حقیقت پر مبنی ہے کہ امریکہ کے بڑے بڑے اور بااثر اخبارات و جرائد پر یہودیوں کا کنٹرول ہے ان میں "دی نیو یارک ٹائمز"، "دی واشنگٹن پوسٹ" اور "وال سٹریٹ جنرل" شامل ہیں۔ اسی طرح امریکہ میں یہودیوں کا کنٹرول تین مشہور زمانہ میگزینوں پر بھی ہے۔ ان میں "ٹائم" نیو یارک، "یو۔ایس نیوز" اور "ورلڈ رپورٹ" ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ امریکہ کے ریڈیو اور ٹیلیویژن نیٹ ورک پر بھی یہودی پوری طرح قابض ہیں۔ امریکہ کے سب سے بڑے میڈیا "ٹائم وارنز" اور "ڈزنے" کے علاوہ خبریں نشر کرنے والی تین بڑی نیٹ ورک "امریکن براڈ کاسٹنگ کمپنی (ABC) سی۔بی۔ایس (CBS) اور این۔بی۔سی (NBC) کی انتظامیہ پر بھی اسرائیل کے حامی یہودیوں کا مکمل کنٹرول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کے تمام نیوز چینل فلسطینیوں کے

خلاف ڈھائے جانے والے مظالم اور بربریت کو تو نظر انداز کر دیتے ہیں، لیکن امریکہ اسرائیل کی دہشت گردی پر مبنی کارروائیوں سے پوری دنیا کو بے خبر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مضمون نگار ڈیوڈ ڈک کے مطابق اسرائیل نے گذشتہ پچاس سالوں میں جتنی دہشت گردی کی ہے اتنی دہشت گردی کا مرتکب کوئی دوسرا ملک نہیں ہوا۔ اسرائیل کی دہشت گردی کی مدد کر کے امریکہ اب دنیا بھر میں پھیلے ہوئے لاکھوں افراد کی اپنے خلاف نفرت کی فصل کاٹ رہا ہے۔

اسرائیل کی دہشت گردی کی حمایت دراصل از خود دہشت گردی ہے جو اب امریکہ کے خلاف جاری ہے۔ مضمون نگار کے مطابق امریکیوں کی بڑی تعداد یہودیوں کی مکروہ کارروائیوں سے آگاہ نہیں ہیں۔ کیونکہ امریکہ میں الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا پر اسرائیل کی زیر سرپرستی یہودیوں کا کنٹرول ہے۔ اس قبضہ یا کنٹرول کی ایک مثال یہ ہے کہ گیارہ ستمبر کے حادثہ کے فوراً بعد امریکی ذرائع ابلاغ نے از خود ہی یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے "Twin Tower" پر حملہ میں اسرائیل ملوث نہیں۔ اور یہ کہ حملہ آوروں نے حملہ دراصل امریکہ کی "آزادی" پر مبنی معاشرہ تباہ کرنے کے لیے کیا ہے۔

اس طرح برطانیہ کے سابق وزیر ماحولیات مائیکل میجر نے قرار دیا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ دراصل تیل کے عالمی ذخائر پر قبضہ اور دنیا پر طاقت کے ذریعہ اقتدار قائم رکھنے کا منصوبہ ہے جو ستمبر 2000ء میں امریکی ایڈمنسٹریشن نے تیار کیا تھا۔ برطانوی اخبار گارجین میں شائع ہونے والے مضمون میں لکھا ہے کہ 11 ستمبر 2001ء کے حملہ کی بھی امریکہ حکام کو اطلاع پہلے سے مل چکی تھی لیکن اسے روکنے کے بجائے "پراسرار خاموشی" اختیار کیے رکھی۔ امریکی دفاع کی از سر نو تعمیر کے عنوان سے یہ رپورٹ قدامت پسند تھنک ٹینک پروجیکٹ "فار

دی امریکن سنچری" نے تحریر کی تھی۔ اس منصوبہ کے مطابق انتظامیہ خلیج کے علاقہ کا فوجی کنٹرول چاہتی تھی چاہے صدام برسر اقتدار رہے یا نہ رہے۔ برطانیہ کو اپنا سب سے بڑا عالمی ساتھی قرار دیا گیا جبکہ شمالی کوریا، شام اور ایران کو خطرناک ممالک "برائی کا محور" قرار دیا گیا۔ 11 ستمبر سے افغانستان اور عراق پر حملہ کا منصوبہ بہت پہلے بن چکا تھا جس میں اسامہ کو گرفتار کرنا شامل نہ تھا۔ بلکہ اسکو زندہ رکھ کر عراق اور دیگر تیل سے مالا مال ذخائر کے حامل ممالک کے خلاف لشکر کشی اور غاصبانہ قبضہ کی راہ نکلتی رہے اور مسلمان ممالک کے وسائل پر قبضہ ہوتا رہے۔

اگر صہیونی تحریک کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اس ضمن میں اسرائیل کو اس دہشت گردی کا ذمہ دار قرار دینے کے امکانات موجود ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ بیسویں صدی کی دوسری جنگ (1939-45) کے دوران صہیونی دہشت گردی نے یہودی تارکین وطن کے ایک بھرے ہوئے بحری جہاز کو خود ڈبو دیا تھا جس میں ڈھائی ہزار یہودی، خواتین اور بچے شامل تھے جو موت کے آغوش میں سلا دیئے گئے اسکا سبب محض یہ تھا کہ برطانیہ نے ان تارکین وطن کو فلسطین میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی تھی۔

۲۔ عالمی رائے عامہ کو متاثر کرنے اور ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے ایک خونی ڈرامہ یہ بھی رچایا کہ بیت المقدس میں پرنس ایڈورڈ ہوٹل یہودیوں نے خود تباہ کیا جس میں ایک صد سے زائد افراد ہلاک ہوئے حتیٰ کہ اقوام متحدہ کے نمائندے پرنس برناڈوٹ کو بھی بیت المقدس میں قتل کر دیا اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اس کا تعلق جرمنی سے تھا۔

۳۔ 1967ء میں عرب اسرائیل جنگ سے قبل اسرائیل نے امریکی بحریہ کے ایک جنگی جہاز USS LIBERTY کو میزائل مار کر تباہ کر دیا تھا۔ اسکی اصل وجہ یہ تھی کہ اس جہاز نے مصر پر اسرائیل کے اچانک حملہ کا منصوبہ مانیٹر کر لیا تھا۔

اس لیئے یہ امکان کافی تقویت حاصل کر لیتا ہے کہ گیارہ ستمبر 1999ء کے حادثہ میں اسرائیل اور اسکی خفیہ ایجنسی موساد ملوث ہیں۔ جس کے لیے درج ذیل امور غور طلب ہیں:

(ا) ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر اور پنٹا گان پر حملہ آور ہونے والے جہازوں کے بلیک بکس مل گئے لیکن تا حال نہیں بتایا گیا کہ اُن سے کیا معلومات حاصل ہوئیں۔

(ب) گیارہ ستمبر کے واقعہ سے دو ماہ قبل جرمنی میں "اہم خفیہ اجلاس" کے بعد ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی عمارت کے یہودی مالک نے یہ عمارات دو اَرب اٹھائیس کروڑ ڈالر کے عوض فروخت کر دی تھیں۔ اور اس کی خبر اور واشنگٹن پوسٹ اور نیویارک ٹائمز میں سابق اور نئے مالک کی تصاویر کی ساتھ نمایاں طور پر شائع ہوئیں۔

(ج) حادثہ سے قبل اسٹاک ایکسچینج کی غیر معمولی سرگرمیاں نوٹ کرنے کے قابل ہیں۔ روز نامہ انڈی پنڈنٹ کے کمرشل نمائندہ خصوصی کے مطابق چھ ستمبر 1999ء (واضح رہے کہ 8 اور 9 ستمبر کو ہفتہ اور اتوار تعطیل عام تھی) امریکہ کی اُن دونوں فضائی کمپنیوں جنکے جہاز ٹکرا کر عمداً تباہ کرائے گئے اُن کے حصّص کی فروخت کی قیمت میں یکدم اضافہ اور حادثہ کے فوراً بعد گر گئی۔

(د) ایک دن میں یونائٹڈ ائیر لائن کے دو ہزار معاہدے ہوئے جو اس سے قبل یومیہ خرید و فروخت کے کاروبار سے 285 گناہ زیادہ تھے۔ اس دن ایک حصّہ کی قیمت 30 ڈالر تھی جو حادثہ کے بعد دس ڈالر رہ گئی۔ امریکن ائر لائن کے حصّص کی فروخت حادثے سے قبل دو تین اوسط سودوں کے مقابلہ میں ساٹھ گناہ ہوئے۔

(س) ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں قائم دو اہم بین الاقوامی مالیتی کمپنیاں یعنی مورگن اسٹینلے اور مارشل

اینڈ میکلینس کے حصّص اُن دِنوں میں علی الترتیب پچیس گناہ اور سو گنا زیادہ فروخت ہوئے۔سرمایہ کاری کے رُجحانات کے اہم ماہر جان نگارین اُن غیر معمولی سودوں پر اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ:

"جب ہم غیر معمولی سودوں کو دیکھتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ کچھ ہونے والا ہے۔(دی انڈی پنڈنٹ)"۔

لہذا صاف ظاہر ہے کہ چند لوگوں کو معلوم تھا کہ کچھ ہونے والا ہے اس لیے انہوں نے ان پیشگی معلومات حاصل ہونے کی وجہ سے کرڑوں ڈالر کما لئے۔

دہشت گرد ریاست"Rouge State"نامی کتاب کے مصنّف ولیم بیلم نے یورپ اور ایشائی مقامات بلکہ امریکہ میں کیمیائی وجراثیمی ہتھیار کے مبیّنہ طور پر القاعدہ کے عالمی منظّم گروہ کی جانب سے استعمال کے سلسلہ میں اسطرح قلمبند کیا ہے:

"اپنے دشمن کو نیست ونابود کرنے کے امریکہ کے پاس بہت سے طریقے ہیں۔ایک طریقہ تو

خطرات کا ازخود جنم دینا ہے۔خطرات کا وجود خود ہی پیدا کیا جاتا ہے اور پھر یہ اعلان کیا جاتا ہے

کہ امریکہ اس کی لپیٹ میں ہے۔نہ جانے کتنے ذہن اس قسم کے خطرات تخلیق کرنے میں ہمہ

وقت مصروف رہتے ہیں۔ اکتوبر 1999ء میں بھی امریکیوں کو حیاتیاتی ہتھیاروں کے متوقع

خدشات سے ڈرایا گیا تھا جس کا آغاز ABC کے NIGHT LINE کے عنوان

سے پانچ

حصوں پر مشتمل پروگرام نشر ہوا اس میں ایک امریکی شہری پر حیاتیاتی ہتھیاروں سے ہونے

والا فرضی حملہ دکھایا گیا۔ اس میں دہشت گردوں کے ایک گروہ نے شہر بھر میں ایتھریکس کے

چراثیم پھیلا دئے جس کے نتیجہ میں ہر طرف تباہی دہشت اور موت کے سناٹے کا راج ہوگیا"۔

اس کے فوراً بعد ٹیڈ کوپل نے واضح الفاظ میں امریکہ عوام کو باور کرایا کہ مستقبل قریب میں کسی وقت ایسا ہی حملہ ہوسکتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد ایف۔ بی۔ آئی نے اعلان کیا کہ

"متوقع دہشت گردوں کا پہلا نشانہ واشنگٹن ہوگا"

اسطرح ملک کے عوام میں خوف و ہراس پھیلنا لازمی سی بات ہے۔ امریکی طریقہ واردات یہی ہے کہ پہلے فرضی دشمن بنانا، اس دشمن کے فرضی وخطرناک عزائم سے دنیا اور خاص طور پر اپنی عوام کو ڈرانا پھر جب اُسے یقین ہوجائے کہ اب وہ اس دشمن سے اس حد خوف زدہ ہیں اور اس حد تک نفرت کرنے لگے ہیں کہ اگر امریکہ اخلاقی حدود کی تمام حدیں پھلانگ کر بھی اس دشمن کے خلاف کاروائی کرے تب بھی سب اس کا ساتھ دیں گے۔ یہ فضا بنانے کے بعد امریکہ حملہ آور ہوجاتا ہے۔ ایسے دشمن کا انتخاب کیا جاتا ہے جسکے بارے میں اسے یقین ہوتا ہے کہ یہ مستقبل میں مضبوط ہوکر اسکے مقابلہ میں کھڑا ہوسکتا ہے۔ امریکہ یہی طریقہ واردات عراق، افغانسان پر حملہ کرنے سے پہلے Attack on Freedom اور پھر "War on Terror" کے نام سے مہینوں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا سے مسلسل شب و روز پروپیگنڈہ

کر کے عوامی رائے عامہ ہموار کر کے دونوں اسلامی ممالک پر حملہ کیا اور امن وسلامتی کی تمام اقدار کو پامال کیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حرفِ آخر

دَورِ حاضر کے تقاضوں وجدید مسائل پر

جناب محترم مولانا محمد تقی امینی برصغیر کے مقتدر نامور عالم دین و فقیہہ

پرنسپل دارلعلوم معینیہ اجمیر شریف (بھارت)

ناظم دینیات ندوۃ العلماء (عالمی اسلامک یونیورسٹی) لکھنؤ یوپی (انڈیا) اور

مولانا سیّد ابُو الاعلیٰ مودودی داعیٔ احیائے دین ومفسّرِ قرآن بانی جماعت اسلامی

اچھرہ لاہور پاکستان کا اظہارِ خیال

☆

(معذرت نامہ مولانا عبدالماجد دریابادی۔ یو۔ پی۔ انڈیا)

"صدق جدید" دریاباد ضلع بارہ بنکی

یو۔ پی۔ انڈیا

۲ نومبر ۱۹۶۱ء عزیزم مکرّم! وعلیکم السّلام

طویل مکتوب اور اس سے بھی کہیں بڑھ کر طویل وعریض منشور (Manifesto) موصول ہوا۔ پورا پڑھنے کے لیے مستقل وقت لگانا پڑا۔ جزاک اللہ۔ لیکن اگر آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس طرح کی کوئی جامع۔ بربط، فاضلانہ کتاب یا انسائیکلوپیڈیا، چند گھنٹوں، چند دنوں یا چند ہفتوں میں قلم برداشتہ لکھی جاسکتی ہے تو یہ خیال تمام تر خام

ہے۔اس کے لکھنے کے لیے پورا وقت دینے اور تلاش، تحقیق، تدوین، اگر برسوں نہیں تو مہینوں تو بہر حال دینے کی ضرورت ہے۔

اپنی اُردو تفسیر پر جو کہ مفصّل نظر ثانی کر رہا ہوں اس میں سے بیشتر سوالات پر انشاء اللہ کچھ نہ کچھ روشنی پڑتی جائے گی لیکن ظاہر ہے کہ وہ محض ضمنی یا اجمالی ہوگی۔ تفصیلی و تحقیقی جواب کے لیے کسی اور صاحبِ قلم کو آمادہ کیجیے۔شرعی یا کسی حد تک معلوماتی انداز میں کچھ خدمت کر سکتا ہوں اس سے زیادہ کا نہ اہل ہوں نہ وقت رکھتا ہوں۔

دُعا گو:- عبدالماجد دریا باد ضلع بارہ بنگی

(سوالات و جوابات کی شکل میں)

﴿سوال نمبر 1﴾

بیسویں صدی کے اس مہذّب و ترقّی یافتہ دور کی رہنمائی بھی مذہبی نقطہ نظر سے " اسلام " کر سکتا ہے۔ یا عیسائیّت ؟

(ا): کیا انسان کو سیکولرازم یا دھریّت روحانی و مادی ترقّی کی معراج نصیب کرا سکتی ہے؟

(ب): بالخصوص کمیونزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے اور ختم کرنے کی صلاحیت کس میں ہے؟

﴿ جوابات ﴾

جناب مولانا محمد تقی امینی :

بنیادی طور پر پہلے چند باتیں سمجھ لینا ضروری ہے۔

(ا): موجودہ دور عمومی حیثیّت سے لا مذہبی دور ہے۔حکومتی سطح پر مذہب کی جو کچھ " نمود "

نظر آتی ہے وہ بڑی حد تک سیاسی مذہب کی ہے نہ کہ حقیقی مذہب کی۔
جب تک معاشرتی زندگی کی تنظیم وتشکیل میں دیانتداری کے ساتھ مذہبی زاویۂ نگاہ کارفرمانہ ہوگا اس وقت تک جزئی مسائل کی اصل حقیقت وافادیّت نہ برقرار رکھی جاسکے گی۔

(ب): موجودہ دور میں جن سیاسی ومعاشرتی نظریات کی کارفرمائی ہے۔انہوں نے بحیثیّت مجموعی ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کردی ہے کہ دل ودماغ بھی اس سمت جاپڑے ہیں۔جس سمت سے ہدایتِ الٰہی انہیں کھینچ کرلائی تھی۔ نیز زندگی کی مادی تعبیر وتوجیہ نے انسان کا رشتہ حیوانی نسل سے اس طرح جوڑ دیا ہے کہ اُس کے سارے مسائل میں بڑی حد تک حیوانی زاویۂ نگاہ ہی کارفرما بن گیا ہے۔

بخلاف اس کے ہدایتِ الٰہی نے انسان کی " نورانی اصل " تسلیم کی ہے اور یہی روح اس کے جملہ مسائل میں سرایّت ہے دونوں کے حل کئے ہوئے مسائل میں کسی لحہ بھی اس تفاوت کونظر انداز نہ ہونے دینا چاہیے۔ورنہ مذہبی مسائل کی خصوصیات سمجھ میں نہ آسکیں گی۔

(ج): موجودہ دورِ " ردعمل " کا دور ہے اس کے زاویہ نگاہ میں گذشتہ تفریط کے مقابلہ افراط ہے۔ہدایّتِ الٰہی زندگی میں " اعتدال " پیدا کرنا چاہتی ہے اور اسی کی مناسبت سے احکام وقوانین مقرر کرتی ہے۔اس لیے دونوں کے مسائل کا موازنہ کرتے وقت اس فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

(د): مسائل کا باہمی ربط وتسلسل اس طرح ہے کہ کسی ایک جزو کی افادیّت پورے نظام سے الگ کرکے نہیں قائم رکھی جاسکتی ہے۔پھر بعض احکام وقوانین مقاصد کے درجہ میں ہیں اور بعض وسائل وذرائع کے درجہ میں اور دونوں کی حیثیّتوں میں فرق ہے جب تک ہمہ جہتی نگاہ نہ ہو اور کلّی حکمت وعمومی اصول کے ماتحت مسائل کا مطالعہ نہ کیا جائے محض ایک جزو پر " ضابطہ "

کی بحث وتمحیص سے خاطر خواہ نتیجہ کی توقع نہیں ہے۔

(ر): ہدایتِ الٰہی بتدریج " زندگی اور مسائل میں اعتدال " پیدا کرنا چاہتی ہے اس کیلئے مختلف مراحل سے گزرنا اور موقع ومحل کی مناسبت سے مختلف تدبیریں اختیار کرنا ناگزیر ہے۔ مسائل کے سمجھنے میں ان مراحل وتدابیر سے صرف نظر نہیں کا جاسکتا ہے ورنہ اصل " ساخت " بگڑ جائے گی اور تقریباً ہر دور میں " مسائل " ناقابل عمل قرار پائیں گے مجموعۂ ہدایت (قرآن حکیم) کی تکمیل ۲۳ سال کی مدت میں ہوئی ہے۔ اگر دفعتہً فضاء ہموار ہوکر "انگیز" کے قابل بن جایا کرتی تو یکبارگی مکمل کردینے میں کیا دشواری تھی؟

اسی طرح نبوّت (جو مافوق العادت اوصاف سے آراستہ تھی) ایک عرصہ تک اپنے کارخانہ میں افراد کو ڈھالتی اور سنوارتی رہی۔ نیز تمام آبادی سے اپنی افادی حیثیت منواتی اور غیر جارحانہ عمل کا ثبوت فراہم کرتی رہی جب ایک معتد بہ جماعت تیار ہوگئی ادھر اصول ونظریات سے اختلاف رکھنے والی آبادی بھی معاہدات وغیرہ کے ذریعہ غیر جانبدار اور پرسنل معاملات میں غیر دخیل بن گئی تو خلافت الٰہیہ وجود میں آکر اپنے " کاز " کو آگے بڑھانے لگی۔ اگر یہ سارے امور ابتدائی مرحلہ میں انجام پاسکتے اور مختلف مراحل سے گذرنا ان کی فطرت میں ودیعت نہ ہوتا تو ثبوت کو تائید غیبی کے باوجود اتنا طویل عرصہ طے کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اگر اسلامی اسٹیٹ کے اعلان سے " خلافت " وجود میں آجایا کرتی تو نبوّت کو خداداد بصیرت کے باوجود وہ وسائل و ذرائع نہ اختیار کرنے پڑتے جو خلافت کو "بروئے کار لانے کے لئے ناگزیر تھے، غرض "ہدایت" کے مسائل میں ایک خاص ترتیب وتنظیم ہے جو اسی وقت ٹھیک سمجھے جاسکتے ہیں جبکہ معاشرتی احوال وکوائف پر نظر اور ان کی وجہ سے ہونے والی تبدیلیوں سے واقفیت ہو۔ ان چند تمہیدی اشارات کے بعد اصل سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمایئے

(1)۔ دُنیا نے ہدایتِ الٰہی کی رہنمائی چھوڑ کر کیا کھویا اور کیا پایا؟ یہ ایک مستقل اور وسیع بحث ہے البتہ اس حقیقت سے انکار نہیں ہوسکتا کہ دُنیا اپنی تمام تر ترقیّات کے باوجود عقل کو جذبات پر فتح مند بنانے کے لیے اب تک کوئی "مشین" نہ ایجاد کرسکی۔ نیز قومی و وطنی حد بندیوں سے بالا ہوکر عقل کو خالص انسانی نظر سے محبّت و مروّت کا "زاویہِ نگاہ" دینے کے لیے کوئی معقول "تدبیر" نہ سوچ سکی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آئے دن فطرتِ انسانی کو چیلنج دینے والے بے شمار مسائل پیدا ہوتے رہے اور انسانیّت کی نئی تعبیر و توجیہ، کے باوجود وہ حل ہوتے نہیں نظر آرہے ہیں اس کے علاوہ رفتہ رفتہ زندگی میں ایسے "جراثیم" پیوست ہوتے جارہے ہیں کہ اُن کی وجہ سے موجودہ تہذیب بوسیدہ اور تمدّن کا دشمن بن رہے ہیں۔

اس صورت حال کو ظاہر بین اور سطحی نظریں اگرچہ ابھی محسوس نہیں کررہی ہیں لیکن حقیقت میں نظروں سے یہ پوشیدہ نہیں ہے وہ اس سے سخت مضطرب اور انجام سے نہایت خائف ہیں جیسا کہ وقتاً فوقتاً ان کے بیانات سے وضاحت ہوتی رہتی ہے۔

یہ صورت حال زیادہ دن نہ برداشت ہوسکے گی۔ چاروناچار آتش فشاں پہاڑ پر بیٹھی ہوئی انسانیّت کے تحفّظ و بچاؤ کی فکر ہوگی اور پھر ایسی رہنمائی کی تلاش ہوگی جو جذبات کی سرمستیوں اور شعلہ باریوں کو روک لگا سکے نیز عقل کو قلب کی تربیّت گاہ میں کے جاکر عمومی محبّت و مروّت کی "چاشنی" اس کو عطا کرسکے۔

اس قسم کی رہنمائی ہدایتِ الٰہی کے دامن میں پناہ لینے ہی سے میسّر آسکتی ہے کہ اس میں انسان کو بجائے "دور بینی" کی نگاہ کے حقیقت بینی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور زندگی کے باریک "تاروں" کے عمل وردِّعمل کا جائزہ لے کر حالات و مسائل میں رہبری کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں تاریخ وفلسفہ تاریخ کی شہادت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ انسان اپنی زندگی اور اس سے متعلق مسائل حل کرنے میں مسلسل گردش سے گزرتا رہا ہے افراط و تفریط کی مختلف راہوں سے گزر کر بالآخر اس منزل پر پہنچا ہے جہاں سے گردش کی ابتدا ہوئی تھی

-

اس دور کا انسان بھی مختلف راہوں اور " ازموں" کا تجربہ کر کے " انتہا" کے قریب آ پہنچا ہے جب یہ " انتہا" اپنے تکمیل مراحل طے کر لے گی تو پھر ابتداء اسی مقام سے ہوگی جس کا نقطۂ آغاز مذہب تھا اور اس میں انسان کی اصل " نورانی" تھی یہی وہ مقام ہوگا کہ انسان کی رہنمائی کے لئے ہدایتِ الٰہی کی روشنی میں عقل وقلب کا" آمیزہ" تیار ہوگا اور پھر موجودہ مادیّت روحانیّت کی چاشنی حاصل کر کے انسان کو معراج کمال پر پہنچانے کے قابل بن سکے گی۔ جیسا کہ دور اوّل میں اس وقت کے لحاظ سے کہ کمال حاصل ہو چکا ہے۔

یہی صحیح ہے کہ عرصہ سے مذہب کے نام پر عمومی حیثیّت سے اس کی جس طرح نمائندگی ہو رہی ہے وہ واقعی اس قابل نہیں کہ انسان کے اندر افادیّت وصلاحیّت کے "جوہر" نمایاں کر کے اقدام، عزم، شجاعت وغیرہ زندگی کے " عناصر" پیدا کرے اور کسی خوش آئند حال وہ مستقبل کی نشاندہی کرے۔

اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا ہے کہ موجودہ "سیاست "نے انسان کے کل پُرزے اس قدر ڈھیلے کر دیئے ہیں کہ وہ حد سے زیادہ خودغرض اور ناعاقبت اندیش بن گیا ہے اس کے اندر انتہائی سطحیّت اور خودفریبی آ گئی ہے جس کی بناء پر مذہب کی گہرائی وعالی حوصلگی کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ لیکن یہ حقیقت بھی مسلّم ہے کہ " ضرورت ایجاد کی ماں ہے" زندگی کے بہت سے مسائل حل کرنے کے لئے موجودہ دور کی خوردبینی کی نگاہیں بیکار ثابت ہو رہی ہیں ان کے

حل کے لئے ایمان و وجدان کی حقیقت بینی والی نگاہوں کے بغیر چارہ نہیں رہ گیا ہے۔ جن کی سچی نمائندگی سچّا مذہب ہی کرسکتا ہے جو غیر شعوری طور پر حقیقت کا احساس پیدا کر کے اس تک پہنچاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ دنیا نے کسی ناگہانی واتفاقی حادثہ کی بنا پر نہیں بلکہ فطری رفتار کے مطابق بتدریج ترقّی کی منزلیں طے کی ہیں۔ یہ بھی واضح ہے کہ معلومات وانکشافات کے نئے وسائل وذرائع نے انسان کے ذہن ومزاج میں بڑی حد تک تبدیلی کردی ہے۔ اب وہ ہر چیز کو تجربہ کی کسوٹی پر درست ہے اور افادیّت وصلاحیّت کے پیمانہ سے ناپنے لگا ہے ایسی حالت میں توقع رکھنا فضول ہے کہ جب وہ مذہب کی طرف مائل ہوگا تو ہر مذہب یا اس کی ہر بات کو بغیر سوچے سمجھے قبول کرے گا اور ٹکراؤ کی صورت میں علم وتحقیق کے مسلّمہ ذخیرہ کو نذر آتش کردے گا۔ بلکہ اس کی نظر میں وہی مذہب قابل قبول بن سکے گا جو علم وحکمت کا علمبردار اور افادیّت وصلاحیّت کے پیمانہ پر ٹھیک اُترتا ہو اور وہی بات قابل وقعت بن سکے گی جو عقل وتجربہ کی کسوٹی پر کسے جانے کے لائق ہو۔

مذاہب عالم کی موجودہ تعلیمات کے مطالعہ سے یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ مذکورہ معیار کے مطابق ہونے کی صلاحیت آخری مجموعہ ہدایت (قرآن حکیم) کی تعلیمات ہی میں ہے۔

اس نے اپنے دور اوّل میں انسان کی داخلی تبدیلی کے ذریعہ زندگی کے "ان تاروں" کے چھیڑنے میں یقیناً کامیابی حاصل کرلی تھی جو عقل کو جذبات پر فتح مند بناتے اور اس کو عمومی محبت ومروّت کی چاشنی عطا کرتے ہیں۔ اس کی تعلیم زندگی کے کسی ایک گوشہ تک محدود نہ تھی بلکہ اجتماعی وتمدّنی زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی اور ان کے مسائل کو عدل ورحمت کی فضاء میں

حل کرنا تھا۔ وہ مطالعہ اور فطرت کا داعی نیز " معجزات " کے ذریعہ بعد کے سائنٹفک دور کی نشاندہی کرنے والا تھا۔

چنانچہ جن لوگوں نے قرآن حکیم کی تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے انہیں اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ سائنٹفک دور کا آغاز چودھویں صدی عیسوی سے نہیں بلکہ نزول قرآن کی تاریخ (چھٹی صدی عیسوی) سے ہوا ہے اسی نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں (آفتاب و ماہتاب سے لے کر ذرّہ تک) اپنی اصلی ساخت اور مقصد کے لحاظ سے انسان کی خدمت گذاری کے لئے پیدا ہوئی ہیں اور انسان کو یہ اہلیّت دی گئی ہے کہ وہ عقل و تجربہ کی رہنمائی سے ان پر قابو حاصل کر کے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ دنیا کے دیگر مذاہب سائنس کے "عناصر" کو مافوق القوۃ اور مقدّس اشیاء سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے یا مطالعہ فطرت کو مذموم سمجھ کر اس کی جانب توجہی کرنے والے کا بھوت پریت سے تعلّق "جوڑتے" تھے۔

قرآن حکیم کے اسی نظرّیہ کے ماتحت بعد کے ہر دَور میں اس کی صلاحیّت وضرّورت کے لحاظ سے کام ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ یورپ کو یہ نظرّیہ دے کر اس قابل بنایا کہ وہ "نشاۃ ثانیہ" کی بنیاد رکھ سکے۔ اس سلسلہ میں یورپ کے مختلف محققین و مورخّین مثلاً جان ڈیون پورٹ۔ رینان۔ ڈاکٹر جوزیف ہیل اور گستوارکس وغیرہ نے اس قدر مواد فراہم کر دیا ہے کہ ثبوت کے لئے مزید شہادت کی ضرورت نہیں باقی رہ گئی ہے (اس سلسلہ میں راقم الحروف کی کتاب " عروج وزوال کا الٰہی نظام " بھی مفید رہے گی جو ندوۃ المصنفین دھلی سے شائع ہوئی ہے)

البتہ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ہدایتِ الٰہی کا یہ منصب کبھی نہیں رہا ہے کہ وہ سائنس و طبیعات کے ذریعہ کائنات کی نیرّنگیوں کی تحقیقات کرتی پھرے اور نئے نئے " فارمولیٰ "

وضع کر کے نوع بنوع رازہائے فطرت کے انکشاف کو اپنے ذمہ لے بلکہ اس کا اصل منصب یہ ہے کہ

خود انسان کو اس کے اصلی رنگ و روپ میں پیش کرے اس کی تخلیقی قوتوں کو فطری صلاحیتوں کے استعمال کرنے کے اصول سمجھائے تا کہ انسان دنیا میں اپنے مقام اور کام کی سمتوں کا تعیّن کر کے اپنے فرائض کی ٹھیک بجا آوری کرے۔

یہی وجہ ہے کہ " ہدایت " نے مادی ترقیّات میں صرف مرکز اور سمت متعیّن کرنے پر اکتفا کیا ہے اور حالات و زمانہ کے تقاضہ کی مناسبت سے عقل و تجربہ کی رہنمائی کو کافی قرار دیا ہے کہ مرکز اور سمت کی تعیّن کے بعد استعمال کے مضر اثرات سے تحفّظ کا بڑی حد تک اہتمام ہوسکتا ہے۔

مذہب عیسائیّت کے بارے میں جو اپنے سوال کیا ہے تو اُس میں شک نہیں کہ جہاں تک اس کی اصل تعلیم اور روح کا تعلّق ہے اس میں اپنے دور کے تمدّنی و اجتماعی مسائل حل کرنے کی صلاحیّت تھی جیسا کہ ڈاکٹر جوزیف ہبل کی تحقیق ہے۔

"انبیاء و رسل اور بانیان مذہب نے اپنے زمانہ اور اپنی قوم کی تہذیب و تمدّن میں حصّہ لیا ہے لیکن جو عالمگیر تبدیلیاں اسلام سے براہ راست نہایت سرعت کے ساتھ مرتب ہوئی ہیں ان کی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں ملتی ہے " (تمدن عرب صفحہ نمبر ۲۳)

مذہب کی تاریخ میں بھی اس کی شہادت موجود ہے چنانچہ

وَكَذٰلِكَ كُلَّ نَبِيٍّ اسْتَخْلَفْنٰهُمْ فِي عِمَارَةِ الْاَرْضِ وَ

سِيَاسَةِ النَّاسِ وَ تَكْمِيْلَ نُفُوْسِهِمْ تَنْ فِيْذَ اَمْرَهُ فِيْهِمْ (
بیضاوی صفحہ نمبر ۵۹)

"اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو زمین آبادکاری میں لوگوں کی سیاست میں ان کے نفوس کی تکمیل میں اور ان میں اللہ کا حکم نافذ کرنے میں اپنا خلیفہ بنایا "

ان تصریحات کی موجودگی میں " روسو" کا قول بے بنیاد ہے کہ

"حضرت مسیح علیہ السّلام دنیا، میں ایک روحانی سلطنت قائم کرنے کے لئے تشریف لائے جس نے مذہبی اور سیاسی نظام کو جدا کر کے ریاست کی وحدت بنادی اور اندرونی تفرقے پیدا کر دیئے جنہوں نے عیسائی اقوام کو کبھی چین نہ لینے دیا" (معاہدہ عمرانی صفحہ نمبر ۲۳۸)

دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں دین اور دنیا مذہب اور سیاست کی تفریق نہ تھی بعد میں ان کے ماننے والوں نے تفریق پیدا کی اس بنا پر " روسو" کا الزام حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر نہیں بلکہ ان کے ماننے والوں پر درست ہوسکتا ہے۔ مغالطہ کی وجہ بھی یہی ہے کہ عیسائیت کے نام پر مروجہ مذہب کو اصل مذہب سمجھ لیا گیا۔ اور اسی الزام میں ایک مستقل عمارت تعمیر کر دی گئی۔

صورت یہ ہوئی کہ عیسائیت کو ابتدا ہی میں یہودی مذہب و ذہنیت سے ایسا شدید قسم کا ٹکراؤ ہوا کہ اس نے اُس کو مٹانے اور نیست و نابود کرنے کا تہیہ کر لیا اور سازشیں کرتے رہے ادھر رومن حکومت کی جانب سے بروقت ایسی پشت پناہی نہ میسرّ آسکی کہ اس کے حدود خطوط کے مطابق حکومت تشکیل ہو کر تہذیب و تمدّن میں اس کی تعلیمات رواں دواں بن سکتیں۔

ظاہر ہے کہ یہ صورت معتقدّین و متبعیّن کے لئے نہایت روح فرسا اور مایوس کن تھی

حالات سے مجبور ہو کر " پولوس" نے یہی طریقہ کار آسان سمجھا کہ وہ مسیحی تعلیم کے روحانی واخلاقی حصّہ پر زیادہ زور دیں اور شرعی ومعاشرتی یا تہذیبی وتمدّنی پہلو کو نظر انداز کر دیں۔ پھر یہودیوں کے مزاج میں جس قدر " درشتی" پیدا ہو گئی تھی اور انہوں نے دین کی اصلی تعلیم اور روح کو پس پشت ڈال کر محض " مراسم" کی پرستش کو اصل مذہب سمجھ لیا تھا اس افراط کا تقاضہ یہی تھا کہ روحانیّت پر اتنا زیادہ زور صرف کیا جائے کہ آنے والے دور میں اعتدال کے لئے راہیں ہموار ہو سکیں۔ چنانچہ موجودہ عیسائیّت میں بھی عفو ودرگذر اور رحم وکرم وغیرہ کی بعض مثالیں اس قسم کی موجود ہیں جنہیں معتدل معاشرہ کے لئے کسی طرح موزوں نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسکے علاوہ مسیحی تعلیم کے ساتھ ایک زیادتی یہ ہوئی کہ اس کی تدوین وحفاظت کا کوئی معقول بندوبست نہ ہو سکا۔ مسیحی مذہب کے بارے میں معلومات کے مستند ترین ذرائع چار انجیلیں مانی جاتی ہیں (۱)۔ متی (۲)۔ مرقس (۳)۔ لوقا (۴)۔ یوحنّا۔ ان کی حیثیّت کلام الٰہی یا کلام مسیحؑ علیہ السّلام کی نہیں ہے بلکہ " انسائیکلوپیڈیا" کی تصریح کے مطابق ان چار تذکروں کی ہے جو عہد نامہ جدید میں مسیحؑ کی زندگی تعلیمات اور کردار کے متعلق ملتے ہیں پھر ان کے مصنفیّن کی زندگی کے حالات کے بارے میں اب تک تفصیلی تحقیق نہ ہو سکی کہ یہ کون لوگ تھے؟ حضرت مسیحؑ یا ان کے کسی حواری کی صحبت بھی میّسر آئی تھی یا نہیں؟ ویسے بھی یہ کتابیں نہ سریانی زبان میں تھیں اور نہ عبرانی زبان میں بلکہ مسیح کے زمانہ کو ایک مدّت گزرنے کے بعد یونانی زبان میں لکھی ہوئی ملیں غرض یہ وجوہ اسباب تھے جن کی بنا پر مسیحؑ علیہ السّلام کی اصلی تعلیم کے کل حصّے منظر عام پر نہ آ سکے اور موجودہ دنیا کے "خاموش نگاروں" کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ

" وہ صرف روحانی سلطنت قائم کرنے آئے تھے اور مذہبی وسیاسی نظام میں

جدائی کر کے ریاست کی وحدت مٹادی اور اندرونی تفرّقہ پیدا کر دئے"۔

رہی یہ بات کہ موجودہ دور میں عیسائیت انسان کو معراج کمال پر پہنچا سکتی ہے اور اس میں نت نئے حالات و مسائل حل کرنے کی صلاحیّت ہے؟ اگر یہ بات کسی درجہ میں بھی صحیح ہوتی تو مذہبی دور سے سابقہ ہی نہ پڑتا اور دنیا مذہب کو خیر باد کہہ کر " سیکولرازم " یا " کمیونزم " کے دامن میں پناہ نہ ڈھونڈھتی۔

یہ اس لئے کہ " نشاۃِ ثانیہ " کی ابتداء میں اس کے نوک پلک درست کرنے والے مذہبی ہی لوگ تھے اور " لوتھر " وغیرہ کی مذہبی و اصلاحی تحریک کا اثر اس قدر ہمہ گیر مانا جاتا ہے کہ بعد کی ہر تحریک میں مذہبی جذبہ کی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے چنانچہ " ڈلتھائی " نے مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے کہ جرمنی۔ انگلستان اور فرانس وغیرہ کی علمی و فلسفیانہ تحریکات کے نشو ونما میں مذہب ہی کارفرما تھا نیز مغرب کی جدید روح ایک وسیع مذہبی تصوّر کا نتیجہ ہے۔

نظرّیہ ارتقاء کے بارے میں بھی بعضوں کا خیال ہے کہ اس کی بنیاد مذہبی تصوّر پر قائم ہے کیونکہ اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ارتقاء ہے اور سب سے اعلیٰ خدا ہے۔ (مقدمہ پستانوری کا فلسفہ تمدن و تعلیم) اس نظرّیہ میں یہ تصوّر مان لینے سے یہ شبہ ضرور ہوتا ہے کہ جب انسان ابتدائی حالت میں حیوان تھا تو کیا اس وقت بھی مذہبی جذبہ کارفرما تھا؟ لیکن اس کا جواب ماہرین نفسیّات نے یہ دیا ہے کہ مذہبی جذبہ کا تعلّق کسی ایک جذبہ کے ساتھ مشروط نہیں ہے بلکہ یہ چند جبلّتوں کے آپس میں امتزاج اور عمل کا نہایت پیچیدہ اور عجیب و غریب نتیجہ ہے۔ ان چند جبلّتوں کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ مذہبی نوعیّت کی ہوں بلکہ دو یا چند چیزیں جب الگ الگ رہتی ہیں تو ان کے خواص و اثرات مختلف ہوتے ہیں اور جب مل جاتی ہیں تو ان کے خواص و اثرات میں یکسر تبدیلی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح دو متضاد وصف کے آپس میں اشتراک وامتزاج سے ایک تیسرا وصف پیدا ہوجاتا ہے جو ان کی انفرادی نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔اس بناء پر مذکورہ جبلّتیں اگرچہ مذہبی نوعیت کی نہ تھیں لیکن بتدریج ترقی کے نتیجہ میں " تاثیر اور تاثر " کا جو عمل ان میں ہوا اس عمل کے نتیجہ میں مذہبی جذبہ نمودار ہوکر انسان کی جبلّت میں داخل ہوگیا۔(معاشرتی نفسیات صفحہ نمبر ۸۵)

مذہب کے اسی عالمگیر اثر کو محسوس کر کے "یورپ" کے مصنفوں نے لکھا ہے کہ مذہبی جبلّت انسان کی اساسی صفتوں میں داخل ہے اور ڈاکٹر " ریناں " نے کہا ہے کہ مذہبی جبلّت انسان میں ایسی ہی ہے جیسے "چڑیوں میں گھونسلہ بنانے کی جبلت ہے" ((معاشرتی نفسیات صفحہ نمبر ۸۵)

نٹیشے ۔کائٹ۔پستانوری۔وغیرہ کہتے ہیں کہ نفس انسانی کا جوہر مذہبی احساس ہے اور تمدّنی زندگی کے لئے مذہب بمنزلہ روح کے ہے۔(پستانوری کا فلسفہ صفحہ نمبر ۱۸۵)

غرض موجودہ دور میں مذہب کے مذکورہ وسیع اثرات مسلّم ہوں یا نہ ہوں لیکن یہ حقیقت بہرحال مسلّم ہے کہ مذہبِ عیسوی زندگی کے ایسے اقدار دینے میں ناکام رہا جو "نشاۃ ثانیہ" کے مختلف گوشوں میں رہبری کے فرائض انجام دے سکتے نیز اس میں بالخصوص تمدّنی و اجتماعی مسائل حل کرنے کی صلاحیّت مفقود تھی۔اس کے "جدید ایڈیشن" سے بعض اصلاحات ضرور ہوئیں لیکن ساتھ ہی فرقہ وارانہ خونریزی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔اور نہ صرف یہ کہ جدید زندگی داعی کی ضروریات کو وہ " انگیز " نہ کرسکا بلکہ سمجھنے سے بھی بڑی حد تک قاصر رہا۔

دراصل یہ "جدید ایڈیشن" فکر وعمل کا کوئی مستقل نظام نہ تھا بلکہ "یورپ" کے طرز عمل کے خلاف صدائے احتجاج کی صورت میں منظر عام پر آیا تھا، اور "ردّعمل" کے طور پر

صرف چند خرابیوں کے دور کرنے میں اس کا اثر ظاہر ہوا تھا۔ مثلاً یہ کہ یورپ کی غلامی کا جوا، اتار پھینکا گیا تھا" گرجا" سے حضرت مریم وعیسیٰ علیہ السّلام کے مجسمے نکالے گئے تھے اور بعض اس قسم کے مسائل کی اصلاح ہوئی تھی جن کا زندگی کے حقائق وناگزیر حالات سے زیادہ تعلّق نہ تھا۔

اس اصلاح شدہ " ایڈیشن" کو نہ اصول فطرت کے مطابق بنانے کی کوشش ہوئی تھی اور نہ ہی اجتماعی وتمدّنی مسائل سے اس کا تعلق جوڑا گیا تھا۔

لیکن خوش قسمتی سے یہ اصلاحی تحریک ایسے دور میں ظاہر ہوئی جبکہ "یورپ" میں زندگی کے آثار نمایاں تھے اور اس کی اندرونی قوّتیں زوال کی انتہائی منزلوں سے گذر کر مائل بہ عروج ہو چلی تھیں۔ اس بنا پر عمومی حیثیّت سے ابتدائی مرحلہ میں اس کے اثرات خوش آئند ثابت ہوئے ۔ پھر قوم جب ابتدائی مرحلات طے کر کے تمدّنی واجتماعی مسائل کی طرف متوجہ ہوئی تو اس کی تنگ دامنی حائل بنی اور مجبوراً اس کو دوسری راہ اختیار کرنی پڑی۔

ایک طرف ذہنی وفکری اور عملی زندگی کی وسعتیں تھیں اور دوسری طرف مذہب کی تنگدامنی و بے بسی تھی دنیوی ضرورت کی نیرنگیاں سمٹ کر اس مذہب میں سما نہ سکتی تھیں۔ اور مذہب کی تنگدامنی ان نیرنگیوں کو جذب کرنے کی صلاحیّت نہ رکھتی تھی۔

ایسی صورت میں شدید قسم کا " ردِّ عمل " ہونا لازمی تھا چنانچہ بالآخر یہی ہو کر رہا اور دنیائے مذہب کو خیر باد کہہ کر مذہب کی جگہ لینے کے لئے مختلف "ازم" ایجاد کرنے شروع کر دئے جس میں انسانیّت کی نئی تعبیر وتوجیح ہوئی اور وہ " اقدار" جن سے انسانیّت نشوونما اور بالیدگی حاصل کرتی تھی نیز وہ اخلاق جو روحانی پاکیزگی کے طور پر اختیار کئے جاتے تھے سب "سیاست" کی نذر ہو گئے اور موجودہ دور کا " انسان" ایک عجیب وغریب مخلوق بن

کررہ گیا۔ (مزید تفصیل راقم الحروف کا مقالہ لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر میں دیکھنا چاہیے ۔جو برہان جنوری ۶۱ء سے شائع ہوتا رہا ہے۔)

"نشاۃِ ثانیہ" کی ابتداء میں اصلاح شدہ مذہب کے جو اثرات مرتّب ہوئے ہیں ان میں کس قسم کے داخلی و خارجی محرّکات تھے؟ نیز مذہب نے اس وقت کی زندگی کو کیا دیا؟ اور زندگی نے مذہب کو کیا عطا کیا؟ مصلحین میں کون سی بیرونی روح سرایت تھی اور کس تعلیم سے وہ متاثر تھے؟ یہ ساری بحثیں وسیع اور تفصیل طلب ہیں سوال کے دائرہ سے بھی خارج ہیں

۔

جناب مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی :

1۔ یہ سوال کئی سوالات کا مجموعہ ہے۔اس لئے اسکے ایک ایک جزو پر علیٰحدہ بحث کرنی ہوگی۔

(ا)۔ جہاں تک عیسائیت کا تعلّق ہے اس دور کی رہنمائی سے وہ پہلے ہی دستبردار ہوچکی ہے۔ بلکہ

درحقیقت وہ کسی دور میں بھی انسانی تہذیب وتمدّن کی رہنمائی نہیں کرسکی ہے۔عیسائیت سے مراد، اگر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی وہ تعلیمات ہیں جو اب عیسائیوں کے پاس ہیں تو بائبل کے عہد جدید کو دیکھ کر ہر شخص معلوم کرسکتا ہے کہ وہ انسانی تہذیب وتمدّن کے متعلق کیا رہنمائی اور کتنی رہنمائی کرتی ہے؟ اس میں بجز چند مجرّد (Abstract) اخلاقی اصولوں کے سرے سے کوئی چیز موجود نہیں جس سے انسان اپنی معاشرت اور اپنی معیشت اور عدالت اور سیاست اور قانون کے متعلّق کوئی ہدایت حاصل کرسکے۔لیکن اگر عیسائیت سے مراد وہ نظام زندگی ہے جو عیسائی پادریوں نے بنایا تھا تو سب کو معلوم ہے کہ یورپ میں احیائے علوم کی نئی تحریک کے رونما ہونے کے بعد وہ ناکام ہوگیا اور مغربی قوموں نے اس کے بعد جتنی کچھ بھی مادی ترقّی کی

وہ عیسائیت کی رہنمائی سے آزاد ہو کر ہی کی ہے۔ اگرچہ اسلام کے خلاف عیسائیت کا تعصب اور عیسائیت کے ساتھ ایک جذباتی تعلق ان میں اس کے بعد بھی موجود رہا اور اب بھی ہے۔

(ب)۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ اپنے آغاز ہی سے تمدّن و تہذیب کے معاملے میں نہ صرف یہ کہ رہنمائی کرتا رہا ہے بلکہ اس نے خود اپنا ایک مستقل تمدّن اور اپنی ایک خاص تہذیب پیدا کی ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق قرآن مجید نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو ہدایت نہ دی ہو اور ان ہدایات کے مطابق علمی ادارے قائم نہ کر دیئے ہوں یہ چیزیں جس طرح ساتویں صدی عیسوی میں قابل عمل تھیں۔ اس طرح اس بیسویں صدی میں بھی قابل عمل ہیں اور ہزاروں برس آئندہ بھی انشاء اللہ قابل عمل رہیں گی۔ اس ترقی یافتہ دور میں کسی ایسی چیز کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی جس کی وجہ سے اسلام آج نہ چل سکتا ہو یا انسان کی رہنمائی نہ کر سکتا ہو۔ جو شخص اس معاملہ میں اسلام کو ناقص سمجھتا ہو۔ یہ اس کا کام ہے کہ کسی ایسی چیز کی نشان دہی کرے جس کے معاملے میں اسلام اس کی رہنمائی سے قاصر نظر آتا ہو۔

(ج)۔ سیکولرازم یا دہریّت درحقیقت نہ کسی روحانی ترقّی میں مددگار ہیں اور نہ مادی ترقّی میں معراج نصیب کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے؟ میں یہ سمجھتا ہوں کہ موجودہ زمانے کے اہل مغرب نے جو ترقّی مادّی حیثیّت سے کی ہے وہ سیکولرازم یا مادّہ پرستی یا دہریّت کے ذریعہ سے نہیں کی بلکہ اُس کے باوجود کی ہے۔ مختصراً میری اس رائے کی دلیل یہ ہے کہ انسان کوئی ترقّی اس کے بغیر نہیں کر سکتا کہ وہ کسی بلند مقصد کے لئے اپنی جان و مال اپنے اوقات اور محنتوں کی اور اپنے ذاتی مفاد کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو۔ لیکن سیکولرازم اور دہریّت ایسی کوئی بنیاد فراہم کرنے سے قاصر ہیں جس کی بناء پر انسان یہ قربانی دینے کو تیار ہو سکے اسی طرح کوئی انسانی ترقّی اجتماعی

کوشش کے بغیر نہیں ہوسکتی اور اجتماعی کوشش لازماً انسانوں کے درمیان ایسی رفاقت چاہتی ہے جس میں ایک دوسرے کے لئے محبّت اور ایثار ہو۔ لیکن سیکولرازم اور دھریّت میں محبّب وایثار کے لئے کوئی بنیاد نہیں ہے اب یہ ساری چیزیں مغربی قوموں نے مسیحیّت سے بغاوت کرنے کے باوجود اُن مسیحی اخلاقیات ہی سے لی ہیں جو ان کی سوسائٹی میں روایتاً باقی رہ گئی تھیں۔ ان چیزوں کو سیکولرازم یا دہریّت کے حساب میں درج کرنا غلط ہے۔ سیکولرازم اور دہریّت نے جو کام کیا ہے وہ یہ کہ مغربی قوموں کو خدا اور آخرت سے بے فکر کر کے خالص مادّہ پرستی کا عاشق اور مادی لذات وفوائد کا طالب بنا دیا ہے مگر ان قوموں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جن اخلاقی اوصاف سے کام لیا وہ ان کو سیکولرازم یا دہریّت سے نہیں ملے بلکہ اُس مذہب ہی سے ملے جس سے وہ بغاوت پر آمادہ ہوگئے تھے۔ اس لئے یہ خیال کرنا سرے سے غلط ہے کہ سیکولرازم یا دہریّت ترقّی کی موجب ہیں۔ وہ تو اس کے برعکس انسان کے اندر خودغرضی، ایک دوسرے کے خلاف کشمکش اور جرائم پیشگی کے اوصاف پیدا کرتی ہیں۔ جو انسان کی ترقی میں مدد گار نہیں بلکہ مانع ہیں۔

(د)۔ کمیونزم کے سیلاب کو روکنے کی صلاحیّت کسی ایسے ہی نظام زندگی میں ہوسکتی ہے جو انسانی زندگی کے عملی مسائل کو اُس سے بہتر طریقہ پر حل کر سکے اور اس کے ساتھ انسان کو وہ روحانی اطمینان بھی بہم پہنچا سکے جس کا کمیونزم میں فقدان ہے۔ ایسا نظام اگر بن سکتا تو صرف اسلام کی بنیاد پر بن سکتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سوال نمبر 2

اگر بیسویں صدی میں بھی اسلامی نظام قابل نفاذ ہے تو موجودہ رجحان ونظریات کی جگہ لینے میں جو مشکلات یا موانع (Handicaps) درپیش ہوں گی، ان کا بہترین حل ابن خلدون کے ہر دو نظریہ حکومت وریاست یعنی "الخلافت" یا "الحکومت" کس سے ممکن ہے؟

جوابات

مولانا محمد تقی امینی:

(2): کسی نظام کے قابل نفاذ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ "آنِ واحد" میں سارے جزئیات وفروغ نافذ ہوکر معاشرتی زندگی میں اپنے اثرات مرتّت کرنے لگیں۔

اور اگر معاشرتی ناہمواری وفریب خوردگی کی بناء پر ایسا ہوتا نہ نظر آئے تو فیصلہ کر دیا جائے کہ موجودہ دور میں یہ نظام ہی نفاذ کے قابل نہیں ہے۔

پھر اسلام اوپری سطح کی چند خرابیاں دور کر کے انہیں اعمال واخلاق پر زیادہ زور نہیں دیتا جو قومی ترقّی وسربلندی کے لئے محض قومی پیمانہ پر اپنائے جاتے ہیں اور ان کا اثر مادی ترقیات کی حد تک محدود رہتا ہے۔ بلکہ اس کی اوّلین توجہ اندرونی قوّتوں کی اصلاح پر ہوتی ہے اور اسی کے ذریعہ زندگی میں ایسا کردار پیدا کرتا ہے۔ جو روحانی پاکیزگی کی راہ سے ابھرتا اور نشوونما حاصل کرتا ہے۔

یہ کردار قوم وجماعت کے دائرہ تک محدود نہیں رہتا ہے بلکہ اس میں نیابت الٰہی کی شان جلوہ گر ہوتی ہے اور " تخلقوا باخلاق اللہ " (الحدیث) (اللہ کے اخلاق کو اپنے اخلاق بناؤ) کی ترجمانی کرتا ہے۔

"نیابت" میں جس قدر انداز کی عالمگیر افادیّت اور عمومی رحمت ملحوظ ہوتی ہے اس کا

اندازہ درجہ ذیل تصریحات سے ہوسکتا ہے۔

اَلْخَلْقُ کُلُّھُمْ عَیَالُ اللہِ (الحدیث) تمام مخلوق اللہ کی عیال ہیں۔

اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ اِخْوَۃُ (الحدیث) تمام انسان بھائی بھائی ہیں

۔

دنیا عمومیّت و عالمگیریّت کے خواب دیکھنے کے باوجود زندگی کے اس نظرّیہ کے لئے ابتدائی وسائل بھی نہیں فراہم کرسکی ہے۔ مسئولہ "خلافت" دراصل اسی نظرّیہ کو بروئے کار لانے کی کوشش ہے جس قدر زندگی میں اس کی رونمائی ہوگی اسی لحاظ سے "خلافت" اپنے کاز، کو آگے بڑھانے میں کامیابی حاصل کر لے گی۔

موجودہ دور میں جس قسم کی رہنمائی ہے اور بالخصوص مسلم معاشرہ جس انداز سے اس رہنمائی کو قبول کرتا جارہا ہے۔ اس کے پیشِ نظر "خلافت" کے راہ کی مشکلات کو سمجھنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔

ادھر "خلافت" کے بلند و بالا مقام تک پہنچنے کے لیے عادۃً بھی مختلف مرحلات اور بتدریج منزلوں سے گذرنا لازمی ہے کہ دفعۃً نہ کبھی معاشرتی زندگی میں تبدیلی ہوئی ہے اور نہ اس دور میں ہوسکتی ہے۔

مسلم حکومتیں اس سلسلہ میں نہایّت اہم پارٹ ادا کرسکتی ہے اس لیے وسیلہ اور ذریعہ کے طور پر ان کو اپنانا اور علمی و عملی حیثیّت سے حتی الامکان اس "نظرّیہ" خلافت کو تقویّت پہنچانا موجودہ دور کی اہم خدمت ہے۔

یہ حکومتیں محض اس بناء پر نظر انداز نہیں کی جاسکتی ہیں کہ ان میں بڑی حد تک انسانوں کے بنائے ہوئے قانون نافذ ہیں یا اربابِ حکومت اصحاب دعوت و عزیمت نہیں ہیں۔

ان حکومتوں کے ساتھ ہمارے رویہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام وہ "فرمودات" دلیل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں آپ نے اُس دور کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ جبکہ خلافت کا اصلی نظام درہم برہم ہو کر اس کی جگہ ملوکیت کے طرز کی حکومت قائم ہو جائے گی اور ارباب حکومت احکام شرعیہ میں من مانی کاروائی کرنے لگیں گے۔

چونکہ ملّت کے قیام و بقاء کے لیے حکومت کا وجود ناگزیر ہے۔ اس لئے رسول اللہ نے اصلاح کی کوششوں کے ساتھ اس کی اتباع کا حکم دیا ہے لیکن چونکہ یہ حکومت خلافت کے طرز پر نہیں قائم ہے اور الٰہی حکمت عملی کے مطابق قوانین کا نفاذ نہیں ہو رہا ہے اس بناء پر اقتدار سے منع فرمایا ہے۔

" حدیث" کی تقریباً تمام کتابوں میں اس مضمون کی روائتیں بکثرت ملتی ہیں اور ان میں دو قسم کے احکام دو مختلف دور سے متعلق بیان ہوئے ہیں۔

(1)۔ خلافت راشدہ میں امّتِ کو خلفاء راشدین کی اطاعت و اقتداء دونوں کا حکم دیا گیا ہے

(2)۔ اس کے بعد ہونے والے خلفاء و سلاطین کو صرف اطاعت کا مستحق بتلایا گیا ہے۔

اقتداء اور اطاعت میں فرق ہے۔

اقتداء : فکری اور عملی زندگی میں کسی کو اپنا پیشوا تسلیم کر لینا پھر اسی کی زندگی کو "نمونہ" بنا کر اس کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرنا۔

اطاعت : کسی کو اپنا قومی فرمان روا تسلیم کر کے رعایا جیسی فرمانبرداری کرنا اور اس کے خلاف کوئی بات ایسی نہ کرنا جس سے یہ ثابت ہو کہ اس کو حاکم نہیں مان رہے ہیں۔

"اطاعت" ایک عام حالت ہے اور اقتداء اس سے زیادہ خاص ہے دونوں کے فرق کو نظر انداز نہ ہونے دینا چاہیے ورنہ احادیث کا محل متعیّن کرنے میں بڑی دشواری پیش آئے

گی۔

موجودہ دور کی مسلم حکومتیں چونکہ خلافت کے مطلوبہ نظام کے مطابق نہیں ہیں۔ ارباب حکومت بھی اس نظریہ زندگی کے مطابق پورے نہیں اترے ہیں اس لئے ان کی صرف اطاعت کا حکم ہے ان کے طور طریقوں کی پیروی (اقتداء) اور ان کے کاموں کو شرعی حیثیت دینے کا حکم نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا فرض ہے کہ جس کی طاقت جہاں تک کام دے موجودہ آئینی طریقوں کو اپناتے ہوئے حکومت وارباب حکومت کو انہی سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کرے اور اس طرح "خلافت" کو بتدریج بروئے کار لانے کے لئے جدّ وجہد کرتا رہے۔

جن رجحانات ونظریات کی طرف سوال میں اشارہ ہے معلوم ہوتا ہے اس میں شک نہیں کہ بحیثیت مجموعی وہ ایسے معاشرہ کی تشکیل کر رہے ہیں کہ جس کی سمت ہدایت الٰہی کے "محاذ" میں واقع ہے اور نظریہ خلافت کو بروئے کار لانے میں بڑی حد تک وہ "رکاوٹ" بنے ہوئے ہیں۔

لیکن ان میں بہت سے رجحانات ونظریات معاشرتی فلاح وبہبود کے بارے میں ایسے ہیں جن کو صحیح زاویہ نگاہ دینے کے بعد اپنایا اور قبول کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بہت بڑی حد تک نظریہ خلافت سے متاثر یا اس سے حاصل کئے ہوئے ہیں۔

دُنیا میں ہمیشہ یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ ہر آنے والی قوم وحکومت جانے والی سے صدہا باتیں سیکھتی اور نظام حکومت کی تشکیل میں اس کی پیروی کرتی ہے۔ جب کہیں جا کر اپنی حکومت کو وہ مضبوط کر پاتی ہے۔

موجودہ دور کی ساری حکومتیں اسلام کے بعد وجود میں آئی ہیں اور ان کی تشکیل میں نہ معلوم کتنی باتیں اسلام سے لی ہوئی ہیں۔ محض افراد واشخاص کے بدل جانے سے ان سب کو غیر

اسلامی سمجھ کر نظر انداز کر دینا دور اندیشی اور خوش آئندہ مستقبل کا کوئی اچھا ثبوت نہیں ہے۔

دراصل دنیا رجحانات و خیالات کے لحاظ سے بتدریج ترقی کرتی جا رہی ہے ان میں معاشرتی فلاح و بہبود کے بارے میں بہت سے وہ رجحانات و نظریات ہیں جو دوسری شکلوں اور ناموں سے دنیا کو " خلافت " کے قریب لا رہے ہیں اس بناء پر خلافت کی کوشش اور جدوجہد میں ان کو ہرگز نظر انداز نہ ہونے دینا چاہیے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات اور پیغمبرانہ طرز عمل سے اسی کا ثبوت ملتا ہے۔

قرآن حکیم میں ہے۔

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

(الاعراف ۱۵۷)

وہ پیغمبر لوگوں کو "معروف" کا حکم دیتا ہے اور "منکر" سے روکتا ہے۔

"معروف" کی تعریف میں مفسر قرآن نے نہایت دقیق اور نکتہ کی بات کہی ہے۔

وَالْمَعْرُوْفُ مَا حَسَنَتْ الشَّرْعِ وَالْعَقْلِ (احکام القرآن للجصاصؒ)

معروف وہ ہے جس کی شرع اور عقل تحسین کرے۔

اس تصریح کے مطابق ہر دور و زمانہ کے وہ رجحانات و نظریات جو عقل و شرع کے خلاف نہ ہوں "معروف" میں داخل ہوں گے۔

قرآن حکیم کی اس تعبیر میں بڑی وسعت و گنجائش ہے اس سے معاشرتی فلاح و بہبود سے متعلق ہر اچھے رجحان و قوانین کی قدر شناسی و حوصلہ افزائی کا ثبوت ملتا ہے۔

البتہ "معروف" و منکر کی شناخت میں ہدایتِ الٰہی کی عطا کی ہوئی روشنی میں معیار بن

سکتی ہے کہ اس کے بغیر قوی اندیشہ ہے کہ "جراثیم" و " جواہر" میں امتیاز نہ باقی رہیگا اور لاعلمی کی حالت میں بہت سے " جراثیم" جواہر کے روپ میں معاشرتی زندگی کی نمونہ بخش صلاحیّت پر اثر انداز ہوتے رہیں گے۔

غرض ان رجحانات ونظریّات کو اصلاحی وانتقامی نقطہ نگاہ سے دیکھنے کی ضرورت ہے ان میں سے بعض بعینہٖ اختیار کرنے کے لائق ہوں گے اور بعض میں ترمیم واصلاح کی ضرّورت ہوگی اور بعض کو بتدریج ختم کئے بغیر چارہ نہ ہوگا۔

ہر زمانہ کے رجحانات و مالوفات کے بارے میں انبیاء علیہ السّلام کے طرز عمل سے استفادہ کرنا چاہیے یہ حضرات اپنے زمانہ کے رجحانات ومرغوبات کے سلسلہ میں شمشیر بے نیام نہ تھے کہ جو بات بھی موجود دیکھی اس کو غیر آئینی قرار دے دیا یا جو چیز لوگوں کی پسندیدہ ہوئی اس سے روک دیا۔

بلکہ لوگوں کی نفسیّات اور معاشرتی احوال کے پیش نظر " خذ ما صفا اودع ما کدر" (ہر اچھی چیز کو قبول کرنا اور خراب چیزوں کو چھوڑ دینا) کے اصول پر عمل کرتے رہے (ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ صفحہ نمبر 90, 103, 123)

اس طریق سے ہر دور میں بہت سے رجحانات و مالوفات نظام الٰہی کا جز بنتے رہے اور بدستور ان پر عمل درآمد رہتا رہا۔ البتہ یہ حضرات ترک وقبول کے ہر مرحلہ میں دو باتوں کا لحاظ ضروری سمجھتے تھے۔

(1)۔ معاشرہ کی حالت اور عوامی شعور کی کیفیّت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ۔

(2)۔ ان میں ہدایت الٰہی کی روح پھونکنا اور الٰہی سانچہ میں اس طرح ڈھالنا کہ وہ نظام الٰہی میں فٹ ہو جائیں۔

موجودہ رجحانات ونظریات جو معاشرتی زندگی میں رائج ہیں اور ان سے بہتر نتائج برآمد ہورہے ہیں ان سب سے قطع نظر کرکے اسلام کی " عجوبہ روزگار " تعبیر وتوجیہ کرنا یا اس انداز سے پیش کرنا کہ اس کا نفاذ عملاً ناممکن نظر آئے میرے نزدیک اسلام کی یہ کوئی اچھی خدمت نہیں ہے۔

ترک وقبول کے مرحلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا وہ بیان بالخصوص مفید رہے گا۔ جس میں انہوں نے مروّجہ مراسم وقوانین کا تذکرہ کرکے انبیاءؑ کی طرز عمل کی نشاندہی کی ہے۔ (حجۃ البلاغہ)

حاصل یہ کہ خلافت کو مقصد کے درجہ میں اور حکومت کو وسیلہ وذریعہ کی حیثیّت میں رکھا جائے اور بتدریج بہتر صورت کی جدوجہد جاری رہے۔ بالخصوص مذہبی تنظیم اور اس کے ذریعہ رفاہ عام کے کاموں کو نمایاں حیثیّت دی جائے۔ اسی طرح موجودہ رجحانات ونظریات میں اسلامی روح ومقصد کے پیش نظر فراخ حوصلگی سے کام لیا جائے نیز بتدریج مختلف تدبیروں (تعلیم وتربیّت وغیرہ) کے ذریعہ اعتدال وتوازن پیدا کرنے کی کوشش ہوتی رہے تو بآسانی مشکلات پر قابو پانے کی راہیں نکل سکتی ہیں اور منزل بہ منزل خلافت تک پہنچنے میں زیادہ دشواری نہیں رہتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُوءِ مِنِ حَیْثُ وَجَدَھَانَھُوَاَحَقِّ بِھَا (الحدیث
)

حکمت ودانائی مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں بھی اس کو پائے وہ سب سے زیا دہ مستحق ہے.

اس حدیث میں جس طرح "مومن" کی طرف اضافت سے اس نکتہ کی طرف اشارہ

ہے کہ وہ قبول کرنے سے احساس کمتری میں مبتلا نہ ہو کہ وہ اسی کی چیز ہے اس سے زیادہ اس بات کی رعایت ہے کہ مومن کو فراخ حوصلہ اور وسیع الظرف ہونا چاہیے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی :

(2)۔ اس زمانے میں اسلامی نظام کو جو چیز نافذ ہونے سے روک رہی ہے اور جو رجحانات اور نظریات اس کے راستے میں سدِّ راہ ہیں ان کا اگر تجزیہ کر کے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ انہیں مسلمان ملکوں پر مغربی قوموں کے طویل سیاسی غلبہ نے پیدا کیا ہے۔ مغربی قومیں جب ہمارے ملکوں پر مسلّط ہوئیں تو انہوں نے ہمارے قانون کو ہٹا کر اپنا قانون ملک میں رائج کیا۔ ہمارے نظام تعلیم کو معطل کر کے اپنا نظام تعلیم رائج کیا تمام چھوٹی بڑی ملازمتوں سے اُن سب لوگوں کو برطرف کیا جو ہمارے تعلیمی نظام کی پیداوار تھے اور ہر ملازمت ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دی جو اُن کے قائم کردہ نظام تعلیم سے فارغ ہو کر نکلے تھے۔ معاشی زندگی میں بھی اپنے ادارے اور طور طریقے رائج کئے اور معیشت کا میدان بھی رفتہ رفتہ اُن لوگوں کے لیے مخصوص ہو گیا جنہوں نے مغربی تہذیب و تعلیم کو اختیار کیا تھا۔ اس طریقہ سے انہوں نے ہماری تہذیب اور ہمارے تمدّن اور اسکے اصولوں اور نظریات سے انحراف کرنے والی ایک نسل خود ہمارے اندر پیدا کر دی جو اسلام اور اس کی تاریخ، اس کی تعلیمات اور اس کی روایات ہر چیز سے عملی طور پر بھی بیگانہ ہے اور اپنے رجحانات کے اعتبار سے بھی بیگانہ۔ یہی وہ چیز ہے جو دراصل ہمارے اسلام کی طرف پلٹنے میں مانع ہے اور یہی اس غلط فہمی کا موجب بھی ہے کہ اسلام اس وقت قابل عمل نہیں ہے۔ جن لوگوں کو ساری تعلیم اور تربیت غیر اسلامی طریقے پر دی گئی ہو وہ آخر اس کے سوا اور کہہ بھی کیا سکتے ہیں کہ اسلام قابل عمل نہیں ہے کیونکہ نہ تو وہ اسلام کو جانتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرنے کے لیے تیار کئے گئے ہیں۔ جس نظام زندگی کے لیے وہ تیار کئے گئے

ہیں اسی کو وہ قابل عمل تصوّر کر سکتے ہیں۔ اب لامحالہ ہمارے لئے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں یا تو ہم مِن حیثُ القوم کافر ہو جانے پر تیار ہو جائیں اور خواہ مخواہ اسلام کا نام لے کر دنیا کو دھوکا دینا چھوڑ دیں۔ یا پھر خلوص ایمانداری کے ساتھ (منافقانہ طریق سے نہیں) اپنے موجودہ نظام تعلیم کا جائزہ لیں اور اس کا پورے طریقہ سے تجزیہ کر کے دیکھیں کہ اس میں کیا کیا چیزیں ہم کو اسلام سے منحرف بنانے والی ہیں اور اس میں کیا کیا تغیّرات کئے جائیں جن سے ہم ایک اسلامی نظام کو چلانے کے قابل لوگ تیار کر سکیں۔ مجھے بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے تعلیمی کمیشن نے اس مسئلہ کی طرف کوئی اچٹتی ہوئی توجہ بھی نہیں کی۔ یہ مسئلہ بڑی سنجیدگی سے غور کرنے کے قابل ہے اور جب تک ہم اسے حل نہیں کر لیں گے اس وقت تک اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ کبھی ہموار نہ کر سکیں گے۔

ابن خلدون کے کسی نظریہ کی طرف رجوع کرنے سے اس مسئلہ کے حل کرنے میں مدد نہیں مل سکتی کیونکہ اس مسئلہ کی جو نوعیّت اب پیدا ہوئی ہے وہ ابن خلدون کے زمانے میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔ مسئلہ کی حقیقی نوعیّت یہ ہے کہ مغربی استعمار رخصت ہوتے ہوئے ہمارے ملکوں میں اُس نسل کو حکمران بنا کر چھوڑ گیا ہے جس کو اس نے اپنی تعلیم اور اپنی تہذیب کا دودھ پلا پلا کر اس طرح تیار کیا تھا کہ وہ جسمانی حیثیّت سے تو ہماری قوم کا حصہ ہے لیکن علمی اور ذہنی اعتبار سے انگریزوں فرانسیسیوں یا ولندیزیوں کا پورا جانشین ہے۔ اس طبقہ کی حکومت جو مشکلات پیدا کرتی ہے ان کو رفع کرنے کا معاملہ ایک پیچیدہ معاملہ ہے جسے حل کرنا ابن خلدون کے نظریات کا کام نہیں۔ اس کے لیے بڑے سنجیدہ غور و فکر کی اور حالات کو سمجھ کر اصلاح کے لیے نئی راہیں نکالنے کی ضرورت ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿سوال نمبر3﴾

اگر اسلامی نظرّ یہ حکومت کی افادیّت بین الاقوامی طور پر عوامی جمہوریّت کی شکل میں تسلیم کر لی جائے تو

(ا)۔ بالخصوص مسلم ممالک میں کیا سربراہ حکومت (The Head of the State) ایک مسلمان کے علاوہ ایک غیر مسلم بھی (خواہ قائم مقام سربراہ ملک کی حیثیّت سے ہی) عہدہ سنبھال سکے گا؟

یا

(ب)۔ اس وقت قانون ساز اسمبلی کا اسپیکر غیر مسلم چنا جا سکے گا؟

یا

(ج)۔ عدلیہ کے کسی منصب پر فائز ہو سکے گا جیسا کہ پاکستان میں ایک رومن کیتھولک عیسائی (اپنی انصاف پسندی۔قابلیت Seniority کی بناء پر) چیف جسٹس جیسے اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہے؟

(د)۔ اگر اسلامی مملکت میں یہی نظام قائم رہے۔ کیونکہ تمام ڈھانچہ (Set-up) یک دم بدل دینا ممکن نہ ہوگا۔ تو کیا پھر بھی قابلیّت پر مذہب کو ہی ترجیح دینا اس ترقّی یافتہ دور میں مبنی برانصاف ہوگا؟

﴿ جوابات ﴾

مولانا محمد تقی امینی:

(3)۔ حکومتیں عموماً دو بنیادوں پر قائم ہوتی ہیں۔

(۱)۔ قوم ووطن رنگ ونسل اور فرقہ کی بنیاد پر (۲) ۔ اصول ونظریات کی بنیاد پر

اول الذکر میں حکومت کی پالیسی اور دستوری پوزیشن چند اشخاص طے کرتے ہیں اور حالات وتقاضہ کی مناسبت سے ان کے خیال میں جو صورت حال مناسب ہوتی ہے وہ اس کو اختیار کرتے جاتے ہیں۔ اور ثانی الذکر میں بنائے کار اصول ونظریات ہوتے ہیں۔ حکومت کا مزاج انہیں سے بنتا ہے اور انہیں سے اخذ کی ہوئی وہ روح و پالیسی ہوتی ہے جو حکومت کے لیے ذریعہ فروغ حاصل کرتی ہے اس میں قوم و وطن، رنگ ونسل اور فرقہ، یہ پوزیشن نہیں اختیار کرتے ہیں کہ ان کی وجہ سے اصولی حکومت کی نوعیت میں تبدیلی کی جائے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کی افادیت اور غیر جارحیت کا ثبوت فراہم کر کے ان اضافوں کو ثانوی حیثیت دینے کی کوشش ہوتی ہے۔

"سربراہ حکومت" کئی حیثیتوں سے مرکز توجہ ہوتا ہے اگر وہ اصول ونظریات کا حامل نہ ہو تو حکومت کی صیانت وحفاظت کے لیے فطری طور پر جس کی حمیت وغیرت درکار ہے وہ اس میں برقرار نہیں رہ سکتی ہے شخصی مفاد کی خاطر جس طرح قوم ووطن کو قربان کرنے کی مثالیں موجود ہیں اسی طرح قوم کی خاطر مفاد کو قربان کرنے کی مثالیں بھی بکثرت پائی جاتی ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ اصول ونظریات پر ایمان سے جو حمیت وغیرت پیدا ہوتی ہے اور قیام وبقاء کی جدّ وجہد میں جس حیثیت سے وہ اثر انداز ہوتی ہے اس کا مقابلہ اور کسی وجہ سے پیدا ہونے والی حمیت وغیرت نہیں کر سکتی ہے۔

اسی طرح حکومت کی مضبوطی واستواری کے لئے ضروری ہے کہ عوام میں اس کا احترام برقرار رہے یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ سربراہ حکومت اصول ونظریات پر ایمان رکھتا ہو ورنہ بصورت دیگر عوام پر سے حکومت کی گرفت ڈھیلی ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

غرض داخلی وخارجی متعدد وجوہ کی بناء پر تاریخ کے ہر دور میں اور آج بھی ہر اصولی و نظریاتی حکومت میں سربراہ کے لئے اصول ونظریات کا حامل ہونا ضروری قرار دیا جاتا ہے۔

مسلم حکومت اگر قوم ووطن کی بنیاد پر نہیں بلکہ اصول ونظریات کی بنیاد پر قائم ہوئی ہے اور بتدریج اس کو خلافت کے عالمگیر اصول اور عمومی رحمت کو بروئے کار لانا ہے۔ تو سربراہ حکومت کا مسلم (اصول ونظریات پر ایمان والا) ہونا ضروری ہے۔

قرآن حکیم میں ہے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج ۔(۴:۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو۔ اللہ کے رسول کی اطاعت کرو ۔اوران کی کروجو تم میں صاحب حکم واختیار ہوں۔

یہ خطاب ایمان والوں سے ہے اور " کُم " ضمیر مخاطب کی ہے جس سے اہل ایمان مراد ہیں۔

" حکومت " کے مرحلہ میں " سربراہ " کے لئے ضروری ہے کہ وہ حکومت کے معاملات وکاروبار سے بخوبی واقف ہو اور حمیّت وغیرت ہو کہ جس کی بناء پر عوام میں اس کا احترام برقرار رہے نیز مزاحمت ومدافعت کے وقت پر جوش اور مضبوط قدم اٹھانے میں جھجک نہ محسوس کرے۔

اس مرحلہ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ پورے معاشرہ میں وہ سب سے افضل واعلیٰ اور کردار کے لحاظ سے سب سے بلند ہو۔ (قرآن حکیم میں "جالوت وطالوت کا واقعہ مذکور ہے ۲۴۹:۲)

طالوت کو حکومت وفرمانروائی کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت سموئیل نبیؑ موجود ہیں جو سب سے اعلیٰ وافضل اور کردار کے لحاظ سے سب سے بلند ہیں۔ اس واقعہ میں حکومت و فرمانروائی کے اصولی قسم کی دو صلاحیتوں کا ذکر ہے۔ فِی العلم والجسم ۲: ۲۴۹ یعنی دماغی و جسمانی قابلیّت کہ اس کے ذریعہ حکومت کے کاروبار بخوبی انجام پاسکیں۔ نہ کہ مال ودولت اور نسل وخاندان کا شرف۔

البتہ خلافت کے مرحلہ میں "سربراہ" کی حیثیّت معاشرہ میں مقتداء وپیشوا کی ہوتی ہے اس لئے اس ہمہ صفاقت کے ساتھ متصّف ہونا اور اور سب سے اعلیٰ وافضل ہونا ضرور قرار دیا جائے جیسا کہ کتب تدادلہ میں مذکور ہے۔

سوال کی بقیہ جزئیات گذشتہ تفصیلات سے حل کی جاسکتی ہیں۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی :

(3)۔ اگر اسلامی نظرّیہ پر کوئی حکومت قائم ہو تو اس کا سربراہ مملکّت یا چیف جسٹس یا اس کی قانون ساز اسمبلی کا صدر کوئی غیر مسلم نہیں ہوسکتا۔ اسکے معنی قابلیّت پر مذہب کو ترجیح دینے کے نہیں ہیں۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ ایک نظریاتی مملکّت میں اس طرح کے مناصب صرف انہی لوگوں کو دیئے جاسکتے ہیں جو اس کے بنیادی نظرّیہ کو مانتے ہوں نظریاتی مملکّت میں قابلیّت محض علمی قابلیّت کا نام نہیں ہوتا بلکہ اس میں اس نظرّیہ کو جس پر مملکّت قائم کی گئی ہے

جاننا اور اس کی اسپرٹ کو سمجھنا اور ایمانداری کے ساتھ اس کو عمل میں لانا بھی قابلیّت ہی کا ایک لازمی جزو قرار دیا جاتا ہے اس پر اگر کسی کو اعتراض ہے تو ہمیں بتایا جائے کہ انگلستان میں کیا ایک رومن کیتھولک بادشاہ ہوسکتا ہے یا امریکہ میں کسی کمیونسٹ کو صدارت کا منصب دیا جاسکتا ہے۔ اگر یہ نہیں ہوسکتا تو پھر ہم پر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سوال نمبر 4

اسلامی مملکّت میں اقلیّتی فرقوں کو مثلاً عیسائی، یہودی، بدھ، جین، پارسی، ہندو وغیرہ کو دیگر مسلمانوں کی طرح پورے حقوق حاصل ہوں گے؟

(ا)۔ کیا ان کو اپنے مذہب کی تبلیغ بھی اسی طرح کرنے اجازت ہوگی جیسا کہ آج کل پاکستان اور دیگر ممالک میں کھلے بندوں پرچار ہوتا ہے؟

(ب)۔ کیا اسلامی مملکّت میں ایسے مذہبی یا نیم مذہبی ادارے مثلاً ادارہ مکتی فوج (Salvation Army) یا کیتھڈرل، کانونٹ، سینٹ جان و سینٹ فرانسز وغیرہ جیسے ادارے کیا قانوناً بند کر دیئے جائیں گے (جیسا کہ حال میں سیلون میں ہوا یا دو ایک ممالک میں ہو چکا ہے)؟

(ج)۔ کیا فراخدلی سے مسلمان بچّوں کو وہاں بھی ماڈرن ایجوکیشن حاصل کرنیکی عام اجازت ہوگی؟

(د)۔ کیا اس صدی میں بھی ان اقلیّتی فرقوں سے جزیہ وصول کرنا مناسب ہوگا۔ (عالمی

حقوق انسانی کی روشنی میں بھی) جبکہ وہ نہ صرف فوج بلکہ سرکاری عہدوں پر فائز اور حکومت کے وفادار ہوں؟

جوابات

مولانا محمد تقی امینی:

(4)۔ تمام اقلیتی فرقوں کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ ملکی حقوق میں کسی قسم کی تخصیص و ترجیح کی صورت نہ پیدا کی جائے گی۔ جس نظام کی بنیاد نفس انسان کی فلاح و بہبود پر ہو "اَلنَّاسُ کُلُّھُم اِخْوَۃٌ" (تمام انسان بھائی بھائی ہیں)۔ اس میں تخصیص و ترجیح کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ خلافت راشدہ کی بیشمار مثالیں ثبوت کے لیے موجود ہیں۔ حالات اگر اجازت دیں اور وہ خود مختار وحدت کی شکل میں آنا چاہیں تو اس کا بھی ثبوت موجود ہے چنانچہ کلیسیائی تاریخ وجغرافیہ کے قاموس میں ایک رومن کیتھولک پادری نے لکھا ہے۔

"مسلمان عربوں کو یعقوبی (جاکوبائٹ) عیسائیوں نے بھی اپنے نجات دہندوں کی حیثیت سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مسلمانوں کی سب سے اہم جدّت جس کا یعقوبی عیسائیوں نے دلی خوشی سے استقبال کیا یہ تھی کہ انہوں نے ہر مذہب کے پیروؤں کو ایک خود مختار وحدت قرار دیا اور اس مذہب کے روحانی سرداروں کو ایک بڑی تعداد میں دنیاوی اور عدالتی اقتدارات عطا کئے" (عہد نبوی میں نظام حکمرانی بحوالہ ہسٹری آف دی لا آف نیشن)

دراصل موجودہ دور کی اقلیتوں کی حیثیت معاہدین جیسی ہے اور تقریباً وہی پوزیشن ہے جو مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے کے بعد دیگر مذاہب والوں کی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے فرمایا تھا

اَھُمُ اُمَۃَ وَّاحِدَۃ "یہ سب لوگ (جن کے آپس میں معاہدہ ہوا ہے) ایک ہی امت سمجھے جائیں گے"۔ (سیرت ابن ہشام جلد نمبر 1 وکتاب الاموال لابی عبیدؒ صفحہ نمبر ۲۰۴ ۲۰۵ از سلام کا زرعی نظام)

مدینہ مختلف قبیلوں اور مختلف مذہبوں کا مجموعہ تھا معاہدہ کے مطابق ہمیشہ ان کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کیا گیا ان سب لوگوں کو زمانہ خلافت میں عدالتی وقانونی خودمختاری حاصل تھی ۔البتہ انہیں اس بات کی اجازت تھی کہ اپنی خوشی سے چاہیں تو اسلامی عدالت میں مقدمہ پیش کر سکتے ہیں چنانچہ اس قسم کے بعض مقدمات کی سماعت رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی تھی اور ان کے قانون شخصی کے مطابق فیصلہ دیا تھا۔ (رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی)۔

مذہبی مراسم واحکام کی بھی اقلیتوں کو پوری آزادی حاصل ہوگی ۔اس کے ثبوت میں بھی بے شمار مثالیں موجود ہیں ان اقلیتوں کی حیثیت تو معاہدین کی ہے اسلام نے جن پر غلبہ سے فتح حاصل کی تھی ان کے ساتھ جو سلوک کیا وہ تاریخ میں ضرب المثل ہے جیسا کہ ابوعبیدؒ ممالک مفتوح کے ذکر کے بعد کہتے ہیں۔

فھٰذِہٖ بِلَادُ الْعُنْوَۃِ وَاَقَرَّ اَھْلِھَا فِیْھَا عَلٰی مُلْکِھِمْ وَ شَرَائِعِھِمْ

یہ تمام ممالک غلبہ سے فتح کئے گئے تھے اور ان کے باشندے اپنے اپنے مذہب اور رسم ورواج پر باقی رکھے گئے تھے۔ (الاموال صفحہ نمبر 101)

ایک دوسرے موقع پر انہیں لوگوں کے تذکرہ میں ہے۔

فَهُمْ اَحْرَارٌ فِي شَهَادَاتِهِمْ وَمَنَاكَاتِهِمْ وَمَرَارِيْثِهِمْ وَجَمِيْعَ اَحْكَامِهِمْ

یہ سب لوگ اپنی شہادتوں نکاح کے معاملوں میں وراثت کے قانون میں غرض اپنے تمام پرسنل قوانین میں آزاد تھے۔

فقہ اسلامی میں یہاں تک تصریح ہے کہ اگر کوئی مسلم ان کے خنزیر یا شراب کو تلف کردے تو اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

وَيُقِيْمَنَّ الْمُسْلِمُ قِيْمَةَ خَمْرُه' وَخَنْزِيْرَه اِذَا تَلْفَه'

مسلمان خمر اور خنزیر کو تلف کردے تو اسکی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ (حوالہ بالا صفحہ نمبر 104)

غرض کسی حیثیت سے بھی حکومتی سطح پر ان کے پرسنل معاملات میں دخل اندازی نہ کی جائے گی جس نظام نے فوجیوں کو یہ تاکید کی ہو کہ

وَلَا تَزْرَأ مُعَاهِدًا اُبْرَةً فَمَافَوْقَهَا (الاموال صفحہ ۱۵۰)

کوئی فوجی کسی معاہد کی سوئی یا اس سے کمتر شے کا بھی نقصان نہ کرے۔

اس میں کسی ظلم و زیادتی یا حق تلفی کی کیا گنجائش رہ سکتی ہے اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں جو آج بھی دنیا کے لئے درس عبرت ہیں۔ (ملاحظہ ہو اسلام کا زرعی نظام صفحہ نمبر ۵۴، ۵۵ وغیرہ)

ملکی و مذہبی حقوق میں مساوات کا اندازہ درج ذیل تصریح سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ ایک فسطوری پادری نے خلافت راشدہ کے زمانہ میں جو تاثرات قلمبند کیے تھے وہ یہ ہیں

"یہ طائی (عرب) جنہیں خدا نے آج کل حکومت عطا فرمائی ہے جو ہمارے بھی مالک بن گئے ہیں لیکن وہ عیسائی مذہب سے مطلق برسر پیکار نہیں ہیں بلکہ اس کے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں ہمارے پادریوں اور مقدّس لوگوں کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور کلیسیاؤں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں" (عہد نبوی میں نظام حکمرانی صفحہ نمبر ۱۴۸ بحوالہ پادری اسمعانی اور وخوبے کی کتاب)

اقلیتوں کو اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت ہوگی اور کے ہر قسم کی تعمیری خدمات کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ البتہ جارحانہ طرز عمل کی اجازت کسی مذہب والوں کو نہ دی جائے گی

۔

اسلامی نظام میں " لَااِکْرَاہَ فِی الدِّیْن " کے عام اعلان میں مذہبی افادیّت و صلاحیّت خود بخود اس کی طرف آنے پر مجبور کرے گی۔

معاہدات میں درج ذیل الفاظ پائے جاتے ہیں جن سے تبلیغ کی اجازت کا ثبوت ملتا ہے ولا یحال بینھم وبین شرائعھم (طبری بحوالہ الفاروق) ان کے اور مذہبی امور کے درمیان حائل نہ بنایا جائے گا۔

جزیہ دراصل جان کی حفاظت کا معاوضہ تھا اُس زمانہ کے حالات کے مطابق مقامی طور پر حفاظت کے لئے مستقل فوج کی ضرورت ہوتی تھی اس حفاظت کے عوض یہ جزیہ کے نام سے ٹیکس وصولی کرنے کا دستور قدیم زمانہ سے چلا آرہا تھا۔ جب یہ حفاظت نہ ہوسکتی تو وصول کیا ہوا یہ ٹیکس بھی واپس کردیا جاتا تھا چنانچہ ابوعبیدہؓ نے شہر کے حاکموں کو یہ فرمان لکھا تھا۔

اَنْ یَرُدُّوْ اعَلَیْھِمْ مَاجَبٰی بِھِمْ مِنَ الْجِزْیَۃِ وَالْخِرَاجِ۔

کہ خراج اور جزیہ کی جو رقم وصول کر چکے ہیں وہ واپس کر دیں اور یہ کہہ دیں۔

اِنَّکُمْ قَدِ اشْتَرَطْتُمْ عَلَیْنَا اَنْ نَمْنَعَکُمْ وَاَنَا لَانَقْدِرُ عَلٰی ذٰلِکَ وَقَدْ رَدَدْنَا عَلَیْکُمْ مَااَخَذْنَا مِنْکُمْ وَ نَحْنُ لَکُمْ عَلَی الشَّرْوُطِ۔

"ہم اس شرط کو نہ پورا کر سکیں گے جس کا تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری حفاظت ہمارے ذمہ ہے اب ہم اس کی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔ اس لیے جو کچھ وصول کیا تھا واپس ہے اور ہم اپنے شرط بدستور قائم ہیں"۔ (کتاب الخراج صفحہ نمبر ۸۱)

اسی طرح جو لوگ فوج میں شریک ہو کر حفاظت میں مدد کرتے تھے ان سے جزیہ بھی نہ لیا جاتا تھا۔ خود حضرت عمرؓ نے فوج میں شرکت کرنے والوں کے بارے میں عراق کے افسروں کو لکھا تھا۔

وَیَرْفَعُوْا عَنْھُمَ الْخَرَاءَ (طبری) ان سے جزیہ ہٹا دو۔

اگر سال میں ایک مرتبہ شرکت ہو جاتی تو پورے سال کا جزیہ معاف ہو جاتا تھا۔

وَضَعَ عَنْہُ جَزَاءِ تِلْکَ السُّنَۃِ (طبری) اس سال کا جزیہ معاف کر دیا جاتا تھا۔

غرض جزیہ جان و مال کی حفاظت کا معاوضہ تھا نہ کہ مذہبی ٹیکس۔ اسلامی حکومت میں چونکہ اقلیتیں فوج میں شریک اور ملکی حفاظت و مدافعت میں حصہ دار ہوں گی اس بناء پر موجودہ دور میں ان سے مخصوص جزیہ وصول کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی :

(4)۔ اسلامی مملکت میں غیر مسلم گروہوں کو تمام مدنی حقوق (Civil Rights) مسلمانوں کی طرح حاصل ہوں گے۔ مگر سیاسی حقوق (Political Rights) مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر سوال نمبر 3 میں بیان کی گئی ہے۔ اسلام میں ریاست کے نظام کو چلانا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور مسلمان اس بات پر معمور ہیں کہ جہاں بھی ان کو حکومت کے اختیار حاصل ہوں وہاں وہ قرآن اور سنت ہی کی تعلیمات کے مطابق حکومت کا نظام چلائیں۔ چونکہ غیر مسلم نہ قرآن اور سنت کی تعلیمات پر یقین رکھتے ہیں اور نہ اس کی اسپرٹ کے مطابق ایمانداری سے کام چلا سکتے ہیں اس لئے وہ اس ذمہ داری میں شریک نہیں کئے جا سکتے البتہ نظم و نسق میں ایسے عہدے ان کو دئے جا سکتے ہیں جن کا کام پالیسی بنانا نہ ہو۔ اس معاملہ میں غیر مسلم حکومتوں کا طرز عمل منافقانہ ہے اور اسلامی حکومت کا طرز عمل صاف صاف ایماندارانہ۔ مسلمان اس بات کو صاف صاف کہتے ہیں اور اس پر عملدرآمد کرنے میں خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری ملحوظ رکھتے ہوئے غیر مسلموں کے ساتھ انتہائی شرافت اور فراخ دلی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ غیر مسلم بظاہر کاغذ پر قومی اقلیتوں (National Minorities) کو سب قسم کے حقوق دے دیتے ہیں مگر عملاً انسانی حقوق تک نہیں دیتے۔ اس میں اگر کسی کو شک ہو تو دیکھ لے کہ امریکہ میں سیاہ فام لوگوں (Negroes) کے ساتھ اور روس میں غیر کمیونسٹ باشندوں کے ساتھ اور چین و ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ خواہ مخواہ دوسروں سے شرما کر ہم اپنے مسلک کو صاف صاف کیوں نہ بیان کریں اور اس پر صاف صاف کیوں نہ عمل کریں۔

جہاں تک غیر مسلموں کی تبلیغ کا معاملہ ہے اس کے بارے میں یہ خوب سمجھ لینا چاہیے

کہ جب تک ہم بالکل خودکشی کے لیے ہی تیار نہ ہو جائیں ہمیں یہ حماقت نہ کرنی چاہیے کہ اپنے ملک کے اندر ایک طاقتور اقلیّت پیدا ہونے دیں جو غیر ملکی سرمایہ سے پرورش پائے اور بڑھے اور جس کی پشت پناہی بیرونی حکومتیں کر کے ہمارے لئے وہی مشکلات پیدا کریں جو ایک مدت دراز تک ٹرکی کے لیے عیسائی اقلیتیں پیدا کرتی رہی ہیں۔

عیسائی مشنریوں کو یہاں مدارس اور ہسپتال جاری رکھ کر اپنی ملّت سے بیگانہ (De-Nationalise) کرنے کی کھلی اجازت دینا بھی میرے نزدیک قومی خودکشی ہے ہمارے حکمران اس معاملے میں انتہائی کم نظری کا ثبوت دے رہے ہیں۔ ان کو قریب کے فائدے تو نظر آتے ہیں۔ مگر دوررس نتائج دیکھنے سے ان کی آنکھیں عاجز ہیں۔

اسلامی حکومت میں غیر مسلموں سے جزیہ لینے کا حکم اُس حالت کے لئے دیا گیا ہے جبکہ وہ یا تو مفتوح ہوئے ہوں یا کسی معاہدہ کی رو سے جزیہ دینے کی واضح شرط پر اسلامی حکومت کی رعایا بنائے گئے ہوں۔ پاکستان میں چونکہ یہ دونوں صورتیں پیش نہیں آتی ہیں۔ اس لئے یہاں غیر مسلموں پر جزیہ عائد کرنا میرے نزدیک شرعاً ضروری نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سوال نمبر 5

کیا اسلامی ملک میں اُن مغربی مستشرقین غیر مسلم اسکالرز اور پروفیسروں کو تعلیم یا تقریر کے لئے مدعو کیا جا سکتا ہے۔ جنہوں نے اپنے نقطہ نظر سے اسلام کے موضوعات پر کتابیں لکھتے ہوئے نہ صرف اسلام پر بے حد تنقیدی تبصرے کئے ہیں بلکہ عمداً یا کم علمی و تعصّب سے اسلامی تاریخ لکھنے میں حضور اکرم ﷺ، اہل بیت ، خلفائے راشدین، صحابہ کرامؓ و آئمہ کرام (

جن پر اسلام اور مسلمانوں کو فخر ہے) کی شان میں نازیبا فقرات لکھ کر ہدف ملامت بنایا ہے۔ مثلاً امریکی و برطانوی قابل ترین پروفیسروں کی نظر ثانی شدہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں بھی دیگر اعتراضات کے علاوہ رسول مقبول ﷺ کی ازواج مطہرات کو (Concubines) (لونڈیاں) لکھا ہے؟

(ا)۔ ان میں سے اکثر کے یہاں آکر لیکچر اور خطبات دینے اور ان کی تشہیر کرنے پر کیا اسلامی حکومت بالکل پابندی عائد نہ کر دے گی؟

(ب)۔ ان کتابوں اور زہر آلودہ لٹریچر کی ہماری لائبریریوں میں موجودگی گوارا کی جا سکتی ہے؟ حکومت ان کے جوابات و تردید شائع کرنے، اُن کی تصحیح کرانے یا اُن سے رجوع کرانے کے لیے کیا اقدام کر سکتی ہے؟

جوابات

مولانا محمد تقی امینی:

(5)۔ اسلامی مذاکرات۔ اس کی افادی حیثیت کی رونمائی تعلیمات کی نشر و اشاعت افادہ و استعادہ کے مواقع فراہم کرنا وغیرہ بہر حال حکومت کے فرائض میں داخل ہوں گے کہ اس کے بغیر وہ اپنی حکومت پوزیشن برقرار نہیں رکھ سکتی۔ مشنری طرز کی تنظیم و رفاہ عام کے کاموں کا بندوبست بھی ضروری ہوگا۔

اسی طرح اس سلسلہ میں لوگوں کے جو شکوک وشبہات ہوں گے ان کو دور کرنے کی تدبیریں کرنا اور ایسی سہولتیں فراہم کرنا کہ آزادانہ غور وفکر کے ذریعہ اصل حقیقت تک وہ پہنچ سکیں یہ بھی حکومت کے لئے ضروری ہوگا۔ البتہ کسی مذہب وملّت کی ایسی جارحانہ پوزیشن نہ برداشت کی جاسکے گی کہ جس سے توہین لازم آتی ہو یا افادی حیثیّت مجروح ہو۔ علم وعقل کی روشنی میں جائز اور مہذب تنقید کو انگیز کر کے افہام وتفہیم کی صورتیں ضرور نکالی جائیں گی۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی :

یہ زمانے کے انقلابات ہیں ۔ ایک وقت وہ تھا کہ یورپ کے عیسائی اُندلس (Spain) جاکر مسلمانوں سے انجیل کا سبق لیا کرتے تھے اب معاملہ اتنا ہوگیا ہے کہ مسلمان یورپ والوں سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کیا ہے اور اسلام کی تاریخ اور اس کی تہذیب کیا ہے حتیٰ کہ عربی زبان بھی مغربی مستشرقین سے سیکھی جاتی ہے مغربی ممالک سے استاد درآمد کر کے ان سے اسلامی تاریخ پڑھوائی جاتی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے متعلّق جو کچھ وہ لکھتے ہیں نہ صرف اسے پڑھا جاتا ہے بلکہ اس پر ایمان بھی لایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ خود اپنے مذہب اور اس کی تاریخ کے متعلق اپنے ہم مذہبوں کے سوا کسی کی رائے کو ذرّہ برابر دخل دینے کی اجازت نہیں دیتے۔ یہودیوں نے اپنی انسائیکلوپیڈیا (Jewish Encyclopaedia) شائع کی ہے اور اس میں کوئی ایک مضمون (Article) بھی کسی مسلمان تو درکنار کسی عیسائی مصنّف کا بھی نہیں ہے۔ بائبل کا ترجمہ بھی یہودیوں نے اپنا کیا ہے۔ عیسائیوں کے ترجمے کو وہ ہاتھ نہیں لگاتے ۔ اس کے برعکس یہودی مصنفّین اسلام کے متعلّق مضامین اور کتابیں لکھتے ہیں اور مسلمان ہاتھوں ہاتھ ان کو لیتے ہیں اور ان کا یہ حق مانتے ہیں کہ ہمارے مذہب اور ہماری فقہ اور ہماری تہذیب اور ہمارے بزرگوں کی تاریخ کے متعلّق وہ محققانہ کلام فرمائیں اور ہم یہ چیزیں ان

سے سیکھیں۔ یہ صورت حال کسی صحیح اسلامی حکومت میں نہیں رہ سکتی اور نہ رہنی چاہیے اور کوئی وجہ نہیں کہ رہ سکے۔ اسلامی حکومت بھی ہو اور اسلام اور مسلمان یتیم بھی ہوں؟ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہیں۔ یہ رویّہ مسلمانوں کی غیر اسلامی حکومت ہی کو مبارک رہے

۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿سوال نمبر6﴾

کیا اسلامی حکومت موجودہ دور میں جبکہ ایک ملک دوسرے ملک سے قطع تعلّق کر کے ترقّی نہیں کرسکتا غیر ممالک سے مطلق اقتصادی، فوجی، ٹیکنیکل امداد یا بین الاقوامی بنک سے شرح پر قرض لینا بالکل حرام قرار دے گی؟

(ا): پھر مادّی، صنعتی زراعتی و سائنسی ترقی وغیرہ کی جو عظیم خلیج مغربی ترقّی یافتہ (Advanced) ممالک اور مشرقی وسطی بالخصوص اسلامی ممالک یا اس ایٹمی دور میں Have اور Have not کے درمیان حائل ہے کس طرح پر ہو سکے گی؟

(ب): نیز کیا اندرون ملک تمام بینکنگ وانشورنس سسٹم ترک کرنے کا حکم دیا جائے گا؟

(ج): سود، پگڑی، منافع وربٰو اور گڈوِل (Good Will) وخرید وفروخت میں دلالی وکمیشن کے لئے کوئی اجتہادی راہ نکالی جاسکتی ہے؟

(د): کیا اسلامی ممالک آپس میں سود، منافع، ربٰو وغیرہ پر کسی صورت میں قرض کا لین دین کر سکتے ہیں؟

﴿جوابات﴾

مولانا محمد تقی امینی:

(6): جدید ضروریات کے ماتحت جو جدید حالات و مسائل درپیش ہوں گے ان میں مقصد کو برقرار رکھتے ہوئے بتدریج متوازن راہ نکالے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ ابتدا میں لازمی طور سے مقصد تک پہنچنے کے لئے بہت سی ایسی چیزیں قبول کرنی یا نظر انداز کرنی ضروری ہوں گی جو آگے چل کر اپنی موجودہ پوزیشن میں نہ باقی رہ سکیں گی اس طرح بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چیزوں کو نظر انداز کرنے کی گنجائش ہوگی۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کڑی شرطیں منظور فرمائی تھیں۔ اس میں اسلامی سیاست خارجہ اور بیرونی ممالک سے تعلقات استوار رکھنے کے سلسلہ میں واضح مثالیں موجود ہیں۔ (ملاحظہ ہو اسلام کا زرعی نظام صفحہ نمبر ۸۰ تا ۸۴)

اسی طرح ترک و قبول کے مرحلہ میں معاشرتی اصول و کوائف پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس کا ثبوت درج ذیل واقعہ میں ہے حطیم خانہ کعبہ کا ایک حصہ تھا اور کعبہ سے علیحدہ تھا اس کے باوجود رسول اللہ نے اس کو کعبہ کے ساتھ نہیں شامل کیا اور اس کی وجہ یہ فرمائی۔

لَوْلَا حَدِيْثَةُ عُهْدِ قَوْمِكَ بِاللّٰهِ لَنَقَفْتُ الْكَعْبَةِ وَلِجَعَلْتِهَا عَلٰى اَسَاسِ اِبْرَاهِيْم (مسلم ج صفحہ نمبر ۴۲۹ اور عروج و زوال کا الٰہی نظام صفحہ نمبر ۶۳)

اگر تمہاری قوم نئی نئی کفر سے اسلام کی طرف نہ آئی ہوتی تو میں کعبہ توڑ کر اساس ابراہیمؑ پر اس کی تعمیر کراتا اور حطیم کو اس میں شامل کرتا۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اندرون ملک جو بہت سے کاروبار چل رہے ہیں اور ان کی وجہ سے اسلامی اقدار پائمال ہو رہے ہیں۔ مرعوبانہ ذہنیت یا سہل پسندی کی بنا پر ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے نہ ان میں متوازن صورت نکالنے کی کوشش ہو اور نہ ہی بتدریج ختم

کرنے کی راہیں نکالی جائیں۔

اگر یہ صورت حال اسی طرح جاری رہی جس طرح مسلم ممالک میں ہے کہ بہت سے حالات ومسائل میں قابو پانے کے باوجود ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جارہی ہے۔ بلکہ مزید حوصلہ افزائی ہورہی ہے تو موجودہ دور کے قاموس نگار یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ ان حکومتوں نے مذہب کو سیاسی مذہب کی پوزیشن میں اختیار کیا ہے نہ کہ حقیقی مذہب کی۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی:

(6) اسلامی حکومت نے کسی دور میں بھی غیر مسلم ممالک سے قطع تعلّق کی پالیسی اختیار نہیں کی اور نہ آج کرے گی۔ لیکن تعلّق کے معنی قرض مانگتے پھرنے کے نہیں ہیں اور وہ بھی ان کی شرائط پر یہ تعلّق اس زمانے کے کم ہمت لوگوں نے ہی پیدا کیا ہے اگر کسی ملک میں ایک صحیح اسلامی حکومت قائم ہوتو وہ مادی ترقّی سے پہلے اپنی قوم کی اخلاقی حالت سدھارنے کی کوشش کرے گی۔ اخلاقی حالت سدھارنے کے معنی یہ ہیں کہ قوم کے حکمران اور اس کی انتظامی مشنری کے کارپرداز اور قوم کے افراد ایماندار ہوں۔ اپنے حقوق سے پہلے اپنے فرائض کو ملحوظ رکھنے اور سمجھنے والے ہوں اور سب کے سامنے ایک بلند نصب العین ہو جس کے لئے جان، مال اور وقت اور محنتیں اور قابلیتیں سب کچھ قربان کرنے کے لیے وہ تیار ہوں۔ نیز کہ حکمرانوں کو قوم پر اور حکمرانوں پر قوم کو پورا اعتماد ہو اور قوم ایمانداری کے ساتھ یہ سمجھے کہ اس کے سربراہ درحقیقت اس کی فلاح کے لئے کام کررہے ہیں۔ یہ صورت حال اگر پیدا ہوجائے تو ایک قوم کو باہر سے سود پر قرض مانگنے کی صورت پیش نہیں آسکتی۔ ملک کے اندر جو ٹیکس لگائے جائیں گے وہ سو فیصدی وصول ہوں گے اور سو فیصدی ہی وہ قوم کی ترقّی پر صرف ہوں گے نہ اُن کی وصولیابی میں بے ایمانی ہوگی اور ان کے خرچ میں بے ایمانی ہوگی۔ اس پر بھی اگر قرض کی ضرورت

پیش آئے تو قوم خود سرمایہ کا ایک بڑا حصہ رضا کارانہ چندے کی صورت میں اور ایک اچھا خاصہ غیر سودی قرض کی صورت میں اور ایک حصہ منافع میں شرکت کے اصول پر فراہم کرنے کو تیار ہو جائے گی۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ پاکستان میں اگر اسلامی اصولوں کا تجربہ کیا جائے تو شائد بہت جلدی پاکستان دوسروں سے قرض لینے کے بجائے دوسروں کو قرض دینے کے لئے تیا رہو جائے۔

بالفرض اگر ہمیں بیرونی قوموں سے سود پر قرض لینے کی کوئی ناگزیر صورت پیش آ ہی جائے یعنی ہمیں اپنی ضرورت کو پورا کرنا بھی لازم ہو اور اس کے لئے ملک میں سرمایہ بھی نہ مل سکے تو دوسروں سے سود پر قرض لیا جا سکتا ہے لیکن ملک کے اندر سودی لین دین جاری رکھنے کا پھر بھی کوئی جواز نہیں۔ ملک میں سود بند کیا جا سکتا ہے اور پورا مالی نظام (Financial System) سود کے بغیر چلایا جا سکتا ہے۔ میں اپنی کتاب "سود" میں ثابت کو چکا ہوں کہ بینکنگ کا نظام سود کے بجائے منافع میں شرکت (Profit Sharing) کے اصول پر چلایا جا سکتا ہے۔ اس طرح انشورنس کے نظام میں ایسی ترمیمات کی جا سکتی ہے۔ جن سے انشورنس کے سارے فوائد غیر اسلامی طریقہ اختیار کئے بغیر حاصل ہو سکیں۔ دلالی، سود، پگڑی یا کمیشن یا گڈ وِل (Good Will) وغیرہ کی علیٰحدہ علیٰحدہ شرعی پوزیشن ہے جب اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آئے گا۔ تو اس کا جائزہ لے کر یا تو سابق پوزیشن رکھی جائے گی یا پھر ضروری اصلاحات کی جائیں گی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿سوال نمبر 7﴾

اس برصغیر میں چونکہ تمام قانونی ضابطہ ہائے دیوانی، فوجداری، مالیاتی اور عمل درآمد (Procedural Law) وغیرہ عرصہ سے ہر عدالت میں جاری ساری ہیں اور چونکہ ڈیڑھ صدی سے تمام لوگ بالخصوص جج وکلاء وغیرہ نہ صرف ان قوانین سے پوری طرح مانوس بلکہ اس کا وسیع علم رکھتے ہیں اس لئے بھی اسلامی مملکت کے قیام سے یہاں برطانوی دور کے نظامِ عدل (British Judicial System) کا سارا ڈھانچہ بدلنا ممکن نہ ہوگا تو کیا پھر بھی عدالتی ریفارمز لائی جائیں گی جبکہ اسلامی قانون کسی پہلو سے جامع مرتب یا مکمل اور مدوّن (Codified) نہیں ہے۔

(ا): اسلامی عدالتی نظام میں وکلاء کی حیثیت کیا ہوگی؟ کیا اسی طرح Procedural Law کے تحت انہیں مقدّمہ جات لڑنے اور مقدمہ بازی (Litigation) کو طول دینے کا اختیار ہوگا؟

(ب): کیا اس موجودہ ترقی یافتہ دور میں بھی چور کے ہاتھ کاٹنے اور زانی کو سنگسار کرنے کی سزائیں دی جائیں گی؟

(ج): کیا قاضیوں کو موجودہ نافذ قانون شہادت (Evidence Act) کی مدد کے بغیر فیصلے صادر کرنے ہوں گے؟

(د): پھر بین الاقوامی قسم کے ادارے مثلاً اقوام متحدہ (United Nations) کی جنرل اسمبلی، سیکورٹی کونسل، بین الاقوامی عدالت انصاف یا کمرشل ٹریبونل اور لیبر قوانین وغیرہ کی عمل داری دخل اندازی یا انٹرنیشنل لاء پر عمل پیرا ہونے اور ان کی من وعن قبولیت کے لئے اسلامی حکومت کا کیا رویہ ہوگا؟

(س): اگر اسی قسم کے ادارے اسلامک کنفیڈریشن یا اسلامی بلاک بنا کر عمل میں لائے جائیں تو ان کو کیا حیثیت حاصل ہوگی ؟

(ص): کیا اسلامی قانون ساز اسمبلی کے پاس شدہ یا اجتہادی احکام کی اسلامی عدلیہ کو نظر ثانی (Judicial Review) کرنے کا اختیار ہوگا؟

(ط): اسلامی ممالک اور تمام مسلمانوں کو ایک اسٹیج پر لانے کے لئے اختلافات کس طرح رفع کئے جاسکتے ہیں؟

جوابات

مولانا محمد تقی امینی :

(7): یہ کام بتدریج کرنے کا ہے ابتدائی مرحلہ میں قانون کی " جدید تدوین " پھر اس کے مطابق تعلیم وتربیت کا انتظام ہے اور اس کے بعد نفاذ کا درجہ ہے قانون کے نفاذ میں بھی مختلف مراحل سے گزرنا لازمی ہے نہ بیک وقت سارے قانون نافذ ہو سکتے ہیں اور نہ ہی معاشرتی زندگی ان کی متحمل ہو سکتی ہے۔

اسلامی قانون کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ معاشرتی احوال کے پیش نظر ان میں لچک اور ہر حالت کی مناسبت سے قانون موجود ہے چوری وغیرہ کی ابتداء میں وہی سزائیں نافذ ہوسکیں گی جو ابتدائی مراحل کے لئے مقرر ہیں۔

معاشرتی اصلاح اور اسلامی قانون کے نفاذ کے بعد "وکلاء" کی حیثیت خود بخود متعین ہوجائے گی اور بڑی حد تک یہ اُن ضروریات کے حامل بن جائیں گے۔ جن کو معاشرہ کی ضرورت ہوگی۔ فریقین کی رہنمائی " مختار " کی حیثیت سے مقدمہ کی پیروی وغیرہ کا کام پھر بھی باقی رہے گا جیسا کہ مسلم حکومتوں کے زمانہ میں وکیل الخصومۃ کے نام سے اسی قسم کے کام یہ

انجام دیتے رہے ہیں نمبر 1 ۔ البتہ عدالت کی سمتوں کی تعیّن کے بعد ان کے کام کی موجودہ نوعیّت میں لازمی طور سے تبدیلی ہوجائے گی اور حکومت کا مزاج بدلنے کے بعد ان کے مزاج بھی بدل جائیں گے۔

بین الاقوامی ادارے اور اس قسم کی تمام وہ کوششیں جو دنیا کو ایک مرکز پر لانے انصاف کو عام کرنے مظلوم ملکوں اور قوموں کو نجات دلانے وغیرہ کاموں کے لئے ہوں گے۔ اسلام حکومت ان کی حوصلہ افزائی کرے گی۔ لیکن اپنے مقصد اور جدّ وجہد کو ایک لمحہ کے لئے بھی وہ فراموش نہ کرے گی "میثاق فضول" محدود پیمانہ پر اسی قسم کا معاہدہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف اس میں شرکت فرمائی۔ بلکہ اسکے لئے فرمایا کہ سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ پیارا ہے۔ (فقہ کی کتابوں میں وکیل الخصومۃ کے احکام موجود ہیں)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی :

(7) اس سوال کے جواب میں یہ بات پہلے ہی سمجھ لینی چاہیے کہ جب انگریزی حکومت اس ملک میں آئی تھی تو اس وقت سارا قانونی نظام (Legal System) اسلامی فقہ پر قائم تھا۔ انگریزوں نے آکر اس کو یک لخت تبدیل نہیں کیا بلکہ انگریزی حکومت میں سالہا سال تک اسلامی نظام ہی چلتا رہا۔ انگریز اس کو بتدریج تبدیل کرتے رہے اور رفتہ رفتہ انہوں نے اپنا نظام رائج کیا اب اگر ہم اسلامی نظام قانون کو از سر نو قائم کرنا چاہیں تو یہ تبدیلی بھی یک لخت نہیں ، بتدریج ہی ہوگی اور اسکے لئے بہت حکمت کے ساتھ ایک ایک قدم اُٹھانا پڑے گا۔ اسلامی قوانین اگر مدوّن (Codified) نہیں ہیں تو ان کے مدون (Codify) کرنے میں کوئی دقت نہیں ہے۔ اسی طرح اسلامی قانون کی شرحیں کثرت سے موجود ہیں۔ ان کو کو آسانی سے اُردو زبان میں منتقل کیا جاسکتا ہے اور آگے نئی شرحوں کا سلسلہ چل سکتا ہے۔

اسی موجودہ ترقی یافتہ دور میں سعودی عرب میں زنا اور چوری کی سزائیں جاری ہیں اور تجربے نے تمام دنیا کے سامنے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انہی سزاؤں کی وجہ سے سعودی عرب میں جرائم کی اتنی کمی ہوگئی ہے جتنی دنیا کے کسی ملک میں نہیں ہے۔ اب اگر اس دور کے ترقی یافتہ ہونے کے معنی یہی ہیں کہ جرائم میں ترقی ہو تو بسم اللہ، مغربی قانونی سسٹم پر عمل کرتے رہیئے۔ لیکن جرائم کا انسداد بھی اگر ترقی کے لئے ضروری ہے تو پھر یہ تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ اسلامی قانون سے زیادہ کارگر کوئی قانون نہیں ہے۔ دراصل اس زمانے کی مذہبی تہذیب کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی ساری ہمدردیاں مجرموں کے ساتھ ہیں اسی لئے یہ نقطہ نظر پیش کیا جاتا ہے کہ یہ سزائیں وحشیانہ ہیں۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ چوری کرنا کوئی وحشیانہ کام نہیں ہے۔ البتہ اس پر ہاتھ کاٹنا وحشیانہ کام ہے۔ اور زنا کا ارتکاب تو مغربی تہذیب میں ایک تفریح ہے ہی۔

مجھے نہیں معلوم کہ اس خیال کا ماخذ کیا ہے کہ اسلامی قانون میں قاضیوں کو قانون شہادت (Law of Evidence) کی مدد کے بغیر فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے یا کوئی ایسا دستور العمل رہا ہے۔ حالانکہ خود قرآن نے قانون شہادت کے بہت سے اصول بیان کئے ہیں اور اس کی بیشتر تشریحات، حدیث اور خلفائے راشدین کے فیصلوں سے ملتی ہیں۔ بالخصوص فقہا نے ان اصولوں کو نہایت محنت سے ترتیب دیا ہے اور اسلامی دور میں کوئی ایسا قاضی نہیں گزرا جس نے ثبوت کے بغیر فیصلے صادر کئے ہوں۔

وکالت کے بارے میرے نزدیک صرف اتنی اصلاح درکار ہے کہ قانون کی پریکٹس بند کر دی جائے اور وکلا کو اسٹیٹ معاوضہ دے۔ اب بھی قانون کا نظریہ یہ ہے کہ وکیل کا اصل

کام اپنے موکّل کی حمایت کرنا نہیں ہے بلکہ عدالت کو قانون سمجھنے اور منطبق (Apply) کرنے میں مدد دینا ہے۔ وکالت کے پیشہ بن جانے کی وجہ سے یہ خرابی پیدا ہوئی ہے کہ وکیل عدالت کو گمراہ (Mislead) کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گواہوں کو سکھاتے پڑھاتے ہیں۔ عدالت کے سامنے مقدّمات کی روئیداد غلط لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مقدّمات کو طول بھی دیتے ہیں اور مقدّمہ بازی کو بڑھاتے بھی ہیں۔

بین الاقوامی قسم کے تمام اداروں میں ہم شریک ہو سکتے ہیں۔ ان کے اندر اگر کوئی چیز بھی ہمارے اصول کے مطابق نہ ہوگی تو ہم اس کی حد تک اپنی الگ پالیسی بنائیں گے اور اسی حد تک ہماری شرکت میں استثنا ہوگا۔ مسلمان ممالک خود اپنی دولت متحدہ (Common Wealth) یا (Confederation) بنا سکتے ہیں اور اسلامی اصول کے مطابق باہمی تعلقات کے طریقے مقرّر کر سکتے ہیں۔

اسلامی قانون ساز اسمبلی کے طے کئے ہوئے اجتہادی احکام پر اسلامی عدلیہ نظر ثانی (Review) نہیں کر سکتی البتہ اگر وہ احکام قانون ساز اسمبلی کے اختیار سے متجاوز ہوں تو ان کو حدود اختیار سے تجاوز (Ultra vires) قرار دے سکتی ہے۔

اسلامی ممالک اور مسلمانوں کو ایک سٹیج پر لانے کے لئے اختلافات رفع کرنے کی صورت ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ مسلمان ایمانداری کے ساتھ قرآن اور سنّت کی ہدایات پر چلنے کے لئے تیار ہوں۔ قرآن کی تاویل اور سنّت کی تحقیق میں اختلافات ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ مل کر کام کرنے میں مانع نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم اس اصول کو مان لیں کہ جو شخص بھی قرآن اور سنّت کو سند و حجّت (Authority) مان لے وہ ہماری برادری کا آدمی ہے تو یہ چیز کسی آدمی کو ہماری

برادری سے خارج نہیں کرسکتی کہ وہ قرآن کے معنی ہم سے مختلف سمجھ رہا ہے اور اس کے نزدیک کسی معاملہ میں سنت سے کوئی اور بات ثابت ہوتی ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جتنی عدالتیں بھی پاکستان کے دستور اور قانون کو واجب الاطاعت قانون مان کر کام کرتی ہیں وہ سب اس ملک کی جائز عدالتیں ہیں اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام عدالتوں کے فیصلے بھی یکساں ہوں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سوال نمبر 8

کیا "اجتہاد" کے اُس دروازے کو جسے صدیوں بیشتر بند کردیا گیا تھا آج کھولنے کی شدید ضرورت نہیں ہے؟

(ا): اور وہ اجتہادی اصول جو آج سے ہزار سال قبل بنائے گئے تھے کیا ان کو بڑی سختی سے آج بیسویں صدی کے مسائل پر بھی نافذ کیا جائے گا؟

(ب): حکومت اس صورت حال سے کس طرح نپٹے گی جبکہ ہر طبقہ فکر یعنی (Sub-sects) کے پیرو اپنے آئمہ کے اجتہادی احکام کو بدلنے کے خلاف ہیں اور نہایت شدّ ومدّ سے آج کے مسائل کے لئے بھی انہی کی تشریح وتوضیع کر کے فیصلے کرنے کے حق میں ہیں؟

(ج): اگر ہر مکتب فکر کے علماء کو اکثریت آرا سے اجتماعی طور پر "اجتماع" کے لئے مامور کیا

جائے تو کیا جو "اجتہاد" اس طرح کیا گیا ہو وہ تمام مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہوگا؟

(د): کیا حکومت کو اس پر سختی سے عمل پیرا ہونے پر مجبور کیا جا سکے گا؟

(ر): خلاف ورزی اور مخالفت و نکتہ چینی کہاں تک برداشت ہو سکتی ہے؟

(س): کیا حضرت علیؑ و جعفرؑ صادقؑ وشیعہ آئمہ کا اجتہاد اور قوانین جو اگر بعض معاملات میں مناسب ہوں تو کیا تمام مسلمانوں کے لئے اسلامی حکومت نافذ کر سکتی ہے؟

﴿جوابات﴾

مولانا محمد تقی امینی :

(8): عموماً تین قسم کی صورتوں میں اجتہاد کی ضرورت ہوگی۔

1۔ موقع و محل کی تعین میں اجتہاد۔

2۔ نئے مسائل کی تحقیق کے لئے اجتہاد

3۔ حکم اور مسئلہ کی صورت موجود ہے لیکن اس میں لوگوں کو واقعی دقت پیش آتی ہے یا اس کا اصل مقصد فوت ہو چکا ہے اس لئے اجتہاد کے ذریعہ اس میں سہولت پیدا کرنا یا اس کو مفید مقصد بنانا۔

ملکی قانون کے نام سے قانون کی نئی ترتیب و تنظیم کی جائے گی۔ جس میں بڑی حد تک فروعی اختلاف کی حیثیت ثانوی درجہ میں ہوگی اور خالص عبادات وغیرہ کے احکام میں ہر فرقہ کو

سہولت دی جائے گی۔

ملکی قانون کے بورڈ میں ہر فرقہ کے بیدار مغز و روشن دماغ علماء اور فنی ماہرین کو شامل کرنا بھی ضروری ہوگا۔ اس بورڈ کو "اجماع" کا درجہ بھی دیا جاسکتا ہے۔

یہ اجماع مجموعی حیثیات سے ہدایت الٰہی کی کلی پالیسی اور بنیادی اصول کے ماتحت ہوگا یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر جزیہ کے لئے قرآن وسنّت میں مستقل سند ہی موجود ہو (التقریر والتحبیر ج صفحہ نمبر ۱۲)

اس کے اختیارات درج ذیل قسم کے ہوں گے۔

(۱) حالات وتقاضہ کی مناسبت سے نئے قوانین وضع کرنا۔

(۲) پرانے اجماعی فیصلے جو حالات و مصلحت کے تابع تھے ان میں موجودہ حالات و مصلحت کے پیش نظر مناسب ترمیم کرنا۔

(۳) وہ احکام جو بتدریج نازل ہوئے ہیں معاشرتی حالات کے لحاظ سے انہیں مقدّم و مؤخّر کرنا۔

(۴) وہ احکام جن میں مقامی حالات و رسم و رواج فضائل و عادات ملحوظ ہیں۔ ان کی روح اور پالیسی برقرار رکھتے ہوئے جدید حالات کے پیش نظر ان کے لئے نیا قالب وضع کرنا۔

(۵) وہ احکام جو وقتی تقاضہ اور مصلحت کے تحت ہیں موجودہ تقاضہ اور مصلحت کے تحت ان میں مناسب ترمیم کرنا۔

(۶) رسول اللہ کے اصحاب جن احکام میں مختلف الرائے ہیں معقول دلیل کی بناء پر ان میں کسی ایک کو ترجیح دینا۔

(۷) فقہاء کی مختلف رایوں میں حالات وتقاضہ کی مناسب سے ترجیحی صورت پیدا کرنا وغیرہ

۔(حوالہ بالا ج۳ صفحہ نمبر ۶۹، ۷۰)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی :

(8) یہ سوال بہت سے اصولی سوالات پر مشتمل ہے اس کے ایک ایک جزو کا جواب نمبر وار دوں گا۔

(ا) اجتہاد کا دروازہ کھولنے سے کسی ایسے شخص کو انکار نہیں ہوسکتا جو زمانے کے بدلتے ہوئے حالات میں ایک اسلامی نظام کو چلانے کے لئے اجتہاد کی اہمیّت وضرورت کو اچھی طرح سمجھا ہو۔ لیکن اجتہاد کا دروازہ کھولنا جتنا ضروری ہے اتنا ہی احتیاط کا متقاضی بھی ہے۔ اجتہاد کرنا ان لوگوں کا کام نہیں ہے جو ترجموں کی مدد سے قرآن پڑھتے ہوں حدیث کے پورے ذخیرے سے نہ صرف ناواقف ہوں بلکہ اس کو دفتر بے معنی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہوں۔ پچھلی تیرہ صدیوں میں فقہائے اسلام نے اسلامی قانون پر جتنا کام کیا ہے اس سے سرسری واقفیّت بھی نہ رکھتے ہوں اور اس کو فضول سمجھ کر پھینک دیں۔ پھر اس پر مزید یہ کہ مغربی نظریات واقدار کو لے کر ان کی روشنی میں قرآن کی تاویلیں کرنا شروع کر دیں۔ اس طرح کے لوگ اگر اجتہاد کریں گے تو اسلام کو مسخ کر کے رکھ دیں گے اور مسلمانوں میں جب تک اسلامی شعور کی رمق موجود ہے ایسے لوگوں کے اجتہاد کو ہرگز ضمیر کے اطمینان کے ساتھ قبول نہ کریں گے۔ اس طرح کے اجتہاد سے جو قانون بھی بنایا جائے گا وہ صرف ڈنڈے کے زور سے ہی قوم پر مسلّط کیا جاسکے گا اور ڈنڈے کے ساتھ ہی وہ رخصت ہوجائے گا۔ قوم کا ضمیر اس کو اس طرح اگل کر پھینک دے گا جس طرح انسان کا معدہ نگلی ہوئی مکھی کو اگل کر پھینک دیتا ہے۔ مسلمان اگر اطمینان کے ساتھ کسی اجتہاد کو قبول کر سکتے ہیں تو صرف ایسے لوگوں کا اجتہاد ہے جن کے علم دین

اور خدا ترسی اور احتیاط پر ان کو اطمینان اور بھروسہ ہو اور جن کے متعلق وہ یہ جانتے ہوں کہ یہ لوگ غیر اسلامی نظریات و تصورات کو اسلام میں نہ ٹھونسیں گے۔

(ب) جو اجتہادی اصول آج سے ہزار سال پہلے بنائے گئے تھے وہ صرف اس لئے رد کر دینے کے قابل نہیں ہیں کہ وہ ہزار سال پرانے ہیں۔ معقولیت کے ساتھ جائزہ لے کر دیکھئے کہ وہ اصول تھے کیا اور اس بیسویں صدی میں ان کے سوا اور کچھ ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ ان میں سے پہلا اصول یہ تھا کہ آدمی اس زبان کو اور اس کے قواعد اور محاروں اور ادبی نزاکتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہو جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ بتایئے کیا یہ اصول غلط ہے؟ انگریزی زبان میں قانون کی جو کتابیں لکھی گئی ہیں کیا ان کی تعبیر کا حق کسی ایسے شخص کو دیا جا سکتا ہے جو انگریزی زبان کی ایسی ہی واقفیت نہ رکھتا ہو۔ وہاں تو ایک کاما (Comma) کے ادھر سے ادھر ہو جانے سے معنی میں عظیم فرق پیدا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ بسا اوقات ایک کاما کی تبدیلی کے لئے پارلیمنٹ کو ایک قانون (Act) پاس کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہاں یہ مطالبہ ہے کہ قرآن کی وہ لوگ تعبیر کریں جو ترجموں کی مدد سے قرآن سمجھتے ہوں اور ترجمے بھی وہ جو انگریزی زبان میں ہوں۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ آدمی نے قرآن مجید کا اور ان حالات کا جن حالات میں قرآن مجید نازل ہوا ہے گہرا اور وسیع مطالعہ کیا ہو۔ کیا اس اصول میں کوئی غلطی ہے؟ کیا موجودہ قوانین کی تعبیر کا حق کسی ایسے شخص کو دیا جا سکتا ہے جس نے قانون کی کسی کتاب کا محض سرسری مطالعہ کر لیا ہو یا اس کا محض ترجمہ پڑھ لیا ہو؟ تیسرا اصول یہ ہے کہ آدمی اس عمل درآمد سے اچھی طرح واقف ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں اسلامی قوانین پر ہوا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ قرآن خلا میں سفر کرتا ہوا براہ راست ہمارے پاس نہیں پہنچ گیا ہے اس کو خدا کی طرف سے ایک نبی ﷺ لایا تھا۔ اس نبی ﷺ نے اس کی بنیاد پر افراد تیار

کئے تھے۔ معاشرہ بنایا تھا۔ ایک ریاست قائم کی تھی۔ ہزار ہا آدمیوں کو اس کی تعلیم دی تھی اور اس کے مطابق کام کرنے کی تربیت دی تھی۔ ان ساری چیزوں کو آخر کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ ان کا جو ریکارڈ موجود ہے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر کے صرف قرآن کے الفاظ سے احکام نکالنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ آدمی اسلامی قانون کی پچھلی تاریخ سے واقف ہو۔ وہ یہ جانے کہ یہ قانون کس طرح ارتقاء کرتا ہوا آج تک ہمیں پہنچا ہے پچھلی تیرہ صدیوں میں صدی بہ صدی اس پر کیا کام ہوا ہے اور مختلف زمانوں میں وقت کے حالات پر قرآن اور سنّت کے احکام کو منطبق کرنے کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کئے گئے ہیں اور تفصیلاً کیا احکام مرتّب کئے جاتے رہے ہیں۔ اس تاریخ اور اس کام سے واقف ہوئے بغیر اجتہاد کر کے ہم اسلامی قانون کے ارتقاء کا تسلسل (Continuity) آخر کس طرح برقرار رکھ سکتے ہیں۔ ایک نسل اگر یہ طے کر لے کہ پچھلی نسلوں کے کئے ہوئے سارے کاموں کو چھوڑ دے گی اور نئے سرے سے اپنی عمارت بنائے گی تو ایسا ہی احمقانہ فیصلہ ہمارے بعد آنے والی نسلیں کر سکتی ہیں۔ ایک دانشمند قوم اپنے اسلاف کے کئے ہوئے کام کو برباد نہیں کرتی بلکہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس کو لے کر آگے وہ کام کرتی ہے جو انہوں نے نہیں کیا اور اس طرح مسلسل ترقی جاری رہتی ہے۔ پانچواں اصول یہ ہے کہ آدمی ایمانداری کے ساتھ اسلامی اقدار اور طرز فکر اور خدا اور رسول کے احکام کی صحت کا معتقد ہو اور رہنمائی کے لئے اسلام سے باہر نہ دیکھے بلکہ اسلام کے اندر ہی رہنمائی حاصل کرے یہ شرط ایسی ہے جو دنیا کا ہر قانون اپنے اندر اجتہاد کرنے کے لئے لازمی طور پر لگائے گا۔ درحقیقت اجتہاد کے یہی پانچ اصول ہیں۔ اگر کوئی صاحب معقول دلیل سے اس بیسیوں صدی کے لئے کچھ اصول تجویز کر سکیں تو ہم ان ممنون احساس ہوں گے۔

(ج) مسلمانوں میں فرقوں کے جتنے اختلافات ہیں ان کے بارے میں پہلے ہی پاکستان کے علماء اس بات پر اتفاق کر چکے ہیں کہ جہاں تک پرسنل لاء کا تعلق ہے ہر فرقے پر وہی احکام نافذ ہوں گے جو اس فرقے کے نزدیک مسلّم ہیں اور جہاں تک ملکی قوانین کا تعلّق ہے وہ اکثریّت کے مسلک کے مطابق ہوں گے۔ کیا اس کے بعد وہ مشکلات باقی رہتی ہیں جن کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اگر مجلس قانون ساز میں ہمارے نمائندے احتیاط کے ساتھ اس اصول پر عمل کریں تو فرقہ وارانہ اختلافات آہستہ آہستہ کم ہوتے چلے جائیں گے اور ہمارے قوانین کا ارتقاء بڑی اچھی طرح ہو سکے گا۔

(د) فقہ جعفریہ اور شیعہ علماء کا اجتہاد اسی ملک میں نافذ کیا جا سکتا ہے جہاں شیعہ فرقے کی اکثریّت ہو چنانچہ ایران میں وہ نافذ ہے۔ لیکن پاکستان میں وہ شیّعوں کے پرسنل لاء کی حیثیّت سے ہی رہ سکتا ہے۔ سنّی اکثریّت پر اس کو نافذ کرنے کی کیسے کوشش کی جا سکتی ہے؟

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سوال نمبر 9

کیا "اجتہاد" جو کیا جائے گا وہ قرآن و حدیث و سابقہ اجتہادی احکام و قوانیّن جو خلفائے راشدین کے عہد میں نافذ کئے گئے تھے ان کے محض الفاظ پر ہی زور دے کر عمل کیا جائے گا یا آیت و حدیث کی صحیح اسپرٹ کو مدنظر رکھ کر کہ کن اور کب و کونسے حالات و ماحول و رجحان کے تحت وہ جاری ہوئیں؟

(ا) آج موجودہ قانونی دفعات میں بھی الفاظ (Wording of the Section) کی بندش جتنی اہمیّت رکھتی ہے اس سے زیادہ دیباچہ قانون (Preamble) اہمیّت رکھتا ہے جس کی روشنی میں آئین و قانون کی دفعات تک کالعدم قرار دے دی جاتی ہے فرض کیجئے جیسا کہ مسلمان روزہ طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک رکھتے ہیں لیکن نماز روزہ کے لیے اوقات کا تعیّن قطبین (Pollars) پر رہنے والے مسلمانوں کے لئے کیا ہوگا۔ جہاں مہینوں لمبی راتیں اور دن ہوتے ہیں؟

(ب) اور فرض کیجئے کہ کسی خطہ میں قربانی کے لئے گائے، بیل، اونٹ، بھیڑ، بکری وغیرہ دستیاب نہ ہوتے ہوں اور مثلاً وہاں صرف سُور، خرگوش، مچھلی، گینڈے، ہاتھی اور کتے وغیرہ موجود ہوں یا کچھ نہ ہوں تو وہاں قربانی کی کیا صورت ہوگی؟

(ج) کیا قربانی کی صحیح اسپرٹ واصل جذبے کے تحت جانور جتنی مالیّت رقم کی صورت میں حکومت وقت کے بیت المال میں اگر جمع کردی جائے یا قوم کی فلاح و بہبود پر خرچ کردی جائے تو کیا شریعت اس پر اکتفا کرے گی؟

جوابات

مولانا محمد تقی امینی :

(9) مذکورہ کاموں کی انجام دہی کے لئے مختلف فقہاء کے اجتہادی اصولوں سے مدد لینے میں وسعت ہوگی یہ اصول بڑے کارآمد اور دوررس نتائج کے حامل ہیں ان میں بصیرت نہ ہونے کی بنا پر مختلف شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں۔

یہ اصول قرآن وسنّت کی صحیح اسپرٹ کو مدنظر رکھ کر وضع ہوئے ہیں اور "اسپرٹ" ہی

کی روشنی میں مذکورہ تین قسم کی اجتہادی صورتیں ذکر کی گئی ہیں۔

موجودہ دور میں ان کی بھی نئی ترتیب و تدوین کی ضرّورت ہے تاکہ استفادہ عام ہوسکے نئی ترتیب میں درج ذیل باتوں کا لحاظ ہونا چاہئے۔

(۱) موجودہ تقاضہ کے مطابق مسائل میں باہمی ربط پیدا کیا جائے۔

(۲) فقہاء کے درمیان اختلاف کے وسیع سلسلہ کو حتی الامکان کم کیا جائے۔

(۳) جو مثالیں اور فصاحتیں قدیم زمانہ کی ہیں اور اب ان کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے انہیں جدید ضرورتوں میں لایا جائے گا۔

(۴) حالات وتقاضہ کے مطابق اس میں اگر وسعت کی ضرّورت ہو تو اس کی توثیق بھی قدیم اصولوں سے ہوسکتی ہے اجتہاد کے سلسلہ میں درج ذیل اصول سے کافی مدد ملے گی۔

(۱) قرآن حکیم کے موقع ومحل کی تعیّن میں سیرت نبوی ﷺ اور عہد صحابہ سے استفادہ۔

(۲) حدیث کے سلسلہ میں روایت اور درایّت دونوں سے کام لینا بالخصوص غیر صی چیزوں میں ورلیّت کا معیار مقرر کرنا ضروری ہوگا۔ (۳)۔ قیاس (۴) ۔استحسان (۵) استصلاح یا مصالح مرسلہ (۶) استدلال (۷) تعامل (۸) عرف ورواج

(۹) مسلمہ شخصیّتوں کی رائیں (۱۰) ملکی قانون (جن سے کسی اصول کلیہ پر زد نہ پڑتی ہیں)۔

مجموعی حیثیّت سے یہ اسقدر وسیع اور جامع ہیں کہ ان کی مدد سے بہترین "تدوین" ہوسکتی ہے۔ ہر ایک کی تفصیل کتب اصول میں ملاحظہ کرنا چاہیے۔

مسلم معاشرہ میں ابھی اس درجہ کے "انگیز" کی صلاحیّت نہیں پیدا ہوسکتی ہے کہ وہ

قانونی جزئیات وفروع میں " آفاقیت " کے تصور کو جذب کر سکے اس لئے بین الاقوامی فقہ کو بروئے کار لانے کے لئے نہ ماحول سازگار ہے نہ مفید نتیجہ کی توقع ہے۔

موزوں صورت یہی ہے کہ جس ملک میں جو فقہ رائج ہو اسی کو سامنے رکھ کر ملکی قانون مرتّب کیا جائے۔ البتہ جن مسائل میں حالات وتقاضہ کے مطابق تبدیلی کرنی پڑے یا نئے مسائل حل کرنے کی صورت ہو تو ایسے مواقع میں دوسری فقہ نیز اختلافاتِ فقہاء سے ضرور مدد لی جائے۔

اس طریق کار میں قولی فقہ کے غلط نظریہ کو کسی درجہ میں تقویّت پہنچنے کا اندیشہ ہے لیکن بڑے اور اہم مقصد کی خاطر ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کئے بغیر موجودہ دور میں کوئی اہم دینی خدمت نہیں ہو سکتی ہے

قطبین پر رہنے والوں کے لئے یا جہاں بھی موجودہ نظم قدرتی طور پر نہیں قائم رہ سکتا ہے فقہاء نے نماز کے اوقات کا انداز گھنٹوں کے حساب سے کیا ہے (ملاحظہ ہو شامی وغیرہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درج ذیل حدیث میں جس میں اپنے ایک ایسے دور کا، تذکرہ فرمایا کہ اس میں دن ورات اور طلوع وغروب کا موجودہ نظم نہ قائم رہ سکے گا۔ صحابہ کرامؓ نے سوال کیا؟

فَذَالِکَ الْیَوْمُ الَّذِیْ کَسَنَۃٍ" اَیَکْفِیْنَافِیْہِ صَلٰوۃُ یَوْمٍ؟

قَالَ لَا اَقْدِرُوْالَہٗ قَدْرَہٗ (ملاحظہ ہو شامی وغیرہ)

"وہ دن جو مثل ایک سال کے ہوگا کیا ہمیں اس میں ایک دن کی نماز کافی ہوگی

رسول اللہ نے فرمایا نہیں تم اس کا اندازہ کرو"

اس حدیث سے فقہاء کے تصریح کی تائید ہوئی۔

"قربانی" ایک مخصوص یادگار ہے اور زندگی میں خاص قسم کی ذہنیّت پیدا کرنے کے لئے مقرّر کی گئی ہے۔ اگر کسی خطّہ میں بالفرض قربانی کے جانوروں کا وجود نہ ہو تو مقامی حالات کی مناسبّت سے ایسی متوازی صورت سوچنے کی ضرورت ہے کہ حتی الامکان قربانی کی اصلی روح و اسپرٹ برقرار رہے۔

پھر اس کا مصرف بھی مخصوص ہے زکوٰۃ وصدقات جیسا نہیں ہے ایسی صورت میں اس کے بدل کے لئے اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

بیت المال میں جمع کرنے کی صورت تمام پہلوؤں پر غور کرنے اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہی نکل سکتی ہے۔ مقررہ احکام ومراسم میں "بدل" کا معاملہ اتنا زیادہ آسان نہیں ہے جتنا کہ پاکستان میں بعض اہل فکر وقلم سمجھ رہے ہیں اس راہ میں قدم اٹھانے کے لئے نہایت احتیاط کی ضرورت ہے ورنہ دین وشریعّت کا معاملہ " بازیچہ اطفال" بن کر رہ جائے گا۔ (مشکوٰۃ ترمذی ومسلم)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی :

(9) اجتہاد کے لئے الفاظ اور اسپرٹ دونوں ہی کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے لیکن اسپرٹ کا مسئلہ خاصہ پیچیدہ ہے اگر اسپرٹ سے مراد وہ چیز ہے جو بحیثیّت مجموعی قرآن کی تعلیمات رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم کے عمل، خلفائے راشدین کے عمل وبحیثیّت مجموعی فقہائے امت کے فہم سے ظاہر ہوتی ہے تو بلاشبہ یہ اسپرٹ ملحوظ رکھنے کے قابل ہے اور اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ۔لیکن اگر الفاظ قرآن اور سنّت سے لئے جائیں اور اسپرٹ کہیں اور سے لائی جائے تو یہ سخت قابل اعتراض چیز ہے اور ایسی اسپرٹ کو ملحوظ رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم خدا اور رسول کا نام لے کر اُن سے بغاوت کرنا چاہتے ہیں۔

قطبین کے متعلق روزہ اور نماز کے معاملہ میں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ قرآن اور حدیث کی رو سے اصل مقصود خدا کی عبادت ہے یا ان دونوں عبادتوں کو اُن خاص اوقات کے اندر ادا کرنا جن کی علامات قرآن اور سنّت میں بتائی گئی ہیں۔ تمام دنیا کا یہ مسلّم قاعدہ ہے کہ کسی حکم سے جو اصل مقصود ہو وہ زیادہ اہمیّت رکھتا ہے اور اگر اس حکم کے متعلّقات میں سے کوئی چیز ایسی آجائے جس کی پابندی کرنے کے ساتھ حکم کے مقصد کو پورا نہ کیا جاسکتا ہو تو مقصد میں ترمیم کرنے کی بجائے اُن متعلّقات میں ترمیم کی جائے گی۔ اب یہ ظاہر بات ہے کہ قرآن مجید اور سنّت کی رو سے نماز ادا کرنا اور روزہ رکھنا اصل مقصد ہے اور جو اوقات ان عبادتوں کے لئے مقرر کئے گئے ہیں وہ زمین کی بہت بڑی آبادی کی سہولت کو ملحوظ رکھ کر مقرر کئے گئے ہیں۔ زمین کی آبادی کا بہت بڑا حصہ اُن علاقوں میں آباد ہے جہاں رات دن کا الٹ پھیر جو بیس گھنٹوں میں ہو جاتا ہے اور ان علاقوں میں چونکہ اکثریّت کے پاس ہر وقت گھڑی نہیں رہ سکتی اس لئے ان کی سہولت کو مدنظر رکھ کر اوقات کے لئے وہ علامات بیان کی گئی ہیں جو افق پر یا آسمان پر ظاہر ہونے والی ہیں تا کہ ہر انسان اپنی عبادت کے لئے اوقات بآسانی معلوم کر لے۔ قطبین پر انسانی آبادی کا بہت چھوٹا حصہ آباد ہے۔ اس آبادی کو نماز اور روزے کے احکام پر عمل کرنے کے لئے اپنے حالات کے لحاظ سے اوقات مقرّرہ میں مناسب ترمیمیں کرنی ہوں گی۔ کیونکہ ان اوقات کی پابندی اور عبادت کی ادائیگی دونوں ایک ساتھ نہیں ہو سکتیں اس لئے عبادت کے حکم کو اوقات کے حکم پر قربان نہیں کیا جاسکتا ہے۔

قربانی کے حکم پر عمل کرنے کے صرف دو اصول مدِّ نظر رکھنے ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ جانور وہ ہو جو اسلام میں حرام نہیں کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ جانور وہ ہو جو کسی آبادی میں مویشی (Cattle) کی حیثیّت سے استعمال ہوتا ہو۔ اس طرح قربانی کے حکم پر دنیا کی ہر آبادی میں عمل

کیا جاسکتا ہے۔قربانی بہرحال جانور ہی کی ہونی چاہیے اس کے بدلے میں کوئی مالی اتفاق کی شکل اختیار نہیں کی جاسکتی۔ میں اس موضوع پر تفصیلی بحث اپنے رسالے "مسئلہ قربانی" میں کر چکا ہوں۔

﴿سوال نمبر 10﴾

موجودہ آزاد تمدّنی دور میں بھی کیا غرباء مساکین کے لئے امراء و رؤسا سے زکوٰۃ فنڈ جبراً وصول کیا جانا مناسب ہوگا۔ جبکہ وہ دیگر کئی ٹیکسوں کے علاوہ انکم ٹیکس بھی حکومتِ وقت ہی کو ادا کرتے ہوں؟

﴿جوابات﴾

مولانا محمد تقی امینی:

(10) جس روح اور مقصد کے پیش نظر "زکوٰۃ" فرض ہوئی ہے اور غیر شعوری طور پر اسکے ذریعہ جذبات کی جس انداز سے تربیّت ہوتی ہے "انکم ٹیکس" کی ادائیگی سے نہ وہ روح پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی وہ مقصد حاصل ہوتا ہے۔ "زکوٰۃ" موجودہ دور کے ٹیکس کی حیثیّت میں نہیں ہے بلکہ زندگی کی تربیّت و خاص سانچہ میں ڈھالنے کے لیے ایک "آلہ" کی حیثیّت رکھتی ہے جس طرح نماز۔

کل کو نماز کا بھی کوئی بدل مقرر کر کے سوال ہوگا کہ اب اس کی کیا ضرّورت ہے؟

زکوٰۃ کا ایک نظم بہرحال ضروری ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی :

(10) زکوٰۃ کے متعلق پہلی بات یہ سمجھ لینی چاہیے کہ یہ ٹیکس نہیں ہے بلکہ ایک عبادت اور رکن اسلام ہے جس طرح نماز، روزہ اور حج ارکان اسلام ہیں۔ جس شخص نے بھی کبھی قرآن مجید کو آنکھیں کھول کر پڑھا ہے وہ دیکھ سکتا ہے کہ قرآن بالعموم نماز اور زکوٰۃ کا ایک ساتھ ذکر کرتا ہے اور اُسے اُس دین کا ایک رکن قرار دیتا ہے۔ جو ہر زمانے میں انبیاء کرام کا دین رہا ہے اس لئے اُس کو ٹیکس سمجھنا اور ٹیکس کی طرح اس سے معاملہ کرنا پہلی بنیادی غلطی ہے ایک اسلامی حکومت جس طرح اپنے ملازموں سے دفتری کام اور دوسری خدمات لے کر یہ نہیں کہہ سکتی کہ اب نماز کی ضرورت باقی نہیں کیونکہ انہوں نے سرکاری ڈیوٹی دے دی ہے۔ اس طرح وہ لوگوں سے ٹیکس

لے کر یہ نہیں کہہ سکتی کہ اب زکوٰۃ کی ضرورت باقی نہیں کیونکہ ٹیکس لے لیا گیا ہے۔ اسلامی حکومت کو اپنے نظام اوقات لازماً اس طرح مقرر کرنے ہوں گے تاکہ اس کے ملازمین نماز وقت پر ادا کر سکیں۔ اسی طرح اس کو اپنے ٹیکسیشن کے نظام میں زکوٰۃ کی جگہ نکالنے کے لئے مناسب ترمیمات کرنی ہوں گی۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ حکومت کے موجودہ ٹیکسوں سے کوئی ٹیکس اُن مقاصد کے لئے اُس طرح استعمال نہیں ہوتا ہے جن کے لئے قرآن میں زکوٰۃ فرض کی گئی ہے اور جس طرح اسکے تقسیم کرنے کا حکم ہے۔

☆☆☆☆☆☆

﴿سوال نمبر 11﴾

مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو زندہ رکھنے کے لئے آج بیسویں صدی میں کیا طریق کار اختیار کیا جائے گا جبکہ آج کی جنگ شمشیر وسناں سے یا میدان جنگ میں صف آرا ہو کر دست بدست نبرد آزمائی سے نہیں ہوتی بلکہ سائنسی ہتھیاروں ، دماغوں نفسیات و جاسوسی (Strategy espionage) سے لڑی جاتی ہے؟

(ا) آپ ایٹم بم ۔ راکٹ ۔ میزائل اور مشینی ایجادات وغیرہ کا سہارا لے کر اسے سائنسی وایٹمی دور میں جہاد کی تشریح کس طرح کریں گے؟

(ب) کیا چاند، مریخ ومشتری پر اترنے اور خلائی اسٹیشن یا مصنوعی سیارے چھوڑنے یا فضا میں راکٹ سے پرواز کرنے اور نت نئی ایجادات کرنے والے مجاہدین کے زمرے میں آسکتے ہیں؟

(ج) انتظامی امور و مملکتی نظام (Civil Administration) میں فوج کو کیا مقام دیا جاسکتا ہے؟ موجودہ دور کے فوجی انقلاب سے ملکی نظام میں فوج کی شمولیت اور افادیت بہت حد تک ثابت ہو چکی ہے کیوں نہ فوج کو دور امن میں بٹھا کر کھلانے کے بجائے ہر فیلڈ میں قوم کی خدمت سپرد ہو؟

﴿جوابات﴾

مولانا محمد تقی امینی:

(11) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاد وقتال کے مفہوم میں باہمی فرق نہ کرنے کی وجہ سے یہ مغالطہ ہورہا ہے۔ جہاد۔ایمانیات ومعتقدّات کو بروئے کار لانے کے لئے ہر قسم کی انتہائی جدّ وجہد کرنا۔ہاتھ پاؤں سے اس کے لئے دوڑ دھوپ کرنا زبان وقلم سے اس کی تبلیغ کرنا عقل و دماغ سے اس کے لیے تدبیریں سوچنا غرض ہر امکانی وسائل اس راہ میں صرف کرنا اور ہر مزاحمّت کی پوری قوت کے ساتھ مدافعّت کرنا اور جب اس راہ میں جان کی بازی لگانے کا وقت آجائے تو بھی کسی طرح کا دریغ نہ کرنا۔ امام راغبؒ اصفہانی جہاد کی تعریف میں کہتے ہیں

اِسْتَغْرَاغُ الْوُسْعِ فِیْ مُدَافِعَةِ الْعَدُوِّ ظَاہِر" اُوْبَاطِناً

(مفردات امام

راغبؒ اصفہانی)

"دشمن کی مدافعت میں اپنی پوری قوّت ووسعت لگادینا یہ دشمن ظاہری ہو یا باطنی (نفس وشیطان)" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

جَاھِدُوْا اَھْوَاکُمْ کَمَا تُجَاھِدُوْنَ اَعْدَاءَکُمْ (نسائی وابوداؤد

)

"اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرو جیسا کہ دشمنوں کے خلاف جہاد کرتے ہو

"۔

جَاھِدُوالْمُشْرِکِیْنَ بِاَنْفُسِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَاَنْسِتَکُمْ (

حوالہ بالا)

"مشرکین سے جہاد کرو جان ومال اور زبان کے ذریعہ"

مذکورہ تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد کا مفہوم قتال سے بہت زیادہ وسیع اور عام ہے اور یہ جہاد ایسی فطری حقیقت ہے کہ دنیا کی ہر قوم قیام و بقاء کی جدوجہد میں بہمہ وجوہ اس کو اپناتی ہے اور اسی پر عمل کر کے وہ عروج و بقاء کی منزلیں طے کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کی سب سے پہلی تقریر میں فرمایا تھا۔

"اے لوگو! غور سے سن لو۔ دنیا کی جو قوم جہاد ترک کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل و خوار اور رسوا کر دیتا ہے"۔

البتہ قرآن حکیم نے مطلق جہاد کا نہیں بلکہ "جہاد فی سبیل اللہ" کا حکم دیا ہے کہ مذکورہ قسم کی ساری جدّ و جہد فتنہ و فساد کے ختم کرنے اور رحمت الٰہی کو عام کرنے کے لئے کی جائے نہ کہ ذاتی و قومی اقتدار اور ملک گیری کے لئے جیسا کہ دنیا کی قوموں اور حکومتوں میں ہوتا ہے۔

حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ط (۲ : ۱۹۲)

یہاں تک کہ فتنہ و فساد نہ رہے اور اللہ کا راج قائم ہو جائے۔

رسولؐ نے فرمایا:

لِتَکُوْنَ کَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا (الحدیث)

" تا کہ اللہ کی بات غالب ہو کر رہے "

جن متعصب مورخوں نے جہاد کو وحشیت و بربریت کا بظاہر قرار دیا ہے وہ دراصل اس کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور بقول فرانسیسی مصنف "موسیو سیدیو" انہوں نے حق سے کان بند کر لیا ہے اور قلب کی بینائی سے وہ محروم ہو گئے ہیں۔ (تاریخ عرب صفحہ نمبر 107)

موجودہ دور میں وطنیت و قومیت کے نام پر بھی جذبہ جہاد کو بیدار کیا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں جرمنی وغیرہ سے ایثار و قربانی کی عجیب و غریب مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن مذہبی

جذبہ کی بیداری ان سب میں زیادہ مؤثر اور خاص نتائج کی حامل ہے۔

کیونکہ وہ تین بنیادی عناصر جو زندگی میں ہم آہنگی اور روح پیدا کرتے ہیں اس جذبہ میں زیادہ عمدگی کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ وہ تینوں یہ ہیں۔ (۱) عقائد میں عمومیّت (۲) فوائد میں عمومیّت (۳) احساس میں عمومیّت۔ اسی بناء پر فلسفہ تاریخ کا یہ مسلّم فیصلہ ہے کہ دنیا میں بڑی بڑی سلطنتیں کے قیام اور تاریخی انقلاب کے پس پشت مذہبی جذبہ ہی کا افترار ہا ہے ماضی قریب میں یورپ کی نشاۃِ ثانیہ کی تاریخ اس کا بیّن ثبوت ہے۔

کبھی حیرت انگیز نظر یہ اور وہ خیال جو عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلے وہ بھی "معبود" کی قائمقامی حاصل کرلیتا ہے بشرطیکہ عوام کوئی مخفی طاقت اس میں محسوس کریں یا عام سطح سے کوئی اونچی چیز عوامی ضرورت کی ہو جیسا کہ موجودہ دور میں "کمیونزم تحریک" اسی انداز میں کام کرکے کامیابی حاصل کررہی ہے۔

غرض مذہبی جذبہ بیدار ہونے سے جذبہ جہاد خود بخود بیدار ہوکر اپنے "کاز" کو آگے بڑھانے لگے گا اور سائنسی ایجادات و ترقیّات کو بڑی حد تک مفید کاموں کے لئے استعمال کرنے کے مواقع فراہم کرے گا۔

مذہبی جذبہ کے بارے میں ڈاکٹر "مرسیر" کا یہ قول بے بنیاد ہے کہ۔

"جذبہ مذہبیّت محض آرائش و تکلفات کا کام دیتا ہے اور جماعت کے لئے کوئی افادی حیثیّت نہیں رکھتا ہے" (فلسفۂ جذبات صفحہ نمبر 112)

ڈاکٹر موصوف کے اس خیال کا محل سیاسی اور مفاد پرست لوگ بے شک ہیں کہ وہ مجلس کی آرائش و مقصد برآری کے لئے اس جذبہ کے ساتھ کھیلتے ہیں لیکن اس کی اصل نوعیّت کے بارے میں ان کا یہ خیال تاریخ و فلسفہ تاریخ کے مسلمہ حقائق سے انکار پر مبنی ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی :

(11) جہاد کے متعلق اوّلین بات یہ سمجھ لینی چاہیے کہ جہاد اور لڑائی کا پن میں بہت فرق ہے۔ اسی طرح قومی اغراض کے لئے جہاد اور چیز ہے اور جہاد فی سبیل اللہ اور چیز۔ مسلمانوں میں جس جذبہ جہاد کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے وہ اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک ان کے اندر ایمان ترقی کرتے کرتے اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ وہ خدا کی زمین سے برائیوں کو مٹانے اور اس زمین میں خدا کا حکم بلند کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جائیں۔ سردست تو ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ سب کچھ اس جذبے کی جڑ کاٹ دینے کے لئے کیا جارہا ہے۔ تعلیم وہ دی جارہی ہے جو ایمان کے بجائے شک اور انکار پیدا کرے۔ تربیت وہ دی جارہی ہے جس سے افراد میں اور سوسائٹی میں وہ برائیاں پھیلیں جنہیں ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام کے نزدیک برائیاں ہیں۔ اس کے بعد یہ سوال لاحاصل ہے کہ مسلمانوں میں جذبہ جہاد کیسے پیدا ہوگا۔ موجودہ حالت میں یا تو مسلمان کرائے کا سپاہی (Mercenary) بنے گا یا حد سے حد قومی اغراض کے لئے لڑے گا۔ رہے سائنسی ہتھیار اور اسٹریٹجی (Strategy) تو وہ اسباب ہیں جو جائز اغراض اور ناجائز اغراض سب کے لئے استعمال ہوسکتے ہیں۔ اگر مسلمان میں سچا ایمان موجود ہو اور اسلام کا نصب العین اس کا اپنا نصب العین بن جائے تو وہ پورے جذبے کے ساتھ تمام وہ قابلیتیں اپنے اندر پیدا کرلے گا جو اس زمانے میں لڑنے کے لئے درکار ہیں اور تمام اُن ذرائع اور وسائل سے کام لے گا جو آج یا آئندہ جنگ کے لئے درکار ہوں۔

چاند اور مریخ اور مشتری پر اترنا اپنی نوعیت کے لحاظ سے کولمبس کے امریکہ پر اترنے اور واسکوڈے گاما کے جزائر شرق الہند پر اترنے سے زیادہ مختلف نہیں۔ اگر یہ لوگ مجاہد فی سبیل

اللہ مانے جاسکتے ہیں تو چاند اور مریخ پر اترنے والے بھی مجاہدین بن جائیں گے۔

انتظامی امور اور مملکتی نظام (Civil Administration) میں فوج کا داخل ہونا فوج کے لئے بھی اور ملک کے لئے بھی سخت تباہ کن ہے۔ فوج بیرونی دشمنوں سے ملک کی حفاظت کرنے کے لئے منظّم کی جاتی ہے۔ ملک پر حکومت کرنے کے لئے منظّم نہیں کی جاتی۔ اس کو تربیّت دشمنوں سے لڑنے کی دی جاتی ہے۔ اس تربیّت سے پیدا ہونے والے اوصاف ملک کے باشندوں سے معاملہ کرنے کے لئے موزوں نہیں ہوتے علاوہ بریں ملکی معاملات کو جو لوگ بھی چلائیں خواہ وہ سیاست کار (Politician) ہوں یا ملکی نسق کے منتظم (Civil Administrator) ان کے کام کی نوعیّت ہی ایسی ہوتی ہے کہ ملک میں بہت سے لوگ ان سے خوش بھی ہوتے ہیں اور ناراض بھی، فوج کا اس میدان میں اترنا لامحالہ فوج کو غیر ہر دلعزیز (Unpopular) بنانے کا موجب ہوگا۔ حالانکہ فوج کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ سارے ملک کے باشندے اس کی پشت پر ہوں اور جنگ کے موقع پر ملک کا ہر فرد اس کی مدد کرنے کے لئے تیار ہو۔ موجودہ دور کے فوجی انقلابات نے ملکی نظام میں فوج کی شمولیّت کو مفید ثابت نہیں کیا ہے بلکہ درحقیقت تجربے سے اس کے برے نتائج ثابت ہوگئے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سوال نمبر 12

کیا اس دور میں اسلامی حکومت خواتین کو مردوں کے برابر سیاسی و معاشرتی حقوق عطا نہ کرے گی۔ جبکہ اسلام کا دعویٰ ہے کہ اس نے سب سے تاریک ترین دور میں بھی عورت کو ایک مقام (Status) عطا کیا ہے؟

(ا) کیا آج خواتین کو مردوں کے برابر اپنے ورثہ کا حصہ لینے کا حق دیا جاسکتا ہے؟

(ب) کیا ان کو سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی میں مخلوط تعلیم یا مردوں کے شانہ بشانہ کام کر کے ملک وقوم کی اقتصادی حالت بہتر بنانے کی اجازت نہ ہوگی؟

(ج) فرض کیجیے کہ اگر اسلامی حکومت خواتین کو برابر کا حق رائے دہندگی دے اور وہ کثرتِ آرا سے وزارت وصدارت کے عہدوں کے لئے الیکشن لڑ کر کامیاب ہو جائیں تو موجودہ بیسویں صدی میں بھی کیا ان کو منصب اعلیٰ سنبھالنے کا حق اسلامی احکام کی رو سے نہیں مل سکتا جبکہ بہت سی مثالیں ایسی آج موجود ہیں مثلاً سیلون میں وزارت عظمیٰ ایک عورت کے پاس ہے۔ یا نیدرلینڈ میں ایک خاتون ہی حکمران اعلیٰ ہے۔ برطانیہ پر ملکہ کی شہنشاہیت ہے؟

(د) سفارتی حد تک جیسے عابدہ سلطانہ دختر نواب آف بھوپال رہ چکی ہیں اور اب بیگم رعنا لیاقت علی خان نیدرلینڈ میں سفیر ہیں یا دیگر جس طرح مسز وجے لکشمی پنڈت برطانیہ میں ہائی کمشنر ہیں اور اقوام متحدہ کی صدر رہ چکی ہیں اور بھی مثالیں جیسے نور جہاں، جھانسی کی رانی، رضیہ سلطانہ، حضرت محل زوجہ واجد علی شاہ جو کہ Pride of Women کہلاتی ہیں جنہوں نے انگریزوں کے خلاف لکھنو میں جنگ کی کمانڈ کی وغیرہ اس طرح خواتین نے خود کو پورا اہل ثابت کر دیا ہے تو اگر آج محترمہ فاطمہ جناح صدارت کا عہدہ سنبھال لیں تو اسلامی اصول پاکستان کے اسلامی نظام میں اس کی اجازت نہ دیں گے؟

(ر) کیا آج بھی خواتین کو ڈاکٹر، وکلاء، مجسٹریٹ، جج، فوجی افسر یا پائیلٹ وغیرہ بننے کی مطلق اجازت نہ ہوگی ؟

(س) خواتین کا یہ بھی کارنامہ کہ وہ نرسوں کی حیثیت سے کس طرح مریضوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں قابل ذکر ہے۔ خود اسلام کی پہلی جنگ میں خواتین نے مجاہدین کی مرہم پٹی کی، پانی پلایا اور حوصلے بلند کئے۔ تو کیا آج بھی اسلامی حکومت میں آدھی قوم کو مکانات کی چار دیواری

میں مقید رکھا جائے گا؟

جوابات

مولانا محمد تقی امینی :

(12) خواتین کا مسئلہ تقریباً ہر دور میں نازک رہا ہے اور جذبات کی ماری ہوئی دنیا نے اکثر اس کے ساتھ بے انصافی سے کام لیا ہے۔ ادھر مذہب کی بگڑی ہوئی شکلوں اور اس کے نمائندوں نے بھی اس کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا ہے۔

یہ زمانہ کی ستم ظریفی ہو یا عورت کی فطری کمزوری کا نتیجہ کہ تقریباً ہر دور میں خواتین کی قسمت کا فیصلہ مردوں ہی کے ہاتھ میں رہا ہے اور وہی اپنے خود غرضانہ اور نفس پرستانہ جذبات کے مطابق اس سے متعلق جملہ مسائل طے کرتے رہے ہیں۔ غالباً اسی کا ردعمل ہے کہ اب وہ آزاد ہو کر اپنا اصلی مقام بھی چھوڑنے پر آمادہ ہے اور تمام اخلاقی و صنفی حدود و قیود سے آزاد ہو کر نیا مقام تلاش کرنے میں سرگرداں ہے لیکن اس میں بھی اس کے رہنما مرد ہیں اور انہیں کی بے لگام عقل و ہوش کی موشگافیاں اور سرمستیاں ہیں۔

اصلی مقام کی تلاش میں ناکامی کے جو وجوہ اسباب پہلے تھے وہی اب بھی موجود ہیں ایسی حالت میں کیونکر توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر قیام و بقاء کی جدوجہد میں اصلی کردار نمایاں کر سکے گی۔ بلکہ قوی اندیشہ ہے کہ اگر موجودہ صورت حال کو آزاد چھوڑ دیا گیا تو "ترقی معکوس" کے ذریعہ چھٹی صدی عیسوی کی مزوک ایرانی تحریک والی راہ نہ اختیار کر لی جائے جس میں زن، زمین اور زر تینوں کو مشترک قرار دیا گیا تھا۔ (الملل والنحل جلد اول صفحہ 66)

ہدایت الٰہی نے "خواتین" جو مقام عطا فرمایا ہے اور جو ذمہ داریاں ان کے سپرد کی

ہیں اس میں ان کی فطری ساخت کا اعتبار کیا ہے نہ کہ مردوں کے خودغرضانہ جذبات کا۔ یہ فطری نقشہ میں جو لکیریں مشترک تھیں ان میں دونوں کا یکساں لحاظ کیا ہے اور جو الگ الگ تھیں ان میں کچھ امتیاز سے کام لیا ہے اس بناء پر کچھ باتیں دونوں میں مشترک قرار پائیں اور کچھ دونوں کے لئے الگ الگ مخصوص ہیں مگر زندگی کی تکمیل کے لئے دونوں کی یکساں ضرورت ہے اور دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔

ان دونوں کی انفرادیّت و اشتراکیّت کو ملحوظ رکھ کر موجودہ حالات وضروریات کے ماتحت معاشرتی زندگی کا" آمیزہ" تیار کرنے کی ضرورت ہے اسی کے ذریعہ صالح معاشرہ کی تشکیل میں مدد مل سکتی ہے اسلامی تاریخ نے خواتین کی مذہبی علمی سیاسی و عملی کارنامے محفوظ کر لئے ہیں موجودہ دور میں ان کو کس طرح عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے؟ اور کس طرح قیام و بقاء کی جدوجہد میں ان کی خدمات سے فائدہ اُٹھانے کی راہیں نکل سکتی ہیں؟ اسی طرح اخلاق و معاش کا باہمی ربط جس قدر نازک ہے؟ اس کے پیش نظر معاشی میدان میں ان کے شرکت کی کونسی صورتیں مناسب ہوسکتی ہیں؟

ان سب امور پر غور وخوض کے لئے اہل فکر ونظر کے لئے" مجلس" کی ضرورت ہے تنہا ایک شخص کی رائے حجّت نہ بن سکے گی۔ موجودہ دور" ردعمل" کا دور ہے لازمی طور سے گذشتہ تفریط کے مقابلہ افراط ہے۔ اس بناء پر اس دور کی ساری چیزیں نہ حجّت بن سکتی ہیں اور نہ ہی وہ "متوازن" قرار پاسکتی ہیں اس طرح ہر شعبہ زندگی میں ان کے نظر آنے سے نہ یہ استدلال درست ہوسکتا ہے کہ بہمہ وجوہ وہ مردوں کے مساوی ہیں جبکہ دوسری طرف علم تشریح فزیالوجی، سائکالوجی وغیرہ علوم وتحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ فطری طور پر مرد وعورت میں کافی فرق موجود ہے۔ مخلوط تعلیم کے مضر اثرات کا اعتراف اب مسجد ومدرسہ کی چہار دیواری تک محدود نہیں

رہ گیا ہے بلکہ ہر سنجیدہ وٹھوس قسم کا مفکّر معترف اور بیزار ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی :

(12) اسلامی حکومت دنیا کے کسی معاملے میں بھی اسلامی اصولوں سے ہٹ کر کوئی کام کرنے کی نہ تو مجاز ہے اور نہ وہ اس کا ارادہ ہی کر سکتی ہے اگر فی الواقع اس کو چلانے والے ایسے لوگ ہوں جو اسلام کے اصولوں کو سچّے دل سے مانتے ہوں اور اس پر عمل کرتے ہوں۔ عورتوں کے معاملے میں اسلام کا اصول یہ ہے کہ عورت اور مرد عزّت واحترام کے لحاظ سے برابر ہیں۔ اخلاقی معیار کے لحاظ سے بھی برابر ہیں لیکن دونوں کا دائرہ عمل ایک نہیں ہے۔ سیاست اور ملکی انتظام اور فوجی خدمات اور اسی طرح کے دوسرے کام مرد کے دائرہ عمل سے تعلّق رکھتے ہیں۔ اس دائرے میں عورت کو گھسیٹ لانے کے دو بُرے نتیجے ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ ہماری خانگی زندگی بالکل تباہ ہوگی جس کی بیشتر ذمّہ داریاں عورتوں سے تعلّق رکھتی ہیں یا پھر عورتوں پر دُہرا بار ڈالا جائے گا کہ وہ اپنے فطری فرائض بھی انجام دیں جن میں مرد قطعاً شریک نہیں ہو سکتا اور پھر مرد کے فرائض کا بھی نصف حصہ اپنے اوپر اٹھائیں عملاً یہ دوسری صورت ممکن نہیں ہے۔ لازماً پہلی صورت ہی رونما ہوگی اور مغربی ممالک کا تجربہ بتاتا ہے کہ وہ رونما ہو چکی ہے۔ آنکھیں بند کر کے دوسروں کی حماقتوں کی نقل اتارنا عقل مندی نہیں ہے۔

اسلام میں اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وراثت میں عورت کا حصہ مرد کے برابر ہو اس باب میں قرآن کا صریح حکم مانع ہے۔ نیز یہ انصاف کے بھی خلاف ہے.....

کہ عورت کا حصہ مرد کے برابر ہو۔ کیونکہ اسلامی احکام کی رو سے خاندان کی پرورش کا سارا مالی بار مرد پر ڈالا گیا ہے بیوی کا مہر ونفقہ بھی اس پر واجب ہے اس کے مقابلہ میں عورت پر کوئی مالی بار نہیں ڈالا گیا ہے۔ اس صورت میں آخر عورت کو مرد کے برابر حصہ کیسے دلایا جا سکتا ہے۔

اسلام اصولاً مخلوط سوسائٹی کا مخالف ہے اور کوئی ایسا نظام جو خاندان کو اہمیت دیتا ہو اس کو پسند نہیں کرتا کہ عورتوں اور مردوں کی مخلوط سوسائٹی ہو۔ مغربی ممالک میں اس کے بدترین نتائج ظاہر ہو چکے ہیں۔ اگر ہمارے ملک کے لوگ ان نتائج کو بھگتنے کے لئے تیار ہوں تو شوق سے بھگتتے رہیں۔ لیکن آخر یہ کیا ضروری ہے کہ اسلام میں ان افعال کی گنجائش زبردستی نکالی جائے جن سے وہ شدّت کے ساتھ روکتا ہے۔

اسلام میں اگر جنگ کے موقع پر عورتوں سے مرہم پٹی وغیرہ کا کام لیا گیا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ امن کی حالت میں عورتوں کو دفتروں اور کارخانوں اور کلبوں اور پارلیمنٹوں میں لا کھڑا کیا جائے۔ مرد کے دائرہ عمل میں آ کر عورتیں کبھی مردوں کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں اس لئے کہ وہ ان کاموں کے لئے بنائی ہی نہیں گئی ہیں۔ ان کاموں کے لئے جن اخلاقی اور ذہنی اوصاف کی ضرورت ہے وہ دراصل مرد میں پیدا کئے گئے ہیں۔ عورت مصنوعی طور پر مرد بن کر کچھ تھوڑا بہت ان اوصاف کو اپنے اندر اُبھارنے کی کوشش کرے بھی تو اس کا دُہرا نقصان خود اس کو بھی ہوتا ہے اور معاشرہ کو بھی۔ اسکا اپنا نقصان یہ ہے کہ وہ نہ پوری عورت رہتی ہے نہ پوری مرد بن سکتی ہے اور اپنے اصل دائرہ عمل میں جس کے لئے وہ فطرتاً پیدا کی گئی ہے ناکام رہ جاتی ہے۔ معاشرہ اور ریاست کا نقصان یہ ہے کہ وہ اہل کارکنوں کے بجائے نااہل کارکنوں سے کام لیتا ہے اور عورت کی آدھی زنانہ اور آدھی مردانہ خصوصیّات سیاست اور معیشت کو خراب کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اس سلسلہ میں گنتی کی چند سابقہ معروف خواتین کے نام گنانے سے کیا فائدہ۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ جہاں لاکھوں کارکنوں کی ضرورت ہو کیا وہاں تمام خواتین موزوں رہ سکیں گی؟ ابھی حال ہی میں مصر کے سرکاری محکموں اور تجارتی اداروں نے یہ شکایت کی ہے کہ وہاں بحیثیت مجموعی ایک لاکھ دس ہزار خواتین جو مختلف مناصب پر کام کر رہی

ہیں۔ بالعموم ناموزوں ثابت ہورہی ہیں اوران کی کارکردگی مردوں کی نسبت ۵۵ فیصدی سے زیادہ نہیں۔ پھر مصر کے تجارتی اداروں نے یہ عام شکایت کی ہے کہ عورتوں کے پاس پہنچ کر کوئی راز، راز نہیں رہتا۔ مغربی ممالک میں جاسوسی کے جتنے واقعات پیش آتے ہیں ان میں بھی عموماً کسی نہ کسی طرح عورت کا دخل ہوتا ہے۔

عورتوں کی تعلیم سے اسلام ہرگز نہیں روکتا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم ان کو دلوائی جانی چاہیے لیکن چند شرطوں کے ساتھ اول یہ کہ ان کو وہ تعلیم خاص طور پر دی جائے جس سے وہ اپنے دائرہ عمل میں کام کرنے کے لئے ٹھیک ٹھیک تیار ہوسکیں اوران کی تعلیم بعینہٖ وہ نہ ہو جو مردوں کی ہو۔ دوسرے یہ کہ تعلیم مخلوط نہ ہو اور عورتوں کو زنانہ تعلیم گاہوں میں عورتوں ہی سے تعلیم دلوائی جائے۔ (مخلوط تعلیم کے مہلک نتائج مغربی ترقی یافتہ ممالک میں اس حد تک سامنے آچکے ہیں۔ جو انسانیت کے لئے بدنما داغ ہیں مثلاً صرف امریکہ میں ۱۷ سال تک عمر کی لڑکیاں جو ہائی سکولوں میں پڑھتی ہیں مخلوط تعلیم کی وجہ سے ہر سال ان میں سے اوسطاً ایک ہزار حاملہ نکلتی ہیں۔ گو ابھی یہ شکل ہمارے ہاں رونما نہیں ہوئی لیکن اس مخلوط تعلیم کے نتائج کچھ ہمارے سامنے بھی آنے شروع ہوگئے ہیں) تیسرے یہ کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین سے ایسے اداروں میں کام لیا جائے جو صرف عورتوں کے لئے ہی مخصوص ہوں مثلاً زنانہ ہسپتال اور زنانہ تعلیم گاہیں وغیرہ۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿سوال نمبر 13﴾

کیا اسلامی حکومت خواتین کی بڑھتی ہوئی آزادی کو سختی سے روکے گی جیسے کہ ان کی

زیبائش اور نیم عریاں لباس زیب تن کرنے اور فیشن کا رجحان اور جیسے آج کل نوجوان لڑکیاں نہایت تنگ و دلفریب سینٹ سے معطّر لباس اور غازہ وسرخی سے مزیّن اپنے ہر خدوخال و نشیب وفراز کی نمائش برسرعام کرتی ہیں اور آج کل نوجوان لڑکے بھی ہالی وڈ فلموں سے متاثّر ہوکر ٹیڈی بوائز بن رہے ہیں تو کیا حکومت قانون (Legislation) کے ذریعہ سے ہر مسلم لڑکے ولڑکی کے آزادانہ رجحان کو روکے گی ؟ خلاف ورزی پر سزا دے گی ؟ والدین و سرپرستوں کو جرمانہ کیا جاسکے گا؟ تو اس طرح کیا ان کی شہری آزادی پر ضرب نہ لگے گی؟

(ل)۔ کیا حکومت گرلز گائیڈ، اپوا (APWA) یا دیگر وائی۔ایم۔سی۔اے (Y.M.C.A) اور وائی ڈبلیوسی۔اے (Y.W.C.A) جیسے ادارے اسلامی نظام میں گوارا کئے جاسکتے ہیں؟

(ب) کیا خواتین خواہ اسلامی عدلیہ سے ہی سہی خود طلاق لینے کی مجاز ہوسکیں گے اور مردوں پر ایک سے زیادہ شادی کی پابندی آج جائز ہوگی؟

(ج) خواہ اسلامی عدالت کے روبرو ہی ان کو اپنی پسند سے (Civil Marriage) کرنے کا حق حاصل ہوسکتا ہے؟

(د) کیا خواتین کو یوتھ فیسٹیول، کھیلوں، نمائش، ڈراموں، ناچ، فلموں یا مقابلہ حسن میں شرکت یا Air Hostess وغیرہ بننے کی آج بھی اسلامی حکومت مخالفت کرے گی؟

(ر) ساتھ ہی قومی کردار تباہ کرنے والے ادارے مثلاً سینما، فلمیں، ٹیلی ویژن، ریڈیو پر فحش گانے وعریاں رسائل ولٹریچر موسیقی، ناچ ورنگ کی ثقافتی محفلیں وغیرہ کو بند کردیا جائے گا یا فائدہ اٹھانا ممکن ہوگا؟

﴿جوابات﴾

مولانا محمد تقی امینی:

(13) ایسی ہر قسم کی آزادی و پابندی نا قابل برداشت ہوگی جس میں خواتین معاشرہ پر بار بنیں یا بے قابو ہو کر اخلاق و شرافت کے گرانقدر اصول پائمال کریں۔

موجودہ دور کے نئے نئے فیشن حسن اور خدوخال کی نمائش وغیرہ جو جذبات کو برانگیختہ کرنے والے ہیں اور وہ تحریک و تنظیم جوان چیزوں کو تقویّت پہنچانے والی اور فراغ دینے والی ہو۔ صالح معاشرہ ان کو کیسے برداشت کرسکتا ہے؟ اسلامی حکومت بتدریج مختلف تدبیروں کے ذریعہ اُن کو ختم کرے گی اور اس سے اسلامی شہری آزادی میں فرق نہ آئے گا۔

معقول وجوہ کی بناء پر خواتین عدالت سے طلاق حاصل کرسکتی ہیں۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی :

(13) اسلام معاشرہ کی اصلاح و تربیّت کا سارا کام محض قانون کے ڈنڈے سے نہیں لیتا۔ تعلیم نشر و اشاعت اور رائے عام کا دباؤ اس کے ذرائع اصلاح میں خاص اہمیّت رکھتے ہیں۔ ان تمام ذرائع کے استعمال کے بعد اگر کوئی خرابی باقی رہ جائے تو وہ قانونی وسائل اور انتظامی تدابیر استعمال کرنے میں بھی تامّل نہ کرے گا۔ عورتوں کی عریانی اور بے حیائی فی الواقع ایک بہت بڑی بیماری ہے جسے کوئی سچّی اسلامی حکومت برداشت نہیں کرسکتی۔ یہ بیماری اگر دوسری ..... تدابیر اصلاح سے درست نہ ہو یا اس کا وجود باقی نہ رہ جائے تو یقیناً اس کو از روئے قانون روکنا پڑے گا۔ اس کا نام اگر شہری آزادی پر ضرب لگنا ہے تو جواریوں کو پکڑنا اور جیب کتروں کو سزائیں دینا بھی شہری آزادی پر ضرب لگانے کے مترادف ہے۔ اجتماعی زندگی لازماً افراد پر کچھ پابندیاں عائد کرتی ہے۔ افراد کو اس کے لئے آزاد نہیں چھوڑا جاسکتا کہ وہ اپنے ذاتی رجحانات اور دوسروں سے سیکھی ہوئی برائیوں سے اپنے معاشرہ کو برباد کریں۔

گرلز گائیڈ(Girls Guides) کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔اپوا APWA قائم رہ سکتی ہے بشرطیکہ وہ اپنے دائرہ عمل میں رہ کر کام کرے اور قرآن کا نام لے کر قرآن کے خلاف طریقے استعمال کرنا چھوڑ دے۔YWCA عیسائی عورتوں کے لئے رہ سکتا ہے مگر کسی مسلمان عورت کو اس میں گھسنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ مسلمان عورتیں چاہیں تو YWMA بنا سکتی ہیں بشرطیکہ وہ اسلامی حدود میں رہیں۔

مسلمان عورت اسلامی عدلیہ کے ذریعہ سے خلع حاصل کرسکتی ہے۔ فسخ نکاح (Nullification) اور تفریق (Judicial Sepration) کی ڈگری بھی عدالت سے حاصل کرسکتی ہے بشرطیکہ وہ شریعت کے مقرّر کردہ قوانین کے مطابق ان میں سے کوئی ڈگری حاصل کرنے کی مجاز ہو۔لیکن طلاق (Divorce) کے اختیارات قرآن نے صریح الفاظ میں صرف مرد کو دیئے ہیں اور کوئی قانون مردوں کو اس اختیار سے محروم نہیں کرسکتا۔ یہ اور بات ہے کہ قرآن کا نام لے کر قرآن کے خلاف قوانین بنائے جانے لگیں۔ پوری اسلامی تاریخ عہد رسالت ﷺ سے لے کر اس صدی تک اس تصوّر سے نا آشنا ہے کہ طلاق دینے کا اختیار مرد سے سلب کرلیا جائے اور کوئی عدالت یا پنچایت اس میں دخل دے۔ یہ تخیّل سیدھا یورپ سے چل کر ہمارے ہاں درآمد ہوا ہے اور اس کے درآمد کرنے والوں نے کبھی آنکھیں کھول کر یہ نہیں دیکھا ہے کہ یورپ میں اس قانونِ طلاق کا پس منظر (Back Ground) کیا ہے اور وہاں اس کے کتنے برے نتائج رونما ہوئے ہیں ہمارے ہاں جب گھروں کے سکینڈل نکل کر بازاروں میں پہنچیں گے تو لوگوں کو پتہ چلے گا کہ خدا کے قوانین کی نافرمانی کے کیا نتائج ہوتے ہیں۔

مردوں پر ایک سے زیادہ شادی کے معاملہ میں از روئے قانون پابندی عائد کرنے کا یا

اس میں رکاوٹ ڈالنے کا تخیّل بھی ایک بیرونی مال ہے جسے قرآن کے جعلی پرمٹ پر درآمد کیا گیا ہے۔ یہ اس سوسائٹی میں سے آیا ہے جس میں ایک عورت اگر منکوحہ بیوی کے ساتھ داشتہ کے طور پر رکھی جائے تو نہ صرف یہ کہ وہ قابل برداشت ہے بلکہ اس کے حرامی بچوں کے حقوق محفوظ کرنے کی بھی فکر کی جاتی ہے (فرانس کی مثال ہمارے سامنے ہے) لیکن اگر اسی عورت سے نکاح کرلیا جائے تو یہ جرم ہے۔ گویا ساری پابندیاں حلال کے لئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کی ابجد سے بھی واقف ہو تو کیا وہ اقدار (Values) اختیار کرسکتا ہے؟ کیا اس کے نزدیک زنا قانوناً جائز اور نکاح قانوناً حرام ہونے کا عجیب وغریب فلسفہ برحق ہوسکتا ہے؟ اس طرح کے قوانین بنانے کا حاصل اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ مسلمانوں میں زنا کا رواج بڑھے گا۔ گرلز فرینڈز اور داشتائیں (Mistresses) فروغ پائیں گی اور دوسری بیوی ناپید ہوجائے گی۔ یہ ایک ایسی سوسائٹی ہوگی جو اپنے خدّ وخال میں اسلام کی اصل سوسائٹی سے بہت دور اور مغربی سوسائٹی سے بہت قریب ہوگی۔ اس صورت حال کے تصوّر سے جس کا جی چاہے مطمئن ہو۔ مسلمان کبھی مطمئن نہیں ہوسکتا۔

سول میرج کا سوال ظاہر ہے کہ مسلمان عورت کے ساتھ تو پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سوال اگر پیدا ہوتا ہے یا تو مشرک عورت سے شادی کرنے کے معاملہ میں یا کسی ایسی عیسائی یا یہودی عورت سے شادی کے معاملہ میں جو اسلامی قانون کے تحت کسی مسلمان سے نکاح کرنے کے لئے تیار نہ ہو اور مسلمان مرد اس کے عشق میں مبتلا ہوکر اس اقرار کے ساتھ شادی کرے کہ وہ کسی مذہب کا پابند نہ ہوگا۔ یہ کام اگر کسی کو کرنا ہو تو اسے اسلام سے فتویٰ لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اسلام کیوں اپنے ایک پیرو کو اس کی اجازت دے؟ اور ایک اسلامی عدالت کا کام کب ہے کہ مسلمانوں کی اس طریقہ پر شادیاں کروائے؟

اگر ایک اسلامی حکومت بھی یوتھ فیسٹیول (Youth Festival) اور کھیلوں کی نمائشوں اور ڈراموں اور رقص وسرور اور مقابلہ حسن میں مسلمان عورتوں کو لائے یا ایر ہوسٹس (Air Hostess) بنا کر مسافروں کے دل موہ لینے کی کوشش کرے تو ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اسلامی حکومت کی ضرورت کیا ہے؟ یہ سارے کام کفر اور کفار کی حکومت میں بآسانی ہو سکتے ہیں بلکہ زیادہ آزادی کے ساتھ ہوتے ہیں۔

سینما، فلم، ٹیلی ویژن اور ریڈیو وغیرہ تو خدا کی پیدا کردہ طاقتیں ہیں جن میں بجائے خود خرابی نہیں۔ خرابی ان کے استعمال میں ہے جو انسانی اخلاق کو تباہ کرنے والا ہے۔ اسلامی حکومت کا کام ہی یہ ہے کہ وہ ان ذرائع کو انسانیت کی فلاح کے لئے استعمال کرے اور اور اخلاقی فساد کے لئے استعمال ہونے کا دروازہ بند کر دے۔

☆☆☆☆☆☆

﴿سوال نمبر 14﴾

دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے آج اسلام کیا حل پیش کرتا ہے؟

(ا) برتھ کنٹرول (پیدائش روکنے) کے لئے دواؤں کا استعمال، فیملی پلاننگ وغیرہ کو کیا آج بھی غیر شرعی قرار دے کر ممنوع قرار دیا جائے گا؟

﴿جوابات﴾

مولانا محمد تقی امینی :

(14) "ضبطِ تولید" کا مسئلہ بھی اہم ہے لیکن یہ غور وفکر کا مستحق اسوقت ہوگا جبکہ ذرائع پیداوار کی تنظیم اور پیداوار کی تقسیم کا صحیح بندوبست ہو۔ جن ممالک نے تنظیم وتقسیم پر قابو پالیا ہے ان کے یہاں یہ سوال اس نوعیت سے نہیں پیدا ہوا ہے۔

دراصل عیش پرستارانہ ذہنیت نے اس مسئلہ کو اٹھایا ہے اور حکومت کی نااہلی اس کی پشت پناہی کررہی ہے ایسی حالت میں یکطرفہ نظر سے اس پر غور کرنا کیسے صحیح نتائج کا حامل بن سکتا ہے؟ نقالی اور بات ہے ورنہ ہمہ جہتی نگاہ کے بغیر اس راہ میں قدم اٹھانا مزید خطرات کا باعث بھی بن سکتا ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی :

(14) دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے اسلام صرف ایک ہی حل پیش کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا نے اپنے رزق کے جو ذرائع پیدا کئے ہیں ان کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے اور استعمال کرنے کی کوشش کی جائے اور جو ذرائع اب تک مخفی ہیں ان کو دریافت کرنے کی پیہم سعی کی جاتی رہے۔ آبادی روکنے کی ہر کوشش خواہ وہ قتل اولاد ہو یا اسقاط حمل یا مانع حمل، غلط ہے اور بے حد تباہ کن، ضبط ولادت کی تحریک کے چار نتائج ایسے ہیں جن کو رونما ہونے سے کسی طرح نہیں روکا جاسکتا۔

(۱) زنا کی کثرت (۲) انسان کے اندر خودغرضی اور اپنا معیار زندگی بڑھانے کی خواہش کا اس حد تک ترقی کر جانا کہ اسے اپنے بوڑھے ماں، باپ اور اپنے یتیم بھائیوں اور اپنے دوسرے محتاج امداد رشتہ داروں کا وجود بھی ناگوار گزرنے لگے۔ کیونکہ جو آدمی اپنی روٹی میں خود اپنی اولاد کو شریک کرنے کے لیے تیار نہ ہو وہ دوسروں کو بھلا کیسے شریک کرے گا۔ (۳)

آبادی کے اضافے کا کم سے کم مطلوب معیار بھی جو ایک قوم کو زندہ رکھنے کے لئے ناگزیر ہے برقرار نہ رہتا۔ اس لیے کہ جب یہ فیصلہ کرنے والے افراد ہوں گے کہ وہ کتنے بچے پیدا کریں اور کتنے نہ کریں اور اس فیصلہ کا مدار اس بات پر ہوگا کہ وہ اپنے معیار زندگی کو نئے بچوں کی آمد کی وجہ سے گرنے نہ دیں تو بالآخر وہ اتنے بچے بھی پیدا کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے جتنے ایک قوم کو اپنی قومی آبادی برقرار رکھنے کے لئے درکار ہوتی ہے۔ اس طرح کے حالات میں کبھی کبھی نوبت یہ بھی آجاتی ہے کہ شرح پیدائش شرح اموات سے کمتر ہو جاتی ہے چنانچہ یہ نتیجہ فرانس دیکھ چکا ہے حتیٰ کہ اس کو "بچے زیادہ پیدا کرو" کی تحریک چلانی پڑی اور انعامات کے ذریعہ سے اس کی ہمت افزائی کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ (۴) قومی دفاع کا کمزور ہو جانا ۔ یہ نتیجہ خصوصی طور پر کسی ایسی قوم کے لئے بے حد خطرناک ہے جو اپنے سے تیرہ گنی زیادہ دشمن آبادی میں گھرا ہوا ہو۔ پاکستان کے تعلقات ہندوستان و افغانستان کے ساتھ جیسے کچھ ہیں سب کو معلوم ہے۔ اور امریکہ کی دوستی نے کمیونسٹ ممالک سے بھی اس کے تعلقات خراب کر دیئے ہیں۔ بحیثیت مجموعی ہندوستان، چین، روس اور افغانستان کی آبادی ہم سے تیرہ گنی ہے ان حالات میں لڑنے کے قابل افراد کی تعداد گھٹانا جیسی کچھ عقلمندی ہے اسے ایک صاحب عقل آدمی خود سوچ سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

سوال نمبر 15

کیا ایک مسلمان زندگی میں اپنی آنکھیں عطیہ کر سکتا ہے کہ اس کی موت کے بعد کسی

اندھے یا مریض کے استعمال ہوسکیں؟

(ا) اس طرح بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے انسانی اعضاء کی قربانی روز قیامت سزا کی مستحق نہ ہوگی؟

(ب) موت کے بعد ایک مسلمان کی لاش کا پوسٹ مارٹم یا ریسرچ کے لئے چیر پھاڑ مذہبی نقطۂ نظر سے کیا اہمیّت رکھتی ہے؟

جواب

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی:

(15) آنکھوں کے عطیّہ کا معاملہ صرف آنکھوں تک ہی نہیں رہتا۔ بہت سے دوسرے اعضاء بھی مریضوں کے کام آسکتے ہیں اور ان کے دوسرے مفید استعمال بھی کر سکتے ہیں۔ یہ دروازہ اگر کھولا جائے تو مسلمانوں کا قبروں میں دفن ہونا مشکل ہوجائے۔ اس کا سارا جسم ہی چندے میں تقسیم ہونا شروع ہوجائے گا۔ اسلامی نظرّ یہ یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے جسم کا مالک نہیں ہے۔ اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ مرنے سے قبل اپنے جسم کو تقسیم کرنے یا چندہ دینے کی وصیّت کرے۔ جسم اس وقت تک اس کے تصرّف میں جب تک وہ جسم میں خود رہتا ہے۔ اس کے نکل جانے کے بعد اس جسم پر اس کا کوئی حق نہیں ہے کہ اسکے معاملے میں اس کی وصیت نافذ ہو۔ اسلامی حکام کی رو سے اس کا جسم احترام کے ساتھ دفن کر دینا چاہیے۔

اسلام نے انسانی لاش کی حرمت کا حکم دیا ہے وہ دراصل انسانی جان کی حرمت کا ایک لازمہ ہے ایک دفعہ اگر انسانی لاش کا احترام ختم ہو جائے تو بات صرف اس حد تک محدود نہ رہے گی کہ مردہ انسان کے بعض کارآمد اجزاء زندہ انسانوں کے علاج میں استعمال کئے جانے لگیں گے بلکہ رفتہ رفتہ انسانی جسم کی چربی سے بھی صابن بھی بننے لگیں گے۔ (جیسے کہ فی الواقع جنگ عظیم نمبر 2 کے زمانے میں جرمنوں نے بنائے تھے) انسانی کھال بھی اتار کر اس کو دباغت دینے کی کوشش کی جائے گی تاکہ اس کے جوتے یا سوٹ کیس یا منی پرس بنائے جا سکیں (چنانچہ یہ تجربہ بھی چند سال قبل مدراس کی ایک ٹینری کر چکی ہے) انسان کی ہڈیوں اور آنتوں اور دوسری چیزوں کو استعمال کرنے کی بھی فکر کی جائے گی۔ حتیٰ کہ اس کے بعد ایک مرتبہ انسان پھر اس دور وحشت کی طرف لوٹ جائے گا جب آدمی آدمی کا گوشت کھاتا تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اگر ایک دفعہ مردہ انسان کے اعضا نکال کر علاج میں استعمال کرنا جائز قرار دے دیا جائے تو پھر کس جگہ حد بندی کر کے آپ اسی جسم کے دوسرے "مفید" استعمالات کو روک سکیں گے اور کس منطق سے اس بندش کو معقول ثابت کریں گے۔

﴿دعوتِ عمل﴾

جس طرح مدینہ کی پہلی اسلامی نظریاتی مملکت کے قیام کے بعد وہاں اللہ تعالیٰ کی برکتیں و رحمتیں نازل ہوئی تھیں اور مسلمانوں کے اقتدار کا اسلامی پھریرا نصف سے زیادہ کرہ ارض پر لہرانے لگا تھا اسی طرح انشاء اللہ دُنیا میں عالمی حکومت یہودیوں کی نہیں بلکہ مسلمانوں کی ہوگی۔ جو مشن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہماری اُمّہ کے لیے ودیعت ہوا ہے وہ تب ہی ممکن ہے جب مسلمان متحد اور اپنے قول و فعل میں تضادات سے مبرّا اور دین اسلام کے جذبہ سے سرشار ہوں۔

اُمتِ مسلمہ اور بالخصوص پاکستانی قوم اپنے حقیقی مشن اور حصول مقصد کے لیے خود کو تیا
نہیں کر لیتی اس کے بغیر یہود، ہنود اور نصاریٰ کا مقابلہ ممکن نہیں کیونکہ قوم کے موجودہ عمل سے
اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے عمل کو نقصان پہنچ سکتا ہے لہٰذا تمام اُمتِ مسلمہ کو یہ ترغیب دی جانا ضروری
ہے کہ وہ سورۂ اخلاص کی تفسیر اور اس میں پنہاں مفہوم کا نمونہ بن جائے تو دُنیا کی کوئی طاقت
اسے زیر نہ کر سکے گی اور اس طرح وہ اپنی تخلیق کے مقصد اور خداوندِ قدوس سے کیے گئے عہد کو
نباہ سکے گی۔ مثلاً جب یہ فرمایا گیا:

القرآن	درسِ ہدایت
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات واحد ہے۔	تو اس سے یہ درس لیا جائے کہ قوم متحّد ہو ہو جائے اور اُمّتِ واحد بن جائے۔
اَللّٰهُ الصَّمَدُ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔	اس سے یہ درس لیا جائے کہ قوم بیرونی عن دنیا کی بڑی طاقتوں پر انحصار کرنا ترک بلکہ اپنی قوّت اور جذبۂ حریّت پر انحصار کر
لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ذات باری تعالیٰ کو نہ تو کسی نے تخلیق کیا اور نہ ہی اس کی کوئی اولاد ہے۔	اس سے یہ درس لیا جائے کہ قوم نسل و رّ قومیّتوں کے تمام بتوں کو پاش پاش کرد اس قسم کی تمیز سے پاک و مبرّا ہو جائے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ اوراس ذاتِ قدوس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔	اس سے یہ درس لیا جائے کہ اگر تمام قوم میں بالا صفات پیدا ہو جائیں تو پھر اس کا کوئی ہوگا اور دنیا کی کوئی قوم اس سے ٹکر نہ لے

﴿بہتر دعائیں﴾

☆ یااللہ! میرے ذہن ودل کو ایمان ویقین کے نور سے بھر دے۔ تاکہ جو فیصلے تو نے میرے حق میں کر دئے ہیں شکر کے ساتھ قبول کرلوں۔

☆ یااللہ! میرے بازو میں وہ قوّت دے اور دل ودماغ کو وہ روشنی عطا کر کہ اپنے حُسنِ تدبّر سے اُن مشکلات پر قابو پاسکوں جن کا تو نے میری کوششوں اور عمل پر منحصر کر رکھا ہے۔

☆ یااللہ! مجھے وہ سمجھ بھی عطا فرما کہ میں تقدیر کے صحیح مطلب اور مفہوم کو سمجھ سکوں اور جو مصائب وآلام میری کوتاہیوں اور بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں انہیں صرف اپنی قسمت کا لکھا نہ سمجھوں

-

☆☆☆☆☆☆

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا

"تم لوگوں میں سے جس شخص کے لیے دُعا کا دروازہ کھل گیا سمجھ لو کہ اس کے لیے رحمت ونوازشات کے دروازے کھل گئے اور بندے کی دعاؤں میں سب سے اچھی دُعا جو اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے وہ یہ ہے کہ اُس سے عافیّت کی دُعا کی جائے اور یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ طالب عافیت درحقیقت اپنی عاجزی، بے بسی، تذلیل اور بے کسی اور اپنے احساسِ عجز کا اظہار

کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے پروردگار

" میں ہر لمحے تیری عنایت ، توجہ اور رحم وکرم کا محتاج ہوں ، تیرا کرم نہ ہو تو میں ایک سانس بھی نہیں لے سکتا ، تیرا کرم نہ ہو اور تو نہ بچائے تو اپنے بل بوتے پر میں ہرگز کسی بڑی یا چھوٹی مصیبت سے نہیں بچ سکتا ، تیری عنایت نہ ہو تو میں اپنی جان اور اپنے جسم کو کسی ظاہری اور باطنی عافت اور مصیبت سے ہرگز نہیں بچا سکتا میں انتہائی عاجز ، بے بس اور سراپا احتیاج ہوں ۔ اے میرے پروردگار دنیا اور آخرت میں تو مجھے سلامتی اور عافیت عطا فرما"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فضیلتِ سرورِ کونین حضرت محمد ﷺ بمقابلہ دیگر انبیاء ورُسل :

پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ مجھے چھ باتوں میں دوسرے انبیاء پر فضیلت دی گئی ۔

☆ مجھے جامع اور مختصر بات کہنے کی صلاحیت عطا کی گئی ۔

☆ مجھے رُعب کے ذریعے نُصرت بخشی گئی ۔

☆ میرے لیے مالِ غنیمت حلال کیا گیا ۔

☆ میرے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا ۔ اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ۔

☆ مجھے دنیا کے تمام لوگوں کے لیے رسول بنایا گیا ۔

☆ اور میرے اُوپر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی اکرم ﷺ اپنی قیام

گاہ سے نکل کر ہمارے درمیان اس انداز سے تشریف لائے کہ گویا آپ ہم سے رخصت ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا:

"میں (محمد ﷺ) نبی اُمّی ہوں"

پھر ارشاد فرمایا:

"میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"میری اُمت میں تیس ایسے آدمی ہوں گے جو بہت ہی جھوٹے، فریبی اور دغاباز ہوں گے، اُن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعوے دار ہوگا حالانکہ میں اللہ کا آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔

☆☆☆☆☆☆

﴿حُکمِ الٰہی﴾

بے شک اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے سلامتی بھیجتے ہیں اُن پیغمبر پر۔ اے ایمان والو تم بھی اُن پر خوب درود اور سلام بھیجا کرو

(سورۃ احزاب: ۵۶)

افضل درود شریف

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیرِ خَلقِہٖ مُحَمَّدٍ مَظہَرِ لُطفِہٖ وَنُورِ عَرشِہٖ سَیِّدُنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَجمَعِینَ ط

وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً كَثِيْراً

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿ مسلمانوں کی ترکِ نماز پر لمحۂ فکریہ ﴾

☆ فجر کی نماز ترک کرنے سے چہرہ کا نور ختم کر دیا جاتا ہے۔

☆ ظہر کی نماز ترک کرنے سے روزی میں برکت ختم کر دی جاتی ہے

☆ عصر کی نماز ترک کرنے سے بدن کی طاقت ختم کر دی جاتی ہے

☆ مغرب کی نماز ترک کرنے سے اپنی اولاد سے کوئی فائدہ نہ پہنچ سکے گا۔

☆ عشاء کی نماز ترک کرنے سے نیند کی راحت و آرام سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

جمعۃ المبارک : تین لگاتار جمعہ کی نماز ترک کرنے سے ایک مسلمان خود کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھے۔

خود اپنا احتساب کیجیے: کیا آپ کی پنجگانہ نماز مقررہ اوقات پر محض ہر روز عادتاً ورزش کے مانند تو نہیں کیونکہ خشوع و خضوع، اللہ تعالیٰ کے حضور مکمل سپردگی اور عجز و انکسار سے عاری نماز دراصل حقیقی عبادت نہیں بلکہ آپ کے رکوع و سجود روزمرہ کے معمولاتِ زندگی کے مترادف ہوں گے ۔اصل عبادت تو قلبی توجہ اور اس کی روح کے مطابق ادائیگی نماز پر ہے اور اسی پر ہی عاقبت میں مومن کے نور میں اضافہ اور اعلیٰ مقام و منزلت کا انحصار ہے۔

﴿ عالمانہ نصائح ﴾

☆ دنیا عالم کی موت اور جاہل کی زندگی پر ہمیشہ آنسو بہاتی ہے۔

☆ عالم سے ایک گھنٹے کی گفتگو طویل مدت کے مطالعے سے بہتر ہے۔

☆ دنیا بہترین کتاب ہے اور زمانہ بہترین اُستاد ہے۔

☆ مکمل علم سر جھکا کر سننے سے نہیں سر اُٹھا کر مسائل حل کرنے سے آتا ہے۔

☆ اتنا اُونچا مت اُڑو کہ سورج کی گرم شعاعیں تم کو پگھلا دیں۔

☆ تحفے کو پیش کرنے کا انداز تحفے سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔

☆☆☆☆

☆☆ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (۱۶:۳۶) ☆☆

اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر (حکم کا) پہنچا دینا تھا


بسم الله الرحمن الرحيم

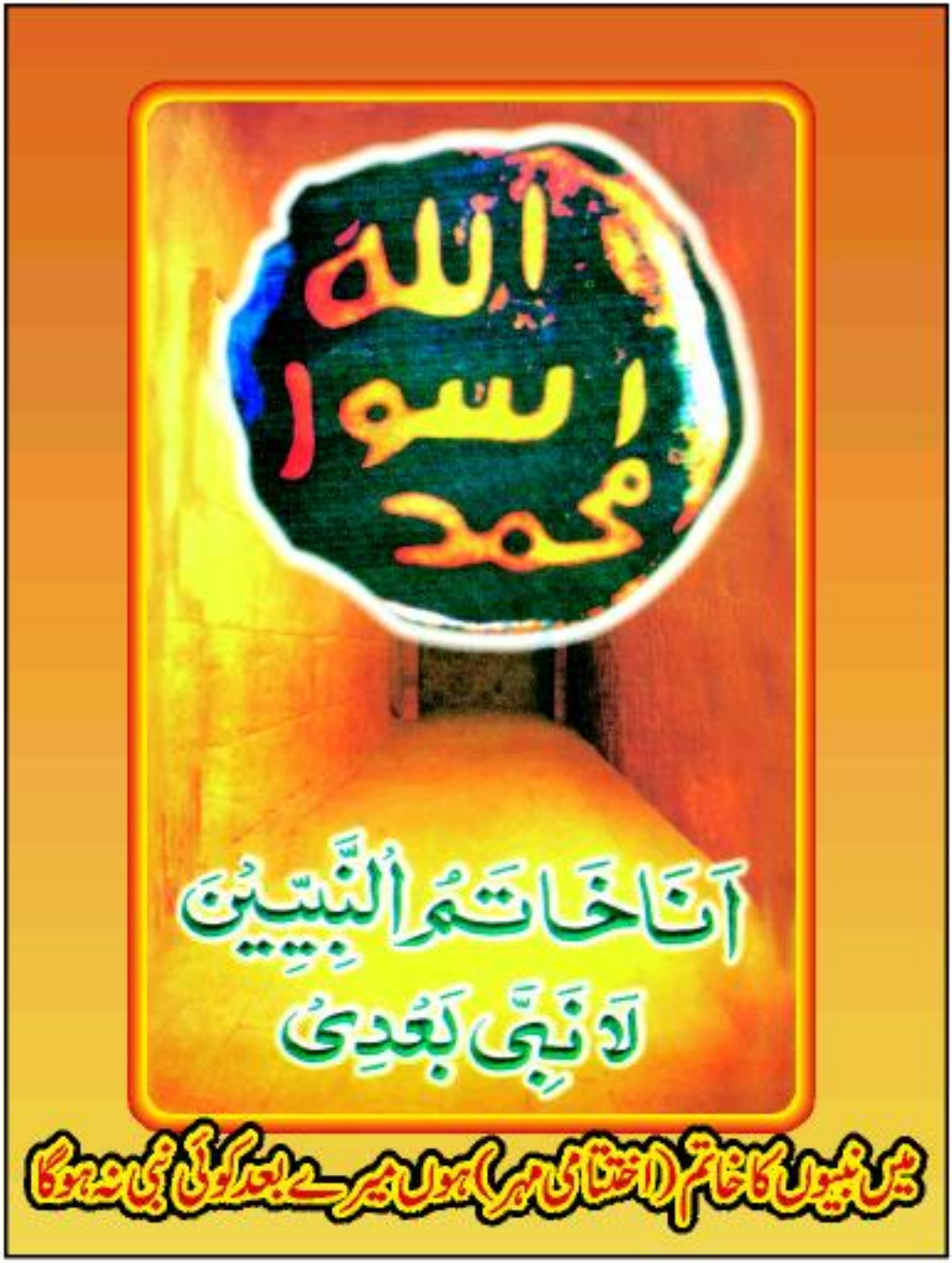
اللہ
رسول
محمد
اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ
لَا نَبِيَّ بَعْدِیْ
میں نبیوں کا خاتم (اختتامی مہر) ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

اے گروہ جن و انس کے اگر تم میں یہ طاقت ہے کہ زمین و آسمانوں کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو ہم بھی دیکھیں، نکلو مگر ماسوائے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت کے تم نہیں نکل سکتے لہٰذا تم اپنے رب کے کن کن انعامات سے انکار کرو گے۔







چاند کی سطح سے کرہ ارض کا نظارہ زمین سے چاند تک پرواز اور اس پر انسانی قدم

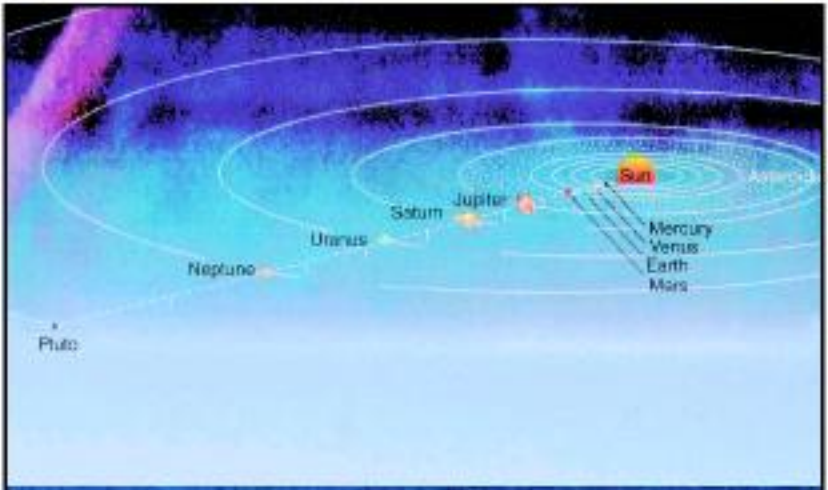

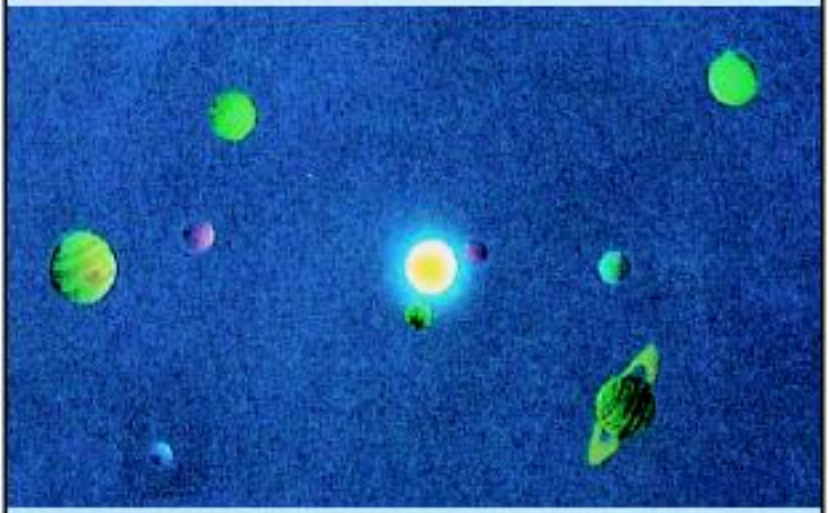

ہم جس نظام شمسی کا حصہ ہیں اس میں سورج کے گرد بشمول زمین جملہ سیارگان گردش کرتے نظر آ رہے ہیں۔





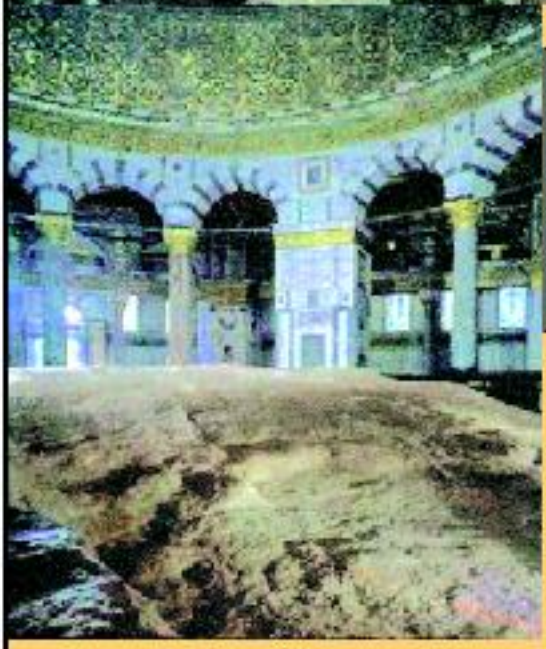

حرم القدس کی حدود میں واقع دوسری اہم اور خوبصورت عمارت "قبۃ الصخرہ" یروشلم کے شہر میں واقع ایک قدرتی چٹان پر تعمیر کی گئی ہے۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے اسے انتہائی خوبصورت اور محنت سے تعمیر کروایا تاکہ مسلمان عیسائیوں کے شاندار گرجا گھروں سے مرعوب نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ شاہکار تعمیر عجائبات عالم میں سے ہے مگر مسلمانوں کی نااہلی ہے کہ وہ اپنے اس ورثے کی اہمیت اور سحر انگیز خوبصورتی سے دنیا کو آگاہ نہیں کر سکے۔ دائیں طرف مسجد کے مرکزی ہال کا گنبد اور سلاطین اسلام کے تعمیر کردہ مینار بھی نظر آ رہے ہیں۔

مسجد کے صحن میں نسبتاً اونچی جگہ واقع وہ چٹان جس پر گنبد صخرہ تعمیر کیا گیا ہے

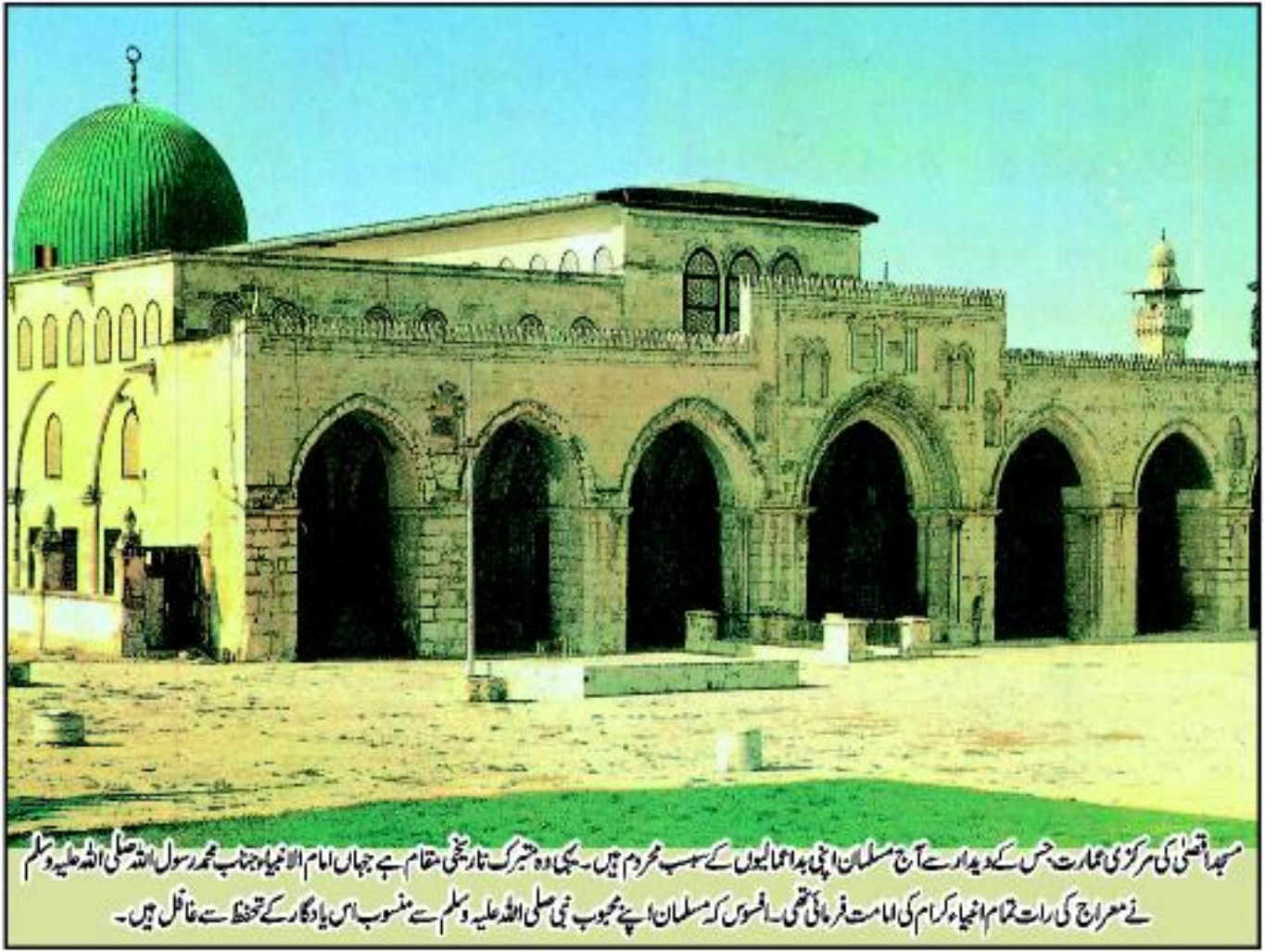

مسجد اقصیٰ کی مرکزی عمارت جس کے دیدار سے آج مسلمان اپنی بداعمالیوں کے سبب محروم ہیں۔ یہی وہ متبرک تاریخی مقام ہے جہاں امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات تمام انبیاء کرام کی امامت فرمائی تھی۔ افسوس کہ مسلمان اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب اس یادگار کے تحفظ سے غافل ہیں۔

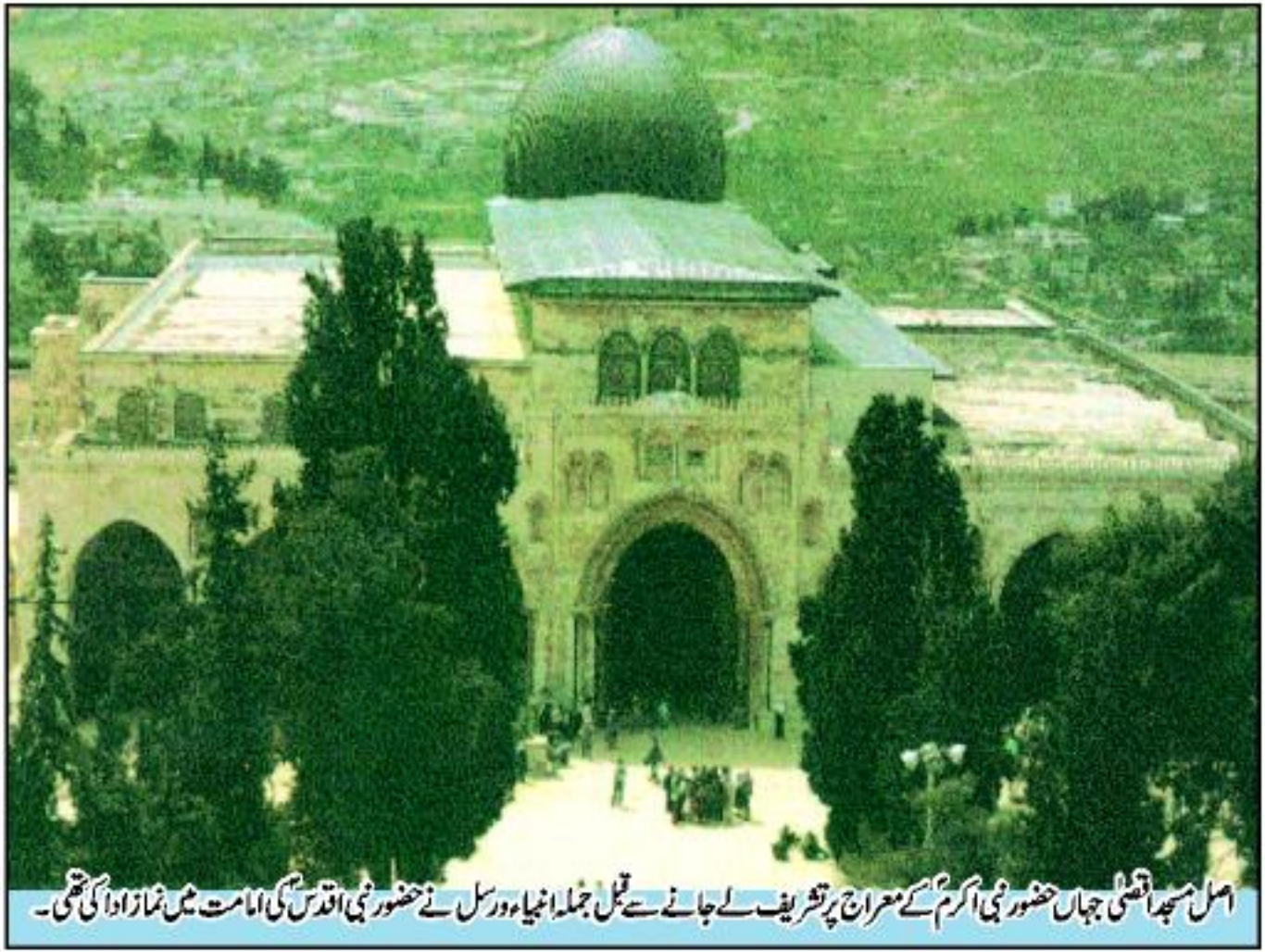

اصل مسجد اقصیٰ جہاں حضور نبی اکرمؐ کے معراج پر تشریف لے جانے سے قبل جملہ انبیاء ورسل نے حضور نبی اقدسؐ کی امامت میں نماز ادا کی تھی۔


شمال
مغرب
مشرق
جنوب
۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
۸
۹
۱۰
۱۱
۱۲
۱۳

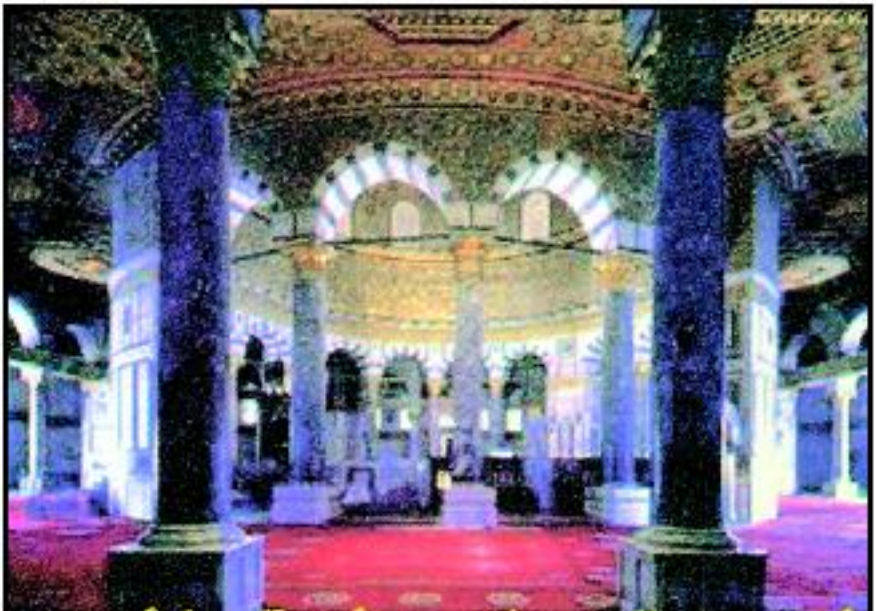

گنبد صخرا (صخرہ عربی میں چٹان کو کہتے ہیں) کا اندرونی منظر۔ یہ عمارت اپنی منفرد کن خوبصورتی کی بناء پر دنیا کی ان گنی چنی عمارتوں میں سے ہے جنہیں بجا طور پر کئی نوع انسان کا تاریخی ورثہ قرار دیا جا سکتا ہے مگر یہود کی سازش سے اسے عالمی سطح پر اس کا جائز مقام نہیں مل پاتا



مسجد اقصیٰ کے محراب و منبر کا ایک دلکش منظر۔ یہ خوبصورت، پرشکوہ اور باوقار جگہ اللہ کے بے شمار مقرب بندوں کی سجدہ گاہ رہی ہے۔

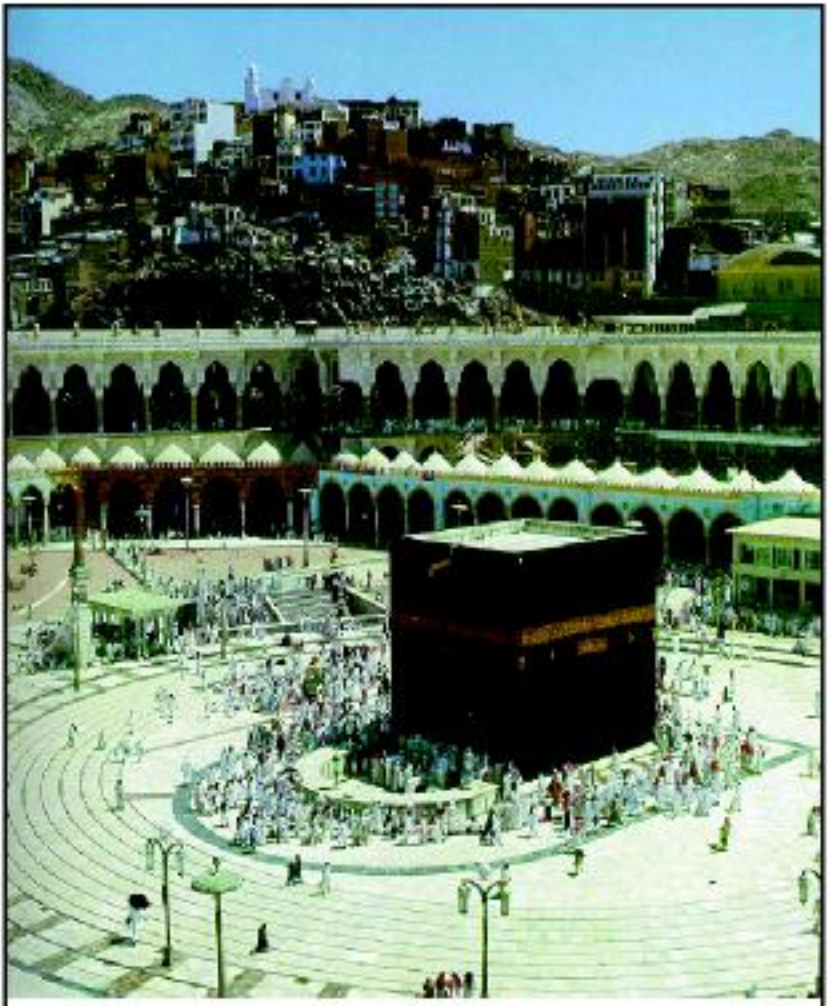

کعبۃ اللہ کی عمارت کا لازمی حصہ حطیم جو نصف کرہ کی صورت میں دو فٹ اونچائی تک تعمیر شدہ ہے جس پر کعبۃ اللہ کی دیواریں بوجود تعمیر نہ کی جا سکیں لیکن طواف کعبۃ اللہ کے دوران اس کے باہر سے چکر لگایا جاتا ہے اس کے پس منظر میں پہاڑی کی چوٹی پر مسجد بلال کی تعمیر نظر آرہی ہے جہاں شق القمر کا واقعہ پیش آیا اب اس پہاڑی پر شاہی محلات تعمیر شدہ ہیں اور پرانی مساجد منہدم ہو چکی ہیں۔

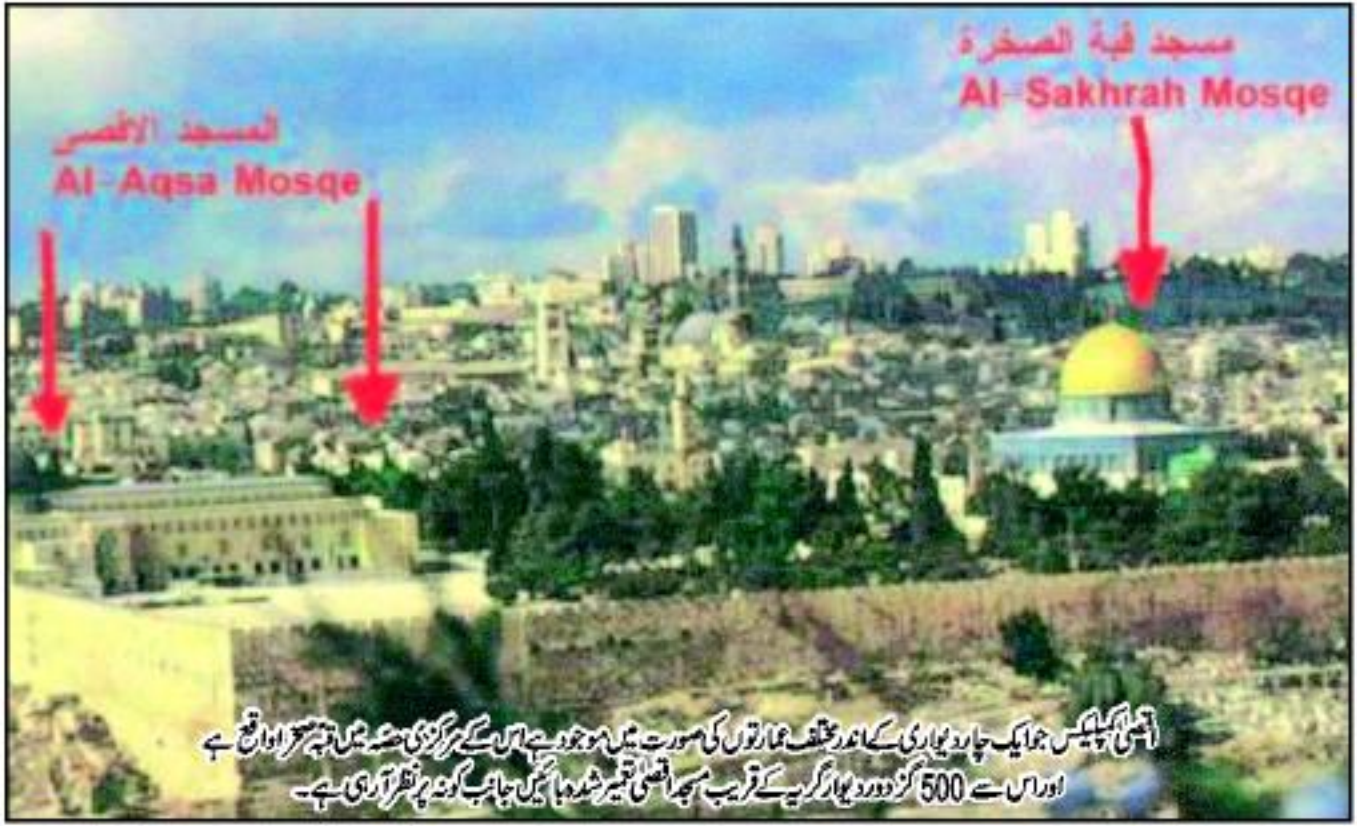

اقصیٰ کمپلیکس جو ایک چار دیواری کے اندر مختلف عمارتوں کی صورت میں موجود ہے اس کے مرکزی حصہ میں قبۃ صخرا واقع ہے
اور اس سے 500 گز دور دیوار گریہ کے قریب مسجد اقصیٰ تعمیر شدہ بائیں جانب کونہ پر نظر آرہی ہے۔



قبہ صخرا (Dome of Rock) جس کو صہیونی سازش کے تحت مسجد اقصیٰ سے منسوب کر دیا گیا ہے

جو دراصل مسجد اقصیٰ نہ ہے بلکہ اس سے پانچ صد گز کے فاصلہ پر اصل مسجد اقصیٰ تعمیر شدہ ہے

جس کو یہودی شہید کر کے وہاں سلیمانی ہیکل تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔